تالیف:
حضرت مولانا سید احمد حسن محدث دہلوی رحمہ اللہ
تفسیر
احسن التفاسیر
اردو
www.KitaboSunnat.com
ہدیہ منجانب
بلال گروپ آف انڈسٹریز
لاہور کراچی

وقف

سورة فاتحة الكتاب سبعة آيات مكية

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العلمين الرحمن الرحيم

ملك يوم الدين اياك نعبد

في كتاب مكنون

وقف

وقف
وإياك نستعين اهدنا الصراط
المستقيم صراط الذين أنعمت عليهم
غير المغضوب عليهم ولا الضالين
وقف

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا

قرآن مجید مترجم

ترجمہ حضرت شاہ عبد القادر صاحب دہلوی المتوفی سنہ ۱۲۳۰ھ

مع تفسیر

احسن التفاسیر

اردو

جس میں احادیث حسنہ صحیحہ اور اقوال صحابہؓ و دیگر سلف سے قرآن حکیم کی تفسیر کی گئی ہے اور صحت روایت کا حد درجہ خیال رکھتے ہوئے معتبرہ و مسلمہ تفاسیر مثلاً تفسیر ابن جریر، ابن کثیر، معالم، خازن، درمنثور اور فتح البیان کے اہم مطالب کا بہترین انتخاب ہے۔ نیز آیات کریمہ کے شان نزول... بہ التزام صحت سند لائے گئے ہیں۔

از تالیفات عالیہ

عمدۃ المفسرین، سند المحدثین، علامۂ زمن حضرت مولانا سید احمد حسن (المتوفی سنہ ۱۳۳۸ھ) تغمدہ اللہ بغفرانہ

مصنف تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ وغیرہ۔

مع تعلیق وتخریج احادیث

جلد پنجم (۵)

(جو منزل پنجم ۵ پر مشتمل ہے)

المکتبۃ السلفیۃ شیش محل روڈ، لاہور ۲

سلسلہ مطبوعات نمبر ۹

طابع :- حافظ احمد شاکر

ناشر :- المکتبۃ السلفیہ۔ لاہور

مطبوعہ :- المطبعۃ العربیہ۔ لاہور

قیمت مجلد :-

طبع اوّل (محرم الحرام ۱۴۰۱ھ، نومبر ۱۹۸۰ء)

فہرست مطالب تفسیر احسن التفاسیر جلد پنجم (۵)

تمت

تفسیر
احسن التفاسیر
منزل پنجم (۵)
۱۲ ——— ۳۰۸
الشعراء ——— یٰسین

المنزل الخامس (۵)

ایاتھا ۲۲۷ —— (۲۶) سورۃ الشعراء مکیۃ (۴۷) —— رکوعاتھا ۱۱

اگرچہ بعضے سلف نے اس سورہ کی بعض آخری آیتوں کو مدنی قرار دیا ہے لیکن یہ ایک جگہ گذر چکا ہے کہ جس سورہ کا شروع کا حصہ مکی ہو وہ سورہ مکی کہلاتی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

طٰسٓمّٓ ۝۱ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۳ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝۴

یہ آیتیں ہیں کھلی کتاب کی شاید تو گھونٹ مارے اپنی جان اس پر کہ وہ یقین نہیں کرتے اگر ہم چاہیں اُتاریں ان پر آسمان سے ایک نشانی پھر رہ جاویں ان کی گردنیں اس کے آگے نیچی

(۱تا۴) شروع سورہ میں جو طٰسٓمّٓ ہے یہ حروف مقطعات ہیں جو سورتوں کے اول میں آتے ہیں ان حروف کا ذکر سورہ بقرہ میں[1] بیان ہو چکا ہے کتاب کے لفظ سے مطلب قرآن شریف ہے اور مبین کے معنی اُس واضح اور روشن کے ہیں جس سے حق و ناحق کا فیصلہ ہو جاوے باخع کے معنے ہلاک کرنے والا مشرکین مکہ کے ایمان نہ لانے کے رنج کو دور کرنے کے لئے یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے یہ آیت مثل سورہ فاطر کی آیت کریمہ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ الاٰیۃ کے ہے سورہ فاطر کی آیت اور اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے مشرکین مکہ کے ایمان نہ لانے پر زیادہ رنج کرنے سے اپنے رسول کو منع فرمایا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگردوں میں سے عکرمہ اور قتادہؒ نے باخع نفسک کی تفسیر قاتل نفسک کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اے رسول اللہ کے ان مشرکوں کے ایمان نہ لانے کے رنج میں تم اپنی جان کو ہلاک نہ کرو اس تسلی کے بعد فرمایا کہ اگر اللہ چاہتا تو آسمان سے ایسی نشانی اتارتا کہ ان کو جبراً و قہراً ایمان لانا پڑتا مگر ایسا مجبوری کا ایمان اللہ تعالےٰ کو پسند نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے دنیا کو نیک و بد کے امتحان کے لئے پیدا کیا ہے مجبوری کی حالت میں وہ امتحان کا موقع باقی نہیں رہتا سورہ الم السجدۃ میں آوے گا کہ اگر اللہ چاہے تو ہر ایک جن اور انسان کو نیک کر دیوے لیکن دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اپنے علم ازلی کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالےٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ جب جن و انس کو

[1] ص ۶۹ جلد اول

وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنَ الرَّحْمَٰنِ مُحْدَثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ ⑤

اور نہیں پہنچتی ان پاس کوئی نصیحت رحمن سے نئی جس سے منہ نہیں موڑتے

نیک و بد کا اختیار دیا جا کر دنیا میں پیدا کیا جاوے تو اس قدر جن و انس اپنے اختیار سے نیک کام کریں گے اور اس قدر برے کام کریں گے اور پھر نیکوں کو جنت میں داخل کیا جاوے گا اور بد جن و انس کو دوزخ میں جھونکا جائے گا، تبارک الذی میں آوے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انصاف کے موافق جزا و سزا کا مدار اپنے علم ازلی پر نہیں رکھا بلکہ دنیا کی ظاہری حالت پر رکھا ہے جیسا کوئی کرے گا ویسا ہی پھل پاوے گا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ[۱] سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کی نصیحت کی مثال مینہ کے پانی کی اور اچھے برے لوگوں کی مثال اچھی بری زمین کی بیان فرمائی ہے حاصل کلام یہ ہے کہ ابتدائے اسلام کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا حد سے زیادہ رنج تھا کہ باوجود ہر وقت کی نصیحت کے تمام مشرکین مکہ راہ راست پر کیوں نہیں آتے اور آپ کے رنج کے سبب سے آپؐ کے ساتھ کے مسلمانوں کو بھی یہی رنج تھا اب رفتہ رفتہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی اکثر آیتوں میں اپنے رسولؐ کو یہ بتلا دیا کہ اگر اللہ چاہے تو تمام جنات اور انسان راہ راست پر آجاویں لیکن دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے علم ازلی کے نتیجہ کے طور پر لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے اس کے برخلاف کسی بات کو اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا بلکہ اللہ تعالیٰ کو اسی نوشتہ تقدیری کے موافق دنیا کا چلانا منظور ہے تو اللہ کے رسولؐ کی خود بھی تسکین ہو گئی اور ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث کی مثال سے آپؐ نے مسلمانوں کو بھی سمجھا دیا کہ جو لوگ علم ازلی میں بد قرار پا چکے ہیں ان کے حق میں دین کی نصیحت ایسی رائگاں ہے جس طرح بری زمین میں مینہ کا پانی رائگاں جاتا ہے۔

(۵) اس آیت سے فرقہ معتزلی[۲] نے یہ مطلب جو نکالا ہے کہ قرآن شریف مخلوقات کے کلام کی طرح ایک نو پیدا چیز ہے اور مطلب ان کا اس سے یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ میں بولنے کی صفت نہیں ہے بلکہ اس نے پیڑ میں کلام پیدا کر دیا جس کو حضرت موسیٰؑ نے سن لیا اور لوح محفوظ میں کلام پیدا کر دیا جس کو حضرت جبرئیلؑ نے انبیا کو پہنچا دیا یہ مطلب ان کا بالکل غلط ہے کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے کلام اور مخلوقات کے کلام میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا کس واسطے کہ آخر بندوں میں بھی قوت کلام کرنے کی اللہ نے ہی پیدا کی ہے پھر انسان اور پیڑ میں اس وقت کا پیدا کرنا برابر ہے حالانکہ مشرکین مکہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں جگہ جگہ اس سبب سے کافر فرمایا ہے کہ وہ لوگ قرآن کو بشر کا کلام کہتے تھے بلکہ اہل سنت اور تمام سلف کا مذہب قرآن شریف کے باب میں یہ ہے کہ قرآن شریف قدیم اور خاص اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اللہ تعالیٰ سے یہی الفاظ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سنے اور اللہ کے حکم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی الفاظ جبرئیل علیہ السلام کی معرفت پہنچے اور آنحضرتؐ کی معرفت امت کے لوگوں کو پہنچے اب جو لوگ قرآن شریف پڑھتے ہیں یہ آواز تو البتہ لوگوں کی ہے مگر کلام اللہ کا ہے جس طرح کوئی چوبدار لفظ بلفظ کسی بادشاہ کا کوئی حکم لوگوں کو سنائے تو آواز چوبدار کی کہلائے گی اور حکم بادشاہ کا کہلاوے گا مسند امام احمد ترمذی ابوداؤد نسائی ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں معتبر سند سے جابرؓ کی یہ حدیث

[۱] مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ فصل اول۔ [۲] دوسری صدی ہجری کا ایک بدعتی اور گمراہ فرقہ جس کا امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ محدثین نے ہر طریقے سے مقابلہ کیا (ع۔ ح۔)

فَقَدْ كَذَّبُوا فَسَيَأْتِيهِمْ أَنْبَٰؤُا مَا كَانُوا بِهِۦ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٦﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى

سو یہ جھٹلا چکے اب پہنچے گی ان پر حقیقت اس بات کی جس پر ٹھٹھے کرتے تھے کیا نہیں دیکھتے

ٱلْأَرْضِ كَمْ أَنۢبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ﴿٧﴾ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَةً ۖ وَمَا كَانَ

زمین کو کتنی اگائیں ہم نے اس میں ہر ایک بھانت کی چیزیں خاصی اس میں البتہ نشانی ہے اور وہ

کہ موسم حج پر آنحضرت ؐ نے لوگوں سے یہ فرمایا کہ میں اللہ کا کلام لوگوں کو سناتا ہوں اور سوا اس کے بہت سی آیتیں اور حدیثیں اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ قرآن شریف اللہ کا فرمایا ہوا کلام ہے غرض ان گمراہ فرقوں نے یہ جو کہا ہے کہ اللہ کے کلام کے یہ معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں بولنے کی قوت پیدا کر دیتا ہے یا یہ کہ قرآن شریف کلام تو حضرت جبرئیل کا ہے لیکن مطلب وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذات پاک میں تھا یہ سب غلط مذہب ہیں اور اہل سنت نے بڑی تفصیل سے ان غلط مذہبوں کو نامعتبر ٹھہرایا ہے اس صورت میں معنے آیت کے یہ ہیں کہ مشرکوں پر جو حکم نیا اترتا ہے وہ اس سے منہ پھیرتے ہیں یہ معنے نہیں ہیں کہ اللہ کا کلام نیا اور نو پیدا ہے بلکہ اللہ کا کلام قدیم ہے جن پر اترتا ہے ان کو نیا ہے جس طرح کوئی شخص مثلاً دہلی کی جامع مسجد کو آج دیکھے تو اس کے دیکھنے کے حساب سے یہ کہا جاوے گا کہ اس نے ایسی نئی مسجد آج دیکھی ہے کہ عمر بھر کبھی نہیں دیکھی تھی اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جامع مسجد شاہجہان نے آج نئی بنائی ہے حاصل کلام یہ ہے کہ ہزار گیارہ سو برس سے اہل سنت اور مخالف فرقوں کی بحث اس مسئلہ میں اور صفات الٰہی کے مسئلوں میں چلی آتی ہے صدہا کتابیں خاص اس مسئلہ کے باب میں تصنیف ہوئیں جعد بن درہم اس مسئلہ کا ایجاد کرنے والا ہشام بن عبدالملک کی خلافت میں خالد حاکم عراق کے ہاتھ سے اس مسئلہ کی ایجاد کی تقصیر پر قتل ہوا تفصیل اس مسئلہ کی حدیث کی شرح کی کتابوں میں[1] ہے مختصر طور پر اس مسئلہ کا ذکر اس خیال سے کر دیا گیا ہے کہ تفسیر کشاف[2] اور اس قسم کی تفسیروں کو دیکھ کر کوئی مسلمان دھوکے میں نہ پڑ جاوے صحیح بخاری و مسلم[3] میں عدی بن حاتم سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن حساب و کتاب کے وقت اللہ تعالیٰ ہر شخص سے بلا واسطہ کلام کرے گا اس صحیح حدیث سے فرقہ معتزلی کا وہ اعتقاد کسی طرح سے صحیح نہیں قرار پا سکتا کہ خود اللہ تعالیٰ کی ذات میں بولنے کی صفت نہیں ہے کیونکہ جب اس حدیث میں واسطہ کو اڑا دیا گیا ہے تو پھر لوح محفوظ یا پیڑ یا اور کسی چیز کا واسطہ کہاں سے آ سکتا ہے۔

(۶ تا ۲۲) یہ مسخراپن کا نتیجہ بدر کی لڑائی میں معلوم ہوا جس کا ذکر انس بن مالکؓ کی صحیح روایتوں سے ایک جگہ گزر چکا ہے آگے فرمایا کہ کیا نہ دیکھا انہوں نے غور سے زمین کی طرف کہ کس طرح اگائے ہم نے اس میں طرح طرح کے جوڑے میووں کے اور ہر قسم کی کھیتی یہ منکرین حشر کو قائل کیا ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح سوکھی زمین سوکھا اناج کا دانہ اور سوکھی ہر ایک پھل کی گٹھلی سب مردہ کے مانند ہوتے ہیں خدا کی قدرت سے مینہ برستا ہے جس سے زمین زندہ چیزوں کی طرح تر و تازہ ہو جاتی ہے اور ہر اناج کے دانہ اور میوہ کی گٹھلیوں میں وہ جان پڑ جاتی ہے کہ ایک دانہ سے ہزاروں دانے اور ایک گٹھلی سے ہزاروں پھل پیدا ہو جاتے ہیں اسی طرح دوسرے صور سے پہلے ایک مینہ برسے گا جس سے ان منکرین حشر کے جسم بن کر تیار ہو جاویں گے اور جس طرح ماں کے پیٹ میں پتلہ تیار ہو جانے کے بعد اس میں روح پھونک دی گئی ہے اسی طرح ان جسموں میں روح پھونک دی جاوے گی صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں دوسرے صور سے پہلے

[1] فتح الباری ص ۰۰ ج ۶ طبع دہلی۔

[2] محمود جار اللہ زمخشری زمخشری ۵۳۸ھ کی مشہور تفسیر (ع۔ ح)

[3] مشکوٰۃ باب الحساب والقصاص والمیزان فصل اول

ع ۱ ۵

أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝٨ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝٩ وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ
بہت لوگ نہیں ماننے والے — اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا — اور جب پکارا تیرے رب نے

مُوسَىٰ أَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝١٠ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۚ أَلَا يَتَّقُونَ ۝١١ قَالَ رَبِّ
موسیٰؑ کو کہ جا اس قوم گنہگار پاس — فرعون کی قوم کیا — ڈر نہیں — بولا اے رب

إِنِّي أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ ۝١٢ وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ
میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھٹلا دیں — اور رُک جاتا ہے میرا جی — اور نہیں چلتی ہے میری زبان سو پیغام دے

إِلَىٰ هَارُونَ ۝١٣ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنبٌ فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ ۝١٤ قَالَ كَلَّا ۖ
ہارون کو — اور ان کو مجھ پر ہے ایک گناہ کا دعویٰ سو ڈرتا ہوں کہ مجھ کو مار ڈالیں — فرمایا کوئی نہیں

اس مینہ کا ذکر تفصیل سے ہے صحیح بخاری ومسلم کے حوالہ سے انس بن مالکؓ کی حدیث سورہ انفال میں گزر چکی ہے کہ ابوجہل نے قرآن کی آیتوں کے جھٹلانے کے طور پر مسخراپن سے یہ کہا تھا کہ اگر یہ قرآن حق ہے تو ہم لوگوں پر آسمان سے پتھروں کا مینہ برسے، ابوجہل کی اس شرارت کے سبب سے بدر کی لڑائی میں ابوجہل کو زیادہ ذلیل ہونا پڑا چنانچہ جب یہ مرنے لگا تو عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کے سینہ پر چڑھ کر اس کی داڑھی پکڑ لی اور اس کو برا بھلا کہا جس کا ذکر صحیح بخاری کی انس بن مالکؓ کی روایتوں میں تفصیل سے ہے، فسأتیھم انباؤ ما کانوا بہ یستھزؤن، کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے، پھر فرمایا اس میں نشانی ہے پروردگار کی قدرت کی جس نے زمین کو بچھایا اور آسمان کو ایک اونچی چھت بنایا انسان کو اور اس کی ضرورت کی چیزوں کو پیدا کیا باوجود اس کے پھر اکثر لوگ نہیں ایمان لاتے بلکہ اس کو اور اس کے رسولوں اور کتابوں کو جھٹلاتے ہیں اور اس کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں اور منا ہی کی باتوں پر چلتے ہیں بیشک تیرا رب غالب ہے ہر شے پر اور رحیم ہے مخلوق پر اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ ماننے پر جلد مؤاخذہ نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے پھر پکڑے کا پکڑنا زبردست اب آگے اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف جانے کا حکم دیا اور پکارا اس کو کوہ طور کے داہنے طرف سے اور کلام کیا اس کے ساتھ اور رسول بنایا اس کو اور چن لیا اس کو اس حکم کی تعمیل کے لیے موسیٰ علیہ السلام نے جو عذر کیا وہ یہ تھا کہ میں ڈرتا ہوں اس سے کہ فرعونی لوگ مجھ کو جھٹلاویں اور مجھ کو غصہ آجاوے اور میں طاقت لسانی بھی نہیں رکھتا کیونکہ بوجہ لکنت کے صاف بول نہیں سکتا اس لیے میرے ساتھ ہارونؑ کو بھی رسول بنایا جاوے علاوہ اس کے فرعون والوں کا مجھ پر یہ الزام ہے کہ میں نے ان کا ایک آدمی مار ڈالا تھا اس واسطے مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھ کو قتل کر ڈالیں یہ عذر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیش کئے اور ان عذروں کے دور کرنے کی اللہ تعالیٰ سے التجا کی جس کا ذکر سورہ طٰہٰ میں ہے قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي، مطلب یہ ہے کہ یا اللہ میرے دل میں سخت باتوں کی برداشت پیدا کر دی جاوے تاکہ میں نبوت کی خدمت کو بردباری سے ادا کر سکوں اور میری زبان میں توتلاپن جو ہے جاتا رہے تاکہ پیغام نبوت پورا ادا ہو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ جس کا مطلب یہ ہے کہ اے موسیٰ تمہاری التجا قبول ہو گئی حضرت موسیٰؑ نے سینے کی کشادگی کا سوال اس واسطے کیا کہ غصہ نہ آئے اور زبان سے گرہ کا کھلنا اس واسطے چاہا کہ بچپن میں زبان جل گئی تھی اچھی طرح بات نہ کر سکتے تھے اس واسطے آپ کی التجا یہ تھی کہ وہ بات جاتی رہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان کے جل جانے کا قصہ سورہ طٰہٰ میں گزر چکا اور قبطی کے مار ڈالنے کا خوف حضرت موسیٰؑ کے دل میں تھا جس کے سبب سے

فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ⑮ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ

تم دونو جاؤ لے کر ہماری نشانیاں ہم ساتھ تمہارے سنتے ہیں سو جاؤ فرعون پاس اور کہو ہم پیغام لائے ہیں جہان کے

الْعٰلَمِيْنَ ⑯ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ⑰ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا

صاحب کا کہ بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بولا کیا نہیں پالا ہم نے تجھ کو اپنے اندر لڑکا سا

وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ⑱ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ

اور رہا تو ہم میں اپنی عمر میں سے کئی برس اور کر گیا تو اپنا وہ کام جو کر گیا اور تو ہے

الْكٰفِرِيْنَ ⑲ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ⑳ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا

ناشکر کہا کیا تو ہے میں نے وہ اور میں تھا چوک جانے والا پھر بھاگا میں تم سے جب تمہارا

مصر سے نکلے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا مت ڈرو اور رہے جاؤ میری نشانیاں میں تمہاری ساتھ سب باتیں سنتا ہوں جس طرح سورہ قصص میں فرمایا سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا بِاٰيٰتِنَآ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم قوت دیں گے تیرے بازو کو تیرے بھائی کے ساتھ اور دیں گے تم کو ایسا غلبہ کہ نہ پہنچ سکیں گے وہ لوگ تم تک ہماری مدد سے بلکہ تم اور جو تمہارے ساتھ ہوں گے غالب رہو گے یہ قبطی کے مار ڈالنے کا قصہ سورہ قصص میں آوے گا جس کا حاصل یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک فرعونی اور اسرائیلی کو جھگڑتے ہوئے دیکھا اس جھگڑے میں قصور فرعونی کا تھا اس لیے موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آگیا اور انہوں نے ایک گھونسا اس فرعونی کو مارا جس کے صدمہ سے وہ فرعونی مر گیا اسی خون کے الزام سے ڈر کر موسیٰ علیہ السلام مدین کو چلے گئے اور وہاں نکاح کر لیا نکاح کے بعد کچھ عرصہ تک مدین میں رہے اور مدین سے مصر کی واپسی کے وقت کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے وہ باتیں ہوئیں جن کا ذکر ان آیتوں کے شروع میں ہے اور مصر میں آنے کے بعد فرعون سے وہ باتیں ہوئیں جن کا ذکر ان آیتوں کے آخر میں ہے حضرت موسیٰ کی التجا پر جب موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام دونو نبی ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونو فرعون کے پاس جا کر کہو کہ ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں اے فرعون تو بنی اسرائیل کو اپنی قید سے اور عذاب سے چھوڑ دے وہ اللہ کے ایمان دار بندے ہیں اور ان کو ہمارے ساتھ کر دے حضرت موسیٰ خدا کا یہ پیغام پہنچا چکے تو فرعون نے حضرت موسیٰ کی طرف حقارت کی نگاہ سے دیکھ کر کہا تو تو وہی ہے جسے ہم نے پرورش کیا ہمارے گھر میں اپنی عمر کے کئی سال رہا اس کا تو نے یہ بدلا کیا کہ ایک آدمی کو ہم لوگوں میں سے جان سے مار ڈالا تو بڑا ناشکر ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے لفظ کافرین کی تفسیر ناشکر کی ہے اور اس تفسیر کو ابن جریر نے قوی ٹھہرایا ہے فرعون کی ان باتوں کا حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا کہ میں نے یہ کام اس وقت کیا کہ نہ مجھ پر وحی آئی تھی اور نہ میں نبی رسول تھا حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور مجاہد و قتادہ نے ضلالت کی تفسیر جہالت کے ساتھ کی اور کہا انا من الضالین اس لیے فرمایا کہ عربی زبان میں ضلالت کا لفظ جہالت کی جگہ اکثر بولا جاتا ہے اسی واسطے ابن جریج کا قول ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت بھی اسی طرح ہے پھر کہا حضرت موسیٰ نے کہ بھاگا میں تم سے جب ڈرا میں تم سے، اب میں اُس حالت پر نہیں ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو رسول بنا کر تیرے پاس بھیجا ہے اگر تو میری اطاعت کرے گا تو عذاب سے بچ جاوے گا اور

خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا

ڈر دیکھا پھر بخشا مجھ کو میرے رب نے حکم اور ٹھہرایا مجھ کو پیغام پہنچانے والا اور وہ احسان ہے جو تو

عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾

مجھ پر رکھے کہ غلام کرے تو بنی اسرائیل

مخالف کرے گا تو تو ہلاک ہو جاوے گا اور یہ جو تو مجھ پر احسان میری پرورش کا جتاتا ہے یہ بمقابلہ اس ظلم و زیادتی کے جو تو بنی اسرائیل کے ساتھ کر رہا ہے کچھ بھی نہیں کیونکہ تو نے ان کو غلام بنا رکھا ہے اور سخت سخت کام ان سے لیتا ہے فرعون کے گھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پرورش کا قصہ وہی فرعون کا خواب ہے جس کا ذکر سورۂ بقر میں گزر چکا ہے کہ فرعون نے خواب میں سوائے بنی اسرائیل کے محلہ کے مصر کے تمام گھروں کو آگ میں جلتے ہوئے دیکھا اور اس خواب کی یہ تعبیر قرار پائی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا ایسا پیدا ہوگا جس کے سبب سے فرعونی بادشاہت مٹ جاوے گی فرعون نے اس تعبیر سے بچنے کے لیے بنی اسرائیل کے لڑکوں کے قتل کرنے کا حکم دیا مگر تقدیر الٰہی کے آگے آدمی کی تدبیر کیا چل سکتی ہے اخیر موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور فرعونیوں کے قتل سے اللہ تعالیٰ نے انہیں بچا لیا اور موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلا کر ایک صندوق میں لٹا دیتی تھیں اور ایک رسی باندھ کر اس صندوق کو دریائے نیل میں ڈال دیا کرتی تھیں ایک دن صندوق کی رسی کھل گئی اور وہ صندوق بہتا بہتا فرعون کے گھر پہنچ گیا آسیہ فرعون کی بی بی نے وہ صندوق پانی میں سے نکلوایا اور کھولا تو اس سے ایک لڑکا نکلا، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی الفت آسیہ کے دل میں ڈال دی اس لیے آسیہ نے موسیٰ علیہ السلام کے پالنے کی اجازت فرعون سے چاہی اور فرعون نے اجازت دے دی بچپنے میں آسیہ نے ایک دن موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی گود میں دے دیا موسیٰ علیہ السلام نے آئندہ کی نبوت کے جوش میں فرعون کی ڈاڑھی نوچ ڈالی جس سے فرعون کو اندیشہ ہوا کہ شاید یہ وہی فرعونی بادشاہت کو مٹانے والا لڑکا ہے۔ اس اندیشہ کے سبب سے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا قصد کیا مگر آسیہ نے فرعون کو سمجھایا کہ ناسمجھ بچہ کی بات کا کچھ خیال نہ کرنا چاہیے اخیر میاں بی بی کی قیل و قال کے بعد یہ صلاح ٹھہری کہ ایک رکابی میں آگ کے دہکتے ہوئے انگارے اور دوسری رکابی میں کچھ جواہرات ڈال کر دونوں رکابیاں اس بچہ کے سامنے رکھ دی جاویں اگر یہ بچہ جواہرات کی رکابی میں ہاتھ ڈالے تو جان لینا کہ سمجھ دار ہے اور اگر انگاروں کی رکابی میں ہاتھ ڈال دیوے تو ناسمجھ ہے جس وقت یہ دونوں رکابیاں موسیٰ علیہ السلام کے سامنے رکھی گئیں تو موسیٰ علیہ السلام چاہتے تھے کہ جواہرات کی رکابی میں ہاتھ ڈالیں لیکن جبرئیل علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر انگاروں کی رکابی میں ڈال دیا اور ایک انگارہ ان کے منہ میں بھی دے دیا جس سے ان کی زبان جل کر توتلی ہو گئی، ان آیتوں میں ولا ینطلق لسانی کے لفظوں سے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زبان کے اس توتلے پن کے مطلب کو ادا کیا ہے۔ فرعون کے خواب کا قصہ اور موسیٰ علیہ السلام کے زبان جل جانے کا قصہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگردوں میں سے مجاہد اور سعید بن جبیر کے قول کے موافق تفسیر سدی اور تفسیر ابن جریر میں معتبر سند سے ہے۔ اس تفسیر میں سفیان ثوری کا یہ قول ایک جگہ گزر چکا ہے کہ تفسیر کے باب میں مجاہدؒ اور سعیدؒ بن جبیر کی روایت کا بڑا اعتبار ہے سفیان بن سعید ثوریؒ معتبر تبع تابعین میں ہیں حدیث کی سب کتابوں میں ان سے روایتیں

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا
بولا فرعون کیا معنی جہان کا صاحب کہا صاحب آسمان و زمین کا اور جو ان کے بیچ میں ہے

اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ
اگر تم یقین کرو۔ بولا اپنے گرد والوں سے تم نہیں سنتے ہو کہا صاحب تمہارا اور صاحب تمہارے

ہیں یہ آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بی بی جنہوں نے فرعون سے موسیٰ علیہ السلام کے پالنے کی اجازت لی بنی اسرائیل میں بڑی کامل عورتوں میں سے ہیں چنانچہ صحیح بخاری میں ابوموسیٰ اشعریؓ[1] سے اور ترمذی میں انس بن مالکؓ[2] سے جو روایتیں ہیں ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں میں سے تو بہت کامل لوگ گزرے مگر عورتوں میں مریم بنت عمران خدیجہ بنت خویلد فاطمہ بنت محمدؐ اور آسیہ بنت مزاحم یہ چار عورتیں کامل ہیں، فرعون کو جب آسیہ کی توحید الٰہی پر قائم ہو جانے کا حال معلوم ہو گیا تو اس ظالم نے طرح طرح کے عذاب سے آسیہ کو شہید کیا مگر آسیہ رحمہا اللہ نے ان سب عذابوں کو جھیلا اور مرتے دم تک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو نہیں چھوڑا۔

(۲۳ تا ۳۰) جب مدین سے مصر آتے وقت حضرت موسیٰ کو نبوت عطا ہوئی اور اُس کی قوم کو ہدایت کرنے کا اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا جس کا قصہ آگے سورہ قصص میں آوے گا اور مدین کے سفر سے حضرت موسیٰ مصر پہنچے تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے موافق حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون دونوں مل کر اللہ کا حکم پہنچانے کی غرض سے فرعون کے محل کے دروازہ پر گئے دستک دی دروازہ کے دربانوں نے پوچھا تم کون ہو حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا ہم اللہ کے رسول اور قاصد ہیں اور فرعون کی ہدایت کو آئے ہیں فرعون کی قوم میں چار سو برس سے یہ بات پھیلی ہوئی تھی کہ وہ لوگ فرعون کو اپنا خدا جانتے تھے اس لیے دربانوں نے حضرت موسیٰؑ کو دیوانہ خیال کیا اور فرعون سے جا کر یہی کہا کوئی دو شخص دیوانے دروازے پر آئے ہیں اور اپنے آپ کو خدا کا رسول کہتے ہیں فرعون نے کہا اچھا ان کو بلا لو کوئی گھڑی ان دیوانوں سے مسخراپن کر کے دل بہلاویں گے پھر جب حضرت موسیٰؑ اور فرعون سے باتیں ہوئیں اور اس وقت فرعون نے تعجب سے یہ کہا کہ عالم کا پروردگار کون ہے جس سے اس کا مطلب یہ تھا کہ سوا فرعون کے اور کوئی عالم کا پروردگار نہیں چنانچہ آگے آیت میں خود اللہ تعالیٰ نے اس کے قول کی صراحت فرمائی ہے کہ اس نے حضرت موسیٰؑ سے اخیر کو کہا کہ تم اگر میرے سوا کسی اور کو معبود قرار دو گے تو میں تم کو قید کر دوں گا غرض مفسرین سلف نے اس آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے جو بیان کی گئی سوا اس تفسیر کے مفسرین متاخرین نے تفسیر قرآنی میں علم منطق کو دخل دے کر یہ جو کہا ہے کہ فرعون کا مطلب اس سوال سے یہ تھا کہ حضرت موسیٰؑ فرعون کو خدا کی کچھ ماہیت اور اصلیت تبلاویں یہ قول قرآن شریف کے مطلب کے مخالف ہے قرآن شریف کی چند آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون خدا کے وجود کا منکر تھا اور لوگوں سے صاف کہتا تھا انا ربکم الاعلیٰ. ماعلمت لکم من الٰہ غیری پھر جو شخص کسی چیز کے موجود ہونے کا ہی منکر ہو وہ انکاری چیز کی ماہیت اور اصلیت کیا پوچھے گا حاصل کلام یہ ہے کہ صحیح طریقہ قرآن کی تفسیر کا یوں ہے کہ اول تو قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کی جائے پھر حدیث صحیح سے پھر آثار صحابہؓ سے اس آیت کی تفسیر جب خود قرآن کی دوسری آیتوں میں موجود ہے تو قواعد عقلی کی مداخلت کی کیا ضرورت ہے فرعون کی بادشاہت کچھ دور دور تک نہیں تھی چنانچہ ملک مصر تک

[1] مشکوٰۃ باب بدء الخلق فصل اول، [2] مشکوٰۃ باب مناقب ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فصل دوسری۔

ءَابَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٦﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٢٧﴾

اگلے باپ دادوں کا بولا تمہارا پیغام والا جو تمہاری طرف بھیجا ہے سو باولا ہے

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالَ لَىِٕنِ

کہا رب مشرق کا اور مغرب کا اور جو ان کے بیچ ہے اگر تم بوجھ رکھتے ہو بولا اگر تو نے ج

اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٠﴾

ٹھہرایا کوئی اور حاکم میرے سوا تو مقرر ڈالوں گا تجھ کو قید میں کہا اور جو لایا ہوں تیرے پاس ایک چیز کھول دینے والی

فرعون کی بادشاہت تھی اور ملک شام عمالقہ کی حکومت اور بادشاہت تھی اسی واسطے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو یوں قائل کیا کہ اتنے چھوٹے سے ملک کی بادشاہت اور حکومت پر تیرا خدائی کا دعویٰ بالکل غلط ہے خدا تو وہ ہے جس کی بادشاہت آسمان اور زمین میں مشرق سے مغرب تک ہے آسمان سے جب وہ چاہتا ہے مینہ برستا ہے نہیں تو قحط پڑ جاتا ہے زمین میں مشرق سے مغرب تک بڑے بڑے بادشاہوں کو جب وہ چاہتا ہے بیمار ڈال دیتا ہے مار ڈالتا ہے تجھ سے پہلے جو تیرے بڑے بوڑھے مصر کے بادشاہ تھے اخیر وہ کہاں گئے اور ان کی بادشاہت تجھ کو کیوں کر مل گئی، ان آنکھوں سے دکھائی دیتے ہوئے چیزوں کے سمجھنے اور ان پر یقین لانے کی اگر تجھ کو اور تیرے درباریوں کو عقل ہے تو یہ ایسی باتیں ہیں کہ ان پر ہر عقلمند دھیان کر کر خدا کو پہچان سکتا ہے، فرعونی لوگ ایک مدت سے فرعون کو خدا کہتے تھے اس لیے فرعون نے پہلے تو اپنے دربار کے فرعونیوں کو الاتسمعون کہہ کر ابھارا جس سے اُس کا مطلب یہ تھا کہ ان درباری فرعونیوں کے دل میں یہ بات جم جاوے کہ موسیٰ علیہ السلام جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ ان لوگوں کے بڑوں کے اور ان کے اعتقاد کے برخلاف ہے، اور پھر موسیٰ علیہ السلام کو باؤلا بتلا کر ان لوگوں کے دل سے موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کو نکال دینا چاہا اور موسیٰ علیہ السلام کو یوں ڈرایا کہ اگر ان لوگوں کے ایک مدت کے اعتقاد کے برخلاف میرے سوا تم کسی کو خدا مانو گے تو میں تم کو قید کر دوں گا۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی ان باتوں کے جواب میں کوئی بات ایسی نہیں کہی تھی جس سے حق و ناحق اچھی طرح کھل جاتا اس واسطے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی بے ٹھکانے بکواس کا اتنا جواب دیا کہ اگر حق و ناحق کی کھول دینے والی کوئی چیز میں دکھا دوں تو کیا پھر بھی ناانصافی سے تو مجھ کو قید کر دے گا صحیح بخاری و مسلم[1] کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی روایت ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اپنے علم ازلی کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کون شخص جنت میں داخل ہونے کے قابل کام کرے گا اور کون شخص دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل اب ہر شخص دنیا میں اسی کے موافق کام کرتا ہے اور وہی کام اس کو اچھے نظر آتے ہیں اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو ایسی باتوں سے قائل کیا تھا جو آنکھوں سے دکھائی دیتے ہوئے موٹی موٹی باتیں تھیں مگر علم الٰہی میں فرعون اور اس کے ساتھی دوزخ کے قابل ٹھہر چکے تھے اس لیے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی ان سچی باتوں کو بے ٹھکانے بکواس سے اڑا دیا اور اس کے ساتھی بھی اس کے بہکانے سے بہک گئے۔

[1] مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر فصل اول

قَالَ فَأْتِ بِهِۦٓ إِن كُنتَ مِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ ﴿٣١﴾ فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ
بولا تو وہ چیز لا اگر تو سچ کہتا ہے پس ڈال دی اپنی لاٹھی تو اسی وقت وہ ناگ ہو گئی

مُّبِينٌ ﴿٣٢﴾ وَنَزَعَ يَدَهُۥ فَإِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنَّٰظِرِينَ ﴿٣٣﴾ قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهُۥٓ
صریح اور اندر سے نکالا اپنا ہاتھ تو اسی وقت وہ چٹا ہے دیکھنوں کے سامنے بولا اپنے گرد کے سرداروں سے

إِنَّ هَٰذَا لَسَٰحِرٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾ يُرِيدُ أَن يُخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُم بِسِحْرِهِۦ
یہ کوئی جادوگر ہے پڑھا چاہتا ہے کہ نکال دے تم کو تمہارے دیس سے اپنے جادو کے زور سے

فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿٣٥﴾
سو اب کیا حکم دیتے ہو۔

(۳۱، ۳۵) فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہا وہ حق اور ناحق کی کھول دینے والی کیا چیز ہے اُسے لا اگر تو سچ بولنے والوں میں سے ہے حضرت موسیٰ نے اپنے عصا کو ڈال دیا تو وہ ایک ناگ ہو گیا جس کے پاؤں اور بڑا سا منہ اور خوفناک صورت اور نکالا موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ اپنا گریبان میں سے تو ناگہاں وہ ایک سفید اس طرح چمکنے والا تھا جس طرح سورج کا ٹکڑا یہ دوسرا معجزہ دکھایا تو فرعون بدبخت نے اس کے جھٹلانے کی طرف جلدی کر کے کہا یہ تو ایسا جادوگر ہے جو اور جادوگروں سے زیادہ علم والا ہے یہ بات فرعون نے کہہ کر ان کو بہکا دیا اور یہ سوجھا دیا کہ موسیٰ کا یہ کام جادو کی قسم سے ہے معجزہ نہیں ہے پھر فرعون نے ان سرداروں کو موسیٰؑ کی مخالفت پر آمادہ کیا اور کہا یہ چاہتا ہے کہ تم کو تمہارے ملک سے اپنے جادو کے سبب سے نکال دے اب تم مجھ کو صلاح دو کہ اس کے ساتھ میں کیا معاملہ کروں معتبر سند سے مستدرک حاکم بیہقی اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ابوہریرہؓ اور سلمانؓ فارسی سے جو روایتیں[1] ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جب فرعون کو اپنی بی بی آسیہ کا شریعت موسوی کی طرف مائل ہو جانے کا حال معلوم ہو گیا تو فرعون نے چار میخیں گاڑ کر آسیہ کے ہاتھ پاؤں ان میخوں میں باندھ دیئے اور طرح طرح کی تکلیف دے کر آسیہ کو ہلاک کر ڈالا ان روایتوں کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ فرعون نے اپنی ظالمانہ عادت کے سبب سے اپنی بی بی کے ہلاک کرنے کے ارادہ میں اپنے دربار کے کسی سردار سے مشورہ نہیں لیا بلکہ اپنی رائے سے جو کچھ کرنا تھا وہ کر گزرا اسی طرح جادوگروں کو جو اس نے ہاتھ پاؤں کاٹنے اور سولی پر چڑھانے کا حکم سنایا اس میں بھی کسی سے مشورہ نہیں لیا لیکن حضرت موسیٰ کے عصا اور ید بیضا کے معجزہ کو دیکھ کر اگرچہ اس نے اپنے دربار کے سرداروں کو بہکایا کہ یہ جادو ہے مدد غیبی کی اس میں کوئی بات نہیں ہے مگر دل میں وہ سمجھ گیا کہ جادو کی چیزوں کا دل پر ایسا خوف نہیں ہوتا جیسا خوف اس لکڑی کے سانپ سے ہوا تعجب نہیں کہ جادو سے بڑھ کر اس میں کوئی بھید ہو اس لیے بغیر مشورہ دربار کے سرداروں کے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کسی بدسلوکی سے پیش آنے کی اس کی جرأت نہیں ہوئی پہلے فرعون نے دربار کے موجودہ سرداروں سے مشورہ لیا پھر سرداروں نے باقی کے لوگوں سے بھی مشورہ لیا اس لیے یہاں پہلے کی حالت کا ذکر ہے اور سورۂ اعراف میں دوسری حالت کا اس واسطے دونو سورتوں کی آیتوں میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۲۴۴ ج ۶ تفسیر سورہ التحریم۔

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ

بولے ڈھیل دے اس کو اور اس کے بھائی کو اور بھیج شہروں میں نقیب لے آویں تیرے پاس جو بڑا

عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ

جادوگر ہو پڑھا پھر اکٹھے کئے جادوگر وعدے پر ایک مقرر دن کے اور کہہ دیا لوگوں کو

اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾

تم بھی اکٹھے ہوتے ہو شاید ہم راہ پکڑیں جادوگروں کی اگر ہو جاویں وہی زبردست

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾

پھر جب آئے جادوگر کہنے لگے فرعون سے بھلا کچھ ہمارا نیگ بھی ہے اگر ہو جاویں ہم زبردست

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ

بولا البتہ اور تم اس وقت نزدیک والوں میں ہو گے کہا ان کو موسیٰ نے ڈالو جو تم

۳۶ تا ۴۹ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اوصاف بیان کر کے فرعون کو باتوں میں بھی قائل کیا اور عصا اور ید بیضا کا دکھا کر بھی اس کو قائل کیا تو فرعون نے اپنے سرداروں کو ابھارا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ دو شخص بڑے جادوگر معلوم ہوتے ہیں اور ان کا ارادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے یہ تمہاری بادشاہت تمہارا ملک چھین لیویں ان کے جادو سے بچنے کی تمہاری کیا صلاح اور مصلحت ہے بیان کرو انہوں نے فرعون کی عملداری کی سب بستیوں کے بڑے بڑے جادوگروں کو بلوانے کی صلاح دی اور وہ جادوگر آئے اور مقابلہ ہو کر آخر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام غالب رہے یہاں بعضے مفسروں نے یہ جو لکھا ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ کو قتل کا ارادہ کیا تھا اس پر اس کے سرداروں نے اس کو قتل سے منع کیا اور کہا کہ قتل سے لوگوں کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو جاوے گا کہ ان جادوگروں میں بادشاہ نے کوئی ایسی ہی زبردست غلبہ کی بات دیکھی تھی جو ان دونوں جادوگروں کو زندہ رکھنا بادشاہ نے مناسب نہیں خیال کیا اس لئے ان دونوں جادوگروں کا یہاں کے بڑے بڑے جادوگروں سے مقابلہ کرانا اور سب کے سامنے ان دونوں کو سروانا مناسب ہے ان کے قتل کا ارادہ مناسب نہیں ہے یہ قول کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے بلکہ ایک طرح سے یہ قول قرآن کے مضمون کے مخالف ہے کیونکہ جب حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے سامنے جانے سے اپنا یہ ڈر ظاہر کیا کہ وہ اس کو دیکھے گا تو قبطی کے خون کے معاوضہ میں قتل کر ڈالے گا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے وعدہ کر لیا تھا کہ فرعون ہرگز ان کو قتل نہ کر سکے گا تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے دل میں حضرت موسیٰؑ کے قتل کا ارادہ بھی نہ آنے دیا ہوگا، ان آیتوں میں موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے مقابلہ کا جو قصہ ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ فرعون کے نقیب بڑے بڑے جادوگروں کو جگہ جگہ سے بلا کر مصر میں لائے۔ تفسیر مقاتل اور تفسیر سدی میں روایتیں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جادوگر اسی کے قریب تھے اور کئی سو اونٹ جادو کے اثر کی لکڑیوں اور رسیوں سے لدے ہوئے ان کے ساتھ تھے، پہلے ان جادوگروں نے فرعون سے پوچھا کہ اگر ہم غالب آدیں گے

مُّلْقُوْنَ (۴۳) فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِیَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ

ڈالتے ہو پھر ڈالیں انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں اور بولے فرعون کے اقبال سے ہم ہی

الْغٰلِبُوْنَ (۴۴) فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ (۴۵) فَاُلْقِیَ

زبردست ہیں پھر ڈالا موسیٰ نے اپنا عصا پھر تب ہی وہ نگلنے لگا جو سانگ انہوں نے بنایا تھا پھر اوندھے

السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ (۴۶) قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۴۷) رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ (۴۸)

جا گرے جادوگر سجدے میں بولے ہم نے مانا جہان کے رب کو جو رب موسیٰ اور ہارون کا ہے

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ

بولا تم نے اس کو مان لیا ابھی میں نے حکم نہیں دیا تم کو مقرر وہ تمہارا بڑا ہے یعنی تم کو سکھایا جادو

فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (۴۹)

سو اب معلوم کرو گے

تو ہم کو کچھ انعام ملے گا فرعون نے جواب دیا اگر تم غالب آئے تو تمہیں نقد انعام بھی ملے گا اور تم فرعونی دربار کے مصاحب مقرر ہو جاؤ گے غرض فرعون مصر کی رعایا کے بڑی بھیڑ جادوگر اور موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام یہ سب میدان میں آئے اور جادوگروں نے فرعون کے اقبال کو اپنا حمایتی ٹھہرا کر اپنی وہ لکڑیاں اور رسیاں میدان میں ڈالیں سب طرح طرح کے سانپ ہو گئے جن سے تمام میدان بھر گیا موسیٰ علیہ السلام نے بھی عصا ڈالا جب وہ بہت بڑا سانپ بن کر جادوگروں کے سب سانپوں کو نگل گیا۔ جادوگر تو اپنے فن کے استاد تھے فوراً سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام کا کارخانہ جادو کا نہیں ہے کیونکہ ہم سے بڑا جادوگر بھی کر سکتا تھا کہ ہمارے جادو کے اثر کو مٹا دیتا جس سے اصل لکڑیاں اور رسیاں باقی رہ جاتیں جب موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ اصل لکڑیوں اور رسیوں کو بھی نگل گیا تو یہ جادو نہیں بلکہ تائید آسمانی ہے اس بھید کو سمجھ کر سب جادوگر شریعت موسوی کے تابع ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مان کر سجدہ میں گر پڑے یہ حال دیکھ کر فرعون نے جادوگروں کو دھمکایا کہ بغیر میرے حکم کے تم نے جو یہ کام کیا ہے اس کی سزا جو کچھ ہو گی اس کا حال تمہیں معلوم ہو جائے گا اور یہ بھی کہا کہ موسیٰ گویا تمہارے استاد ہیں جن کے جادو کو تم نے اپنے جادو سے بڑا جان لیا۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علی کی حدیث اوپر گزر چکی ہے[1] اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب جادوگر جو اس فن کے استاد ہو کر اس بات کے قائل ہو گئے کہ موسیٰ علیہ السلام کا کارخانہ جادو کا نہیں ہے بلکہ یہ کارخانہ تائید آسمانی ہے تو فرعون اور اس کے ساتھیوں کو بھی اسی طرح قائل ہو جانا چاہیے تھا لیکن یہ لوگ علم الٰہی میں دوزخی قرار پا چکے تھے اس لیے اتنی ظاہر بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی اس قصہ سے جادو اور معجزہ کا یہ فرق اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے کہ جادو کے ہزاروں سانپ معجزے کے ایک سانپ کے مقابلے میں بالکل پست ہو گئے اس قصے سے قریش کو یہ جتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب سے اپنے رسولوں کی اس طرح مدد کر کے مخالفوں پر ان کو یوں غلبہ دیتا ہے۔

[1] یعنی جلد ہذا کے صفحہ ۱۸ پر

لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٩﴾ قَالُوا
البتہ کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور دوسرے پاؤں اور سولی چڑھاؤں گا تم سب کو بولے

لَا ضَيْرَ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنقَلِبُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّا نَطْمَعُ أَن يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطَايَانَا أَن
کچھ ڈر نہیں ہم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے ہم غرض رکھتے ہیں کہ بخشے ہم کو رب ہمارا تقصیریں ہماری اس واسطے

كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥١﴾ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي إِنَّكُم
کہ ہم ہوئے پہلے قبول کرنے والے اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ رات کو لے نکل میرے بندوں کو البتہ تمہارا

(۴۹ تا ۵۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر جب جادوگر لوگ سجدہ میں گر پڑے اور ایمان لے آئے اس وقت فرعون نے ان کو یوں ڈرایا تھا کہ تمہارے اس جرم کی جو سزا تجویز کی جائے گی وہ تم کو معلوم ہو جائے گی اب وہ سزا کا حکم سنایا اور کہا کہ پہلے میں تمہارا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف پیر کاٹوں گا اور پھر تم کو سولی پر چڑھاؤں گا، تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ خاص ایک نئی سزا تھی جو فرعون نے نکالی تھی کہ جس پر خفا ہوتا تھا اس کا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹا کرتا تھا مفسرین سلف کا اس باب میں اختلاف ہے کہ فرعون نے جس سزا کا ڈراوا جادوگروں کو دیا تھا وہ سزا فرعون ان کو دے بھی سکا یا نہیں اگرچہ تفسیر ابن ابی حاتم میں عکرمہ کی سند سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی جو روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے اپنے وعدہ کے موافق ان جادوگروں کو سزا دی کیونکہ اسی روایت میں یہ ہے کہ صبح کو وہ جادوگر تھے اور شام کو شہید ہوئے اب یہ ظاہر بات ہے کہ فرعون اگر ان کو سزا نہ دیتا تو شام کو وہ شہید کیونکر ہو جاتے لیکن سورۂ قصص میں آوے گا، انتما ومن اتبعکما الغالبون جس کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے ساتھیوں پر فرعون کا کسی طرح غلبہ نہیں ہو سکتا اس سے یہی قول صحیح معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ جادوگر شریعت موسوی کے تابع اور موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے ساتھی بن گئے تو اس کے بعد فرعون اپنی دھمکی پر کچھ عمل نہیں کر سکا فرعون کی دھمکی کا جواب جادوگروں نے جو دیا اس کا حاصل یہ ہے کہ جب اس میدان بھر کی بھیڑ میں سے ہم سب سے اول اللہ کی وحدانیت کے قائل ہو کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں حاضر ہوئے ہیں تو ہم کو دنیا کے عذاب کا کچھ خوف نہیں ہے بلکہ ہم کو تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے یہ امید ہے کہ نادانی سے اتنے دنوں تک اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور قصور واری میں جو ہم نے عمر گزاری ہے اس وحدانیت کے طفیل سے وہ ہماری پچھلی تقصیریں معاف ہو جاویں گی صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث جو اوپر گزر چکی ہے اس کو ان آیتوں کی تفسیر میں یہ دخل ہے کہ جادوگر لوگ علم الٰہی میں جنتی قرار پا چکے تھے اس لیے آخری عمر میں ان کو ویسے ہی کام بھی اچھے نظر آئے۔

(۵۲ تا ۶۸) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے اہل دربار پر خدا کی وحدانیت قائم کر چکے اور وہ لوگ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو اب سوائے عذاب الٰہی کے اور کچھ باقی نہ رہا اس لیے خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم کیا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے ایک رات اپنے ساتھ لے کر چلے جاؤ اس وقت بنی اسرائیل نے فرعون کی قوم سے بہت سا زیور اس حیلہ سے مانگ لیا تھا کہ آج ان کے ہاں ایک شادی ہے

مُّتَّبَعُوْنَ ﴿٥٢﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴿٥٣﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ

پیچھے لگیں گے پھر بھیجے فرعون نے شہروں میں نقیب یہ لوگ جو ہیں سو ایک جماعت ہے

قَلِیْلُوْنَ ﴿٥٤﴾ وَ اِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَ اِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿٥٦﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ

تھوڑی سی اور وہ مقرر ہم سے جی جلے ہیں اور ہم سارے خطرے رکھتے ہیں پھر نکالا ہم نے انکو

مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿٥٧﴾ وَّ كُنُوْزٍ وَّ مَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿٥٨﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَ اَوْرَثْنٰهَا

باغ اور چشمے چھوڑ کر اور خزانے اور گھر خاصے اسی طرح، اور ہاتھ لگائیں یہ چیزیں

بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿٥٩﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ

بنی اسرائیل کو پھر پیچھے پڑے ان کے سورج نکلتے پھر جب مقابل ہوئیں دونوں فوجیں کہنے لگے

اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿٦٢﴾ فَاَوْحَیْنَاۤ

موسٰے کے لوگ ہم تو پکڑے گئے کہا کوئی نہیں میرے ساتھ ہے میرا رب اب مجھ کو راہ بتادیگا پھر حکم بھیجا

اکثر مفسروں نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰؑ مصر سے چاند کے طلوع ہونے کے وقت باہر نکلے تھے اور یوسف علیہ السلام کی یہ وصیت تھی کہ بنی اسرائیل جب مصر سے جاویں تو یوسف علیہ السلام کی لاش کا صندوق ساتھ لے جائیں اس واسطے اس رات کو موسیٰ علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کی قبر کا حال دریافت کیا تو قوم بنی اسرائیل میں سے ایک بڑھیا عورت نے قبر بتلائی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کا صندوق[1] اٹھالیا اور اپنے ساتھ رکھا اس باب میں ایک حدیث بھی ہے جس کو ابن ابی حاتم نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ایک گنوار کے ہاں مہمان ہوئے تو اس نے آپ کی عزت کی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے پاس آتے جاتے رہا کر وجب وہ پھر آیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد کیا تجھ کو کس شے کی حاجت ہے اس نے عرض کیا کہ ایک اونٹنی کی مع پالان کے مجھ کو ضرورت ہے اور ایک بکری کی جس کا دودھ میرے گھر کے لوگ پیا کریں آپ نے فرمایا تجھ سے اسقدر نہ ہوسکا کہ تو جنت کی خواہش میں بنی اسرائیل کی ایک بڑھیا عورت کی طرح ہوتا اصحاب نے عرض کیا وہ بڑھیا عورت کیسی تھی آپ نے فرمایا جب موسیٰؑ نے مصر سے بنی اسرائیل کو باہر لے جانا چاہا تو راستہ بھول گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ کیا ہوا تو بنی اسرائیل میں جو عالم تھے انھوں نے کہا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کا انتقال ہونے لگا تو انھوں نے ہم سے عہد کیا تھا کہ ہم مصر سے باہر نہ نکلیں گے جب تک ان کے تابوت کو ہمراہ اپنے نہ اٹھا دیں گے اس پر حضرت موسیٰؑ نے فرمایا تم میں سے کسی کو یوسف علیہ السلام کی قبر معلوم ہے انھوں نے کہا ان کی قبر کو کوئی نہیں جانتا سوا ایک بڑھیا عورت کے تو حضرت موسیٰؑ نے اس بڑھیا سے کہلا بھیجا کہ یوسف علیہ السلام کی قبر بتلا دو وہ بولی قسم خدا کی میں نہ بتلاؤں گی جب تک مجھ کو میرا مدعا نہ حاصل ہوگا موسیٰؑ نے فرمایا تیرا کیا مدعا ہے اس نے کہا کہ میں آپ کے ساتھ جنت میں رہوں اس پر موسیٰ علیہ السلام کو حکم خدا ہوا کہ دیدے اس عورت کو اس عورت کا مدعا آنحضرت صلی اللہ

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۳۳۵ ج ۳۔

[2] تفسیر الدر المنثور ص ۸۶ ج ۵ میں ہے کہ حضرت یوسفؑ کی ہڈیاں چادر میں ڈال کر اٹھائی تھیں فجعل عظام یوسف فی کسآءٍ الخ (درج ہوج)

إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ فَانفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ

ہم نے موسیٰؑ کو کہ مار اپنے عصا سے دریا کو پھر پھٹ گیا تو ہو گئی ہر ایک پھانک جیسے بڑ

الْعَظِيمِ ﴿٦٣﴾ وَأَزْلَفْنَا ثَمَّ الْآخَرِينَ ﴿٦٤﴾ وَأَنجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُ أَجْمَعِينَ ﴿٦٥﴾

پہاڑ اور پاس پہنچایا ہم نے اس جگہ دوسروں کو اور بچایا ہم نے موسیٰؑ کو اور جو لوگ تھے اس کے ساتھ سب کو

ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ﴿٦٦﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٦٧﴾

پھر ڈبا دیا ان دوسروں کو اس چیز میں ایک نشانی ہے اور نہیں وہ بہت لوگ ماننے والے

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٦٨﴾

اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا۔

تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر وہ بڑھیا گئی ان کے ہمراہ ایک گڑھے کی طرف جہاں پانی تھا اس نے کہا اس پانی کو ہٹا ڈ جب وہ پانی سینچا گیا تو بڑھیا نے کہا اب کھودو جب کھودا تو یوسف علیہ السلام کی قبر نکلی اور موسیٰ علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے تابوت کو اپنے ساتھ لیا اور اس کے بعد پھر راستہ دکھائی دینے لگا اس حدیث کو حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے موقوف[1] کہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ کا قول ہے حدیث نبوی نہیں ہے مگر حاکم[2] نے اس حدیث کو صحیح اور حدیث نبوی قرار دیا ہے جب صبح ہوئی تو فرعون نے ایک آدمی بھی بنی اسرائیل کا مصر میں نہ دیکھا اس پر فرعون کو جوش آیا اور بہت غضبناک ہو کر فرعون نے شہروں میں جلدی سے آدمی بھیج دئے اور کہلا بھیجا کہ بنی اسرائیل کی ایک تھوڑی سی جماعت ہے ان سے ہم کو ہر وقت غصہ کی باتیں پہنچتی رہتی ہیں اس واسطے میں چاہتا ہوں کہ ان کی بیخ کنی کروں پھر جن لوگوں کا تقدیر الٰہی میں ہلاک ہونا تھا ان کو فرعون نے ساتھ لیا اور بنی اسرائیل کے پکڑنے کو چلا اسی کو فرمایا نکالا ہم نے ان کو باغ اور چشموں اور گھروں سے طرف جہنم کے کیونکہ یہ بات اسی طرح مقدر تھی اور وارث بنایا ہم نے ان مکانوں کا اور باغوں کا اور نہروں کا بنی اسرائیل کو اکثر مفسروں[3] کا قول ہے کہ شرذمہ جس کو فرعون نے تھوڑا ٹھہرایا چھ لاکھ آدمی تھے اور فرعون کے لشکر میں سولا کھ آدمی تھے پھر فرعون اور اس کے لشکر کے لوگ سورج کے نکلتے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم بنی اسرائیل کے پیچھے پڑے جب دونوں فوجیں مقابل ہوئیں تو بنی اسرائیل گھبرا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم کو تو فوج نے آ پکڑا کس لیئے کہ دریا قلزم ہمارے آگے آگیا اور ہمارے راستہ میں حائل ہو گیا اب ہم آگے نہیں جا سکتے اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم تک کوئی نہیں پہنچ سکتا ڈرو نہیں میرے ساتھ میرا رب ہے وہ مجھ کو راستہ بنا دے گا اس کا وعدہ خلاف نہیں ہوتا غرض اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق اپنے رسول کو سچا کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم کیا کہ مار لاٹھی اپنی دریا میں عصا کے مارتے ہی دریا میں بارہ راستے ہو گئے قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس رات دریا کو حکم کیا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تجھ کو اپنی لاٹھی ماریں تو تو اس کا حکم سن اور فرمانبرداری کر اس لیے دریا نے اس انتظار میں وہ رات بیقراری

[1] حافظ ابن کثیرؒ کے الفاظ یہ ہیں ہذا حدیث غریب جدا والاقرب انہ موقوف یعنی مرفوع بہت ہی عجیب سی روایت ہے۔ ع، ح،

[2] مستدرک حاکم ص ۴۰۴ ج ۲۔ [3] اس سلسلے میں تفسیر ابن کثیر (ص ۳۳۵ ج ۳) اور الدر المنثور (ص ۸۷ ج ۵) قابل مطالعہ ہیں۔ ع، ح

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ﴿٦٩﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالُوا

اور سنا اُن کو خبر ابراہیم ؑ کی جب کہا اپنے باپ کو اور اس کی قوم کو تم کیا پوجتے ہو وہ بولے

نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ﴿٧٢﴾ أَوْ

ہم پوجتے ہیں مورتوں کو پھر سارے دن اُن پاس بیٹھے رہیں کہا کچھ سنتے ہیں تمہارا جب پکارتے ہو یا

يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ﴿٧٣﴾ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿٧٤﴾ قَالَ

بھلا کرتے ہیں تمہارا یا بُرا بولے نہیں پر ہم نے پائے اپنے باپ دادے یہی کرتے ہیں کہا

سے لبسرکی کیونکہ دریا کو یہ خبر نہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کس طرف عصا ماریں گے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے اس واسطے دریا میں بارہ راستے ہو گئے سُدّی کا قول ہے کہ ان پانی کی دیواروں میں جھروکے ہو گئے جن میں سے ایک ایک کو دیکھتا تھا حضرت ابن عباسؓ قتادہ اور سدی نے وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ، کی تفسیر میں کہا ہے کہ ہم نے نزدیک کیا دریا کے فرعون اور اس کے لشکر کو اب موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کو بچا دینے اور فرعون کے لشکر کو غرق کر دینے کا ذکر فرما کر پھر فرمایا البتہ یہ اللہ کی قدرت کی نشانی ہے لیکن اکثر لوگ اس سے بے خبر ہیں اور بے شک تیرا رب وہی ہے زبردست رحم کرنے والا صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو عاشورہ کے دن کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا اور دریافت سے معلوم ہوا کہ اسی دن بنی اسرائیل کو فرعون کی قید سے نجات ہوئی اور فرعون معہ اپنے لشکر کے دریائے قلزم میں غرق ہو کر ہلاک ہوا، اس کے شکریہ میں موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا تھا اس لیے یہود بھی آج کے دن روزہ رکھتے ہیں۔ یہ قصہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عاشورہ کے دن روزہ رکھا۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰؓ اشعری کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظالم لوگوں کو اللہ تعالیٰ جب تک چاہتا ہے اپنی رحمت سے مہلت دیتا ہے پھر جب وہ لوگ مہلت پر بھی اپنی سرکشی سے باز نہیں آتے تو ان کی ایسی گرفت فرماتا ہے کہ ان کو بالکل ہلاک کر دیتا ہے، ان حدیثوں کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل ہے کہ فرعون کو اللہ تعالیٰ نے ایک عرصہ تک مہلت دی اور جب وہ مہلت کے زمانہ میں اپنی سرکشی سے باز نہ آیا تو عاشورہ کے دن اس کو مع لشکر کے دریائے قلزم میں ڈبو کر ہلاک کر دیا اس قصہ میں قریش کو رسول وقت کی مخالفت سے ڈرایا گیا ہے

۶۹ تا ۸۵) ابراہیم علیہ السلام کو بچپن میں ہی نیک راہ کی ہدایت دی اور بڑے ہونے تک وہ اپنی قوم کو بتوں کی عبادت سے منع کرتے رہے یہی ذکر ان آیتوں میں ہے کہ انہوں نے اپنے باپ اور قوم سے کہا کہ تم ان بتوں کی پوجا کیوں کرتے ہو کیا سنتے ہیں جب پکارتے ہو تم ان کو یا بھلا کرتے ہیں تمہارا یا کچھ بُرا کرتے ہیں اُن بت پرستوں نے جواب دیا کہ یہ بُت نہ تو ہماری التجا کو سنتے ہیں نہ ہمارے بھلے برے کے کچھ مختار ہیں لیکن ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا کہ ان کو ایسا ہی کرتے دیکھا اس واسطے ہم ان کے ہی قدموں پر چل رہے ہیں لفظ ھَل عربی زبان میں ایسے ہی موقع پر آتا ہے کہ جس سے اس لفظ سے پہلی بات کا انکار اور بعد کی بات کا اقرار نکلتا ہے اس لیے ان لوگوں نے گویا یہ اقرار کیا کہ ان بتوں کے پوجنے پر

لہ مشکوٰۃ باب صیام التطوع فصل تیسری۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٥﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَاِنَّهُمْ
بھلا دیکھتے ہو جن کو پوجتے رہے ہو تم اور تمہارے باپ دادے اگلے سو وہ

عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٧﴾ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿٧٨﴾ وَالَّذِيْ هُوَ
میرے غنیم ہیں مگر جہان کا صاحب جس نے مجھ کو بنایا سو وہی مجھ کو سوجھ دیتا ہے اور وہ جو مجھ کو

يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿٧٩﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿٨٠﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ
کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوں تو وہی چنگا کرتا ہے اور وہ جو مجھ کو مارے گا

ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿٨١﴾ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٨٢﴾ رَبِّ
پھر جلاوے گا اور وہ جو مجھ کو توقع ہے کہ بخشے میری تقصیریں انصاف کے دن اے رب

ہمارے پاس کوئی دلیل سوائے باپ دادا کی پیروی کے نہیں ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اب دیکھو تم جن کو تم اور تمہارے باپ دادا اللہ کے سوا پوجتے ہیں وہ میرے دشمن ہیں اور میں ان کا دشمن ہوں یہ آیت مثل اس کے ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے قول کی خبر دی ہے کہ جب نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا، یاقوم ان کان کبر علیکم مقامی وتذکیری بآیات اللہ فعلی اللہ توکلت فاجمعوا امرکم وشرکاءکم ثم لا یکن امرکم علیکم غمۃ ثم اقضوا الی ولا تنظرون - جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میرے سمجھانے سے اے قوم کے لوگو تم برا مانتے ہو تو جو کچھ تم کر سکو میرا کرو اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ میں تمہارے بتوں کا دشمن ہوں تم سے اور تمہارے بتوں سے میرے ساتھ جو بدسلوکی ہو سکے وہ کرو- فرعون کے قصہ سے قریش کو ڈرا کر اب ابراہیم علیہ السلام کے قصہ سے ان میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو تمہارے پیشوا ہیں باپ دادا کی راہ کو غلط دیکھ کر ترک کر دیا اسی طرح تم کو باپ دادا کی راہ غلط کو چھوڑنا چاہئے پھر آگے کی آیتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ کے اوصاف بیان فرمائے کہ اس نے مجھ کو پیدا کیا وہی مجھے ہدایت کرتا ہے اور کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے، اور وہی مجھ کو مارے گا اور جلاوے گا اور اسی سے مجھ کو امید ہے کہ بخشے گا قیامت کے دن میرے قصور غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان اوصاف کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ میں نہیں پوجتا مگر اس ذات پاک کو کہ جو یہ تمام باتیں کرنے والا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا مانگی کہ اے میرے رب دے مجھ کو نبوت اور ملا نیکوں میں اور کر میرا بول سچا پچھلوں میں مطلب یہ ہے کہ میرے خاندان میں آخری زمانہ میں نبی پیدا ہوں اور میرا دین قائم رکھیں اور میری پیروی کریں جیسا کہ فرمایا وترکنا علیہ فی الآخرین سلام علی ابراھیم کذالک نجزی المحسنین مجاہد وقتادہ بھی یہ کہتے ہیں کہ لسان صدق سے مراد اچھی تعریف ہے اور یہ آیت مثل اس قول کے ہے وآتیناہ فی الدنیا حسنہ سدی نے کہا کہ مراد حکم سے نبوت ہے اور یہ جو فرمایا کہ ملا مجھ کو نیکوں میں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ دنیا اور آخرت میں نیکوں کے ساتھ رکھ جس طرح پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر وقت یہ دعا تین بار پڑھی اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى -

هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۳﴾ وَ اجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی
دے مجھ کو حکم اور ملا مجھ کو نیکوں میں اور رکھ میرا بول سچا

الْاٰخِرِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَ اجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ﴿۸۵﴾ وَ اغْفِرْ لِاَبِیْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ
پچھلوں میں اور کر مجھ کو وارثوں میں نعمت کے باغ کے اور معاف کر میرے باپ کو وہ تھا

صحیح بخاری کی حضرت عائشہ رضی کی بعض روایتوں میں فی الرفیق الاعلیٰ کے بعد مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین بھی آیا ہے جس سے حضرت ابراہیمؑ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا کا یہ مطلب ہے کہ یا اللہ مجھ کو وفات کے بعد انبیاء کے گروہ میں ملا کر جنت کے وارثوں میں کر اور دنیا میں ذکر خیر باقی رکھ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ[1] سے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ نے انسان کو پیدا کیا پھر باوجود اس کے جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی بندگی کرتے ہیں ان سے بڑھ کر دنیا میں کوئی مجرم نہیں اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ کے اوصاف اور بتوں کی مذمت کا ذکر کر کے اپنے باپ اور اپنی قوم کو یہ جتلایا ہے کہ جب ان بتوں میں کوئی صفت اللہ تعالےٰ کی نہیں پائی جاتی اور اس پر بھی تم لوگ اپنے بڑوں کی رسم کے پابند ہو کر ان مورتوں کی پوجا کرتے ہو تو دنیا میں تم سے بڑھ کر کوئی مجرم نہیں ابراہیم علیہ السلام نے موقع پا کر ان بت پرستوں کے بتوں کو جو توڑ ڈالا تھا اس کا قصہ سورۂ انبیاء میں گزر چکا ہے ان آیتوں میں ابراہیم علیہ السلام نے یہ جو کہا کہ بت میرے دشمن ہیں اور میں ان کا دشمن ہوں سورۂ انبیاء کا وہ قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کی گویا تفسیر ہے۔

۸۶ تا ۸۹) سورہ توبہ اور سورہ مریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعاء کی تفسیر گزر چکی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنے باپ آزر کی بت پرستی سے بے زار ہو کر باپ سے جدا ہونے لگے تو باپ کے حق میں دعائے خیر کرنے کا وعدہ انہوں نے باپ سے کیا تھا اس وعدہ کو پورا کرنے کے لیے اس وقت تک باپ کے لیے مغفرت کی دعا مانگا کرتے تھے جب تک باپ کے کفر کی حالت پر مرنے کا یقین ان کو نہیں ہوا تھا جب یہ معلوم ہو گیا کہ باپ کا خاتمہ کفر پر ہوا تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے لیے دعا مانگنی چھوڑ دی تھی اب یہی حکم شریعت محمدی میں سورہ توبہ اور سورہ ممتحنہ کے نازل ہونے کے بعد سے قائم ہے کیونکہ سورہ توبہ اور سورہ ممتحنہ میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح کے رشتہ داروں کے لیے دعائے مغفرت کرنے کو منع فرمایا ہے جن کا کفر کی حالت پر مرنا معلوم ہو جائے ہاں سورۂ توبہ کے نازل ہونے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوطالب اور اپنے ماں باپ کے لیے مغفرت کی دعا مانگنے کا ارادہ کیا تھا اور بعضے صحابہ بھی اپنے مشرک ماں باپ کے لیے مغفرت کی دعا مانگا کرتے تھے اسی پر اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ کی آیت ما کان للنبی والذین

[1] مشکوٰۃ باب بعد باب الکرامات   [2] مشکوٰۃ باب الکبائر الخ

الضَّآلِّيْنَ (۸۶) وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ (۸۷) يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ (۸۸)

راہ بھولوں میں اور رسوا نہ کر مجھ کو جس دن جی کر اٹھیں جس دن نہ کام آوے کوئی مال نہ بیٹے

إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (۸۹) وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (۹۰) وَبُرِّزَتِ

مگر جو کوئی آیا اللہ پاس لے کر دل چنگا اور پاس لائے بہشت واسطے ڈر والوں کے اور نکالے

آمنوا ان یستغفروا للمشرکین نازل فرمائی صحیح بخاری کی حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث[1] کا حاصل یہ ہے کہ آزر کو ایک جانور کی صورت بنا کر جب دوزخ میں ڈالا جائے گا تو اللہ سے اپنے باپ آزر کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام جھگڑیں گے اور اللہ تعالیٰ یہ فرمائے گا کہ آزر کفر کی حالت میں مرے ہیں اور جنت کافروں پر حرام ہے اس حدیث کو بعضے مفسروں نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کر کے یہ اعتراض کیا ہے کہ آزر کی حالت کفر پر مرنے کا یقین ہو جانے کے بعد جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دنیا میں ہی اپنے باپ آزر کے لئے دعائے مغفرت چھوڑ دی تھی تو پھر قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آزر کی مغفرت کے باب میں اللہ تعالیٰ سے جھگڑنے کا کیا سبب ہے اس کا جواب حافظ ابن حجر نے فتح الباری[2] شرح صحیح بخاری میں دیدیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی صحیح روایت جو تفسیر ابن جریر میں ہے اس سے تو یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دنیا میں ہی اپنے باپ آزر کے لئے دعائے مغفرت چھوڑ دی تھی لیکن قیامت کے دن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر کو دیکھیں گے تو بشریت کے تقاضے اور محبت فرزندی سے آزر کی مغفرت کے باب میں اللہ تعالیٰ سے جھگڑیں گے اور کہیں گے آزر کے دوزخ میں جانے سے میری بڑی رسوائی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ آزر کی صورت بدل کر اُن کو دوزخ میں ڈالے گا تاکہ آزر کی اصلی صورت کے باقی رہنے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسوائی نہ ہو اور آزر کی اصلی صورت کے دیکھنے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو محبت فرزندی کا جوش جو تھا وہ بھی باقی نہ رہے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث[3] ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک اولاد کی دعا سے مرجانے کے بعد آدمی کو فائدہ پہنچتا ہے صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی دوسری حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی نے اپنی زندگی میں جو کھا پہن لیا وہ تو گیا ہاں جو کچھ اللہ کے نام پر دیا اس کا اجر ملے گا صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی یہ حدیث بھی ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک عملوں کے قبول کرنے میں اللہ تعالیٰ کی نظر ہمیشہ آدمی کے دل پر لگی رہتی ہے کہ اس کا اعتقاد شرک و نفاق اور ریاکاری سے کہاں تک پاک صاف ہے ان حدیثوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی باقی کی دعاء کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یا اللہ قیامت کے دن کی رسوائی سے بچائیے کیونکہ وہ دن ایسا ہے کہ اس میں شرک و ریاکاری سے جب تک دل صاف و پاک نہ ہوگا تو مال و اولاد جیسے کام آنے والی چیز بھی کسی کے کچھ کام نہ آوے گی۔ شاہ صاحب[4] نے قلب سلیم کا ترجمہ دل چنگا جو کیا ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ اس دن شرک ریاکاری اور نفاق کے مرض سے دل کو صاف اور بھلا چنگا ہونا چاہئے۔

(۹۰ تا ۱۰۱) دنیا میں جن لوگوں نے جنت میں داخل ہونے کے لائق کام کئے جنت کو سنوار ان پرہیزگاروں کے روبرو لایا

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۳۳۹ ج ۳۔ [2] فتح الباری ص ۲۸۸ ج ۴ طبع دہلی [3] مشکوٰۃ کتاب العلم [4] مشکوٰۃ کتاب الرقاق فصل اول

[5] شاہ عبدالقادر دہلویؒ صاحب موضح القرآن۔

الْجَحِيمُ لِلْغٰوِينَ ﴿٩١﴾ وَقِيلَ لَهُمْ أَيْنَمَا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٩٢﴾ مِن دُونِ اللَّهِ

دوزخ سامنے بے راہوں کے اور کہئے ان کو کہاں ہیں جن کو پوجتے تھے اللہ کے سوا

هَلْ يَنصُرُونَكُمْ أَوْ يَنتَصِرُونَ ﴿٩٣﴾ فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ﴿٩٤﴾ وَ

کچھ مدد کرتے ہیں تمہاری یا بدلا لے سکتے ہیں پھر اوندھے ڈالے اس میں وہ اور سب بے راہ اور

جُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ﴿٩٥﴾ قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ﴿٩٦﴾ تَاللَّهِ إِن كُنَّا لَفِي

لشکر ابلیس کے سارے کہیں گے جب وہ وہاں جھگڑنے لگیں قسم اللہ کی ہم تھے

ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٩٧﴾ إِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٩٨﴾ وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ﴿٩٩﴾

صریح غلطی میں جب تم کو برابر کرتے تھے جہان کے صاحب کے اور ہم کو راہ سے بھلایا سو ان گنہگاروں نے

فَمَا لَنَا مِن شَافِعِينَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ

پھر کوئی نہیں ہماری سفارش کرنے والے اور نہ کوئی دوست محبت کرنے والا سو کسی طرح ہم کو پھر جانا ہو تو ہم ہوں

جائے گا اور دوزخ کو گمراہوں کے سامنے کیا جائے گا اور نکلے گی دوزخ میں سے ایک گردن پھر اس طرح پہنچنے گی کہ دل ہل جاویں گے یہ جھڑکی کے طور پر دوزخیوں سے وہ آگ کی گردن یہ کہے گی کہ کہاں ہیں وہ جن کو تم پوجتے تھے اللہ کو چھوڑ کر پھر اوندھے ڈالے جاویں گے دوزخ میں سب گمراہ اور تمام لشکر شیطان کا جب وہ اس دوزخ میں جھگڑیں گے تو بہکنے والے بہکانے والوں سے کہیں گے قسم خدا کی ہم کھلی گمراہی میں تھے جبکہ برابر کرتے تھے ہم تم کو رب العالمین کے ساتھ اور کہیں گے نہیں بہکایا ہم کو راہ نیک سے مگر انہیں مجرموں نے اب کوئی نہیں ہماری سفارش کرنے والا اور نہیں کوئی دوست ہمارا محبت کرنے والا حمیم سے مطلب قریب کا رشتہ دار ہے پلصراط اس پل کا نام ہے جو جنت اور دوزخ کے درمیان میں ہے جو کوئی جنت میں داخل ہوگا اس کو اس پل پر سے گزرنا پڑے گا صحیح مسلم میں حذیفہؓ اور ابوہریرہؓ سے جو روایتیں[1] ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ اپنے اپنے اعمال کے موافق نیک لوگ اس پل پر سے گزریں گے کچھ لوگ بجلی کی طرح اور کچھ ہوا کی طرح اور کچھ پرواز جانوروں کی طرح حاصل کلام یہ ہے کہ ان آیتوں میں جنت کو پرہیزگاروں کے پاس لائے جانے کا جو ذکر ہے یہ روایتیں گویا اس کی تفسیر ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ پلصراط پر جیسے جس کی چال ہوگی ویسی اس کو جنت پاس معلوم ہوگی صحیح مسلم کے حوالہ[2] سے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ستر ہزار نکیلیں لگا کر دوزخ کو میدان حشر میں لایا جائے گا۔ ان آیتوں میں دوزخ کے سامنے لائے جانے کا جو ذکر ہے یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے دوزخ کی گردن کے نکلنے کا ذکر ترمذی میں ابوہریرہؓ کی معتبر حدیث میں آیا ہے[3]۔

(۱۰۲ تا ۱۰۴) کہ اوپر کی آیتوں کے موافق جب کہ جنت طرح طرح کی نعمتوں سے آراستہ کی جاوے گی جس آراستگی کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کی صحیح بخاری و مسلم کی روایت[4] میں مختصر طور پر یوں فرمایا ہے کہ ایک کمان کی لکڑی کی لمبائی برابر جگہ بھی جنت میں تمام دنیا اور تمام دنیا کی نعمتوں سے بہتر ہے اور اسی طرح دوزخ میں طرح طرح کے عذاب مہیا کئے جاویں گے جس کا ذکر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ترمذی[5] کی صحیح روایت میں اس طرح فرمایا ہے کہ دوزخ کے تھوڑے سے

[1] الترغیب والترہیب ص ۷۲۰ ج ۴ باب الحوض والمیزان والصراط۔ [2] جامع ترمذی باب ماجاء فی صفۃ اہل النار [3]
[4] مشکوۃ باب صفۃ الجنۃ واہلہا۔ [5] مشکوۃ صفۃ النار واہلہا فصل دوسری۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِنَّ

ایمان والوں میں اس بات میں نشانی ہے اور وہ بہت لوگ نہیں ماننے والے اور تیرا

رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ ع

رب وہی ہے زبردست رحم والا

دودھ کا ایک قطرہ بھی دنیا میں آن پڑے تو تمام اہل دنیا کی زیست دشوار ہوجائے اس جنت کی نعمتوں اور دوزخ کے عذابوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے مختصر طور پر اوپر کی آیتوں میں فرما کر اب یہ فرمایا ہے کہ دنیا میں تو عاقبت کے منکر لوگ دوزخ کے عذاب سے نڈر ہیں میدان حشر میں جب وہ عذاب دیکھیں گے۔ تو یہ خواہش کریں گے۔ کہ کاش وہ پھر دنیا میں پیدا کئے جاویں اور نیک کام کر کے جس طرح نیک کام کرنے والوں کو اس عذاب سے نجات مل گئی ہے اسی طرح ان کو بھی اس عذاب سے نجات مل جاوے مگر یہ خواہش ان کی اللہ تعالیٰ کے علم میں جھوٹی ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے سورہ انعام میں فرمادیا ہے کہ اگر ان لوگوں کو دوبارہ دنیا میں پیدا کیا جاوے تو پھر یہ ایسے ہی بیہودہ مخالف کام کریں گے جیسے اب کر رہے ہیں غرض یہ تو حشر کے وقت کا حال ہوا اب حساب کتاب کے بعد لوگ جب دوزخ میں منہ کے بل ڈالے جاویں گے اس وقت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اوپر کی آیتوں میں فرمایا ہے کہ کبھی تو یہ بد لوگ قسمیں کھا کر اپنی گمراہی پر افسوس کریں گے اور کبھی یہ بد لوگ شیطان یا گمراہ کرنے والے دوست جنہوں نے بہکایا ہے ان کو برا بھلا کہیں گے اور کبھی چھوٹے گناہ گاروں کو انبیاء اور ملائکہ اور نیک لوگوں کی شفاعت سے نجات پاتے دیکھ کر یہ آرزو کریں گے کہ کوئی دوست ان کا بھی ایسا پیدا ہو جاوے کہ ان کی شفاعت کرے اور ان کو اس عذاب سے نجات دلوادے مگر آخرت تو ایسا ایک مقام ہے کہ سوا توحید کے اور کوئی چیز وہاں کام نہیں آسکتی اس واسطے ان مشرکوں کی کوئی آرزو کام نہ آوے گی اور فرشتے ان کو عذاب میں مبتلا دیکھ کر اوپر کی آیتوں کے موافق یہ طعنے دیویں گے کہ اللہ کے سوا جو تم لوگوں نے دنیا میں اپنے معبود ٹھہرا رکھے تھے وہ تمہارے معبود آج کہاں ہیں وہ معبود ایسے برے وقت میں آن کر تمہاری مدد کیوں نہیں کرتے حاصل کلام یہ ہے کہ انسان کی عقلمندی اس میں ہے کہ دنیا میں کچھ نیک عمل کر کے عاقبت کے لیے تھوڑا بہت ذخیرہ کرلے اور پھر اللہ کی رحمت سے عاقبت میں نجات کی توقع رکھے جو لوگ دنیا میں تمام عمر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں اور عاقبت میں اپنی بہبودی کی توقع اللہ سے رکھتے ہیں وہ لوگ بالکل عقل سے بے بہرہ ہیں اور وقت پر کوئی توقع ان کی پوری ہونے والی نہیں معتبر سند سے ترمذی اور ابن ماجہ میں شداد بن اوس[1] سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا عقلمند وہ شخص ہے جو دنیا میں عاقبت کے نجات کے کام کرے اور عقل سے بے بہرہ وہ شخص ہے جو دنیا میں جو اس کا جی چاہے وہ کرتا ہے اور عاقبت میں اللہ تعالیٰ کی جناب سے طرح طرح کی اپنی امیدیں اور خواہشیں پوری ہونے کی ہوس دل میں رکھتا ہے آخر فرمایا کہ دنیا میں عقبیٰ کا انجام جو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو جتلا دیا ہے یہ اس کی قدرت کی ایک نشانی ہے لیکن جو لوگ علم الٰہی میں گمراہ ٹھہر چکے ہیں وہ کسی نشانی سے راہ راست پر نہیں آنے والے یہ اللہ کی ایک رحمت ہے جو اس نے ایسے لوگوں کو مہلت دے رکھی ہے اگر مہلت کے زمانہ میں بھی یہ لوگ

[1] مشکوٰۃ باب استحباب المال والعمر للطاعۃ فصل دوسری۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾

جھٹلایا نوح کی قوم نے پیغام لانے والوں کو۔ جب کہا ان کو ان کے بھائی نوح نے کیا تم کو ڈر نہیں

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٠٨﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ

میں تمہارے واسطے پیغام لانے والا ہوں معتبر۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو اور مانگتا نہیں میں تم سے اس پر کچھ

أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١١٠﴾ قَالُوا

نیگ میرا نیگ ہے اسی جہان کے صاحب پر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو بولے

أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ ﴿١١١﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِي بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١٢﴾

کیا ہم تجھ کو مانیں اور تیرے ساتھ ہو رہے ہیں کمینے کہا مجھ کو کیا علم ہے جو کام وہ کر رہے ہیں

در راہ راست پر آئے تو اللہ کی پکڑ بھی ایسی زبردست ہے کہ جس کو وہ پکڑتا ہے تو وہ بالکل برباد کر دیتا ہے چنانچہ اس کے بعد چند نافرمان قوموں کے قصے ان لوگوں کو سنائے جاتے ہیں جن قصوں سے ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کافر ان قوموں کو پہلے مہلت دی گئی اور پھر مہلت کے بعد ان کا انجام کیا ہوا۔

(۱۰۵ تا ۱۴۲) اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان منکروں کا ذکر فرمایا تھا جو دنیا میں عذاب دوزخ کا انکار کرتے ہیں اور میدان حشر میں دوزخ کی حالت آنکھوں کے سامنے دیکھ کر دنیا میں دوبارہ پیدا ہونے کی آرزو کریں گے اب ان آیتوں میں سب سے پہلے صاحب شریعت نبی حضرت نوح علیہ السلام سے شروع فرما کر چند رکوع میں کئی نبیوں کا تذکرہ فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ جب سے شریعت کا حکم روئے زمین پر شروع ہوا ہے اسی وقت سے دنیا میں ایسے لوگ بھی چلے آتے ہیں کہ شریعت کے جن حکموں کو وہ اپنی مرضی کے خلاف پاتے ہیں ان حکموں کو نہیں مانتے شروع نصیحت ان سب انبیاء کا یہی ہے کہ اے لوگو اللہ سے ڈرو اس کی نافرمانی نہ کرو اور ہم مزدوری کی خواہش سے تم کو نصیحت نہیں کرتے ہیں اس لئے ہم کو اللہ کا رسول مانو اور ہماری نصیحت پر چلو سورۂ انعام میں گزر چکا ہے کہ قریش نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا تھا کہ تمہارے پاس ہر وقت کمینے اور کم ظرف لوگ جمع رہتے ہیں اس لیے ہم اشراف لوگ تمہاری مجلس میں بیٹھنے اور تمہاری بات سننے کو اپنی ہتک عزت سمجھتے ہیں وہی بات قوم نوحؑ نے حضرت نوحؑ سے ان آیتوں میں کہی ہے اور جس طرح قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں اسی طرح حضرت نوحؑ کے زمانہ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ تک مخالف لوگ اللہ کے رسولوں کو تکلیفیں دیتے رہے غرض سب سے پہلے صاحب شریعت نبی حضرت نوحؑ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک انبیاء کا ایک سلسلہ کیا جاوے تو ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی عنایت لوگوں پر بھی رہی ہے کہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے احکام شریعت نازل فرمائے ان احکام کے سمجھانے کے لئے رسولوں کو بھیجا اور باوجود اللہ کی اس عنایت کے ہمیشہ سے مخالف لوگوں کا وہی نافرمانی کا ایک سلسلہ رہا اور انجام ان کی نافرمانی کا دنیا میں تو یہ ہوا کہ طرح طرح کے عذابوں سے وہ ہلاک ہوئے اور عاقبت میں ایسے نافرمان لوگوں کا جو کچھ انجام ہوگا اس کا ذکر اوپر کی آیتوں میں گزر چکا ہے کہ کبھی

إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّي ۖ لَوْ تَشْعُرُونَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۴﴾ إِنْ

ان کا حساب پوچھنا میرے رب ہی پر ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو اور میں ہانکنے والا نہیں ایمان لانے والوں کو میں تو

أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۱۵﴾ قَالُوا لَئِن لَّمْ تَنتَهِ يَا نُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ﴿۱۱۶﴾

یہی ڈر سنانے والا ہوں کھول کر بولے اگر تو نہ چھوڑے گا اے نوح تو ہوگا سنگسار

قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَن

کہا اے رب میرے قوم نے مجھ کو جھٹلایا سو فیصلہ کر میرے اور ان کے بیچ کسی طرح کا فیصلہ اور بچالے مجھ کو اور

مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۸﴾ فَأَنجَيْنَاهُ وَمَن مَّعَهُ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ

جو میرے ساتھ ہیں ایمان والے پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے اس لدی کشتی میں پھر

اپنے گمراہی اور نافرمانی پر افسوس کریں گے کبھی اپنے بہکانے والوں کو برا کہیں گے کبھی دنیا میں دوبارہ پیدا ہونے اور نیک کام کرنے کی تمنا کریں گے اور کبھی ان انبیاء کی شفاعت کی آرزو کریں گے جن کو دنیا میں تکلیفیں دیتے تھے یہ تو ان لوگوں کا حال ہوا جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں رسولؐ وقت کی مخالفت کرتے تھے اب بھی اُمت میں سے جو لوگ رسولؐ وقت کی کسی طرح کی مخالفت کریں گے ان کا انجام بھی وہی ہوگا جو ان سے پہلے نافرمان لوگوں کا ہو چکا اس باب میں بہت سی آیتیں اور حدیثیں ہیں سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے کہ جس شخص کے دل میں اللہ کی کچھ بھی محبت ہوگی وہ اللہ کے رسولؐ کی فرمانبرداری ضرور کرے گا اور صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے جو حدیثیں ہیں[1] ان کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے فرشتوں نے آنحضرتؐ کے سوتے میں آن کر جنت کے ایک کھانے کی چنے ہوئے دسترخوان کی مثال دے کر امت کے لوگوں کو اچھی طرح سمجھا دیا ہے کہ بغیر پوری فرمانبرداری رسول وقت کے کسی شخص کو جنت نصیب نہیں ہو سکتی حق تعالےٰ کل مسلمانوں کو رسول وقت کی فرمانبرداری کا شوق عطا فرما دے تاکہ نافرمان لوگوں کی طرح ایک دفعہ دنیا سے اٹھ جانے کے بعد پھر دوبارہ دنیا میں پیدا ہونے اور رسول وقت کی فرمانبرداری کی حسرت دل میں باقی نہ رہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق اَرْذَلُوْنَ کے معنی اہل پیشہ لوگوں کے ہیں نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی اوپر کی بات کا یہ جواب دیا کہ مجھ کو ان غریب لوگوں کے پیشہ سے کچھ سروکار نہیں میں تو پیشہ ور اور شریف ہر ایک کو خالص اللہ تعالےٰ کی عبادت کی نصیحت کرتا ہوں اور ظاہر میں جو شخص میری نصیحت پر عمل کرے اس کو میں نیک سمجھتا ہوں کسی کے دل کا حال یا پیشہ کا حال مجھ کو معلوم نہیں یہ غیب کا حال اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے اور ہر شخص کی نیت کا معاملہ اسی کو خوب روشن ہے اگر تم اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو۔ تو پھر تمہارا کچھ اعتراض باقی نہیں رہتا اور تم لوگوں کے کہنے سے میں ان غریب ایمانداروں کو اپنی مجلس سے نکال نہیں سکتا قوم کے لوگوں نے حضرت نوحؑ کی ان باتوں کا یہ جواب دیا کہ اے نوحؑ اگر تم اپنی اس طرح کی باتوں سے باز نہ آؤ گے تو ہم تم کو پتھروں سے کچل کر مار ڈالیں گے آخر مجبور ہو کر نوح علیہ السلام نے

[1] مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ بروایت جابرؓ اس مضمون کی روایت ہے۔

أَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبَاقِينَ ﴿١٢٠﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٢١﴾ وَ

ڈبو دیا پیچھے اُن رہے ہوؤں کو البتہ اس بات میں نشانی ہے اور وہ بہت لوگ نہیں ماننے والے اور

إِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٢﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٢٣﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ

تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا جھٹلایا عاد نے پیغام لانے والوں کو جب کہا اُن کو ان کے بھائی

بد دعا کی اور سوائے حضرت نوحؑ اور ان کے فرمانبردار لوگوں کے ساری قوم طوفان میں غرق ہو گئی اسی کو فرمایا کہ اس قصہ میں رسولوں کی مخالفت کرنے والوں کے لیے اگرچہ بڑی عبرت ہے مگر جو لوگ علم الٰہی میں نافرمان ٹھہر چکے ہیں وہ راہ راست پر نہیں آنے والے اور ایسے لوگوں کی سرکشی اگرچہ ہر وقت قابل سزا ہے لیکن اللہ تعالےٰ نے اپنی رحمت سے جب تک ایسے لوگوں کو مہلت دے رکھی ہے اس وقت تک وہ سرکشی کر لیویں پھر جب کہ اللہ تعالیٰ ان کو پکڑے گا تو اس کی پکڑ بہت زبردست ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالےٰ جب تک چاہتا ہے نافرمان لوگوں کو مہلت دیتا ہے پھر جب ان کو پکڑتا ہے تو بالکل برباد کر دیتا ہے۔ قوم نوحؑ کے انجام اور فتح مکہ تک کے نافرمان اہل مکہ کے انجام کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے۔ طوفان کا پورا قصہ سورہ ہود میں گزر چکا ہے اگرچہ ظاہر میں ہر ایک قوم نے فقط اپنے رسول کو جھٹلایا ہے۔ لیکن صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے[۵]۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز روزہ اور حلال و حرام کے احکام ہر ایک نبی کی جب شریعت کے زمانہ میں بدلتے رہے ہیں مگر اللہ کی وحدانیت جو اصل دین ہے اس سے کوئی شریعت خالی نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس قوم نے ایک شریعت اور ایک رسول کو جھٹلایا تو اس سے کوئی شریعت اور کوئی رسول خالی نہیں ہے اسی مطلب کے ادا کرنے کے لیے ان قصوں میں مرسلین جمع کے طور پر فرما کر یہ جتلایا گیا ہے کہ ان قوموں سے ہر ایک قوم نے فقط اپنے رسول کو جھٹلا کر سب صاحب شریعت رسولوں کو جھٹلایا مصنف ابن ابی شیبہ مستدرک حاکم تفسیر ابن ابی حاتم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی معتبر روایت سورہ ہود میں گزر چکی ہے کہ چالیس برس کی عمر میں حضرت نوح علیہ السلام نبی ہوئے اور طوفان سے پہلے ساڑھے نوسو برس اپنی قوم کو وہ نصیحت کرتے رہے جس نصیحت کے اثر سے اسی آدمی کے قریب راہ راست پر آئے اس کے بعد طوفان آیا اور ساٹھ برس طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام پھر زندہ رہے اس حساب سے نوح علیہ السلام کی عمر ہزار برس سے اونچی ہوئی۔ پچھلی کسی تاریخی حالت سے آئندہ کے کسی معاملہ کو ثابت کرنا ثبوت دعا کے لیے ایک عمدہ طریقہ ہے اسی مطلب سے قرآن شریف میں جگہ جگہ پچھلے قصے بیان فرمائے گئے ہیں تاکہ قریش کو اپنے آئندہ کے انجام سے خوف ہو۔

(۱۲۳ تا ۱۴۰) اوپر کے رکوع میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی امت کا ذکر تھا حضرت نوحؑ کے بعد دوسرے نبی ہود گزرے ہیں اس رکوع میں ان کا اور ان کی امت کا ذکر ہے شروع میں یہ ہود علیہ السلام نے بھی اپنی امت کو وہی نصیحت کی جو نوح علیہ السلام نے اپنی امت کو کی تھی۔ حضرت نوحؑ کا پڑپوتا ایک شخص عاد بن ارم تھا اس کی اولاد کو حضرت ہودؑ کی

[۵] تفسیر ہذا ص ۱۱۱ ج ۳۔

هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٢٤﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٢٥﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٢٦﴾ وَمَا

ہود نے کیا تم کو ڈر نہیں میں تمہارے پاس پیغام لانے والا ہوں معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو اور نہیں

اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢٧﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ

مانگتا میں تم سے اس پر کچھ نیگ میرا نیگ ہے اسی جہان کے صاحب پر کیا بناتے ہو ٹیلے پر

رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿١٢٨﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿١٢٩﴾ وَاِذَا

ایک نشان کھیلنے کو اور بناتے ہو کاریگریاں شائد تم ہمیشہ رہو گے اور جب

بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿١٣٠﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٣١﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ

ہاتھ ڈالتے ہو اور پنجہ مارتے ہو ظلم سے سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو اور ڈرو اس سے جس نے تم کو

امت کہتے ہیں تفسیر ثعلبی وغیرہ میں باغ ارم کی حکایت جو لکھی ہے کہ شداد بن عاد کا ایک باغ اور عمارت یمن کے ملک میں ہے اللہ کے حکم سے کبھی وہ باغ یمن کے ملک میں رہتا ہے کبھی عراق کے ملک میں آجاتا ہے سونے چاندی کی اینٹوں سے وہ عمارت بنی ہوئی ہے معاویہؓ کی خلافت میں لوگوں نے اس باغ اور عمارت کو دیکھا ہے یہ سب باتیں صحیح تفسیروں اور صحیح تاریخوں کی کتابوں میں بالکل نہیں ہیں[1] یہ حضرت ہودؑ کی امت کے لوگ بڑے شہ زور اور صاحب قوت تھے تفسیر ابن ابی حاتم میں ایک حدیث[2] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس قوم عاد میں ایک شخص اتنا بڑا پتھر پہاڑوں سے لڑھکا دیا کرتا تھا جس سے اور قوم کے صدہا لوگ ہلاک ہو جایا کرتے تھے اور قرآن شریف میں بھی کئی جگہ اس قوم کے شہ زور ہونے کا ذکر ہے اس قوم کے لوگوں کو نمود کی عمارتیں بنانے کا بڑا شوق تھا انہیں بے فائدہ عمارتوں کے بنانے سے حضرت ہود علیہ السلام نے ان لوگوں کو روکا ہے حضرت ابو درداء صحابیؓ جب دمشق کے ملک[3] میں تھے انہوں نے دیکھا کہ دمشق کے مسلمان لوگ باغ اور مکان بنانے کی بڑی حرص کرتے ہیں اس پر انہوں نے سب لوگوں کو دمشق کی جامع مسجد میں جمع کر کے ایک خطبہ پڑھا تھا جس کا حاصل یہ ہے کہ اے لوگو تم قوم عاد کی طرح ایسے باغ اور مکان کیوں بناتے ہو جو تمہاری دنیا میں چند روز رہنے کی ضرورت سے زائد ہیں تم کو معلوم نہیں کہ قوم عاد نے اتنا کچھ بنا کر پھر آخر کو یہیں چھوڑ دیا ان عمارتوں کو کوئی دو کوڑی کو بھی نہیں پوچھتا ابو داؤد کی انس بن مالک کی معتبر روایت[4] سے اوپر گزر چکا ہے کہ ایک صحابیؓ نے ایک پختہ برج بنایا تھا جب وہ برج آپ کی نظر پڑا تو آپ نے ان کو صحابیؓ سے بات نہ کی اور منہ پھیر لیا آخر ان صحابی نے وہ برج ڈھا ڈالا اور آپ نے یہ فرمایا کہ ضرورت سے زیادہ دنیا میں عمارت کا چھوڑ جانا بڑی وبال کی چیز ہے مسند امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ کی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی معتبر[5] روایت سے یہ بھی گزر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بوریئے پر سوئے تھے اس بوریئے کا نشان آپ کے جسم مبارک پر پڑ گیا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ مجھ کو خبر ہوتی تو حضرت میں آپ کے لیے کچھ

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۳۴۲ ج ۳ تفصیل کے لئے دیکھئے ایضاً تفسیر ابن کثیر ص ۵۰۸ ج ۴ تفسیر سورۃ الفجر [2]

[3] تفسیر ابن کثیر بحوالہ تفسیر ابن ابی حاتم، ص ۳۴۱ ج ۳ - [4] بحوالہ مشکوۃ کتاب الرقاق فصل دوسری۔

[5] ایضاً۔

بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّيْٓ

پہنچایا ہے جو کچھ جانتے ہو پہنچائے تم کو چوپائے اور بیٹے اور باغ اور چشمے میں

اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ

ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کی آفت سے بولے ہم کو برابر ہے تو نصیحت کرے یا نہ بنے

تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَمَا نَحْنُ

نصیحت کرنے والا اور کچھ نہیں یہ عادت ہے اگلے لوگوں کی اور ہم کو آفت

بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

نہیں آنے والی پھر اُس کو جھٹلانے لگے تو ہم نے ان کو کھپا دیا اس بات میں البتہ نشانی ہے اور وہ بہت لوگ

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾

نہیں ماننے والے اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا

بچھونا بچھا دیتا آپ نے فرمایا مجھ کو دنیا میں زیادہ پھنسنا منظور نہیں ہے دنیا میں فقط اتنا آرام لینا چاہتا ہوں جس طرح ایک مسافر ایک پیڑ کے نیچے ٹھہرا اور پھر اس نے اپنی راہ لی صحیح مسلم کی حضرت جابرؓ کی حدیث[۱] جس میں مری ہوئی بھیڑ بکری کی مثال دنیا کی حقارت کے باب میں آپؐ نے فرمائی ہے اور مستورد بن شدادؓ کی صحیح مسلم کی روایت[۲] جس میں دریا میں انگلی ڈبو کر نکالنے کی مثال دنیا کے حق میں فرمائی ہے یہ حدیثیں اور اور اس قسم کی حدیثیں اوپر گذر چکی ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ دنیا ایک چندروزہ عارضی مقام ہے اس میں مضبوط عمارتیں یا باغ لگا کر جو کوئی دنیا پر زیادہ گرویدہ ہوتا ہے تو یہ کام اللہ اور اللہ کے رسولؐ کو ہرگز پسند نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صحیح قول کے موافق ریع کے معنے اونچی جگہ کے ہیں اسی مطلب کے ادا کرنے کے لئے شاہ صاحب نے ریع کا ترجمہ ٹیلے کے لفظ سے کیا ہے قوم ہود کے قصہ کا حاصل یہ ہے کہ جب اپنی امت کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرح طرح کی نعمتیں یاد دلا کر بے فائدہ عمارتیں بنانے سے اور آپس کے ظلم و زیادتی سے ہود علیہ السلام نے منع کیا تو امت کے لوگوں نے سرکشی سے یہ جواب دیا کہ اے ہودؑ تم ہم کو نصیحت نہ کیا کرو ہم تمہاری ایک نہ سنیں گے اور پچھلے لوگوں کی عادت کے موافق عیش و عشرت سے اپنی زندگی بسر کریں گے اور جس عذاب سے تم ہر وقت ہم کو ڈراتے ہو اس سے ہم نہیں ڈرتے اس کے بعد سورہ ہود میں گذر چکا ہے کہ ایک سخت آندھی کے عذاب سے یہ قوم ہلاک ہوئی اسی کو فرمایا کہ ایسی شہ زور قوم کا ہوا جیسی چیز سے ہلاک ہو جانا اللہ کی قدرت کی ایک بڑی نشانی ہے لیکن علم الٰہی میں جو لوگ گمراہ ٹھہر چکے ہیں وہ اللہ کی قدرت کی نشانیوں سے بالکل غافل ہیں جب تک اللہ کو منظور ہوتا ہے یہ غافل لوگ غفلت سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو پکڑتا ہے تو پھر برباد کر دیتا ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰؓ اشعری کی حدیث اوپر گذر چکی ہے وہی حدیث قوم ہود کی مہلت اور ہلاکت کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل وہی ہے جو قوم نوحؑ کے قصہ میں بیان کیا گیا ہے۔

[۱] الیضاً فصل اول۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٤١﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٤٢﴾ إِنِّي

جھٹلایا ثمود نے پیغام لانے والوں کو جب کہا ان کو ان کے بھائی صالح نے کیا تم کو ڈر نہیں میں

لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٤٣﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٤٤﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ

تم پاس پیغام لانے والا ہوں معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ نیگ

إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٤٥﴾ أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هَاهُنَا آمِنِينَ ﴿١٤٦﴾ فِي

میرا نیگ ہے اُسی جہان کے صاحب پر کیا چھوڑ دیں گے تم کو یہاں کی چیزوں میں نڈر

جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٤٧﴾ وَزُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ﴿١٤٨﴾ وَتَنْحِتُونَ مِنَ

باغوں میں اور چشموں میں اور کھیتیوں میں اور کھجوروں میں جن کا گابھا ملائم ہے اور تراشتے ہو

الْجِبَالِ بُيُوتًا فَارِهِينَ ﴿١٤٩﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٥٠﴾ وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ﴿١٥١﴾

پہاڑوں کے گھر تکلیف سے سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو اور نہ مانو حکم بے باک لوگوں کا

(۱۴۱ تا ۱۵۹) حضرت نوح علیہ السلام سے سلسلہ شروع ہو کر یہ تیسرے پیغمبر حضرت صالح ہیں جو حضرت ہودؑ کے بعد نبی ہوئے قوم ثمود ان کی امت کا نام ہے شروع میں صالح علیہ السلام نے بھی اپنی امت کو وہی نصیحت کی ہے جو نوحؑ اور ہودؑ علیہ السلام نے اپنی امت کو کی تھی اس امت کو بھی عمارات کا بڑا شوق تھا بلکہ قوم عاد سے بھی ان لوگوں کا شوق عمارت کے باب میں بڑھا ہوا تھا قوم عاد کے لوگ تو زمین پر ہی پختہ مکان اینٹ اور پتھر کے بناتے تھے یہ لوگ پہاڑوں میں مکان تراش تراش کر ان مکانوں میں رہتے تھے۔ صحیح بخاری وغیرہ کے حوالہ سے سورہ ہود میں روایتیں گذر چکی ہیں[1] کہ تبوک کی لڑائی کے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اس قوم کے اجڑے ہوئے مکانات پر سے ہو کر گذر رہے تھے اور آپؐ نے صحابہؓ کو ان لوگوں کے مکانات کے اندر جانے سے منع فرمایا تھا۔ اور سوائے اونٹنی والے کنوئیں کے اور کسی پانی سے جن صحابہؓ نے آٹا گوندھا تھا یا کھانا پکایا تھا وہ آٹا اور کھانا آپؐ نے پھنکوا دیا تھا اور فرمایا تھا کہ اس عذاب میں گرفتار ہوئی قوم کے مکانات کو دیکھ کر خدا سے ڈرنا چاہئے خدا سے کیا دور ہے کہ وہ اوروں کو بھی اسی طرح اپنے عذاب میں پکڑ لیوے جب صالح علیہ السلام نے ان لوگوں کو عیش و آرام کی غفلت اور سرکش لوگوں کی عادتوں سے منع کیا تو ان لوگوں نے صالح علیہ السلام پر جادو کا اثر بتلایا اور ان سے کسی معجزے کی دکھانے کی خواہش کی اور صالح علیہ السلام نے اونٹنی کا معجزہ دکھایا جس کا پورا قصہ سورہ ہود میں گذر چکا ہے لیکن اس قوم کے لوگوں نے اونٹنی کا معجزہ دیکھ کر بھی حضرت صالح کی فرمانبرداری قبول نہیں کی اور سرکشی سے اس اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا تو ان لوگوں پر اس طرح عذاب آیا کہ آسمان سے ایک سخت آواز آئی اور زمین میں زلزلہ آیا اس صدمے سے ان لوگوں کے کلیجے پھٹ گئے اور مر گئے قرآن شریف میں اس قوم کے عذاب کے ذکر میں اس واسطے کہیں فقط زلزلہ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور کہیں سخت آواز کا ابو جعفر ابن جریرؒ اور معتبر مفسر علماء نے اس بات کی صراحت اچھی طرح کر دی ہے کہ اس قوم کا عذاب دونوں چیزیں مل کر تھا اس قوم میں سے چار ہزار آدمیوں کے قریب لوگ مسلمان بھی ہوئے باقی کے سرکش لوگ مسلمانوں سے جھگڑتے رہے اور حضرت صالحؑ سے کہا کہ اگر تم سچے نبی ہو تو ہم پر عذاب لے آؤ۔ اس پر وہ عذاب آیا مسند امام احمد اور مستدرک حاکم میں حضرت جابرؓ سے معتبر روایت[2] ہے

[1] تفسیر ہذا ص ۳۰۳ ج ۲، ص ۱۰۹ ج ۳۔ [2] فتح الباری ص ۲۲۷ ج ۳ باب قول اللہ تعالیٰ والیٰ ثمود اخاھم صالحاً۔ الخ

الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ
جو بگاڑ کرتے ہیں ملک میں اور سنوار نہیں کرتے بولے تجھ پر تو کسی نے

الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾
جادو کیا ہے تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم سو لے آ کچھ نشانی اگر تو سچا ہے

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ
کہا یہ اونٹنی ہے اس کو پانی پینے کی ایک باری اور تم کو باری ایک دن کی مقرر اور نہ چھیڑیو اس کو بری طرح

فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ
پھر پکڑے تم کو آفت ایک بڑے دن کی پھر کاٹ ڈالی وہ اونٹنی پھر کل کو رہ گئے وہ پچھتاتے پھر پکڑا ان کو

الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ
عذاب نے البتہ اس بات میں نشانی ہے اور وہ بہت لوگ نہیں ماننے والے اور تیرا رب ہی ہے

الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾
زبردست رحم کرنے والا

ع ۸ ۱۹ ۱۲

جس کا حاصل یہ ہے کہ تبوک کی لڑائی کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ثمود کی بستی حجر سے گذرے تو آپ نے فرمایا اے لوگو انبیاؑ سے معجزہ چاہنا اچھا نہیں ہے اس قوم ثمود نے اللہ کے نبی صالح سے معجزہ کی خواہش کی اور اونٹنی کا معجزہ دیکھ کر بھی سرکشی سے باز نہ آئے آخر ہلاک ہو گئے حاصل کلام یہ ہے کہ یہ دونوں قومیں قوم عاد اور قوم ثمود جس طرح دنیا کی آرائش کی چیزیں باغ پختہ مکانات کے شوق اور حرص میں اپنی عمر گنواتی تھیں اس طرح کی آرائش دنیا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے حق میں ناپسند فرمایا ہے معتبر سند سے ترمذی میں حضرت علیؓ سے روایت[1] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہجرت کے بعد مصعب بن عمیر صحابیؓ ایک روز مدینہ منورہ کی مسجد میں آپ کو اس حال میں نظر پڑے کہ ان کی چادر میں چمڑے کا پیوند لگا ہوا تھا مصعب بن عمیرؓ کا یہ حال دیکھ کر آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ نے فرمایا کہ دیکھو مکہ میں مصعبؓ کس طرح راحت سے رہتے تھے اور اب ان کا کیا حال ہے پھر آپؐ نے فرمایا میری امت کے لوگوں کا اس وقت کیا حال ہو گا کہ جب وہ دن میں کئی کئی پوشاکیں بدلیں گے اور طرح طرح کے کھانے کھاویں گے اور مکانوں کو بیت اللہ کی طرح آراستہ کریں گے صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضرت جب ہم لوگوں کو خوش حالی ہو جاوے گی تو ہم کو اللہ کی عبادت کا اور حقداروں کے حق ادا کرنے کا اچھا موقع ملے گا آپؐ نے فرمایا نہیں تم اس حالت سے اس حالت تنگی میں بہتر ہو یہ مصعب بن عمیرؓ مہاجرین میں ہجرت سے پہلے مکہ میں بہت خوشحالی سے رہتے تھے ہجرت کے بعد تنگ حال ہو گئے کیونکہ ان کا سب مال و اسباب مکہ میں رہ گیا۔ صالح علیہ السلام نے اپنی امت کے لوگوں کو عیش و آرام کی غفلت سے بچنے کی جو نصیحت کی اس کا حاصل یہ ہے کہ اے لوگو دنیا ناپائیدار ہے اس لئے یہ باغ پانی کے چشمے کھیتیاں پکی ہوئی کھجوروں کے درخت پہاڑوں میں کے تراشے ہوئے تکلف کے

[1] الترغیب والترہیب ص ۲۰۵ ج ۴ فصل باب الترغیب فی الزھد

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾

جھٹلایا لوط کی قوم نے پیغام لانے والوں کو جب کہا ان کو اُن کے بھائی لوط نے کیا تم کو ڈر نہیں

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ

میں تم کو پیغام لانے والا ہوں معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو اور مانگتا نہیں تم سے اس پر

أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٤﴾ أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٥﴾

کچھ نیگ میرا نیگ ہے اُسی جہان کے صاحب پر کیا دوڑتے ہو جہان کے مردوں پر

وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ﴿١٦٦﴾

اور چھوڑتے ہو جو تم کو بنا دیں تمہارے رب نے تمہاری جورویں بلکہ تم لوگ ہو حد سے بڑھنے والے

قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ﴿١٦٧﴾ قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ

بولے اگر نہ چھوڑے گا تو اے لوط تو تو نکالا جاوے گا کہا میں تمہارے کام سے البتہ

الْقَالِينَ ﴿١٦٨﴾ رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٩﴾ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿١٧٠﴾

بیزار ہوں اے رب خلاص کر مجھ کو اور میرے گھر والوں کو ان کاموں سے جو یہ کرتے ہیں پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور اسکے گھر والوں کو سارے

مکان دنیا میں رہنے والی چیزیں نہیں ہیں۔ سورۃ النمل میں آوے گا کہ ان لوگوں کا ایک گروہ بڑا سرکش تھا اسی گروہ میں کے ایک شخص قدار بن سالف نے معجزہ کی اونٹنی کو ہلاک کیا اسی واسطے صالح علیہ السلام نے اپنی اس نصیحت میں امت کے باقی لوگوں کو اس سرکش گروہ کی عادتوں سے منع کیا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیثؓ جو اوپر گزر چکی ہے قوم ثمود کی مہلت اور ہلاکت کی وہی حدیث گویا تفسیر ہے اور حاصل اس تفسیر کا بھی وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔

(۱۶۰ تا ۱۷۵) یہ حضرت لوطؑ اور ان کی امت کا قصہ ہے سورہ ہود میں اس قصے کی تفصیل گزر چکی ہے حاصل قصہ کا یہ ہے کہ حضرت لوطؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے شام کے ملک کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ہجرت کی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ انہوں نے بھی ہجرت کی سدوم ایک بستی شام کے نواح میں ہے وہاں کے یہ نبی ہوئے وہاں کے لوگوں نے نیا یہ گناہ ایجاد کیا تھا کہ عورتوں کو چھوڑ کر لڑکوں سے بدفعلی کیا کرتے تھے مدت تک حضرت لوطؑ نے لوگوں کو نصیحت کی مگر کچھ اثر نہ ہوا اور ایک شخص بھی ان میں سے راہ راست پر نہ آیا اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل اور میکائیل اور اسرافیل کو انسان کی صورت میں ان کے عذاب کے لئے بھیجا پہلے یہ تینوں فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو نہیں پہچانا اور مہمان سمجھ کر ان کے لئے کھانا لے آئے جب انہوں نے کھانا نہیں کھایا تو حضرت ابراہیمؑ کو تعجب ہوا اس پر انہوں نے جتلایا کہ ہم اللہ کے فرشتے ہیں اور حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاقؑ کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی اور لوطؑ کی امت پر عذاب نازل ہونے کا حال بھی بیان کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس عذاب کے ٹل جانے کی سفارش کی ان فرشتوں نے جواب دیا کہ اللہ کا حکم نہیں ٹل سکتا پھر یہ فرشتے حضرت ابراہیمؑ سے رخصت ہو کر سدوم گئے اور وہاں خوبصورت لڑکوں کی صورت

[1] بہت سی جگہ۔

إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغٰبِرِينَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ﴿١٧٢﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا

مگر ایک بڑھیا رہی رہنے والوں میں پھر اکھاڑ مارا ہم نے ان دوسروں کو اور برسایا ان پر ایک برساؤ سو کیا

فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنذَرِينَ ﴿١٧٣﴾ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧٤﴾

بڑا برسا ؤ تھا ان ڈرائے ہوؤں کا البتہ اس بات میں نشانی ہے اور وہ بہت لوگ نہیں ماننے والے

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٧٥﴾ كَذَّبَ أَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٧٦﴾

اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا جھٹلایا بن کے رہنے والوں نے پیغام لانے والوں کو

إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٧٧﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٧٨﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

جب کہا ان کو شعیب نے کیا تم کو ڈر نہیں میں تم کو پیغام لانے والا ہوں معتبر سو ڈرو اللہ سے

بن گئے اور حضرت لوطؑ کے گھر میں مہمان بن کر اترے حضرت لوطؑ کی بیوی نے قوم کے لوگوں کو ان خوبصورت نوعمر مہمانوں کی خبر دی اور وہ حضرت لوطؑ کے گھر پر چڑھ کر آئے جب اللہ کے فرشتوں نے حضرت لوطؑ کو جتلایا کہ ہم خوبصورت لڑکوں کی صورت میں اللہ کے فرشتے ہیں تمہاری امت پر اللہ کا عذاب لے کر آئے ہیں تھوڑی رات رہے تم اس بستی سے نکل کر چلے جانا پیچھے پھر کر ہرگز نہ دیکھنا صبح کو ان لوگوں پر عذاب آوے گا اور تمہاری بی بی بھی ان لوگوں میں ملی ہوئی ہے اس واسطے وہ بھی اس عذاب میں گرفتار ہوگی صبح کو اللہ کے حکم سے اس بستی پر پتھروں کا مینہ برسا اور حضرت جبرائیلؑ علیہ السلام نے اس بستی کے زمین کے ٹکڑے کو اٹھا کر الٹ دیا اب وہاں کا پانی بھی استعمال کے قابل نہیں رہا خوبصورت لڑکوں کی خبر سن کر جب قوم کے لوگ حضرت لوطؑ کے گھر پر چڑھ کر آئے اسی وقت حضرت لوطؑ نے اپنی تنہائی پر افسوس کر کے یہ کہا تھا کہ کاشکے میرے رشتہ کے لوگ میرے ساتھ ہوتے تو میں ان کی مدد سے امت کے لوگوں سے لڑتا حضرت لوطؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جدا ہو کر اکیلے سدوم میں نبی ہو گئے تھے اور تنہا وہاں رہتے تھے اس واسطے انہوں نے اپنی تنہائی پر افسوس کیا معتبر سند سے[۱] امام احمد بن حنبل میں حضرت ابوہریرہؓ سے جو روایت[۲] ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت لوطؑ کے بعد اللہ تعالیٰ نے بغیر کنبے کے لوگوں کی مدد کے کسی نبی کو اکیلا کسی بستی میں نہیں بھیجا تفسیر ابن مردویہ میں اس روایت کے بعد اتنا اور زیادہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ اس روایت کے ثبوت میں حضرت شعیب کے قصہ کی یہ آیت پڑھا کرتے تھے ولولا رھطك لرجمناك مختصر طور سے ابوہریرہؓ کی یہ روایت صحیح بخاری[۳] میں بھی ہے حضرت شعیب علیہ السلام کے قصہ کا حاصل مطلب یہ ہے کہ حضرت شعیبؑ کی امت میں حضرت شعیبؑ کے جو مخالف لوگ تھے وہ حضرت شعیبؑ سے یوں کہا کرتے تھے کہ تمہارے کنبے کے لوگ نہ ہوتے تو اے شعیب ہم تم کو قتل کر ڈالتے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث جو اوپر گزر چکی قوم لوط کی مہلت اور ہلاکت کی وہی حدیث گویا تفسیر ہے

(۱۷۵ تا ۱۹۱) یہ حضرت شعیبؑ اور ان کی امت کا قصہ ہے شروع میں شعیب علیہ السلام نے بھی اپنی امت کو جو نصیحت کی وہ انبیاء کے موافق ہے تفسیر عکرمہ تفسیر قتادہ اور تفسیر سدی میں حضرت شعیب علیہ السلام کو اصحاب مدین اور اصحاب الایکہ دو امتوں کا نبی قرار دیا ہے اس لیے قرآن شریف میں اصحاب مدین کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیبؑ کو اس قوم کا بھائی فرمایا ہے اور اصحاب الایکہ کے ساتھ بھائی

[۱] دیکھئے فتح الباری ص ۲۴۴ ج ۳ باب ولوطا اذ قال لقومہ الآیہ [۳] کتاب الانبیاءؑ

وَأَطِيعُونِ ﴿١٧٩﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٨٠﴾

اور میرا کہا مانو اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ نیگ میرا نیگ ہے اسی جہان کے صاحب پر

أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿١٨١﴾ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ﴿١٨٢﴾

پورا بھر دو ماپ اور نہ ہو نقصان دینے والے اور تولو سیدھی ترازو سے

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿١٨٣﴾ وَاتَّقُوا

اور مت گھٹا دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور مت دوڑ دوڑ ملک میں خرابی ڈالتے اور ڈرو

الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٨٤﴾ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿١٨٥﴾

اس سے جس نے بنایا تم کو اور اگلی خلقت کو بولے تجھ کو تو کسی نے جادو کیا ہے

وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَإِنْ نَظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿١٨٦﴾ فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا

اور تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم اور ہمارے خیال میں تو تو جھوٹا ہے سو گرا دے ہم پر کوئی ٹکڑا

نہیں فرمایا اور اصحاب مدین پر زلزلہ اور چنگھاڑ کے عذاب کا نازل ہونا فرمایا ہے اور اصحاب الایکہ پر آسمان سے انگارے برسنے کے عذاب کا نازل ہونا فرمایا ہے اور عذاب کی تین صورتیں زلزلہ اور چنگھاڑ اور انگاروں کا مینہ قرآن شریف میں دیکھ کر بعضے مفسروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام تینوں امتوں کے نبی ہوئے ہیں لیکن جمہور مفسرین اس بات پر قائم ہیں کہ اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی امت ہے مدین کے باہر پیڑوں کا بن ہے اسی کو ایکہ فرمایا ہے یہ لوگ پیڑوں کو پوجتے تھے اس واسطے جہاں ان لوگوں کا نام پیڑوں کے پوجنے کا فرمایا ہے وہاں حضرت شعیبؑ کو ان کا بھائی نہیں فرمایا ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت سے ایک حدیث بھی نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل مدین اور اہل ایکہ دو امتیں ہیں اور حضرت شعیب ان دونوں امتوں کے نبی مقرر ہوئے تھے حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے اس حدیث کی سند پر اعتراض کیا ہے اور صحیح یہی بات قرار دی ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا قول ہے یہ حضرت شعیب کی امت کے لوگ پیڑوں کو پوجتے تھے کم تولتے تھے راستہ لوٹتے تھے حضرت شعیبؑ ایک مدت تک ان لوگوں کو نصیحت کرتے رہے لیکن یہ لوگ باز نہ آئے پھر ان پر اس طرح عذاب نازل ہوا کہ پہلے زلزلہ آیا اور سخت آواز آئی جس کے سبب سے گھبرا کر یہ لوگ اپنے گھروں سے نکلے گھروں کے باہر سات روز تک ان پر ایسی گرمی غالب ہوئی کہ کہیں ان کو چین نہ تھا اتنے میں ایک ابر کا ٹکڑا نمودار ہوا پہلے ایک شخص ان میں کا اس ابر کے نیچے گیا اور اس نے اس ابر کے نیچے ٹھنڈک پاکر اس ٹھنڈک کی اوروں کو خبر دی جب سب قوم کے لوگ اس ابر کے نیچے جمع ہو گئے تو ابر میں سے انگارے برس کر سب ہلاک ہو گئے یہ حضرت شعیبؑ نابینا تھے ان کی تقریر بہت اچھی تھی اس لیے ان کو خطیب الانبیاء کہتے تھے جس امت میں جو کچھ عیب تھا قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے اس کو الگ الگ تفصیل سے بیان فرمایا ہے اہل مدین اور اہل ایکہ کے عیب جدا جدا کچھ بیان نہیں فرمائے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں قومیں ایک ہی امت کے لوگ تھے اکثر مفسروں کے قول کے موافق یہ حضرت شعیبؑ وہی ہیں جن کے پاس مصر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام گئے تھے اور جن کی ایک لڑکی سے

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۳۴۵ ج ۳۔

مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٨٧﴾ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨٨﴾

آسمان اگر تو سچا ہے کہا میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٨٩﴾

پھر اس کو جھٹلایا پھر پکڑا اُن کو آفت نے سائبان والے دن کے بیشک وہ تھا عذاب بڑے دن کا

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٩٠﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ

البتہ اس بات میں نشانی ہے اور وہ بہت لوگ نہیں ماننے والے اور تیرا رب وہی ہے زبردست

الرَّحِيْمُ ﴿١٩١﴾ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿١٩٣﴾ عَلٰي

رحم والا اور یہ قرآن ہے اتارا جہان کے صاحب کا لے اترا ہے اس کو فرشتہ معتبر تیرے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح ہوا اکثر مفسروں کے اس مشہور قول پر حافظ ابن کثیرؒ نے جو اعتراض کیا ہے اس کا ذکر سورہ ہود میں گزر چکا ہے[1] اس امت پر طرح طرح کا عذاب جو نازل ہوا اس کا سبب مفسرین نے لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے نبی سے طرح طرح کی بے ادبیاں کی تھیں چنانچہ یہ جو انہوں نے کہا تھا کہ اے شعیب ہم تم کو اور تمہارے ساتھ کے مسلمانوں کو بستی سے نکال دیں گے اس کی سزا میں زلزلہ کے سبب سے خود یہ لوگ بستی سے نکلے اور یہ جو کہا تھا کہ اے شعیب کیا تمہاری نماز ہم کو ہمارے معبودوں کی عبادت سے روکتی اور منع کرتی ہے اس بکواس کی سزا میں چنگاڑ کا عذاب آیا جس سے یہ لوگ دم بخود ہو کر پھر بات بھی منہ سے نہ نکال سکے اور یہ جو کہا تھا کہ اے شعیب اگر تم سچے نبی ہو تو عذاب کے طور پر آسمان کا ایک ٹکڑا ہم پر گرا دو اس کی سزا میں وہ ابر آیا جس سے انگاروں کا مینہ برسا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث جو اوپر گزر چکی ہے قوم شعیبؑ کی مہلت اور ہلاکت کی بھی وہی حدیث گویا تفسیر ہے ان سب قصوں سے جو قریش کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے باز نہیں آئے وہ بدر کی لڑائی کے وقت دنیا اور عقبیٰ کے عذاب میں پکڑے گئے جس کا ذکر انس بن مالکؓ کی صحیح بخاری و مسلم کی روایتوں کے حوالہ سے ایک جگہ گزر چکا ہے تفسیر ضحاک میں یَوْمُ الظُّلَّۃ کی تفسیر عذاب والے ابر کے دن کی ہے لیکن وہ ابر قوم شعیبؑ پر سائبان کی طرح چھا گیا تھا اس واسطے شاہ صاحب نے یَوْمِ الظُّلَّۃ کا ترجمہ ''سائبان والا دن'' کیا ہے اس سے زیادہ تفصیل قوم شعیب کے قصہ کی سورہ ہود میں گزر چکی ہے۔

(١٩٢ تا ٢٠٢) حکم الٰہی کی مخالفت کے سبب سے پچھلی چند قومیں جو ہلاک ہوئیں ان کے ذکر کے بعد قریش کو قرآن کی مخالفت سے ڈرانے کے لیے ان آیتوں میں فرمایا اے رسول اللہ کے یہ قرآن اللہ رب العالمین نے تم پر اتارا ہے اور جبرائیل علیہ السلام اس کو لے کر اترے ہیں جو بڑے معتبر فرشتے ہیں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ و سدی کا یہ قول ہے کہ روح الامین سے یہاں حضرت جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ عزت والے فرشتے نے قرآن کو اتارا ہے جو خدا کے نزدیک معتبر ہے اس نے قرآن میں کچھ بڑھایا گھٹایا نہیں ہے جوں کا توں ہے اور یہ غرض اس واسطے اتارا ہے کہ تم لوگ اس سے تو

[1] ملاحظہ فرمایئے صفحہ ١٩ جلد ٣ جس میں صحیح بات اسی کو قرار دیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے سسر کوئی دوسرے بزرگ تھے اور یہی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے (جامع الرسائل لابن تیمیہ ص ٦٧ ج ا تحقیق محمد رشاد سلام ع۔ ح)

قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿١٩٥﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ

دل پر کہ تو ہو ڈر سنانے والا کھلی عربی زبان سے اور یہ لکھا ہے پہلوں

الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٩٦﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٩٧﴾

کتابوں میں کیا ان کو نشانی نہیں ہو چکی یہ کہ اس کی خبر رکھتے ہیں پڑھے لوگ بنی اسرائیل کے

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿١٩٨﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

اور اگر اتارتے ہم یہ کتاب کسی اوپری زبان والے پر اور وہ اس کو پڑھتا تو بھی اس کو

مُؤْمِنِيْنَ ﴿١٩٩﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٢٠٠﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ

یقین نہ لاتے اسی طرح پیٹھا یا ہم نے اس کو گنہگاروں کے دل میں وہ نہ مانیں گے اس کو

اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اس کو کہ جس نے حکم الٰہی کو جھٹلایا اور اس کا خلاف کیا پھر فرمایا اتارا قرآن شریف کو عربی زبان میں جو نہایت فصیح ہے اور اس قرآن شریف کا ذکر پہلی کتابوں میں بھی موجود ہے پھر فرمایا مکہ کے کافروں کو کیا یہ گواہی کافی نہیں کہ بنی اسرائیل کے عالم اس قرآن شریف کو اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہیں جن کو وہ رات دن پڑھا کرتے ہیں پھر قریش کے سخت نافرمان ہونے کا ذکر فرمایا کہ اگر قرآن شریف کو ہم کسی ایسے آدمی پر نازل کرتے کہ جس کی زبان عربی نہ ہوتی اور وہ ان کے سامنے قرآن پڑھتا تو بھی یہ کافر مکہ اس پر ایمان نہ لاتے اب آگے فرمایا کہ اسی طرح کے جھٹلانے پر مجرموں کے دل مائل ہو گئے ہیں اس لئے یہ لوگ حق بات کو اس وقت تک نہیں مانتے جب تک دیکھیں عذاب دردناک اور جب دیکھیں گے عذاب تو اس وقت ان کا عذر کچھ فائدہ نہ دے گا بلکہ خدا کا عذاب ان پر اچانک آجائے گا کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی پھر اس وقت کہیں گے کہ اگر تھوڑی سی بھی ہم کو مہلت دی جاوے تو ہم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور بندگی کرلیں جیسا کہ سورہ ابراہیم میں فرمایا وانذر الناس یوم یاتیھم العذاب فیقول الذین ظلموا ربنا اخرنا الی اجل قریب نجب دعوتک ونتبع الرسل جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ ہر کافر جب خدا کا عذاب دیکھے گا تو بہت پچھتاوے گا اور اس پچھتاوے کے وقت حکم الٰہی کے ماننے اور اللہ کے رسولوں کی فرمانبرداری کرنے کی تمنا کرے گا لیکن وہ بے محل پچھتانا اس کے کچھ کام نہ آئے گا کیونکہ انتظام الٰہی کے موافق دنیا نیک و بد کے امتحان کے لیے پیدا کی گئی ہے ایسی بے بسی کے وقت وہ امتحان کا موقع نہیں رہتا چنانچہ سورہ یونس میں گزر چکا ہے کہ ڈوبنے کے وقت فرعون نے راہ راست پر آنے کا اقرار کیا اور اس کا وہ اقرار بے محل قرار پایا صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث[1] ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص کو اس وقت تک نیک عمل کی کوشش کرنی چاہئے کہ موت بالکل سامنے نہ آجائے یا مثلاً سورج مغرب سے نہ نکلے حاصل یہ ہے کہ سورہ یونس کا فرعون کا قصہ اور حدیث بے بسی کے وقت نیک عمل کے قبول نہ ہونے کی تفسیر ہے جن کا حاصل یہ ہے کہ ایسی بے بسی کے وقت پر شریعت کا کوئی حکم انسان کے ذمہ باقی نہیں رہتا اس واسطے اس وقت کا کوئی نیک کام مقبول نہیں سورہ بقر میں گزر چکا ہے کہ جو اوصاف دین محمدی کے قرآن میں ہیں وہی اوصاف پہلی کتابوں میں تفصیل سے تھے اس لئے اہل کتاب نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے تھے غرض سورۂ بقر کی آیت الذین

[1] بحوالہ مشکوۃ باب العلامات بین یدی الساعۃ الخ

حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا

جب تک نہ دیکھیں گے دکھ کی مار پھر آوے ان پر اچانک اور ان کو خبر نہ ہو پھر کہنے لگیں

هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ

کچھ بھی ہم کو فرصت ملے کیا ہماری مار جلد مانگتے ہیں بھلا دیکھ تو اگر برتنے دیا ہم نے انکو

سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾

کئی برس پھر پہنچا ان پر جس کا ان سے وعدہ تھا کیا کام آوے گا ان کے جتنا برتتے رہے

آتیناھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم آیت وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ کی گویا تفسیر ہے علمائے بنی اسرائیل سے مطلب عبداللہ بن سلام ابن یامین ثعلبہ اسد اور اسید ہیں[1] جنھوں نے قرآن کو کتاب آسمانی جانا اور اسلام اختیار کیا۔ صحیح بخاری و مسلم[2] میں یعلیٰ بن امیہ کا جو قصہ ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ یعلیٰ بن امیہ حضرت عمرؓ سے کہا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جس وقت وحی نازل ہوتی ہے اس وقت کی آپؐ کی حالت کبھی مجھ کو دکھاؤ یعلیٰ بن امیہ کی اس خواہش کے موافق سنہ میں جعرانہ مقام کی وحی کی حالت جو حضرت عمرؓ نے یعلیٰ بن امیہ کو دکھائی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر وحی کا ایسا اثر پڑا تھا کہ اس وقت آپؐ کی حالت غش کی سی ہوگئی تھی حاصل کلام یہ ہے کہ وحی کے نازل ہونے کے وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر جو اثر پڑا کرتا تھا اس جتلانے کے لیے ان آیتوں میں علیٰ قلبک کا لفظ فرمایا ہے مشرکین مکہ کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان بھی عربی ہے اور قرآن بھی عربی میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود بنا لیتے ہیں اس کے جواب میں فرمایا کہ قرآن عربی زبان میں اس لئے اتارا گیا ہے کہ اس کا مطلب لوگوں کی سمجھ میں آجاوے لیکن جن لوگوں کے دل میں علم الٰہی کے موافق اعلیٰ گمراہی لکھی ہوئی ہے وہ لوگ کسی دوسری زبان کا قرآن سن کر بھی راہ راست پر آنے والے نہیں چنانچہ سورہ انعام میں گزر چکا ہے کہ ان ازلی گمراہوں کی آنکھوں کے سامنے آسمان سے فرشتے اتر آویں یا زمین میں کے مردے قبروں میں سے اٹھ کر ان کو سمجھاویں جب بھی یہ ازلی گمراہ راہ راست پر نہ آویں گے۔

(۲۰۴ تا ۲۰۷) جس طرح اور امتوں کے لوگوں نے اپنے انبیاء سے یہ کہا تھا کہ اگر تم سچے نبی ہو تو ہم پر عذاب لے آؤ اسی طرح قریش نے بھی اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ اگر یہ قرآن سچ ہو اور ہم اس پر ایمان نہ لاتے ہوں تو ہم پر آسمان سے پتھر برسیں یا اور کوئی عذاب آجاوے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں پچھلی امتوں کے سرکش لوگوں پر طرح طرح کے عذاب آجانے اور ان کے ہلاک ہو جانے کا ذکر فرما کر اس آیت میں قریش میں نضر بن حارث اور ابوجہل کی عذاب کی دعا کا یہ جواب دیا ہے کہ اب تو دنیا کی فارغ البالی کے سبب سے اترا کے ان لوگوں کو یہ سرکشی سوجھی ہے کہ خواہشیں کر کے عذاب کی دعائیں مانگتے ہیں پہلی امتوں کی طرح دنیا میں ہی یا اگر دنیا میں ہی یا اگر دنیا چند روزہ گزر گئی تو آخرت میں جس وقت عذاب الٰہی کی مصیبت ان کے سر پر آن پڑے گی تو وہ ایسی مصیبت ہے کہ یہ دنیا کا چندروزہ عیش و آرام جس کے سبب سے آج یہ لوگ اترا رہے ہیں ان کو ذرا یاد بھی نہ رہے گا مصیبت ہی مصیبت پکاریں گے مسلم کی روایت سے حضرت انسؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بڑے بڑے عیش و آرام میں

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۹۵ ج ۵، [2] صحیح بخاری ص ۲۰۸ ج ۱ باب غسل الخلوق ثلاث مرات من الثیاب

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿٢٠٨﴾ ذِكْرٰى ﵝ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٠٩﴾

اور کوئی بستی نہیں کھپائی ہم نے جس کو نہ تھے ڈر سنانے والے یاد دلانے کو اور ہمارا کام نہیں ہے ظلم کرنا

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿٢١٠﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٢١١﴾ اِنَّهُمْ عَنِ

اور نہیں لے اترے شیطان اور ان سے بن نہ آوے اور وہ کر نہ سکیں ان کو تو

دنیا بسر کرنے والوں کو دوزخ میں ڈالتے ہی جب ان سے فرشتے پوچھیں گے کہ کبھی دنیا میں تم نے کچھ راحت دیکھی تھی تو اس تکلیف کے آگے دنیا کی سب راحت بھول کر وہ قسم کھا کر یہی جواب دیں گے کہ ہم نے کبھی راحت کی صورت بھی نہیں دیکھی یہ حدیث ان آیتوں کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اب تو دنیا کی فارغ البالی کے نشہ میں یہ لوگ عذاب کی خواہش کرتے ہیں لیکن جب عذاب میں گرفتار ہو جاویں گے تو دنیا کی یہ چند روزہ فارغ البالی ان کو یاد بھی نہ رہے گی۔

(۲۰۸ تا ۲۱۳) یہ آیت مثل بنی اسرائیل کی آیت وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا کے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بغیر رسول بھیجے اور سمجھائے خدا عذاب نہیں کرتا جیسا کہ سورہ القصص میں فرمایا وما کان ربك مهلك القرىٰ حتىٰ يبعث فى امها رسولا يتلو عليهم اٰيٰتنا وما كنا مهلكى القرىٰ الا واهلها ظٰلمون جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نہیں کھپاتے بستیوں کو مگر جب رسولوں کے بھیجنے کے بعد بستی والے ظلم کرتے ہیں غرض برے عمل عذاب کا سبب ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہے پھر فرمایا قرآن شریف میں جو نیک باتیں ہیں وہ کام شیطان کا نہیں ہے اور شیاطین تو قرآن شریف کے اترنے کے وقت اس کے سننے سے دور اور کنارے ہوتے ہیں کس لئے کہ جب تک قرآن شریف نازل ہوتا رہا آسمان پر چوکیداروں کا پہرا رہا شیطان ایک حرف نہ چرا سکے تاکہ قرآن میں شیاطینوں کا دخل نہ ہو اور یہ اللہ کی بڑی مہربانی اور پاسبانی ہے شرع شریف کی چنانچہ سورہ جن میں جنات کا قول آوے گا وانا لمسنا السماء فوجدناها ملئت حرسا شديدا وشهبا وانا كنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن يستمع الاٰن يجد له شهابا رصدا جس کا مطلب یہ ہے کہ جنات پہلے تو آسمان کی باتیں سننے کو بعض جگہوں میں بیٹھ جاتے تھے لیکن اب تو آسمان پر بڑی چوکسی ہے جگہ جگہ انگارے برسائے جاتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ قرآن شریف اللہ کے ہاں سے معتبر فرشتہ کی معرفت اس بڑے انتظام کے ساتھ اترتا ہے اس کے بعد حکم کیا اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ نہ پکار خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو کیونکہ وہ اکیلا ہے وحدہ لاشریک کوئی اس کا ساجھی نہیں اگر کوئی خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو عذاب کرے گا اگرچہ یہ آخری آیت کا ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر اصل میں امت کے لوگوں کو اس میں شرک کی برائی جتلائی گئی ہے کہ بالفرض اگر کوئی رسول بھی شرک کر بیٹھے تو عذاب میں پکڑا جاوے پھر امت کے لوگ کس گنتی میں ہیں۔ صحیح بخاری اور مسلم کے حوالہ سے مغیرہ بن شعبہؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی روایتیں ایک جگہ گزر چکی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو انجانی کے عذر کا رفع کر دینا بہت پسند ہے اسی واسطے اس نے ہر ایک بستی میں رسول بھیجے یہ حدیث الا لها منذرون کی گویا تفسیر ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابو ذرؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم اپنی ذات پاک پر ٹھہرا لیا ہے۔ یہ حدیث وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ کی گویا تفسیر ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث[1] ایک جگہ گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن شریف کے نازل ہونے کے زمانہ میں بہ نسبت پہلے کے آسمان پر

[1] بحوالہ صحیح بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ الجن۔

السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ ﴿٢١٢﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ ﴿٢١٣﴾

سننے کی جگہ سے کنارہ کر دیا ہے سو تو مت پکار اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم پھر تو پڑے عذاب میں

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿٢١٤﴾

اور ڈر سنا دے اپنے نزدیک کے ناتے والوں کو

حفاظت کا انتظام زیادہ ہو گیا تھا اس لئے جو جنات اس سے پہلے آسمان پر کی باتیں چوری سے سن آیا کرتے تھے اور کاہن لوگوں سے وہ باتیں کہہ کر انہیں اپنا معتقد بنایا کرتے تھے ان جنات کو اس لئے انتظام کی بڑی جستجو میں ان جنات کی ٹکڑیاں ہر طرف پھرتی تھیں ایک دفعہ ان کی ایک ٹکڑی نے مکہ اور طائف کے درمیان میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صبح کی نماز میں قرآن شریف پڑھتے ہوئے سنا اور سمجھ گئے کہ اس کلام کی حفاظت کے لئے آسمان پر چوکسی زیادہ ہوتی ہے اور اس بات کے سمجھ جانے کے بعد وہ جنات دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے سورہ جن میں اس کی تفصیل زیادہ آوے گی حاصل کلام یہ ہے کہ سورہ جن کی آیتیں اور یہ حدیث انھم عن السمع لمعزولون کی گویا تفسیر ہے۔

(٢١٤) موضح القرآن میں جو ذکر ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کنبے والوں کو نام لے لے کر خاص طور سے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا اور قریش کو ایک قبیلہ کا نام لے کر ڈرایا یہ روایت صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے آئی ہے[١] اور بعضے مفسروں نے اس روایت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ صفا پہاڑ پر چڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عذاب الٰہی سے ڈرانے کا قصہ ہجرت سے پہلے مکہ کا ایک قصہ ہے اور حضرت ابوہریرہؓ ہجرت کے بعد مدینہ میں اسلام لائے ہیں اسی طرح عبداللہ بن عباسؓ کو ہجرت کے بعد روایت کرنے کے قابل ہوش آیا ہے ہجرت سے پہلے وہ بالکل بچے تھے پھر یہ مکہ کے قصہ کی روایت حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کیوں کر ہے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اس اعتراض کا جواب یوں دیا ہے کہ اور صحابیوں نے جو ہجرت سے پہلے روایت کرنے کے قابل تھے اس قصہ کو دیکھا ہے اور ان صحابیوں سے اس قصہ کو سن کر حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مدینہ میں اسے روایت کے طور پر بیان کیا ہے اس طرح کی روایت کو محدثین "مراسیل صحابہؓ" کہتے ہیں جو روایت کا مقبول طریقہ ہے امام نوویؒ نے شرح صحیح مسلم میں امام بخاری پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس آیت کی روایت میں ایک آیت کا ٹکڑا ومنھم المخلصین اور ہے جس کی تلاوت اب منسوخ ہے اور اس ٹکڑے کو امام بخاری نے روایت نہیں کیا اس کا جواب بھی حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں دے دیا ہے کہ سورہ تبت کی تفسیر میں امام بخاریؒ نے ساری روایت بیان کی ہے[٢] اس میں یہ آیت کا ٹکڑا بھی موجود ہے اس سورہ کی تفسیر میں امام بخاریؒ نے اس آیت کے ٹکڑے کو جو چھوڑ دیا ہے اس کا سبب امام بخاریؒ کی اس عادت کے موافق ہے کہ وہ ایک روایت کو کتاب بھر میں ایک جگہ پوری بیان کر کے پھر اور جگہ اس روایت کا فقط ایک ٹکڑا بیان کر دیتے ہیں اس روایت کا بھی وہی حال ہے امام نوویؒ نے شاید سورہ تبت کو صحیح بخاری میں خیال نہیں کیا اس لئے انہوں نے شرح صحیح مسلم میں وہ اعتراض کیا ہے۔

[١] مشکوٰۃ باب الانذار والتحذیر۔ [٢] صحیح بخاری ص ٧٤٣ ج ٢۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ

اور اپنے بازو نیچے رکھ ان کے واسطے جو تیرے ساتھ ہوں ایمان والے پھر اگر تیری بے حکمی کریں تو کہہ دے

اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ

میں الگ ہوں تمہارے کام سے اور بھروسا کر اس زبردست رحم والے پر جو دیکھتا ہے تجھ کو

حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾

جب تو اٹھتا ہے اور تیرا پھرنا نمازیوں میں وہ جو ہے وہی ہے سنتا جانتا

(۲۱۵ تا ۲۲۰) اوپر رشتہ داروں کو ڈر سنانے کا حکم تھا اب فرمایا بازو جھکا دے ان کے لئے جو تیرے ساتھ ہوں ایماندار مطلب یہ ہے کہ ایمان والے خواہ اپنے رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں ان کے ساتھ تو شفقت سے رہ اور جو تیری نافرمانی کرے وہ کوئی کیوں نہ ہو اس سے جدا رہ اور کہہ کہ میں بیزار ہوں تمہاری حرکتوں سے اور بھروسہ کر اس زبردست رحم والے پہ جو تجھ کو دیکھتا ہے جب تو تہجد کو اٹھتا ہے اور پھرتا ہے سجدہ کرنے والوں میں ان کی خبر کو کہ غافل ہیں یا یاد الٰہی میں مشغول ہیں بیشک وہ پروردگار ہر ایک بات کو سنتا جانتا ہے مطلب یہ ہے کہ اے رسول اللہ کے جب تم صحابہؓ کے ساتھ فرض نماز پڑھتے ہو تو اس نماز کا رکوع سجود اور تمہارا تہجد کے وقت کا اٹھنا اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے اور اے رسول اللہ کے جب اللہ تعالیٰ تمہارے ذرا ذرا حال سے خبردار اور واقف ہے تو ہر حال میں تم کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے صحیح بخاری و مسلم میں انس بن مالکؓ سے روایت[1] ہے جس میں انسؓ کہتے ہیں کہ دس برس تک میں آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا لیکن کبھی آپ دنیا کی باتوں میں مصروف نہ ہوئے مسلمانوں سے شفقت کے ساتھ پیش آنے کا حکم جو ان آیتوں میں ہے اس کی تعمیل کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ سے جو روایت[2] ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ تصویروں کا پردہ دیکھ کر آنحضرتؐ کو غصہ آگیا تھا ان آیتوں میں خلاف شرع بات پر بیزاری کا جو حکم ہے اس کی تعمیل کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے صحیح بخاری میں جابر بن عبداللہ کی روایت[3] سے جو قصہ ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتے میں ایک شخص نے ننگی تلوار کھینچ کر آپؐ سے پوچھا تھا کہ آپ کو میرے حملہ سے اب کون بچائے گا تو آپؐ نے فرمایا مجھ کو اللہ بچائے گا اللہ پر بھروسہ کرنے کا جو حکم ان آیتوں میں ہے یہ حدیث اس کی تعمیل کی تفسیر ہے پھر فرمایا کہ بتاؤں تم کو کس پر شیطان اترتے ہیں وہ ہر ایک جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں جو کاہن کہلاتے ہیں وہ لوگ کسی شیطان سے نذر و نیاز سے پیش آن کر اس کو اپنا دوست بناتے ہیں اس لئے وہ شیطان ان کی خاطر سے ملائکہ کی گفتگو سننے کو آسمان پر جاتا ہے تو وہ فرشتے اس کو انگارے مارتے ہیں اس پر بھی ایک دو بات اس کے کان میں پڑ گئی تو اس نے اپنے دوست سے آکر کہہ دی اس نے لوگوں سے کہہ دی لوگ اس کے قائل ہو گئے پھر ایک دو بات جو ملائکہ سے سنی تھی چار پانچ باتیں اپنی طرف سے ان میں اور جو زمین پر آخر کو وہ جھوٹ پڑیں یا سچ ہوئیں شیطان نیکوں سے ناخوش ہے کیوں کہ وہ اس کو برا جانتے ہیں ہاں جھوٹے آدمیوں سے شیطان خوش ہے کہ وہ اس کی مرضی کے موافق کام کرتے ہیں اور جھوٹے شاعروں کی

[1] ......
[2] مشکوٰۃ باب التصاویر ص ۳۸۵۔
[3] مشکوٰۃ ص ۴۵۳ باب التوکل والصبر فصل تیسری۔

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿٢٢١﴾ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيْمٍ ﴿٢٢٢﴾

میں بتاؤں تم کو کس پر اترتے ہیں شیطان اترتے ہیں ہر جھوٹے گنہگار پر

يُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿٢٢٣﴾ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿٢٢٤﴾ أَلَمْ تَرَ

لا ڈالتے ہیں سنی بات اور بہت ان میں جھوٹے ہیں اور شاعروں کی بات پر چلیں وہی جو بے راہ ہیں تو نے نہیں

أَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿٢٢٥﴾ وَأَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٢٢٦﴾ إِلَّا الَّذِيْنَ

دیکھا کہ وہ میدان میں سر مارتے پھرتے ہیں اور یہ کہ وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے مگر جو

بات پر وہی لوگ عمل کرتے ہیں جو بہکے ہوئے گمراہ ہیں صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت[1] ہے کہ کچھ آدمیوں نے پیغمبر صلعم سے کاہن لوگوں کا حال دریافت کیا آپؐ نے فرمایا اُن باتوں کا کچھ اعتبار نہیں لوگوں نے عرض کیا وہ جو کچھ کہتے ہیں تو کبھی سچ بھی ہوتا ہے آپؐ نے فرمایا یہ ایک بات سچی ہوتی ہے جس کو وہ آسمان پر کی باتوں سے لے لیا ہے لیکن پھر جنات اور کاہن لوگ اس میں سو جھوٹ ملا دیتے ہیں یلقون السمع واکثرھم کاذبون کا یہی مطلب ہے کہ وہ شیطان آسمان پر کی چرائی ہوئی اور اچکی ہوئی جس بات کو کاہنوں سے کہتا ہے فقط وہ بات تو سچی نکلتی ہے اور باقی سب جھوٹ علی ابن ابی طلحہؓ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آیت والشعراء یتبعھم الغاوٗن کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ شعراء سے وہ کافر شاعر مراد ہیں جو جھوٹی تعریف اور مذمت میں دفتر کے دفتر سیاہ کرتے ہیں اور قبیلے کے مشرک ان جھوٹی باتوں کا اور مسلمانوں کی ہجو کا چرچا آپس میں پھیلاتے ہیں جس طرح کاہنوں کو شیاطین جھوٹی باتوں میں مدد دیتے ہیں اسی طرح مشرک شاعروں کو بھی اسلام کی ہجو اور بتوں کی تعریف میں طرح طرح کے مضمون وسوسہ کے طور پر سوجھاتے تھے اس لیے شیاطینوں کے ذکر کے ساتھ کاہنوں اور شاعروں دونوں کا ذکر فرمایا جو اسلام سے پہلے مشرکوں کو آئندہ کی جھوٹی سچی خبریں بتلایا کرتے تھے ان کو کاہن کہتے تھے قتادہؒ نے افاک اثیم کی تفسیر کاہن بیان کی ہے مشرکین مکہ قرآن کی غیب کی باتوں کو کاہنوں کی سی خبریں اور قرآن کی فصاحت کو شاعرانہ فصاحت جانتے تھے اس لیے شروع رکوع میں قرآن شریف کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں کاہنوں اور شاعروں کا ذکر فرمایا کہ مشرکین مکہ کو قرآن شریف کی حالت اور کاہنوں شاعروں کی باتوں کی حالت اچھی طرح معلوم ہو جائے۔

٢٢٥ تا ٢٢٦ معتبر سند سے ادب مفرد بخاری مستدرک حاکم تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن ابی حاتم میں جو شان نزول ان آیتوں کی حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہ کی روایت[2] سے بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ عرب میں دو قبیلوں کے لوگوں میں کچھ مخالفت ہو جاتی تھی تو ایک شاعر ایک قبیلہ کی طرف ہو جاتا تھا اور دوسرا شاعر دوسرے قبیلہ کی طرف اور ہجو کے قصیدے دونوں طرف سے ہوا کرتے تھے اور جس طرح اس زمانہ کے شاعر فارسی اور اردو میں فرضی اور جھوٹے مضمون باندھتے ہیں اسی طرح ایک طرف کا شاعر دوسری طرف کے لوگوں کی صحیح اور غلط ہجو کیا کرتا تھا اور قبیلہ کے لوگ اپنی طرف والے شاعر کے ساتھی بن جایا کرتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے اس طرح کے شاعروں کی مذمت نازل فرمائی تو حسان بن ثابت اور عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن مالکؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روتے ہوئے آئے اور عرض کیا کہ حضرت ہم لوگ بھی شاعر ہیں ہم سے بھی

[1] مشکوٰۃ ص ٣٩٢ باب الکہانۃ۔ [2] پوری تفصیل تفسیر ابن کثیر اور تفسیر الدر المنثور میں ملاحظہ فرمایئے زیر تفسیر آیت ہذا۔

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ

یقین لائے اور کیں نیکیاں اور یاد کی اللہ کی بہت اور بدلا لیا اُس پیچھے کہ ان پر ظلم ہوا

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾

اور اب معلوم کریں گے ظلم کرنے والے کس کروٹ الٹتے ہیں

اللہ تعالیٰ ناخوش ہوگا اس پر اللہ تعالیٰ نے آخر کا حصہ ان آیتوں کا نازل فرمایا اور مستثنےٰ کے طور پر فرما دیا کہ مسلمانوں میں کے یہ شاعر لوگ جو اسلام کی ہجو کا جواب دیتے ہیں اور اسلام کی مدح میں سچے مضمون باندھتے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ ناخوش نہیں ہے شرع شریعت میں اب بھی یہی حکم ہے جھوٹے مضمون کے شعروں کو جس طرح شاعر لوگ حال وخط کی جھوٹی تعریفوں میں دفتر کے دفتر سیاہ کرتے ہیں اور ہر طرح کے مضمون اور قافیہ کی تلاش میں ایسے سرگرداں رہتے ہیں جیسے جنگل میں کوئی راستہ بھولا ہوا آدمی بھٹکتا پھرتا ہے اسی طرح کے شعروں کو آپ نے صحیحین کی ابوہریرہؓ کی روایت[1] میں یہ فرمایا ہے کہ اس طرح کے مضمون دل میں رکھنے سے پیپ لہو پیٹ میں بھرنا بہتر ہے اور سچے مضمون حمد وثنا اور نصیحت دینی کے شعروں کو صحیح بخاری کی ابی بن کعبؓ[2] اور ابوداؤد کی حضرت ابن عباسؓ کی روایت[3] میں آپ نے فرمایا کہ ہے یہ حکمت آمیز کلام ہے وَانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اہل اسلام کے ہجو کے جواب کی فرمائی ہے صحیح بخاری ومسلم میں براء بن العازبؓ کی جو حدیث[4] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حسان بن ثابتؓ سے فرمایا کہ تم مشرکوں کے شعروں کا جواب دو جبرئیل علیہ السلام اللہ کے حکم سے تمہاری مدد کو موجود ہیں اس حدیث سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے ۔

۲۲۷۔ بخاری شریف[5] میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اور مسلم[6] میں جابرؓ سے روایتیں ہیں جن میں پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بچو ظلم سے کس واسطے کہ ظلم قیامت کے روز اندھیریاں ہیں مطلب یہ ہے کہ ظلم کے باعث سے ظالم کے آگے اندھیرے پر اندھیرا ہوگا اس آیت میں قتادہؒ کے قول کے موافق ظالموں سے مراد گمراہ شاعر ہیں جن کا ذکر اوپر گزرا کہ وہ جرم شرک کے علاوہ اسلام اور اہل اسلام کی ہجو بھی کیا کرتے تھے اس لیے ان کا بڑا جرم تو شرک تھا اور دوسرا ظلم یہ بھی تھا کہ وہ شرک کو حق اور اسلام کو ناحق سمجھ کر اسلام اور اہل اسلام کی ہجو کیا کرتے تھے اس واسطے ایسے لوگوں کو حق اللہ اور حق العباد دونوں طرح کے جرموں کی سزا قیامت کے دن ہوگی حاصل کلام یہ ہے کہ اوپر کی روایتیں ای منقلب ینقلبون کی تفسیر ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسے لوگ دنیا میں اگر اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو قیامت کے دن ان کو معلوم ہو جاوے گا کہ دوزخ کی سیاہ آگ کے اوپر تلے کے سات اندھیرے درجوں میں سے کون سی اندھیری در اندھیری کوٹھری اور کیا کیا عذاب ان کے نصیب میں ہے معتبر سند سے ترمذی موطا امام مالک اور شعب الایمان بیہقی[7] میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ دوزخ کی آگ اندھیری رات کی جیسی کالی ہے معتبر سند سے تفسیر ابن کثیر میں حضرت علیؓ سے روایت[8] ہے کہ دوزخ کے سات طبقے اوپر تلے ہیں سلف کا قول ہے

[1] مشکوٰۃ باب البیان والشعر۔ [2] ایضاً مشکوٰۃ ، [3] مشکوٰۃ ایضاً لیکن بروایت عبداللہ بن بریدہ [4] مشکوٰۃ باب البیان والشعر۔ [5] مشکوٰۃ باب الظلم [6] الترغیب والترہیب ص ۱۸۳ ج ۳ الترغیب مع الظلم۔ [7] الترغیب والترہیب ص ۴۶۴ ج ۴ کتاب صفۃ الجنۃ والنار فصل فی ظلمتہا وسوادہا الخ [8] یعنی ان کا قول دیکھیے تفسیر ابن کثیر ص ۵۵۲ ج ۲ تفسیر سورہ الحجر۔

اٰیاتہا ۹۳ ـــــ (۲۷) سُوْرَۃُ النَّمْلِ مَکِّیَّۃٌ (۴۸) ـــــ رکوعاتہا ۷

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

طٰسٓ تِلْکَ اٰیٰتُ الْقُرْاٰنِ وَکِتَابٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱﴾ ھُدًی وَّبُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲﴾

یہ آیتیں ہیں قرآن اور کھلی کتاب کی سوجھ اور خوشخبری ایمان والوں کو

الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾

جو کھڑی رکھتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ پچھلا گھر یقین جانتے ہیں

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ زَیَّنَّا لَھُمْ اَعْمَالَھُمْ فَھُمْ یَعْمَھُوْنَ ﴿۴﴾

جو لوگ نہیں مانتے آخرت کو ان کو بھلے دکھا دیئے ہیں ہم نے ان کے کام سو وہ بھٹکے پھرتے ہیں

کہ جن مشرک ظالموں کا ذکر آیت میں ہے ایسے لوگ دوزخ کے چھٹے طبقے میں جھونکے جاویں گے اس سے یہ مطلب سمجھ میں آسکتا ہے کہ قیامت کے دن ایسے لوگ دوزخ کی کالی آگ کی پانچ اندھیروں کے بعد چھٹے طبقہ کی اندھیری میں ہوں گے۔

سورۃ النمل (۱تا۴) سورتوں کے شروع میں جو حرف مقطعات ان کا حال مفصل طور سے سورۂ بقرہ کے شروع میں بیان ہو چکا ہے لفظ تلک سے یہ سورت اور تمام قرآن کی آیتیں مقصود ہیں اور مبین کے معنی واضح اور ظاہر کے ہیں اور دوسری آیت کا یہ مطلب ہے کہ قرآن شریف سے اسی کو ہدایت اور بشارت ہوتی ہے جس نے قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا یقین کیا اور اس پر ایمان لایا اور جو احکام اس میں ہیں ان پر عمل کیا فرض نماز پڑھے زکوٰۃ دے اور آخرت کو سچا جانا کہ مرنے کے بعد زندہ ہوتا ہے اور نیکی بدی پر جزا و سزا ضرور ملے گی اور جنت اور دوزخ حق ہیں جیسا کہ سورہ حٰم السجدہ میں فرمایا قُلْ ھُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھُدًی وَّشِفَآءٌ وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْٓ اٰذَانِھِمْ وَقْرٌ وَّھُوَ عَلَیْھِمْ عَمًی اُولٰٓئِکَ یُنَادَوْنَ مِنْ مَّکَانٍ بَعِیْدٍ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایمانداروں کو قرآن سے سوجھ ہے اور روگ کا دفعیہ اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور وہ ان کو اندھاپن ہے ان کی مثال ایسی جیسے کسی کو دور سے بلایا جائے اور وہ نہ سنے غرض اور اسی قسم کی اور آیتیں ہیں پھر فرمایا جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے انکو اچھا کر دکھایا ان کے عملوں کو اس لئے وہ سرگرداں ہیں اپنی گمراہی میں اور یہ سزا ہے ان کو آخرت کے جھٹلانے کی جیسا کہ سورۃ الانعام میں فرمایا ونقلب افئدتھم وابصارھم کما لم یؤمنوا بہ اول مرۃ ونذرھم فی طغیانھم یعمھون جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنے ارادہ سے راہ راست پر نہیں آتے تو اللہ تعالیٰ ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے اس واسطے نہ ایسے لوگوں کے دل پر نیک بات کا اثر پڑتا ہے نہ وہ آنکھوں سے اللہ کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھتے ہیں پھر فرمایا یہ لوگ ہیں جن کے لئے بری مار ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسےٰ اشعریؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی نصیحت کی مثال مینہ کے پانی کی اور اچھے برے لوگوں کی مثال اچھی بری زمین کی بیان فرمائی ہے یہ حدیث ھدی وبشری للمؤمنین کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کی نصیحت سے اچھے ایماندار لوگ نفع حاصل کرتے ہیں

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ﴿٥﴾

وہی ہیں جن کو بری طرح کی مار ہے اور آخرت میں وہی ہیں خراب

وَإِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْآنَ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ﴿٦﴾ إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي

اور تجھ کو تو قرآن ملتا ہے ایک حکمت والے خبردار سے جب کہا موسیٰ نے اپنے گھروالوں کو میں

اور بدلوگوں کے حق میں قرآن کی نصیحت اسی طرح رائیگاں ہے جس طرح بری زمین میں مینہ کا پانی رائیگاں جاتا ہے نیک عمل کے قبول ہونے میں عقبیٰ کے ثواب کی نیت اور دنیا کے دکھاوے سے بچنا ضرور ہے اس لئے نماز اور زکوٰۃ کے ساتھ عقبیٰ کے یقین کا ذکر فرمایا رمضان کے روزے اور حج ہجرت کے بعد فرض ہوئے ہیں اس واسطے ان مکی آیتوں میں فقط نماز اور زکوٰۃ کا ذکر ہے جو علما اس کے قائل ہیں کہ زکوٰۃ کا حکم تو مکہ میں نازل ہوا ہے اور اس کے وصول کا انتظام ہجرت کے بعد جاری ہوا ہے ان مکی آیتوں سے ان کے قول کی تائید ہوتی ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ علم الٰہی میں بدقرار پاچکے ہیں ان کی نشانی یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو دنیا میں برے کام اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ حدیث زینا لھم اعمالھم کی گویا تفسیر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ بُرے کاموں کو اچھا جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دیا ہے کیونکہ مجبور کر کے کسی کو راہ راست پر لانا انتظام الٰہی کے برخلاف ہے کس لیے کہ دنیا نیک و بد کے امتحان کے لئے پیدا کی گئی ہے کسی کے مجبور کرنے کے لئے نہیں پیدا کی گئی سوء العذاب سے مقصود دنیا کا عذاب ہے جیسے مثلاً مکہ کا قحط جس کا ذکر صحیح بخاری کی عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے حوالہ سے کئی جگہ گذر چکی ہے کیونکہ آخرت کے عذاب کا ذکر اسی آیت میں جدا آیا ہے۔

۵۔ جو لوگ عاقبت میں اپنی دنیا کی زیست سے نفع اٹھادیں گے اور جو لوگ عاقبت میں ٹوٹا پاویں گے ان کی نشانی اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں کئی جگہ فرمائی ہے چنانچہ سورہ صف اور سورہ منافقون میں مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے جو اس نشانی کو سمجھایا ہے اس مثال سے یہ نشانی خوب اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے حاصل اس مثال کا یہ ہے کہ دنیا ایک تجارت کا بازار ہے اللہ کی مرضی اور نامرضی کی چیزیں اس بازار میں موجود ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں ان اچھی بری چیزوں کی تفصیل بتلادی ہے جس شخص نے اس بازار میں کی اچھی چیزوں کو اختیار کیا اسی نے تجارت میں نفع پایا اور جس نے بُری چیزوں کو اختیار کیا اس نے ٹوٹا پایا اور خراب ہوا معتبر سند سے ابن ماجہ میں ابوہریرہؓ سے روایت[1] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے لیے ایک ٹھکانا جنت میں اور ایک ٹھکانا دوزخ میں بنایا ہے قیامت کے دن جو لوگ ہمیشہ کے لئے دوزخی قرار پاویں گے ان کے نام کی جنت کی خالی جگہ جنتیوں کو مل جائے گی یہ حدیث وھم فی الآخرۃ ھم الاخسرون کی گویا تفسیر ہے جس سے ایسے لوگوں کے ٹوٹے کا حال اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ ان کے نام کے جنت کے مکان باغ سب کچھ ان کے ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

(۶ تا ۱۴) مشرکین مکہ قرآن کو انسان کا کلام کہتے تھے اس لئے فرمایا اے رسول اللہ کے تم نے تو قرآن ایسے صاحب حکمت سے پایا ہے جو حکمت والا ہے اپنے حکموں میں اور خبردار ہے تمام امور میں اب آگے حضرت موسیٰؑ کا قصہ بیان فرمایا کہ کس طور سے ان کو

لہ ص ۱۰ جلد ہذا۔ ؎ مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر فصل تیسری۔

آنَسْتُ نَارًا ۭ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ

دیکھی ہے ایک آگ اب لاتا ہوں تمہارے پاس وہاں سے کچھ خبر یا لاتا ہوں انگارا سلگا کر شاید تم

تَصْطَلُوْنَ ⑦ فَلَمَّا جَاۗءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَ

تاپو پھر جب پہنچا اس پاس کو برکت رکھتا ہے جو کوئی آگ میں ہے جو اس کے آس پاس ہے اور

سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑧ يٰمُوْسٰٓي اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑨

پاک ہے ذات اللہ جو صاحب سارے جہان کا اے موسیٰ وہ میں اللہ ہوں زبردست حکمتوں والا

وَاَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰي

اور ڈال دے لاٹھی اپنی پھر جب دیکھا اس کو پھن پھناتے جیسے سانپ کی سی شکل پھرا پیٹھ دے کر اور پیچھے نہ دیکھا اے

لَا تَخَفْ ۣ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ⑩ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ

موسیٰ ڈر نہ کہا جو ہوں میرے پاس نہیں ڈرتے رسول مگر جس سے زیادتی کی پھر بدل کر یں گے

اللہ تعالیٰ نے نبوت کے لئے انتخاب کر لیا اور ان سے باتیں کیں اور ان کو بڑی بڑی نشانیاں دیں اور بھیجا ان کو فرعون اور اس کی قوم کے پاس تو ان لوگوں نے کفر اور تکبر کیا اور جو معجزات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو دکھائے ان کو کھلا ہوا جادو بتلایا صحیح بخاری و مسلم کے[1] حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا علاوہ اور معجزوں کے مجھ کو قرآن کا ہی ایک معجزہ ایسا دیا گیا ہے جس کے سبب سے کثرت سے لوگ راہ راست پر آویں گے جس کثرت سے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے پیرو لوگوں کی تعداد اور امتوں کے نیک لوگوں سے زیادہ ہوگی یہ حدیث من لدن حکیم علیم کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن شریف میں ایسی حکمت اور علم غیب کی باتیں ہیں جس کا اثر قیامت تک لوگوں کے دلوں پر پڑے گا ان آیتوں میں موسیٰ علیہ السلام کا جو قصہ ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی بی بی کو ساتھ لے کر مدین سے مصر کو آرہے تھے تو اندھیری رات میں راستہ بھول گئے تھے اور جاڑے کے موسم کے سبب سے ان کو اور ان کی بی بی کو سردی بھی بہت لگ رہی تھی اسی حالت میں طور پہاڑ کے پاس ان کو آگ کی سی روشنی نظر آئی اسی روشنی کو دیکھ کر انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم یہاں ٹھہرو میں اس آگ کی روشنی کی طرف جاتا ہوں آگ کے پاس کوئی شخص ملا تو اس سے راستہ کی خبر بھی مل جاوے گی کہ سیدھا راستہ کدھر کو ہے اور سردی میں تاپنے کے لئے تھوڑی سی آگ بھی لیتا آؤں گا اگرچہ اللہ تعالیٰ کی نظر تمام مخلوقات کو گھیرے ہوئے ہے لیکن مخلوقات میں یہ تاب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نظر کی برداشت کر سکے اس لئے اللہ تعالیٰ کے منہ کے آگے پردے ہیں چنانچہ صحیح مسلم کی ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث[2] میں ان پردوں کا ذکر تفصیل سے ہے صحیح مسلم کی بعض روایتوں میں ناری پردہ کا ذکر ہے اور بعض میں نوری پردے کا اسی واسطے بعضے سلف نے یہاں نار کے معنے آگ کے لئے ہیں اور بعضوں نے نور کے اور صحیح مسلم میں دونوں معنے کی روایت ہے اس لئے دونوں معنے صحیح ہیں لیکن امام مسلم کی طرز روایت[3] سے نور کے پردے کی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے اس روشنی کے اندر اور آس پاس جو فرشتے تھے ان کو صاحب برکت فرمایا کیونکہ وہ مقرب فرشتے نور الٰہی کی روشنی میں تھے اب غیب سے موسیٰ علیہ السلام کو آواز آئی کہ اے موسیٰ اللہ کی ذات سب عیبوں سے پاک ہے اور وہ بڑا زبردست حکمتوں

[1] مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین فصل اول [2] صحیح مسلم ص ۹۹ جلد اول۔ [3] حوالہ مذکورہ۔

حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱﴾ وَاَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ

نیکی برائی کے پیچھے تو میں بخشنے والا مہربان ہوں اور ڈال دے ہاتھ اپنا گریبان میں کہ نکلے

بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا

چٹا نہ کچھ برائی سے یہ مل کر نو نشانیاں ہیں فرعون اور اس کی قوم کی طرف بیشک وہ تھے لوگ

فٰسِقِیْنَ ﴿۱۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۳﴾ وَ

بے حکم پھر جب پہنچیں ان پاس ہماری نشانیاں سمجھانے کو بولے یہ جادو ہے صریح اور

جَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ

ان سے منکر ہو گئے اور ان کو یقین جان چکے تھے اپنے جی میں بے انصافی اور غرور سے سو دیکھ کیسا ہوا آخر

والا ہے اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو قدرت اور حکمت الٰہی دکھانے کے لئے یہ ارشاد ہوا کہ موسیٰ تم اپنے ہاتھ کی لکڑی زمین پر ڈال دو وہ لکڑی زمین پر ڈالتے ہی اب تو پتلا سا ایک سانپ بن گئی اور فرعون کے سامنے اور جادوگروں کے مقابلہ کے وقت بڑا سانپ بن گئی اس لئے اس قصہ میں کہیں سانپ کے بیان میں ایک لفظ آیا ہے اور کہیں دوسرا پہلے پہل لکڑی کو سانپ بنتے ہوئے دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام ڈر گئے اور جھجک کر پیچھے کو ہٹ گئے اس لئے فرمایا موسیٰ ڈر نہیں اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنا رسول مقرر کیا ہے اور اللہ کے رسول سوا اللہ کے اور کسی چیز سے نہیں ڈرتے اور ایک فرعونی شخص پر جو تم نے زیادتی کی اگرچہ وہ اللہ سے ڈرنے کا کام تھا لیکن ایسے کام کے بعد جو شخص نادم ہو تو اللہ غفور رحیم ہے اس کے بعد ہاتھ کے سورج کی طرح چمکدار ہو جانے کا معجزہ عنایت ہوا ان دونوں معجزوں کے ساتھ زبان کے توتلاپن کے اچھے ہو جانے کو دریا میں راستہ پیدا ہو جانے کو طوفان کو ٹڈیوں چیچڑیوں کو مینڈکوں اور خون کو ملایا جائے تو یہ نو معجزے ہوئے ان سب کو فرعون اور اس کی قوم نے جادو بتلایا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث اوپر گذر چکی ہے کہ جو لوگ علم الٰہی میں بد قرار پا چکے ہیں ان کی نشانی یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو دنیا میں برے کام اچھے معلوم ہوتے ہیں یہ حدیث اس کی تفسیر ہے کہ فرعون اور اس کی قوم نے آنکھیں بند کر کے ایسے ایسے بڑے معجزوں کو جادو کیوں بتلایا۔

۱۴۔ فرعون کے زمانہ کے بڑے بڑے جادوگر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ نہ کر سکے اور حضرت موسیٰ کے مقابلہ سے عاجز آن کر آخر کو مسلمان ہو گئے تو فرعون کے ساتھ کے لوگ اپنے دل میں یہ سمجھ گئے تھے کہ حضرت موسیٰ کا معاملہ بناوٹی اور جادو کا نہیں ہے کیونکہ اگر حضرت موسیٰ کا معاملہ بناوٹی اور جادو کا ہوتا تو اس طرح کے جادوگر جن کے باپ دادا سے جادو کا پیشہ چلا آتا تھا اسی کام کی تنخواہ اور جاگیر فرعون کی طرف سے ان کی مقرر تھی وہ اس طرح موسیٰ علیہ السلام سے عاجز نہ ہوتے لیکن باوجود اس بات کے دل میں سمجھ جانے کے وہ لوگ ظاہر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے اور انجام یہ ہوا کہ غرق ہو کر سب غارت ہو گئے یہی حال قریش کا تھا کہ بارہ تیرہ برس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے مکہ میں رہنے اور طرح طرح کے معجزہ دیکھنے سے ان کے دلوں کو تو یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں کیونکہ ان کے جتنے کام ہیں وہ بغیر تائید غیبی کے ممکن نہیں لیکن باوجود اس بات کے دل میں سمجھ جانے کے قریش بھی شیطان کے بہکاوے سے ظاہر میں ایمان نہ لاتے تھے

عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ
بگاڑنے والوں کا اور ہم نے دیا داؤد اور سلیمان کو ایک علم اور بولے شکر اللہ کا

الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥﴾ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ
جس نے ہم کو بڑھایا اپنے بہت بندوں ایمان والوں پر اور وارث ہوا سلیمان داؤد کا

وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ
اور بولا لوگو ہم کو سکھائی ہے بولی اڑتے جانوروں کی اور دیا ہم کو ہر چیز میں سے بے شک

اس لئے قریش کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ بیان فرما کر سمجھا دیا کہ یہ ضروری فہمائش طے ہو جانے کے بعد اگر یہ لوگ نبی وقت کی اطاعت قبول نہ کریں گے تو اس کا انجام بھی وہی ہو گا جو انجام فرعون اور اس کی قوم کا ہوا اللہ کا وعدہ سچا ہے آخر وہی انجام ہوا کہ قریش میں سے جو لوگ ایمان نہ لائے وہ دنیا میں طرح طرح کی خواری سے ہلاک ہوئے اور عاقبت کا عذاب جدا اپنے سر لیا غرض ہر شخص کی نجات کی صورت اس میں ہے کہ ہر طرح ہر حال میں اللہ کے رسول کی اطاعت قبول کرے ورنہ دین و دنیا میں خوار ہو گا صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت[1] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے سب لوگ جنت میں داخل ہوں گے لیکن وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جس نے میری اطاعت سے کسی قدر بھی انکار کیا یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک طرح کا انکار تو کفر ہے وہ یہ کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم اللہ کے رسول لائے ہیں اس کو سرے سے کوئی شخص مانتے ہی نہیں اور اللہ کے رسول کو سچا رسول جانتے ہی نہیں یہ انکار تو کفار کی عادت ہے کلمہ گو لوگوں میں اگرچہ یہ عادت تو نہیں ہے لیکن جو شخص کلمہ گو ہو کر رسول وقت کے قول کی مخالف کسی رسم دنیا یا کسی خواہش نفسانی پر چلے گا وہ بھی رسول وقت کا پورا اطاعت گزار نہیں کہلا سکتا اور آپ نے فرمایا ہے کہ اس طرح کا شخص پورا مسلمان نہیں ہے امام نووی نے اربعین میں حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی صحیح روایت[2] سے جو حدیث روایت کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اس وقت تک ایماندار نہیں کہلا سکتا جب تک اپنی ہر طرح کی خواہش دلی کو ان احکام شریعت کے مقابلہ میں نہ چھوڑ دے جن احکام کو میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لایا ہوں حاصل معنی حدیث کے یہ ہیں کہ شریعت کے حکم کے آگے اور کوئی امر قابل اطاعت نہیں ہے حکم شرعی کے مخالف جو شخص کسی امر کی اطاعت کرے گا وہ اسی امر کا اطاعت گزار کہلاوے گا شریعت کا اطاعت گزار نہیں کہلا سکتا اور جو شخص شریعت کا اطاعت گزار نہ ہو وہ ایماندار کیوں کر کہلا سکتا ہے

۱۵ تا ۱۶ بعضے مفسروں نے یہ جو لکھا ہے کہ اس زمانہ میں جانور انسان کی سی بولی بولتے تھے یہ قرآن شریف کے مخالف ہے اس لئے کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا خصوصیت کے طور پر یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جانوروں کی بولی سمجھنے کی نعمت عنایت فرمائی تھی جو نعمت مخلوق الٰہی میں سے کسی کو عنایت نہیں ہوئی اور حضرت سلیمان کا قول اللہ تعالیٰ نے جو قرآن شریف میں نقل کیا ہے اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ کی اس نعمت کو اپنی خصوصیت کے طور پر ذکر کیا ہے جب یہ کہا جاوے گا کہ اس زمانہ میں جانور انسان کی سی بولی بولتے تھے تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیت کیا باقی

[1] مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ فصل اول، [2] ایضاً فصل دوسری۔

هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿١٦﴾ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ

یہی ہے بڑائی صریح اور جمع کئے گئے سلیمان کے پاس اس کے لشکر جن اور

الْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿١٧﴾ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ

انسان اور اڑتے جانور پھر ان کی مثلیں بنتیں یہاں تک کہ جب پہنچے چیونٹیوں کے میدان پر کہا ایک چیونٹی نے

يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا

اے چیونٹیو گھس جاؤ اپنے گھروں میں نہ پیس ڈالے تم کو سلیمان اور اس کے لشکر اور ان کو

يَشْعُرُوْنَ ﴿١٨﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ

خبر نہ ہو پھر مسکرا کر ہنس پڑا اس کی بات سے اور بولا اے رب میرے قسمت میں دے کہ شکر کروں

نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ

تیرے احسان کا جو تو نے کیا مجھ پر اور میرے ماں باپ پر اور یہ کہ کروں کام نیک جو تو پسند کرے اور

اَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٩﴾ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ

ملا لے مجھ کو اپنی مہر سے اپنے نیک بندوں میں اور خبر لی اڑتے جانوروں کی تو کہا کیا ہے جو نہیں

لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿٢٠﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا

دیکھتا میں ہد ہد کو یا ہو رہا غائب اس کو مار دوں گا زور کی

رہ جائے گی کس لئے کہ انسان کی بولی کو تو ہر انسان سمجھ سکتا ہے غرض صحیح بات یہی ہے کہ دنیا کے پیدائش سے آج تک چرند و پرند جانوروں کی حالت وہی ہے جو سب کی آنکھوں کے سامنے ہے لیکن اللہ تعالےٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ خاص ایک نعمت عنایت ربانی تھی کہ جس طرح اور بادشاہ لوگ صرف انسان پر حکومت کرتے ہیں حضرت سلیمان جن اور انسان دونوں پر حکومت کرتے تھے اور چرند اور پرند سب جانوروں کی اصلی بولی سمجھتے تھے حضرت داؤد علیہ السلام کو پرواز جانوروں اور پہاڑوں کی تسبیح کے سمجھنے کا اور سلیمان علیہ السلام کو پرند اور چرند کی ہر ایک بولی کے سمجھ لینے کا علم جو اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمایا تھا اسی کو فرمایا کہ ہم نے داؤد اور سلیمانؑ کو ایک علم دیا نبوت بادشاہت حضرت سلیمان علیہ السلام نے وراثت کے طور پر داؤد علیہ السلام سے جو پائی اسی کو فرمایا وارث ہوا سلیمان داؤدؑ کا اس وراثت کے بعد ہوا جن اور شیاطین کو بھی اللہ تعالےٰ نے حضرت سلیمان کے حکم میں کر دیا اسی کو سلیمان علیہ السلام نے اللہ کا فضل کہا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر جن انسان اور پرند کو فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ پرند جانوروں پر بھی سلیمان علیہ السلام کی اسی طرح کی حکومت تھی جس طرح جن اور انسان پر ان کی حکومت تھی فھم یوزعون کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق لشکر کے باقاعدہ صف بندی کی ہے یہی قول شاہ صاحب نے ترجمہ میں لیا ہے قتادہؒ کے قول کے موافق یہ چیونٹیوں کا میدان ملک شام میں تھا۔ چیونٹیوں کی سمجھ داری کی بات سے سلیمان علیہ السلام کو تعجب ہوا اس لئے ان کو ہنسی آئی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا صحیح قول ہے کہ ہد ہد کی نظر زمین کے اندر دور تک پہنچتی ہے اس لئے بغیر پانی کے جنگل میں جہاں کہیں سلیمان علیہ السلام کا لشکر اترتا تھا تو ہد ہد سے پانی کے

شَدِيدًا أَوْ لَأَاذْبَحَنَّهٗ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿۲۱﴾ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ
مار یا ذبح کر ڈالوں گا یا لاوے میرے پاس کوئی سند صریح پھر بہت دیر نہ کی

فَقَالَ أَحَطتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍۭ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ﴿۲۲﴾ إِنِّي وَجَدتُّ
کہ آکر کہا میں لے آیا خبر ایک چیز کی کہ تجھ کو اس کی خبر نہ تھی اور آیا ہوں تیرے پاس سبا سے ایک خبر لے کر تحقیق میں نے

امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدتُّهَا
پائی ایک عورت ان کے راج پر اور اس کو سب چیز ملی ہے اور اس کا ایک تخت ہے بڑا میں نے پایا کہ وہ

وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِن دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ
اور اس کی قوم سجدہ کرتے ہیں سورج کو اللہ کے سوا اور بھلے دکھائے ہیں ان کو شیطان نے

أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ﴿۲۴﴾ أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ
ان کے کام پھر روکا ہے ان کو راہ سے سو وہ راہ نہیں پاتے کیوں نہ سجدہ کریں اللہ کو

الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿۲۵﴾
جو نکالتا ہے چھپی چیز آسمانوں میں اور زمین میں اور جانتا ہے جو چھپاتے ہو اور جو کھولتے ہو

اللَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۲۶﴾
اللہ ہے کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا صاحب تخت بڑے کا۔

نکلنے کا اندازہ پوچھا جا کر جنات سے پانی کا چشمہ کھدوا دیا جاتا تھا ایک روز ایسے ہی جنگل میں سلیمان علیہ السلام کا لشکر اترا اور تلاش کے وقت ہدہد غیر حاضر نکلا اسی واسطے ہدہد کی غیر حاضری پر سلیمان علیہ السلام کو غصہ آیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صحیح قول کے موافق پرند جانوروں کی سزا سلیمان علیہ السلام نے یہ مقرر کی تھی کہ قصوروار جانوروں کے پر اکھیڑ کر ان جانوروں کو دھوپ میں ڈال دیا جاتا تھا اسی کو عذاب شدید فرمایا اور زیادہ غصہ کی حالت میں یہ بھی فرمایا کہ اس معمولی سزا سے بڑھ کر ہدہد کو یہ سزا دی جاوے گی کہ اس کو ذبح کر ڈالا جاوے گا۔ معتبر سند سے تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت[1] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سبا ایک شخص کا نام تھا اسی کے نام پر ملک یمن میں یہ جگہ ہے یہ بڑی شاداب جگہ تھی پھر یہاں کے لوگوں کی سرکشی کے سبب سے ویران ہو گئی یہ قصہ سورہ سبا میں تفصیل سے آوے گا قتادہ کے قول کے موافق سبا کی بادشاہ زادی کا نام بلقیس تھا سبا کے لوگ آتش پرست پارسی تھے اسی واسطے یہ لوگ آگ اور سورج کی پرستش کرتے تھے کیونکہ ان لوگوں کے مذہب میں آگ کی بڑی تعظیم ہے ان لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ دنیا میں آگ سورج کی شعاع سے پیدا ہوئی ہے آسمان کی پوشیدہ چیز مینہ ہے زمین کی پوشیدہ چیز پیداوار ہے کیونکہ سوا اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں کہ مینہ کب برسے گا اور اس سے کس قدر پیداوار ہوگی ہدہد نے بلقیس کے تخت کا ذکر کیا تھا اس لئے اس کی شان گھٹانے کے لئے عرش معلی کا تذکرہ کیا۔ صحیح[2] بخاری میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی مزدوری میں اپنی

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۳۱۵ ج ۳۔ [2] مشکوۃ باب بدء الخلق و ذکر الانبیاءؑ

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ (٢٧) اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا
کہا ہم دیکھیں گے تو نے سچ کہا یا تو جھوٹا ہے لے جا میرا یہ خط اور

فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ (٢٨) قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ
ڈال دے ان کی طرف پھر ان پاس سے ہٹ آ پھر دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں کہنے لگی اے دربار والو میرے پاس

اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ (٢٩) اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ
ڈال دیا ہے ایک خط عزت کا وہ خط ہے سلیمان کی طرف سے اور وہ یہ ہے شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان

الرَّحِيْمِ (٣٠) اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ (٣١)
نہایت رحم والا کہ زور نہ کرو میرے مقابل اور چلے آؤ حکم بردار ہو کر

ع ٢ ١٧ ١٧

گزر کرتے تھے سورہ ص میں آوے گا کہ سلیمان علیہ السلام ایک دن کچھ گھوڑوں کے دیکھنے میں لگ گئے جس سے ان کی نماز کو دیر ہو گئی اس پر غصہ ہو کر انہوں نے ان گھوڑوں کو ذبح کر ڈالا۔ اس سے معلوم ہوا کہ باوجود اتنی بڑی بادشاہت کے داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے۔

(۲۷ تا ۳۱) جب ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے بلقیس کی بادشاہت اور اس کے تخت کا حال آن کر کہا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو شبہ ہوا کہ ہدہد لشکر سے پیچھے جو رہ گیا تھا اس لئے اس نے یہ بات بنائی ہے کہ ایک عورت کی بادشاہت اور نئی نئی چیزیں ملک سبا میں دیکھ کر آیا ہے اس واسطے اس کا جھوٹ آزمانے کو یہ بات فرمائی کہ اب معلوم ہو جاوے گا کہ تو سچا ہے یا جھوٹا ہے اور یہ بات فرما کر بلقیس کے نام خط لکھ کر ہدہد کو دیا۔ صحیح سند سے مسند امام احمد ابن ماجہ اور ابو داؤد کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایتؓ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چیونٹی۔ شہد کی مکھی کے مارنے کی جہاں ممانعت فرمائی ہے وہاں ہدہد کے مارنے کو بھی آپؐ نے منع فرمایا ہے جس طرح کا یہ مختصر خط سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو لکھا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے ہی مختصر خط کسریٰ قیصر اور نجاشی کو لکھے ہیں سبا بن شجب جو ایک شخص تھا جس کا ذکر اوپر گذرا اس کی نسل میں ایک شخص شراحیل تھا بلقیس اس کی بیٹی تھی یہ شراحیل تمام سرزمین یمن کا بادشاہ تھا تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں قتادہؒ کا جو قول ہے کہ شراحیل اپنے آپ کو بڑا بادشاہ سمجھ کر یمن کے گرد و نواح میں اور جو بادشاہ تھے ان میں سے کسی کی لڑکی سے شادی نہیں کرتا تھا آخر ایک جن کی لڑکی ریحانہ سے شراحیل نے اپنی شادی کی اور اسی ریحانہ کے پیٹ سے بلقیس پیدا ہوئی شراحیل کے مرنے کے بعد شراحیل کا بھتیجا یمن کا بادشاہ ہوا مگر وہ بڑا ظالم تھا اس سبب ملک یمن کی تمام رعیت اس سے ناخوش تھی بلقیس نے یہ حالت دیکھ کر ایک روز تنہائی میں اپنے چچا کے بیٹے کو مار ڈالا اور خود یمن کی بادشاہ بن گئی جس زمانہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس کی عمارت سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ گئے اور مکہ سے واپس ہوتے وقت ایک روز دوپہر کو یمن کی سرزمین پر ٹھہرے اور ہدہد سیر کے طور پر لشکر سے جدا ہو کر مارب بستی کو چلا گیا جہاں بلقیس رہتی تھی اس زمانہ میں تمام ملک یمن کی بادشاہ بلقیس ہی تھی صحیح بخاری میں ابی بکرہؓ سے روایتؓ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ملک فارس میں جب کسریٰ کی بیٹی بادشاہ ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] مشکوٰۃ ص ٣٦٢ باب ما یحل اکلہ وما یحرم۔ [2] ایضاً باب الامارۃ والقضاء

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى
کہنے لگی اے دربار والو مشورہ دو مجھ کو میرے کام کا میں مقرر نہیں کرتی کوئی کام جب تک
تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ڏ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ
تم حاضر ہوئے وہ بولے ہم لوگ زور آور ہیں اور سخت لڑائی والے اور کام تیرے
فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا
اختیار ہے سو تو دیکھ لے جو حکم کرے کہنے لگے بادشاہ جب یہ گھسیں کسی بستی میں خراب کریں
وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ
اور کر ڈالیں وہاں کے سرداروں کو بے عزت اور یہی کچھ کریں گے اور میں بھیجتی ہوں ان کی طرف
بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ
کوئی تحفہ پھر دیکھتی ہوں کیا جواب لے کر پھرتے ہیں بھیجے ہوئے پھر جب پہنچا سلیمان پاس بولا

نے یہ خبر سنی تو آپ نے فرمایا جس قوم کی حاکم عورت ہو وہ قوم کبھی راحت نہیں پا سکتی۔ غرض جب ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط بلقیس کی چھاتی پر ڈال دیا تو بلقیس پڑھی لکھی ایک عورت تھی اس نے اس خط کو پڑھا اور اللہ کے نبی کے خط کی ایک ہیبت اس کے دل میں بیٹھ گئی اور تین سو آدمیوں کے قریب اس کے مصاحب تھے ان سے اور اپنے وزیروں سے اس خط کے باب میں اس نے صلاح لی اور آخر کو حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملنے آئی اور مسلمان ہوئی قرآن شریف میں بس اسی قدر بلقیس کا ذکر ہے بعضی تفسیروں میں یہ جو لکھا ہے کہ خود حضرت سلیمانؑ نے پھر بلقیس سے نکاح کر لیا اور بعضی تفسیروں میں یہ ہے کہ کسی اور سے بلقیس کا نکاح حضرت سلیمان علیہ السلام نے کرا دیا اس کی صراحت کسی آیت یا حدیث صحیح سے پائی نہیں جاتی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگردوں میں سے فقط عکرمہ کا یہ قول ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے بلقیس سے نکاح کر لیا تھا لیکن اس طرح غیب کی باتوں کا جب تک قرآنؐ حدیث سے کچھ پتا نہ لگے کوئی بات یقینی طور پر نہیں کہی جا سکتی ثم تول عنھم فانظر ماذا یرجعون کی صحیح تفسیر حافظ ابو جعفر ابن جریر نے یہ قرار دی ہے کہ ہدہد خط پہنچا کر کہیں کنارہ ٹھہر رہے اور خط کے پڑھنے کے بعد اس کے جواب کے باب میں ان لوگوں کا جو مشورہ ٹھہرے اس کا حال دیکھ کر آدے یہ مطلب نہیں ہے کہ فقط خط ڈال کر چلا آوے کیونکہ اس میں فانظر ماذا یرجعون کا کچھ مطلب حل نہیں ہوتا۔

(۳۲ تا ۳۴) جس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط بلقیس نے پڑھا تو اس کو یہ تردد ہوا کہ اب کیا کیا جاوے آیا جس طرح اس خط میں لکھا ہے وہی کیا جاوے کہ اپنی حکومت کو چھوڑ کر اور اپنے دین سے ہاتھ اٹھا کر حضرت سلیمان کا دین اور ان کی اطاعت قبول کی جاوے یا حضرت سلیمان سے مقابلہ کیا جاوے اسی تردد کے رفع کی شکل نکالنے کے لئے اس نے اپنے مشیروں اور فوج کے افسروں سے صلاح کی تفسیر سدی وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ صلاح مشورہ کے بعد بلقیس نے اپنی ریاست کے لوگوں سے یہ کہا کہ میں اس خط کے جواب میں حضرت سلیمان کے پاس کچھ تحفہ بھیجتی ہوں اگر انہوں نے وہ تحفہ قبول کر لیا تو جان لینا کہ دنیا کے بادشاہوں میں سے وہ بھی ایک بادشاہ ہیں اس صورت میں ان کا مقابلہ کرنا کچھ بڑی بات نہیں ہے اور اگر انہوں نے وہ تحفہ نہ لیا تو

أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ خَيْرٌ مِمَّا آتَاكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ

کیا تم میری رفاقت کرتے ہو مال سے سو جو اللہ نے مجھ کو دیا ہے بہتر ہے اس سے جو تم کو دیا ہے بلکہ تم ہی اپنے تحفہ سے

تَفْرَحُونَ ﴿٣٦﴾ ارْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ

خوش رہو پھر جا ان کے پاس اب ہم پہنچتے ہیں ان پر ساتھ لشکروں کے جن کا سامنا نہ ہو سکے ان سے اور نکال دیں گے

مِنْهَا أَذِلَّةً وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿٣٧﴾ قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا

ان کو وہاں سے بے عزت کر کر وہ خوار ہوں گے بولا اے دربار والو تم میں کوئی ہے کہ لے آوے میرے پاس تخت

قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ﴿٣٨﴾ قَالَ عِفْرِيتٌ مِنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ

پہلے اس سے کہ وہ آویں میرے پاس حکم بردار ہو کر بولا ایک راکس جنوں میں سے لا دیتا ہوں وہ تجھ کو پہلے اس سے

أَنْ تَقُومَ مِنْ مَقَامِكَ ۖ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ﴿٣٩﴾ قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ

کہ تو اٹھے اپنی جگہ سے اور میں اس پر زور رکھتا ہوں معتبر بولا وہ شخص جس کے پاس تھا

عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَآهُ

ایک علم کتاب کا میں لا تا ہوں تجھ کو وہ پہلے اس سے کہ پھر آوے تیری طرف آنکھ پھر جب دیکھا وہ

مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ ۖ

دھرا اپنے پاس کہا یہ میرے رب کا فضل ہے میرے جانچنے کو کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری

وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ﴿٤٠﴾ قَالَ

اور جو کوئی شکر کرے سو شکر کرے اپنے واسطے اور جو کوئی ناشکری کرے سو میرا رب بے پرواہ ہے نیک ذات ۔ کہا

جان لینا وہ اللہ کے نبی ہیں اس صورت میں ان سے مقابلہ ممکن نہیں ہے اب یہاں مفسرین نے اس تحفہ کی تفصیل بہت کچھ بیان کی ہے جو بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھیجا تھا اور اس تفصیل میں بہت اختلاف بھی کیا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس تحفہ کی تفصیل کسی صحیح روایت میں نہیں ہے جو کچھ روایتیں اس تحفہ کی تفصیل میں ہیں بنی اسرائیلی روایتیں ہیں قابل اعتبار اس قدر بات ہے کہ جو کچھ تحفہ بلقیس نے حضرت سلیمانؑ کے پاس بھیجا تھا اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیکھا تک نہیں اور بلقیس کے ایلچی سے تحفہ واپس کر کے یہ فرما دیا کہ اب ایسے لشکر سے تم لوگوں پر چڑھائی کی جاتی ہے جس لشکر کی ٹکر سنبھالنی تمہیں مشکل ہے بلقیس کے کلام میں وکذلک یفعلون اللہ تعالیٰ نے بلقیس کے کلام کی تصدیق کے طور پر بڑھایا ہے سیرۃ ابن اسحاق میں یزید بن رومان سے روایت ہے کہ جب ایلچی حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سے تحفہ واپس لے کر بلقیس کے پاس آیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا پیغام بھی اس نے بلقیس سے بیان کیا تو بلقیس نے اسی وقت کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام دنیا کے بادشاہ ہونے میں سے نہیں ہیں اور ان کا مقابلہ بلا شک ناممکن ہے اور فوراً حضرت سلیمان علیہ السلام سے پیغام کہلا بھیجا کہ میں اپنے چند سرداروں کو لے کر آپ کی خدمت میں آتی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ آپ کا دین کیا ہے جس دین کو آپ اوروں کے لئے بھی پسند فرماتے ہیں اور اس پیغام کے بعد اپنی روانگی کا انتظام کیا اور اپنی بادشاہت کے تخت کو جس کا ذکر ہدہد نے حضرت سلیمانؑ

نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا

روپ بدل کر دکھاؤ اس عورت کے آگے اس کے تخت کا ہم دیکھیں سوجھ پاتی ہے یا ان لوگوں میں ہوتی ہے جن کو سوجھ نہیں پھر جب

جَاءَتْ قِيلَ أَهَٰكَذَا عَرْشُكِ ۖ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۚ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَ

آ پہنچی کسی نے کہا کیا ایسا ہی ہے تیرا تخت بولی گویا یہ وہی ہے اور ہم کو معلوم ہو چکا آگے سے اور ہم

كُنَّا مُسْلِمِينَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ إِنَّهَا كَانَتْ

ہو چکے حکم بردار اور بند کیا اس کو ان چیزوں سے جو پوجتی تھی اللہ کے سوا البتہ وہ تھی

مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿۴۳﴾ قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۖ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَ

منکر لوگوں میں کسی نے کہا اس عورت کو اندر چل محل میں پھر جب دیکھا اس کو خیال کیا کہ وہ پانی ہے گہرا

كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُمَرَّدٌ مِنْ قَوَارِيرَ ۗ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي

اور کھولیں اپنی پنڈلیاں کہا یہ تو ایک محل ہے جڑے ہوئے اس میں شیشے بولی اے رب میں نے

علیہ السلام سے کیا تھا بڑے احتیاط کے ساتھ قفلوں کے اندر رکھوایا اور دس ہزار سردار اور بہت بڑی فوج لے کر خود حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملنے کو روانہ ہوئی ابن اسحاق کی روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ تخت بہت بیش قیمت تھا اور بڑے بڑے قیمتی جواہرات اور موتی اس میں جڑے ہوئے تھے اب اس تخت کو بلقیس کے پہنچنے سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے پاس منگوالیا اور اس کے جواہرات کو جگہ بدل کر سفید کی جگہ سرخ کو اور سرخ کی جگہ سفید کو جڑوا دیا اور بلقیس کے آنے کے بعد سلیمانؑ نے اپنا معجزہ ظاہر کرنے کی غرض سے بلقیس سے پوچھا کہ کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے اور بلقیس نے اس معجزہ کو دیکھ فوراً اسلام قبول کیا اس کا ذکر آگے کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے فرمایا ہے۔

۴۴۔ جب بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں اپنے آنے کا یہ پیغام کہلا بھیجا تو بلقیس کے آنے سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ کی قدرت اور اپنا معجزہ دکھلانے کو دو کام کئے ایک تو بلقیس کا تخت جس کو وہ سات قفلوں میں بند کر کے اور کنجیاں اپنے ساتھ لے کر آئی تھی منگوالیا اور اس کے جواہرات کو جگہ بدل کر جڑوا دیا دوسرے پانی کے اوپر یہ شیشہ کا محل بنوایا اور اس محل کے بیچوں بیچ میں اپنا تخت بچھوایا بعض تفسیروں میں یہ جو لکھا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کی دعا سے یہ تخت سلیمان علیہ السلام کے پاس آیا تھا اصل میں یہ قول عبداللہؓ بن لہیعہ قاضی مصر کا ہے اور اس عبداللہ کو ابن معین اور نسائی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے اکثر مفسروں کا قول یہی ہے کہ وہ تخت آصف بن برخیا حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر کی دعا سے دو مہینہ کے راستہ سے آنکھ جھپکانے میں اس طرح آیا کہ بلقیس کے ساتوں قفل قائم رہے اور جس مکان میں وہ تخت رکھا تھا اس مکان کی زمین پھٹ کر وہ تخت زمین میں سما گیا اور زمین کے اندر ہی اندر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس یوں آ گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کے پاس ایک چوکی رکھی رہتی تھی جس پر پیر رکھ کر حضرت سلیمان اپنے تخت پر چڑھا کرتے تھے ایک دفعہ ہی اس چوکی کے پاس کی زمین پھٹ کر وہ تخت نمودار ہوا یہ بات جو مشہور ہے کہ شیشہ کا محل حضرت سلیمانؑ نے اس واسطے بنوایا تھا کہ بلقیس کی پنڈلیوں پر بالوں کے ہونے کا حال جو انہوں نے سنا تھا وہ حال اس شیشے کے محل میں آتے وقت بلقیس کی پنڈلیاں کھلنے سے

ع ۳ / ۱۴ / ۱۸

ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ

برا کیا ہے اپنی جان کا اور حکم بردار ہوئی ساتھ سلیمان کے اللہ کے آگے جو رب ہے سارے جہان کا اور ہم نے بھیجا تھا

اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

ثمود کی طرف ان کا بھائی صالح کہ بندگی کرو اللہ کی پھر وہ تو دو جتھے ہو کر لگے جھگڑنے

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ

کہا اے قوم کیوں شتاب مانگتے ہو برائی پہلے بھلائی سے کیوں نہیں گناہ بخشواتے اللہ سے

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

شاید تم پر رحم ہو بولے ہم نے بد قوم دیکھا تجھ کو اور تیرے ساتھ والوں کو کہا تمہاری بری قسمت اللہ کے

معلوم ہو جاوے گا کیونکہ اس محل کے صحن کو پانی کا پاٹ جان کر بلقیس اپنے پائینچے ضرور اونچے کرے گی اس قصہ کی روایت کو ابوبکر بن ابی شیبہ نے اگرچہ روایت کیا ہے لیکن اس روایت میں ایک راوی عطا ابن السائب ہے جس کے حافظہ میں فتور ہے دوسری روایت یزید بن رومان کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ نادر محل اپنا معجزہ بلقیس کو دکھلانے کے لئے بنایا تھا گو کہ عطا ابن السائب اور یزید بن رومان ایک طبقے کے تابعی ہیں مگر یزید بن رومان بہ نسبت عطا ابن السائب کے زیادہ ثقہ راوی ہے اس واسطے حافظ عماد الدین ابن کثیر نے اس دوسری روایت کو پسند کیا ہے اور پہلی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے آیت اوپر کی آیتوں کے ٹکڑے صدھا ما کانت تعبد من دون اللہ کے ایک معنی تو مفسرین نے یہی بیان کئے ہیں جس کی صراحت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے اپنے فارسی ترجمہ میں کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنا معجزہ دکھا کر بلقیس کو مسلمان کیا جس سے انہوں نے آیندہ اس کی آفتاب پرستی چھڑوا دی اور ایک معنے یہ ہیں کہ بلقیس آفتاب پرستی جو کرتی تھی اس آفتاب پرستی نے اس کو خدا کی فرمانبرداری اور اسلام سے آج تک باز رکھا لیکن حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے پہلے معنوں پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ آیت بلقیس کے شیشہ کے محل میں داخل ہونے سے پہلی حالت کے بیان میں ہے اور قرآن شریف کے طرز بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیشہ کے محل کا معجزہ دیکھنے کے بعد بلقیس نے اسلام قبول کیا اور یہ کہا واسلمت مع سلیمان للہ رب العالمین چنانچہ مجاہد نے اپنی تفسیر میں اس کی صراحت بھی کی ہے کہ بلقیس کا اسلام شیشے کے محل کا معجزہ دیکھنے کے بعد تھا اس اعتراض کے سبب سے حافظ ابن کثیرؒ نے دوسرے معنوں کو پسند کیا ہے اوپر بیان ہو چکا ہے کہ مجاہد کے قول کا تفسیر کے باب میں بڑا اعتبار ہے اس لئے حافظ ابن کثیرؒ نے جو معنے پسند کئے ہیں وہی قوی معلوم ہوتے ہیں۔

۴۵ تا ۵۹۔ سورہ اعراف میں یہ قصہ پورا گزر چکا ہے حضرت سلیمان اور بلقیس کے قصہ کے بعد مختصر طور پر اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح اور حضرت لوطؑ کا قصہ اس تنبیہ کے لئے ذکر فرمایا ہے کہ قریش کو ذرا عبرت ہو جاوے کہ نبی وقت کی اطاعت کا انجام تو یہ ہوتا ہے جو بلقیس کا ہوا کہ دنیا کی بادشاہت بھی قائم رہی اور عاقبت بھی سدھر گئی اور جو لوگ رسول سے مخالفت کریں جس طرح مخالفت پر قریش آمادہ ہیں ایسے لوگوں کا انجام آخر وہی ہونے والا ہے جو ثمود اور قوم لوط کا ہوا ملک شام کے سفر میں قوم لوط اور قوم ثمود کی اجڑی ہوئی بستیاں اہل مکہ کو نظر آیا کرتی تھیں علاوہ اس کے صالح علیہ السلام اہل عرب کے انبیا میں سے شمار کئے جاتے ہیں اور یہاں خاص کر قریش کی تنبیہ مقصود تھی اس لئے حضرت صالح کے قصہ سے یہاں کلام کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے شروع فرمایا ہے اور سورہ اعراف میں عام انبیاءؑ صاحب شریعت کا

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي

پاس ہے کوئی نہیں تم جانچے جاتے ہو اور تھے اس شہر میں نو شخص خرابی کرتے ملک میں

الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ

اور نہ سنوارتے بولے آپس میں قسم کھاؤ اللہ کی مقرر رات کو ہم پڑیں اس پر اور اس کے گھر پر

لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا

پھر کہہ دیں گے اس کے دعویٰ کرنے والے کو ہم نے نہیں دیکھا جب تباہ ہوا اس کا گھر اور ہم بیشک سچ کہتے ہیں اور انہوں نے بنایا ایک

وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا

فریب اور ان کو خبر نہ ہوئی پھر دیکھ کیسا ہوا آخر ان کے فریب کا کہ ہم نے

دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اکھاڑ مارا ان کو اور ان کی قوم کو سارے سو یہ پڑے ہیں ان کے گھر ڈھے ہوئے ان کے انکار سے البتہ اس میں

لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَلُوْطًا

نشانی ہے ایک لوگوں کو جو جانتے ہیں اور بچا دیا ہم نے ان کو جو یقین لاتے تھے اور بچتے رہتے تھے اور لوط نے

ذکر ہے اس واسطے وہاں حضرت نوحؑ سے سلسلہ کلام کا شروع فرمایا ہے کہ حضرت نوحؑ سب سے پہلے صاحب شریعت نبی ہیں اور ان کے بعد حضرت ہودؑ ہیں اور ان کے بعد حضرت صالحؑ ہیں حضرت صالحؑ کی امت نے جب حضرت صالحؑ سے اونٹنی کا معجزہ چاہا اور ان کی خواہش کے موافق وہ اونٹنی پیدا ہوگئی تو سورہ اعراف اور سورہ ہود میں یہ گزر چکا ہے کہ حضرت صالحؑ نے اپنی امت کے لوگوں سے یہ فرما دیا تھا کہ تم لوگ جس روز اس اونٹنی کو کسی طرح کی ایذا پہنچاؤ گے تو تم پر اللہ کا عذاب آجاوے گا پھر جب اس قوم کے سرداروں کی اولاد میں سے نو شخصوں نے صلاح مشورہ کر کے اس اونٹنی کو مار ڈالا تو حضرت صالحؑ کو تنگ کرنے کے لئے حضرت صالحؑ سے یہ کہنے لگے کہ ائتنا بما تعدنا جس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ تم نے تو کہا تھا کہ اونٹنی کی ایذا سے اللہ کا عذاب آوے گا اب ہم نے تو اس اونٹنی کو مار ڈالا پھر اگر تم اللہ کے سچے نبی ہو تو ہم پر اللہ کا عذاب کیوں نہیں لاتے ان کے اس بات کا جواب حضرت صالح نے یہ دیا ہے جس کا ذکر ان آیتوں میں ہے کہ اللہ سے توبہ استغفار کرو عذاب کی خواہش اور عذاب کی جلدی کیوں کرتے ہو اس نصیحت سے حضرت صالح کی مراد یہ تھی کہ اونٹنی کے مار ڈالنے کے بعد بھی اگر ان کی توبہ استغفار سے اس عذاب کا ٹل جانا علم الٰہی میں قرار پا چکا ہو تو ان کے سر سے یہ بلا رفع ہو جائے جب ان لوگوں نے عذاب کی خواہش سے حضرت صالحؑ کو بہت تنگ کیا تو حضرت صالحؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق آخر کو فرمایا کہ تین روز کے اندر تم پر عذاب آوے گا پھر اس پر ان نو شریر لوگوں نے یہ قصد کیا کہ رات کو جب اپنی مسجد میں حضرت صالحؑ اکیلے نماز کو جاویں تو تین دن سے پہلے ہی ان کو شہید کر ڈالیں اور اپنے اس ارادہ کے پورا کرنے کے خیال سے مسجد کے پاس ایک غار تھا اس میں تلواریں لے کر چھپے اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں نے ان پر اسی غار کے پتھر ایسے برسائے کہ ان کے سر کچلے گئے اور انہی پتھروں کے نیچے دب کر رہ گئے اسی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کے نبی سے فریب کرنا چاہا تھا مگر اللہ کے حکم کے آگے ان کا فریب کچھ چل نہ سکا یہ تو قوم صالح کے ان نو شریر شخصوں کا حال ہوا جن کی صلاح سے اونٹنی ہلاک کی گئی تھی باقی قوم کے

إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِۦٓ أَتَأْتُونَ ٱلْفَٰحِشَةَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ ﴿٥٤﴾ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ

جب کہا اپنی قوم کو کیا تم کرتے ہو بے حیائی اور تم دیکھتے ہو کیا تم دیکھتے ہو

ٱلرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ ٱلنِّسَآءِ ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿٥٥﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ

مردوں پر للچا کر عورتیں چھوڑ کر کوئی نہیں تم لوگ بے سمجھ ہو پھر اور جواب نہ تھا

قَوْمِهِۦٓ إِلَّآ أَن قَالُوٓا۟ أَخْرِجُوٓا۟ ءَالَ لُوطٍ مِّن قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴿٥٦﴾

اس قوم کا مگر یہی کہ بولے نکالو لوط کے گھر کو اپنے شہر سے یہ لوگ ہیں ستھرے رہا چاہتے

فَأَنجَيْنَٰهُ وَأَهْلَهُۥٓ إِلَّا ٱمْرَأَتَهُۥ قَدَّرْنَٰهَا مِنَ ٱلْغَٰبِرِينَ ﴿٥٧﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ

پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو مگر اس کی عورت ٹھہرا دیا تھا ہم نے اس کو رہجانیوالوں میں اور برسایا ہم نے ان پر برساؤ

فَسَآءَ مَطَرُ ٱلْمُنذَرِينَ ﴿٥٨﴾ قُلِ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَٰمٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ ٱلَّذِينَ ٱصْطَفَىٰٓ ۗ

پھر کیا برا برساؤ تھا ان ڈرائے ہوؤں کا تو کہہ تعریف ہے اللہ کو اور سلام ہے اس کے بندوں پر جن کو اس نے پسند کیا ہے بھلا

ءَآللَّهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾

اللہ بہتر ہے یا جن کو وہ شریک کرتے ہیں

سرکش لوگوں پر زلزلہ اور چنگھاڑ کا عذاب آیا جس کا ذکر سورۂ اعراف اور سورۂ شعرا میں گذر چکا ہے غرض ثمود میں کے حضرت صالح کے مخالف لوگ دو طرح کے تھے ایک تو سرداروں کی اولاد میں کے نو شخص شریر تھے دوسرے ان نو شخص سرگروہ کے اور عام لوگ ساتھی تھے اور الگ الگ ان دونوں فریقوں کی ہلاکت ہوئی اس لئے اللہ نے ان آیتوں میں یہ فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو سب کو ہلاک کر ڈالا جس سے مطلب یہ ہے کہ وہ نو شخص سرگروہ اور قوم بھر میں جو ان کے ساتھی تھے وہ سب ہلاک ہو گئے صرف اللہ کے نبی حضرت صالح اور چار ہزار کے قریب لوگ جو حضرت صالح پر ایمان لائے تھے وہی عذاب الٰہی سے بچ گئے قوم لوط کا قصہ سورۃ الاعراف سورہ ہود اور سورۃ الشعرا میں گذر چکا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس قوم نے عورتوں کو چھوڑ کر لڑکوں سے بدفعلی کرنے کی عادت دنیا میں نئی نکالی تھی ان سے پہلے کسی قوم میں یہ عادت نہ تھی۔ لوط علیہ السلام نے ایک عرصہ تک ان لوگوں کو سمجھایا مگر انہوں نے نہ مانا آخر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی بستی کو جبرائیل علیہ السلام نے الٹ دیا اور ان پر پتھروں کا مینہ بھی برسا۔ قوم ثمود کے قصہ میں صحیح بخاری کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرؓ کی روایت گذر چکی ہے کہ تبوک کی لڑائی کے سفر میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر اس قوم کی بستی پر سے ہوا تو آپ نے سوا اس کنویں کے جس سے وہ معجزہ کی اونٹنی پانی پیتی تھی اور کنویں کے پانی کو کام میں لانے سے منع کیا اور یہ بھی فرمایا کہ جب تک یہ بستی آنکھوں کے سامنے رہے تو اللہ سے ڈرنا چاہئے کہ اب بھی اس طرح کا عذاب آتے ہوئے کچھ دیر نہیں لگتی۔ قوم لوط کے قصہ میں بھی صحیح بخاری کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث گذر چکی ہے کہ قوم لوط نے عذاب سے پہلے لوط علیہ السلام کو یہاں تک تنگ کیا کہ لوط علیہ السلام اپنی تنہائی پر بہت افسوس کرتے تھے۔ یہ اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کا اصل وطن ملک عراق ہے حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اپنے وطن سے ہجرت کر کے ملک شام کو آئے تھے اور ملک شام کی الٹی ہوئی بستی سدوم میں بالکل تنہا تھے اسی واسطے قوم کی زیادتی کے وقت اپنی تنہائی پر افسوس کرتے تھے ان افسوس کے

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَأَنْبَتْنَا

بھلا کس نے بنائے آسمان اور زمین اور اتار دیا تم کو آسمان سے پانی پھر اگائے ہم نے

بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۗ ءَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ

اس سے باغ رونق کے تمہارا کام نہ تھا کہ اگاتے ان کے درخت اب کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ

بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿٦٠﴾ أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ أَنْهٰرًا

کوئی نہیں وہ لوگ راہ سے مڑتے ہیں بھلا کس نے بنایا زمین کو ٹھہراؤ اور بنائیں اس کے بیچ ندیاں

وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ ءَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ

اور رکھے اس میں بوجھ اور رکھا دو دریا میں اوٹ اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ کوئی نہیں

بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ تم مخالفوں کی ہلاکت اور رسول کی امن پر اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرو اور مکہ کے مشرکوں سے پوچھو کہ اس اللہ کی عبادت بہتر ہے جس کو اپنے نافرمانوں کو برباد کرنے اور فرمانبرداروں کے بچانے کی قدرت ہے یا ان پتھر کی مورتوں کی تعظیم بہتر ہے جن میں کسی طرح کی کوئی قدرت نہیں۔

٦٠ تا ٦٩۔ آسمان زمین آسمان میں سورج چاند تارے آسمان سے مینہ کا برسنا زمین میں ندیاں نالے اور بڑے بڑے دریا انسان اور طرح طرح کے جانور۔ چرند پرند باغ کھیتی کے لئے پانی یہ سب کچھ جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہے اور یہ بھی سب کی آنکھوں کے سامنے ہے کہ سوا اللہ تعالیٰ کے نہ کسی کو اس طرح کے آسمان کے پیدا کرنے کی قدرت ہے نہ زمین کے پیدا کرنے کی بارش کے لئے جو وقت مقرر ہے اگر اس وقت مقررہ پر مینہ نہ برسے تو سارے دنیا کے بادشاہ امیر غریب سب جمع ہوں تو پانی کا ایک قطرہ برسانے کی کسی میں قدرت نہیں چنانچہ مکہ کے قحط کے وقت ان مشرکین مکہ کو اس کا پورا تجربہ ہو چکا ہے۔ انسان یا حیوانات میں سے مرتے کو سوا خدا کے نہ کوئی جلا سکتا ہے نہ بیمار کو بے مرضی الٰہی کوئی تندرست کر سکتا ہے یہ روز کی آنکھوں کے سامنے کی بات ہے اللہ کی مرضی جب نہیں ہوتی تو نہ دعا میں اثر باقی رہتا ہے نہ دوا میں حاصل یہ ہے کہ قرآن شریف میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا اور اس قدرت سے دنیا میں جو کچھ پیدا کیا ہے اس کا ذکر فرما کر دو مقصد اس ذکر سے نکالے ہیں ایک تو اللہ کی وحدانیت دوسرے حشر کا یقین چنانچہ ان آیتوں میں اپنی قدرت سے پیدا کی ہوئی چند چیزوں کا ذکر فرما کر پھر فرمایا ہے یہ چیزیں خالص اللہ کی پیدا کی ہوئی دیکھ کر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ سوائے اللہ کے اور کوئی معبود دوسرا ہے پھر یہ فرمایا ہے کہ ایک دفعہ سب کچھ آنکھوں کے سامنے پیدا ہوا دیکھ کر اور خود اپنے آپ کو پیدا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ کر جو لوگ اس طرح کے دوسری دفعہ کے پیدا ہونے سے انکار کرتے ہیں یا دوسری دفعہ پیدا ہونے میں شک کرتے ہیں وہ آنکھوں کے اندھے ہیں کیونکہ آنکھوں والا آنکھوں کی دیکھی ہوئی چیز کا انکار یا اس میں شک نہیں کرتا سورہ نحل میں اپنی قدرت سے پیدا کی ہوئی چند چیزیں ذکر کر کے فرمایا ہے افمن یخلق کمن لایخلق اور سورہ روم میں فرمایا ہے وھو الذی یبدؤ الخلق ثم یعیدہ وھو اھون علیہ حاصل ان آیتوں کا یہ ہے کہ جب ان مشرک لوگوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ ان کو ان کی ہر طرح کی ضرورت کی چیزیں کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے تو پھر خدا کے ساتھ یہ لوگ اوروں کو کیوں اور کس استحقاق سے شریک ٹھہراتے ہیں علیٰ ہذا القیاس دنیا میں ہر شخص کا تجربہ ہے کہ جو شخص ایک دفعہ ایک کام کو کر چکتا ہے تو پھر دوسری دفعہ اس کو اس کام کا کرنا آسان ہو جاتا ہے باوجود

أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾ أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَ

ان بہتوں کو سمجھ نہیں بھلا کون پہنچتا ہے پھنسے کی پکار کو جب اس کو پکارتا ہے اور اٹھا دیتا ہے برائی

يَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ ۚ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾ أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ

اور کرتا ہے تم کو نائب زمین پر اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ تم سوچ کم کرتے ہو بھلا کون راہ بتاتا ہے تم کو

فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۗ أَإِلَٰهٌ

اندھیروں میں جنگل کے اور دریا کے اور کون چلاتا ہے باویں خوشخبری لانیاں اس کی مہر سے اب کوئی

مَعَ اللَّهِ ۚ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٣﴾ أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَ

حاکم ہے اللہ کے ساتھ اللہ بہت اوپر ہے اس سے جو شریک بتاتے ہیں بھلا کون سرے سے بناتا ہے پھر اس کو دہراتا ہے اور

مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ ۚ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ

کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ تو کہہ لاؤ اپنی سند

اس تجربے کے ایک دفعہ تمام دنیا کو آنکھوں سے دیکھ کر اسی طرح کے دوبارہ پیدا ہونے سے یہ لوگ کس سند سے انکار کرتے ہیں اور جب ان کا وہ شرک وانکار خود ان کے تجربے کے موافق ٹھیک نہیں ہے تو پھر رسول وقت کو سچا جانتے ہیں ان کو کیا تردد ہے رسول وقت اور کیا کہتے ہیں یہی تو کہتے ہیں کہ خدا کو ایک مانو آخرت کو حق جانو ما کان لکم ان تنبتوا شجرھا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ آسمان سے مینہ نہ برساوے تو باغ کھیتی سے نفع اٹھانا انسان کی قدرت سے باہر ہے بین البحرین حاجزا اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین کے نیچے دو طرح کا پانی ہے مگر میٹھا پانی کھاری پانی سے مل نہیں سکتا اسی طرح سے سمندر کا پانی میٹھے ندیوں کے پانی کو کھاری نہیں کر سکتا ویجعلکم خلفاء الارض اس کا مطلب یہ ہے کہ باغ کھیتی اور زمین کی سب چیزیں ایک زمانہ کے لوگوں کے قبضے سے نکال کر دوسرے زمانے کے لوگوں کے قبضے میں دے دیتا ہے مثلاً خلافت بنی امیہ کے قبضے سے نکل کر عباسیہ کے قبضے میں آگئی جنگل میں پہاڑوں کی اور دریا میں تاروں کی علامتوں سے مسافروں کو رستہ کا پتہ جو لگ جاتا ہے یہ بھی قدرت الٰہی کا ایک نمونہ ہے تعالی اللہ عما یشرکون اس کا مطلب یہ ہے کہ اوپر جن چیزوں کا ذکر ہوا جب وہ سب اللہ کے اختیار میں ہیں تو کوئی دوسرا اس کی تعظیم میں شریک نہیں قرار پا سکتا اسی مطلب کی تاکید کے لئے آگے فرمایا کہ اس کے سوا مشرکوں کا کچھ اور دعویٰ ہے تو وہ اس کی سند پیش کریں مشرکین مکہ قیامت کے منکر تھے اس واسطے مسخراپن کے طور پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا کرتے تھے کہ جس دن کے حساب وکتاب اور سزا وجزا سے ہم کو ڈرایا جاتا ہے آخر وہ دن کب آوے گا اس کا کچھ وقت بھی مقرر ہے اسی کے جواب میں فرمایا اے رسول اللہ کے تم ان قیامت کے منکروں سے کہہ دو کہ مثلاً انسان کی موت کب آوے گی قیامت کیسے ہو گی یہ ایسی غیب کی باتیں ہیں کہ سوا اللہ تعالےٰ کے آسمان زمین میں اور کسی کو ان کا وقت معلوم نہیں پھر میں تم لوگوں کے مسخراپن کے جواب میں قیامت کے آنے کا ٹھیک وقت کیوں کر بتلا سکتا ہوں ہاں بغیر وقت کے ٹھہرانے کے قیامت سے جو میں تم کو ڈراتا ہوں اس کو ہر سمجھ دار آدمی سمجھ سکتا ہے کہ بغیر نیکی و بدی کی جزا وسزا کے دنیا کا پیدا کرنا بے فائدہ ٹھہرتا ہے جو اللہ کی شان سے بہت بعید ہے سورہ طٰہٰ میں گزر چکا ہے کہ قیامت کا وقت اللہ تعالیٰ نے اس لئے پوشیدہ رکھا ہے کہ اچانک وقت پر آنے والی چیز کا خوف ہر زمانے کے لوگوں کے دل میں رہے ورنہ وقت سے

إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٦٤﴾ قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ

اگر تم سچے ہو تو کہہ خبر نہیں رکھتا جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں چھپی چیز کی

إِلَّا اللَّهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٦٥﴾ بَلِ ادَّارَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ ۚ

مگر اللہ اور ان کو خبر نہیں کب جلائے جاویں گے بلکہ ہار گئی ان کی دریافت آخرت میں

بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا ۖ بَلْ هُم مِّنْهَا عَمُونَ ﴿٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا

بلکہ اُن کو دھوکا ہے اس میں بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں اور بولے وہ جو منکر ہیں کیا

أَإِذَا كُنَّا تُرَابًا وَآبَاؤُنَا أَئِنَّا لَمُخْرَجُونَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هَٰذَا نَحْنُ وَ

جب ہم ہو گئے مٹی اور ہمارے باپ دادا کیا ہم کو زمین سے نکالنا ہے وعدہ مل چکا ہے اس کا ہم کو اور

آبَاؤُنَا مِن قَبْلُ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ

ہمارے باپ دادوں کو آگے سے اور کچھ نہیں یہ نقلیں ہیں اگلوں کی تو کہہ پھرو ملک میں

پہلے لوگ قیامت سے بالکل بے فکر ہو جاتے۔ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ کا یہی مطلب ہے۔ ادَّارَكَ عِلْمُهُمْ میں ادارک کا لفظ اصل میں تدارک ہے ت کو دال میں ادغام کر کے اول میں ہمزہ لگا دینے سے ادّارک ہو گیا ہے جس کے معنی کسی چیز کے پورے ہو جانے کے ہیں حشر کے منکر لوگوں کی دریافت امور آخرت میں پوری ہو گئی اس کے دو مطلب ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ایک قول کے موافق پہلا مطلب تو یہ ہے کہ اگرچہ یہ لوگ دنیا میں اندھے شخص کی طرح امور آخرت میں اس سبب سے شک میں پڑے ہوئے ہیں کہ وحی کے ذریعہ سے آخرت کی جو باتیں ان کو سمجھائی گئی ہیں ان کے تو یہ لوگ منکر ہیں اور فقط عقل سے وہ باتیں معلوم نہیں ہو سکتی ہیں ہاں آخرت میں جب وہ باتیں ان کے سامنے آجادیں گی تو اس بات میں ان کا علم ان کی دریافت سب کچھ پورا ہو جاوے گا دوسرا مطلب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے دوسرے قول کے موافق یہ ہے کہ وحی کے انکار اور عقل کے کارآمد نہ ہونے کے سبب سے امور آخرت کی دریافت میں ان کے علم کا خاتمہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس بات میں ان لوگوں کے علم کے سب ذریعے بند اور ان کا علم اس باب میں تھکا ہوا ہے شاہ صاحب نے آیت کا ترجمہ جو کیا ہے بلکہ ہار گئی ان کی دریافت آخرت میں یہ ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے دوسرے قول کے موافق ہے لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا پہلا قول سورہ قاف کی آیت لقد كنت في غفلة من هذا فكشفنا عنك غطاءك فبصرك اليوم حديد کے بالکل مطابق ہے کیونکہ جو مطلب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پہلے قول کا اوپر بیان کیا گیا ہے وہی مطلب سورہ قاف کی اس آیت کا ہے اس لیے حافظ ابو جعفر ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں اسی کو قوی قرار دیا ہے پچھلے انبیاء کے قصوں میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کی نصیحت میں حشر کا حال سن کر مشرکین مکہ یہ کہتے تھے کہ یہ حشر کا ڈراوا تو وہی پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ان سے ہم کیا ڈرتے ہیں اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے رسول اللہ کے ان لوگوں سے کہہ دو کہ ملک شام اور یمن کے سفر میں ان اجڑی ہوئی بستیوں کو دیکھو جن کے تباہ ہونے کا حال پچھلے انبیاءؑ کے قصوں میں ان لوگوں کو سنایا گیا ہے تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ حشر کے قائم ہونے کی نصیحت کہانیاں نہیں بلکہ ایسی سچی باتیں ہیں جن کے جھٹلانے والے طرح طرح کے عذابوں میں گرفتار ہو کر تباہ اور برباد ہو چکے ہیں اس پر بھی اگر یہ سرتوڑ نہ مانیں گے تو وہی انجام

فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿٦٩﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُن فِي
تو دیکھو کیسا ہوا آخر کام گنہگاروں کا اور غم نہ کھا ان پر اور نہ خفگی میں آ

ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿٧٠﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٧١﴾
ان کے داؤ بنانے سے اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو

قُلْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ رَدِفَ لَكُم بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٧٢﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ
تو کہہ شاید تمہاری پیٹھ پر پہنچی ہو بعضی چیز جس کی شتابی کرتے ہو اور تیرا رب

ان کا ہوگا جو ان سے پہلوں کا ہوا۔ اللہ سچا ہے اور اللہ کا کلام سچا ہے مشرکین مکہ میں حشر کے بڑے بڑے جھٹلانے والوں کا جو انجام بدر کی لڑائی میں ہوا اس کا قصہ صحیح بخاری و مسلم کی انس بن مالکؓ کی روایتوں کے حوالہ سے ایک جگہ گزر چکا ہے کہ دنیا میں بڑی ذلت سے یہ لوگ مارے گئے اور مرتے ہی عذاب آخرت میں گرفتار ہو گئے جس عذاب کے جتانے کی غرض سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ کے وعدہ کو سچا پالیا۔

۷۰ تا ۷۳۔ اوپر کی آیتوں میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے قریش کو سمجھایا اسی طرح تیرہ برس کے قریب تک مکہ میں قرآن شریف نازل ہوتا رہا اور طرح طرح کی نصیحت کی آیتیں نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے قریش کو سمجھایا مگر باوجود اس قدر مدت اور اس قدر فہمائش کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے ہجرت فرمانے کے وقت تک ان میں سے ایک سو کے اندر ہی اندر آدمی اسلام لائے باقی اہل مکہ آپ کی ایذا رسانی پر ہر طرح سے آمادہ رہے اور ایذا رسانی کی شکلیں نکالنے میں طرح طرح کے اور داؤں سوچتے اور نکالتے رہے موسم حج پر باہر کے لوگ جو کچھ آپ کی نصیحت دھیان سے سنتے تو ان کو بہکا دیتے کبھی کہتے کہ جو ہم چاہیں تو اس طرح کا قرآن بنا سکتے ہیں جب آپ نماز پڑھتے تو سیٹیاں اور تالیاں بجاتے غرض آخر ہجرت کے وقت تک اہل مکہ کا یہی حال رہا عین ہجرت کے وقت جو کچھ انہوں نے کیا اس کا تذکرہ انفال میں گزر چکا ہے کہ سب مخالفوں نے جمع ہو کر آپ کی ایذا رسانی کا مشورہ کیا بعضوں نے کہا کہ آپ کو قید کرنا چاہئے بعضوں نے کہا کہ جان سے ہلاک کرنا چاہئے بعضوں نے کہا مکہ سے نکال دینا چاہئے شیطان بھی اس مشورہ میں شامل ہوا اور شیطان کے مشورہ کے موافق ابوجہل کے اس منصوبہ پر سب کا اتفاق ٹھہرا کہ مکہ میں جتنے قبیلے اور رہتے ہیں ان سب میں کا ایک ایک آدمی تلوار لے کر مستعد ہو اور ایک دم سب مل کر آپ پر حملہ کر دیں یہ تجویز اس لئے ٹھہرائی تھی کہ پھر سارے مکہ کے قبیلوں سے آپ کے ساتھیوں کو بدلا لینے کا بھی قابو باقی نہ رہے گا ان کے اس مشورہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مکہ سے ہجرت کرنے کا حکم دیا اور عزت حرمت سے اپنے رسول کو مدینہ پہنچا دیا حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ کی قدرت اور تدبیر کے آگے کوئی داؤں اور فریب ان لوگوں کا اللہ کے رسول پر چل تو نہیں سکا لیکن ان لوگوں کی ایذا رسانی اور راہ راست پر نہ آنے کا حال دیکھ کر جب تک آپ مکہ میں رہے آپ کو ہمیشہ ایک طرح کا غم اور رنج رہتا تھا آپ کے اس رنج کے رفع فرمانے کی غرض سے مکہ میں جو قرآن شریف کا حصہ اترا ہے اس حصہ میں اکثر اللہ تعالیٰ نے آپ کی تشفی اور تسکین کی آیتیں نازل فرمائی ہیں یہ آیت بھی انہی آیتوں میں کی ایک آیت ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی تشفی و تسکین فرما کر پھر آگے کی آیتوں میں قریش کو دھمکایا ہے کہ اللہ کے رسول کو جھٹلا کر اور طرح طرح کی ایذا دیکر یہ لوگ عذاب الٰہی کی جلدی جو کرتے ہیں یہ ان کی نادانی ہے کہ باوجود اسی نافرمانی

لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ

تو فضل رکھتا ہے لوگوں پر پھلان میں بہت شکر نہیں کرتے اور تیرا رب جانتا ہے

مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٤﴾ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

جو چھپا رہا ہے ان کے سینوں میں اور جو کھولتے ہیں اور کوئی چیز نہیں جو غائب ہو آسمان اور زمین میں

إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٧٥﴾ إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ

مگر ہے کھلی کتاب میں یہ قرآن سناتا ہے بنی اسرائیل کو اکثر چیز

الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٧٦﴾ وَإِنَّهُ لَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٧٧﴾ إِنَّ

جس میں وہ پھوٹ رہے ہیں اور یہ سوجھ ہے اور مہر ہے ایمان والوں کو تیرا

کے پھر عذاب کی بھی جلدی کرتے ہیں ان کو کیا معلوم ہے کہ عذاب کا وقت قریب آن لگا ہو یہ فقط اللہ کا فضل اور بردباری ہے کہ اس قدر شرارتوں پر ان کو چھوڑ رکھا ہے کسی سخت عذاب میں ان کو نہیں پکڑتا اللہ کی بردباری کا شکر نہیں کرتے اور نہیں سمجھتے کہ عذاب کا وقت مقررہ آجائے گا تو ان کو جان کا بچانا دشوار ہوگا اللہ کا وعدہ سچا ہے جب بدر کی لڑائی کے وقت قریش کی ہلاکت کی گھڑی آن پہنچی تو دم کے دم میں ستر آدمی قریش میں کے مارے گئے اسی دن سے قریش کی سرکشی کی بنیاد اکھڑ گئی صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر صاحب علم اور بردبار کون ہو سکتا ہے مشرک لوگ شرک کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو تندرستی اور خوش حالی سے رکھتا ہے غرض تیرہ برس تک اللہ تعالیٰ نے حلم اور بردباری کو کام فرمایا جب قریش کی سرکشی کم نہ ہوئی تو انہوں نے اپنے کئے کو بھگتا اب بھی جو کوئی اللہ کے رسول کی فرمانبرداری نہ کرے گا پشیمانی بھگتے گا فرق اس زمانے میں اور اس زمانہ میں اتنا ہے کہ اس زمانہ میں اللہ کے رسول خود موجود تھے اب ان کا کلام موجود ہے فرمانبرداری رسول کے کلام اور حکم کی جس طرح جب تھی وہ اب بھی ہے اور قیامت تک رہے گی

۷۲ تا ۸۱۔ ان آیتوں میں مشرکوں کو جو قیامت کو دور جانتے ہیں اوپر کی آیتوں میں ان کے حق میں یہ فرمایا تھا کہ قیامت کے آنے کی یہ لوگ جلدی کرتے ہیں شاید وہ ان کی پیٹھ کے پیچھے آلگی ہو اور قریب ہو پھر فرمایا کہ تیرا رب لوگوں پر اپنا فضل رکھتا ہے اور نعمتیں دیتا ہے اور یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اور خدا کا شکر نہیں بجا لاتے اب ان آیتوں میں فرمایا کہ وہ ایسا عالم الغیب ہے کہ جن باتوں کو یہ لوگ چھپا رہے ہیں ان کو بھی جانتا ہے اور جو ظاہر کرتے ہیں وہ بھی جانتا ہے چنانچہ سورہ طٰہٰ میں فرمایا فانہ یعلم السر واخفی پھر فرمایا کوئی چیز غائب نہیں آسمان اور زمین میں مگر وہ موجود ہے کھلی کتاب میں یہ آیت مثل سورہ حج کی اس آیت کے ہے الم تعلم ان اللہ یعلم مافی السماء والارض، ان ذالک فی کتاب، انّ ذالک علی اللّٰہ یسیر (آیت)، مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ جو کچھ آسمان یا زمین میں ہے اس لئے اس کو اپنے علم ازلی کے موافق یہ سب کچھ لوح محفوظ میں لکھ لینا دشوار نہیں تھا پھر فرمایا کہ یہ قرآن بنی اسرائیل کے لئے اکثر وہ قصے بیان کرتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں جیسے حضرت عیسیٰ اور عزیر کے باب میں یہود نصاریٰ مختلف القول ہیں لیکن یہ قرآن شریف سراسر ہدایت اور رحمت ہے ایمانداروں کے حق میں اس سراسر ہدایت کو چھوڑ کر اب جو لوگ اختلاف میں پڑے ہیں ان کے اس اختلاف کا پورا فیصلہ قیامت کے دن

رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى
رب ان میں فیصلہ کرے اپنی حکومت سے اور وہی ہے زبردست سب جانتا سو تو بھروسا کر اللہ پر بے شک تو ہے
الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا
صریح کھلی راہ پر تو نہیں سنا سکتا مردوں کو اور نہیں سنا سکتا بہروں کو پکار جب پھریں وہ
مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ
پیٹھ دے کر اور نہ تو دکھا سکے اندھوں کو جب راہ سے بچلیں تو تو سناتا ہے اس کو جو

ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے علم اور فیصلہ میں بڑا زبردست ہے پھر فرمایا اے رسول اللہ کے تم کھلے راستے پر ہو اللہ پر بھروسہ کر کے لوگوں کو اس راستہ پر بلانے میں لگے رہو پھر اس کھلے راستے پر جو نہ آوے تو وہ مثل مردہ کے ہے اور تم مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو سنا سکتے ہو اور نہ تم اندھوں کو راستہ بتا سکتے ہو جب وہ راہ سے بچلیں تم تو ان ہی کو نصیحت کر سکتے ہو جو اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ وہی لوگ حکم بردار ہیں صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے اپنے علم ازلی کے موافق وہ سب اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے یہ حدیث وما من غائبۃ فی السماء والارض الا فی کتاب مبین کی گویا تفسیر ہے بہروں کے ذکر میں پیٹھ کے پھیر لینے کا تذکرہ اس لئے فرمایا کہ نگاہ سامنے کر کے بہرا شخص اشارہ سے کوئی بات اس طرح سمجھ لیتا ہے کہ اس نے گویا وہ بات سن لی پیٹھ پھیر لینے کے بعد یہ موقع بھی باقی نہیں رہتا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے موافق لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کتنے آدمی جنت میں جانے کے قابل کام کریں گے اور کتنے آدمی دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث بھی ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن شریف کی نصیحت کی مثال مینہ کے پانی کی اور اچھے برے لوگوں کی مثال اچھی بری زمین کی بیان فرمائی ہے۔ ان حدیثوں کو آیتوں کی تفسیر میں جو دخل ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جس قسم کی یہ آیتیں ہیں ایسی آیتوں کے نازل ہونے سے پہلے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس بات کا بڑا رنج تھا کہ تمام اہل مکہ دائرہ اسلام میں کیوں نہیں داخل ہو جاتے لیکن جب اس قسم کی آیتوں سے یہ بات کھل گئی کہ جو لوگ علم الٰہی میں دوزخ کے قابل ٹھہر چکے ہیں مرے ہوئے لوگوں کی طرح ان کے کانوں میں نیک بات کے سننے کی اور ان کی آنکھوں میں قدرت الٰہی کے نمونہ کے دیکھنے کی صلاحیت نہیں ہے تو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اوپر کی حدیثوں سے اس قسم کی آیتوں کی تفسیر کے طور پر امت کے لوگوں کو یہ بات سمجھا دی کہ لوگ علم الٰہی میں بدقرار پا چکے ہیں ان کے حق میں قرآن کی نصیحت اسی طرح رائگاں ہے جس طرح بری زمین میں مینہ کا پانی رائگاں جاتا ہے ہاں علم الٰہی کے موافق جن لوگوں میں حکم برداری کا مادہ ہے ان کے حق میں قرآن کی نصیحت ایسی ہی فائدہ مند ہے جیسے اچھی زمین میں مینہ کا پانی فائدہ مند ہوتا ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انس بن مالکؓ کی حدیث جو ایک جگہ گزر چکی ہے۔ کہ بدر کی لڑائی کے وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ نے مشرکوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ کے وعدے کو سچا پا لیا اس حدیث کے معنے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگردوں میں سے قتادہ نے یہ بیان کئے ہیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان لاشوں میں روح پھونک دی گئی تھی ان لاشوں نے

يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ﴿٨١﴾ وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً

یقین رکھتا ہو ہماری باتوں پر سو وہ حکم بردار ہیں اور جب پڑ چکے گی ان پر بات نکالیں گے ہم ان کے آگے ایک

مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿٨٢﴾

جانور زمین سے ان سے باتیں کرے گا اس واسطے کہ لوگ ہماری نشانیوں پر یقین نہیں کرتے تھے

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو سن لیا امام احمد اور ابوداؤد میں براء بن عازبؓ کی صحیح حدیث منکر نکیر کے سوال جواب کے باب میں جو ہے اس سے قتادہ کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے کس لئے کہ اس حدیث میں صاف طور پر یہ ذکر ہے کہ منکر نکیر کے سوال وجواب کے وقت مردہ کے جسم میں روح پھونک دی جاتی ہے[1] حاصل کلام یہ ہے کہ آیت انک لاتسمع الموتٰی میں اور انس بن مالکؓ کی اس مضمون کی حدیثوں میں کچھ اختلاف نہیں ہے کیونکہ حدیثوں میں مردہ کی خاص خاص حالتوں کا ذکر ہے اور آیت میں مردہ کی ان خاص خاص روح کے پھونکے جانے کی حالتوں کے علاوہ عام حالت کا ذکر ہے۔

۸۲۔ اس جانور کا قیامت کے قریب نکلنا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی کا ہونا اس قدر تفسیر اس آیت کی بہت صحیح حدیثوں میں آئی ہے چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت حذیفہؓ کی جو حدیث[2] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک دس نشانیاں لوگوں کو نظر نہ آویں گی اس وقت تک قیامت نہ آوے گی ان دس نشانیوں میں جانور کا بھی ذکر ہے اور اسی حدیث کی روایت ترمذی ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے دوسری حدیث صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی ہے اس میں بھی اس جانور کا ذکر ہے تیسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی صحیح مسلم کی روایت[2] میں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت آفتاب مغرب سے نکلے گا اسی وقت میں یہ جانور بھی نکلے گا اور صفا پہاڑ سے اس جانور کے نکلنے کا قول حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ہے اور امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ اکثر مفسروں نے اس قول کو قوی قرار دیا ہے معتبر سند[3] سے ترمذی مسند امام احمد ابن ماجہ مستدرک حاکم بیہقی تفسیر ابن منذر تفسیر ابن جریر تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جانور جب نکلے گا تو اس کے پاس حضرت موسیٰؑ کا عصا اور حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی یہ دونوں چیزیں ہوں گی مسلمانوں کے منہ کو وہ جانور انگوٹھی چھوا دے گا جس سے ان کے چہرہ پر ایک طرح کی رونق آجائے گی اور جو لوگ پورے مسلمان نہیں ہیں ان کے ناک پر حضرت موسیٰ کے عصا سے ایک چھاپہ لگا دے گا اس رونق سے مسلمان اور کافر کی ایسی پہچان ہو جائے گی کہ ایک دسترخوان پر جتنے لوگ ہوں گے وہ سب پہچانے جائیں گے حذیفہؓ بن اسید کی ایک حدیث[3] مستدرک حاکم اور بیہقی اور تفسیر ابن منذر میں ہے جس کو حاکم نے صحیح کہا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ جانور تین دفعہ دنیا میں نکلے گا اور قرآن شریف میں یہ جو ہے کہ لوگوں پر جب ایک بات پڑ چکے گی اس وقت یہ جانور نکلے گا اس کی تفسیر اور مفسرین متقدمین نے جو کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب مغرب سے آفتاب نکل چکے گا اور کافر کا ایمان اور گنہگار کی توبہ قبول ہونے کا موقع نہ رہے گا اس وقت یہ جانور نکلے گا صحیح مسلم کی عبداللہ بن عمروؓ کی یہ حدیث جو اوپر گزر چکی ہے کہ مغرب سے آفتاب کے نکلنے اور اس جانور کے نکلنے کا ایک ہی زمانہ ہوگا اس حدیث سے اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے عطا خراسانی کے قول کے موافق وہ جانور اس وقت کے

[1] مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر۔ [2] مشکوٰۃ باب العلامات بین یدی الساعۃ وذکر الدجال۔

[3] تفسیر الدر المنثور ص ۱۱۶ ج ۵۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ (۸۳) حَتَّىٰ إِذَا

اور جس دن گھیر بلادیں گے ہم ہر فرقہ میں سے ایک دل جو جھٹلاتے تھے ہماری باتیں پھر ان کی مثل بنے گی یہاں تک کہ جب

جَاءُوا قَالَ أَكَذَّبْتُمْ بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (۸۴)

آپہنچے فرمایا کیوں تم نے جھٹلائیں میری باتیں اور آنہ چکی تمہیں تمہاری سمجھ میں یا کچھ کیا کرتے تھے۔

وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ (۸۵) أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا

اور پڑ چکی ان پر بات اس واسطے کہ انہوں نے شرارت کی سو وہ کچھ نہیں بولتے کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے بنائی

اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (۸۶)

رات کہ اس میں چین پکڑیں اور دن بنایا دیکھنے کا البتہ اس میں نشانیاں ہیں ان کو جو یقین کرتے ہیں۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ۚ

اور جس دن پھونکا جائے گا نرسنگا تو گھبرا جائے جو کوئی ہے آسمان و زمین میں مگر جس کو اللہ چاہے

لوگوں سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق یہی کہے گا ان الناس کانوا بایتنا لایوقنون جس کا مطلب یہ ہے کہ مغرب سے آفتاب کے نکلنے سے اور اس جانور کے پیدا ہو جانے سے پہلے جو منکر لوگ راہ راست پر نہیں آئے اور جن گنہگاروں نے توبہ نہیں کی وقت کے ہاتھ سے نکل جانے کے سبب سے گویا یہ جانور ایسے لوگوں کے حال پر افسوس کرے گا یہ عطا خراسانی اعمش کے طبقہ تابعی اور صحیح مسلم کے راویوں میں ہیں۔

۸۳ تا ۸۸۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کا حال بیان فرمایا ہے کہ جس روز ہم قرآن کے جھٹلانے والوں کے ہر ایک فرقہ کو گھیر کر بلادیں گے پھر ان کی مثل بنے گی ہر گناہ والے قسم دار ہوں گے زنا کرنے والے علیحدہ چور علیحدہ شرابی علیحدہ پھر اللہ تعالیٰ جھڑکی کے طور پر احکام کے جھٹلانے والوں کو اور نہ ماننے والوں سے سوال کرے گا کہ تم دنیا میں کیا کام کرتے رہے اس جھڑکی کے سوال کے بعد مشرک لوگ عذاب کے قابل قرار پادیں گے۔ اور جب وہ لوگ اپنے شرک سے انکار کریں گے تو ان کے منہ پر مہر لگائی جائے گی ان کے ہاتھ پیروں سے گواہی لی جاوے گی صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں یہ اعضا کی گواہی کا ذکر ہے اب آگے اللہ تعالیٰ نے حشر کے منکروں کو اس طرح اپنی قدرت کاملہ پر متنبہ کیا کہ یہ لوگ کیا غور و فکر نہیں کرتے کہ ہم نے بنائی رات کہ چین پکڑیں اس میں اور بنایا دن کو روشنی کرنے والا جس کے سبب سے یہ لوگ معاش پیدا کریں جس کے اندر نشانیاں ہیں اللہ کی قدرت کی ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں اب اللہ تعالیٰ قیامت کے اس ہول کی خبر دیتا ہے جو صور کے پھونکے جانے کے وقت پیدا ہو گا معتبر سند سے ترمذی اور ابوداؤد میں عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت[1] ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صور ایک سینگ ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے جس میں اسرافیل علیہ السلام پہلا صور پھونکیں گے جس سے تمام مخلوق پہلے گھبرا جائے گی اور پھر مر جائے گی بعد اس کے خدا کے روبرو کھڑے ہونے کے لئے دوسرا صور پھونکا جائے گا جس سے تمام مردے قبروں سے نکل کر خدا کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے پھر فرمایا کہ یہ پہاڑ جو اللہ کی قدرت اور صنعت سے مضبوط اور جمے ہوئے نظر آتے ہیں صور کے صدمہ سے بادلوں کی طرح چلنے لگیں گے بعد اس کے قیامت کے دن کی سزا سے ڈرانے کے لئے فرمایا کہ اللہ لوگوں کے ہر طرح کے

[1] مشکوٰۃ ۴۸۲ باب النفخ فی الصور۔

وَكُلٌّ أَتَوْهُ دَاخِرِينَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۚ

اور سب چلے آویں اس کے آگے عاجزی سے۔ اور تو دیکھتا ہے پہاڑ جانتا ہے وہ جم رہے ہیں اور وہ چلیں گے جیسے چلے بدلی

صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ

کاریگری اللہ کی جس نے سادھی ہے ہر چیز اس کو خبر ہے جو تم کرتے ہو جو کوئی لایا بھلائی

فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا وَهُمْ مِنْ فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُونَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ

تو اس کو ملتا ہے اس سے بہتر اور ان کو گھبراہٹ سے اس دن چین ہے اور جو کوئی لایا برائی سو اوندھے ڈالے ہیں

عملوں سے اچھی طرح خبردار ہے رات کا سونا اور دن کا جاگنا حشر کا ایک نمونہ ہے اس لئے حشر کے ذکر کے بعد رات اور دن کا ذکر فرمایا صحیح بخاری میں حذیفہؓ سے روایت[1] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نیند کی مثال موت کی اور نیند سے پھر ہوشیار ہو جانے کی مثال دوبارہ زندہ ہونے کی فرمائی ہے اس سے سونے اور جاگنے کو حشر کا نمونہ قرار دیا جاتا ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ لوگوں کے رات کے عمل دن کے عملوں سے پہلے اور دن کے عمل رات کے عملوں سے پہلے اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہو جاتے ہیں یہ حدیث انه خبیر بما تفعلون کی گویا تفسیر ہے معتبر سند سے مستدرک حاکم میں ابوہریرہؓ سے روایت[2] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے صور کی گھبراہٹ سے شہید لوگ امن میں رہیں گے یہ حدیث الامن شاء اللہ کی گویا تفسیر ہے۔

۸۹ تا ۹۰۔ اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے صور کے پھونکنے کا ذکر فرمایا تھا اگرچہ اس بات میں علماء نے بڑا اختلاف کیا ہے کہ صور کتنی دفع پھونکا جائے گا مگر صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمروؓ العاص کی حدیث[3] سے معلوم ہوتا ہے کہ صور فقط دو دفع ہی پھونکا جاوے گا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو ہلاک کر چکیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ گزر چکے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو جائے گی تو اس کے بعد شام کے ملک کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا چل کر جن کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے اس طرح کے سب لوگ اس ہوا کے اثر سے مر چکیں گے اور شیطان کے بہکانے سے دنیا میں پھر پہلے زمانہ جاہلیت کی طرح بت پرستی کا زور ہو جائے گا اس وقت پہلا صور پھونکا جائے گا شروع شروع اس صور کی آواز سے لوگوں کے دلوں میں ایک گھبراہٹ پیدا ہوگی اور اس صور کی شروع کی آواز سے زمین کو حرکت ہو کر ایک زلزلہ بھی آوے گا پھر صور کی آواز بڑھتے بڑھتے زمین آسمان سب دنیا فنا ہو جائے گی مسند امام احمد ابوداؤد ونسائی صحیح ابن خزیمہ صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں اوسؓ بن ثقفی کی روایت[4] ہے جس کو ابن خزیمہ اور ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جمعہ کے دن آپ نے فرمایا کہ صور پھونکا جائے گا حاصل کلام یہ ہے کہ پہلے صور کی دو حالتیں ہوں گی اس کی شروع آواز سے لوگ گھبرائیں گے اور بے ہوش ہو جائیں گے اور پھر رفتہ رفتہ اس کی آواز ایسی سخت ہو جائے گی جس سے پہاڑ زمین آسمان سب دنیا فنا ہو جائے گی پہلی حالت کا نام نفخۂ فزع ہے اور دوسری حالت کا نام نفخۂ صعق اور دوسرا صور وہ ہے جس سے تمام دنیا پھر جی اٹھے گی اس کا نام نفخۂ قیام ہے جن مفسروں نے تین صور پھونکے جانے کا ذکر اپنی تفسیروں میں لکھا ہے اگر ان کا مطلب اس سے یہی ہے کہ پہلے صور کی دو حالتیں دو صور کے قائم مقام ہیں تو یہ مطلب صحیح ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ صور خود تین دفعہ

[1] مشکوٰۃ ص ۲۰۸ باب ما یقول عند الصباح والمساء والمنام، [2] فتح الباری ص ۱۹۳ ج ۲ باب نفخ الصور، [3] مشکوٰۃ ص ۴۸۱ باب لاتقوم الساعۃ الاعلیٰ شرار الناس، [4] مشکوٰۃ ص ۱۲ باب الجمعہ، [5] تنقیح الرواۃ ص ۵۵ ۲ جلد اول

وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ

ان کے منہ آگ میں وہی بدلہ پاؤ گے جو کچھ کرتے تھے مجھ کو یہی حکم ہے کہ بندگی کروں

رَبَّ هَٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِي حَرَّمَهَا وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٩١﴾

اس شہر کے مالک کی جس نے اس کو رکھا ادب کا اور اسی کی ہے ہر چیز اور حکم ہے کہ رہوں حکم برداروں میں

وَأَنْ أَتْلُوَ الْقُرْآنَ ۖ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ

اور یہ کہ سنا دوں قرآن پھر جو کوئی راہ پہ آیا سو راہ پر آوے گا اپنے بھلے کو اور جو کوئی بہکا رہا تو

پھونکے جاویں گے تو تین صور کی روایت ضعیف ہے غرض اوپر کی آیتوں میں صور کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں نیکی بدی اور نیکی کرنے والوں کی امن میں رہنے کا اور بدی کرنے والوں کا خرابی میں پھنسنے کا ذکر جو فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اوپر کی آیتوں میں دونوں صور کا ذکر ہے گھبراہٹ اور پہاڑوں کا بادلوں کی طرح چلنا پہلے صور کی حالت کے بیان میں ہے اور مخلوقات کا عاجزی سے اللہ تعالےٰ کے روبرو کھڑا ہونا اور نیکی بدی کا نتیجہ دوسرے صور کی حالت کا بیان ہے بعضے مفسروں نے یہ ایک شبہ کبھی یہاں پیدا کیا ہے کہ ان آیتوں میں پہلے تو فرمایا ہے کہ جب صور پھونکا جاوے گا تو اہل آسمان اور زمین سب گھبرا جاویں گے اور پھر فرمایا کہ نیک لوگ اس دن امن میں رہیں گے ان دونو آیتوں میں مطابقت کیوں کر ہے اس کا جواب مفسرین نے یہ دیا ہے کہ پہلے پہل تو قیامت کا خوف سب کو ہوگا لیکن پھر نیکوں کا انجام بخیر ہوگا اس لئے ان کا خوف امن سے بدل جاوے گا اور اس جواب کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو صحیح بخاری مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت[1] سے ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تنہائی میں بعضے گنہگار مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ یاد دلاویگا جب وہ ڈریں گے کہ ان کی پکڑ ہوئی تو اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرماوے گا اور کافر اور منافقوں پر سب کے سامنے لعنت فرماوے گا مسند امام احمد صحیح بخاری و مسلم اور نسائی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے حدیث[2] قدسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا نیکی کا بدلہ دس سے لے کر سات سو تک اور زیادہ نیک نیتی کی نیکیوں کا بدلہ اس سے بھی زیادہ دیا جائے گا یہ حدیث فلہ خیر منھا کی گویا تفسیر ہے اسی طرح صحیح بخاری و مسلم اور ترمذی میں انس بن مالکؓ اور ابوہریرہؓ سے روایتیں[3] ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ حشر کے منکر لوگ اس دن منہ کے بل گھسیٹے جا کر دوزخ میں جھونکے جاویں گے یہ روایتیں فکبت وجوھم فی النار کی گویا تفسیر ہے۔

۹۱ تا ۹۳۔ اوپر کی آیتوں میں مشرکین مکہ کو حشر سے ڈرا کر ان آیتوں میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ اے رسول اللہ کے تم ان مشرکوں سے کہہ دو مجھ کو تو اللہ کا یہی حکم ہے کہ میں اس شہر مکہ کے رب کی بندگی کروں جس کو اس نے ادب والا بنایا اور انسان اور اس کی سب ضرورت کی چیزوں کو اس نے اپنی قدرت سے اس طرح پیدا کیا کہ اس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے شرع میں شہر مکہ کی بڑی تعظیم اور بڑا ادب ہے چنانچہ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت[4] ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت سے اللہ تعالیٰ نے شہر مکہ کو ادب والا شہر بنایا ہے پھر فرمایا ان مشرکوں سے یہ بھی کہہ دو کہ اے لوگو اللہ تعالیٰ کا مجھ کو یہ بھی حکم ہے کہ پڑھوں قرآن لوگوں کی نصیحت کے لئے اب قرآن کی نصیحت پر عمل کرکے جو کوئی راہ راست پر آوے گا اس کا بھلا ہے ورنہ میں تو فقط عذاب الٰہی سے

[1] مشکوٰۃ ص ۴۸۵ باب الحساب والقصاص والمیزان، [2] مشکوٰۃ مع تنقیح الرواۃ ص ۸۸ جلد دوم ، [3] مشکوٰۃ باب الحشر ص ۴۸۰،
[4] مشکوٰۃ ص ۲۳۶ باب حرم مکۃ حرسھا اللہ تعالیٰ۔

إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنْذِرِينَ (۹۲) وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُونَهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ

کہہ دے میں بھی ہوں ڈر سنانے والا اور کہہ تعریف ہے سب اللہ کو آگے دکھاوے گا تم کو اپنے نمونے تو ان کو پہچان لو گے اور تیرا رب

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (۹۳)

بے خبر نہیں ان کاموں سے جو کرتے ہو

آیاتہا ۸۸ — (۲۸) سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ (۴۹) — رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

طٰسٓمٓ (۱) تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ (۲) نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ

یہ آیتیں کھلی کتاب کی ہم سناتے ہیں تجھ کو کچھ احوال موسیٰؑ اور فرعون کا

ڈرانے والا ہوں ڈرنا نہ ڈرنا لوگوں کا کام ہے پھر فرمایا اے رسول اللہ کے جو لوگ اللہ کی قدرت کی اب تک کی نشانیوں سے اس کو نہیں پہچانتے انہیں انہی کے حال پر چھوڑ کر تم اللہ کی تعریف ورد زبان رکھو اور یہ مشرک تم کو اور کلام الٰہی کو جھٹلاویں تو تم اس سے کچھ گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ ان کے کاموں سے بے خبر نہیں ہے وقت مقررہ پر وہ اپنی قدرت کی ایسی نشانیاں ان مشرکوں کو دکھاوے گا کہ ان کی ساری سرکشی خاک میں مل جائے گی اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے بدر کی لڑائی کے وقت اس وعدہ کا ظہور ہوا کہ مشرکین مکہ میں کے بڑے بڑے سرکش خاک میں مل گئے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کی انس بن مالک کی روایت سے یہ قصہ کئی جگہ گزر چکا ہے ان آیتوں میں آیت وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ کو کہ جہاد کے حکم سے بعضے مفسروں نے منسوخ جو ٹھہرایا ہے اس کی تفصیل ایک جگہ گزر چکی ہے کہ جہاد کے حکم سے کوئی ورگزر کی آیت منسوخ نہیں ہے مشرکین مکہ کعبہ کو اللہ کا گھر جانتے اور رب کعبہ کہہ کر اللہ کی قسم کھایا کرتے تھے لیکن باوجود اس کے کعبہ میں انہوں نے وہ بت رکھ چھوڑے تھے جن کی یہ لوگ پوجا کرتے تھے اسی واسطے ان مشرکوں کو قائل کرنے کے لیے فرمایا اے رسول اللہ کے ان لوگوں سے کہہ دو کہ تم لوگوں کا کعبہ کو اللہ کا گھر کہنا بالکل غلط ہے اللہ کے گھر میں بتوں کا کیا دخل ہے مجھ کو تو یہ حکم ہے کہ کعبہ میں اس خالص ذات کی عبادت اور حکم برداری کروں جس کا یہ گھر ہے اللہ تعالیٰ کے گھر میں تم لوگ جو یہ بت پرستی کرتے ہو اس سے اللہ بے خبر نہیں ہے وقت مقررہ آنے پر وہ اپنی قدرت کا نمونہ تم کو دکھا دیوے گا اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے چنانچہ صحیح بخاری کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعود کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ ان بت پرستوں نے اللہ کے گھر کو جن بتوں سے گھیر رکھا تھا فتح مکہ کے وقت اللہ کے رسولؐ نے ان بتوں کو لکڑیاں مار مار کر زمین پر گرا دیا اور کعبہ کو بت پرستی سے پاک کر دیا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہ کی یہ حدیث بھی گزر چکی ہے کہ فتح مکہ کے بعد مشرکوں کو حج کرنے کی ممانعت کر دی گئی یہ حدیث بھی سیریکم اٰیٰتہ فتعرفونہا کی گویا تفسیر ہے

سورہ قصص ۱ تا ۹ ۔ حروف مقطعات کا ذکر اوپر گزر چکا ہے اب آگے حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ بیان فرمایا مُبِین کے معنی حق اور ناحق کو کھول کر ذکر کرنے کے ہیں نفع مومنوں میں ایمان والوں کو اس واسطے خاص کیا کہ انہیں کو قرآن کی نصیحت فائدہ کرتی ہے علا کے معنی تکبر کے ہیں اور بعضے مفسرین کا قول ہے کہ علا سے مطلب ہے کہ فرعون نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا تھا ۔ فرعون نے مصر کے رہنے والوں کو کئی فرقے کر کے تفسیر میں قتادہ کا قول ہے کہ ایک جماعت کو فرعون نے غلام بنایا تھا اور ایک جماعت کو قتل کرتا تھا غرض فرعون نے بنی اسرائیل کو ہر طرح سے

ع ۲/۷

عہ حسن اور عکرمہ کا قول ہے کہ یہ تمام سورۃ مکہ معظمہ میں اتری (۱۲ از مصنف)

بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ

تحقیق ایک لوگوں کے واسطے جو یقین کرتے ہیں فرعون چڑھا تھا ملک میں اور کر رکھے تھے وہاں کے لوگ کئی جتھے کمزور کر رکھا تھا

طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴﴾

ایک فرقے کو ان میں ذبح کرتا ان کے بیٹے اور جیتی رکھتا ان کی عورتیں وہ تھا خرابی ڈالنے والا

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ

اور ہم چاہتے ہیں کہ احسان کریں ان پہ جو کمزور پڑے تھے ملک میں اور کر دیں ان کو سردار اور کر دیں ان کو

کمزور اور ضعیف کر رہا تھا اور ان سے ذلیل کام لیتا تھا بنی اسرائیل اپنے زمانہ کے لوگوں میں سربرآوردہ تھے انھوں نے لوگوں پر ظلم کیا اور گناہ کے کام کئے اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے فرعون اور قبطیوں کو ان کے اوپر مسلط کر دیا انھوں نے ان کو کمزور کر دیا اور طرح طرح کی ان کو تکلیفیں دیں یہاں تک کہ فرعون ان کے لڑکوں کو ذبح کر ڈالتا تھا اور لڑکیوں کو چھوڑ دیتا تھا جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے خباب رضی اللہ عنہ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے[1] کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شکایت کی کہ مشرک ہم لوگوں کو اب تو بہت ستاتے ہیں آپ نے خباب رضی اللہ عنہ کی تسکین فرمائی اور یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی ایسی مدد کرے گا کہ اہل اسلام کو مشرکین کے خوف کا کچھ اندیشہ باقی نہ رہے گا۔ اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح فرعون بنی اسرائیل کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتا تھا اسی طرح ہجرت سے پہلے مشرکین مکہ مسلمانوں کو تکلیفیں دیتے تھے لیکن اللہ حق کا ساتھی ہے اس نے جس طرح آخر بنی اسرائیل کو فرعون پر غلبہ عنایت فرمایا وہی حال مشرکوں اور مسلمانوں کا آخر میں ہوا چنانچہ بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کو مشرکوں پر غلبہ ہوا اس کا قصہ صحیح بخاری و مسلم کی انس رضی اللہ عنہ بن مالک کی روایت سے[2] اور فتح مکہ کے وقت ان مشرکوں کے بتوں کو جو ذلت ہوئی اس کا قصہ صحیح بخاری کی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے اوپر گزر چکا ہے[3] خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کی اوپر کی حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ بھی نکلتا ہے کہ فتح مکہ سے ایک مدت پہلے جس طرح آپ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی ایسی مدد کرے گا کہ اہل اسلام کو مشرکوں کے خوف کا کچھ اندیشہ باقی نہ رہے گا فتح مکہ کے بعد بالکل اس کے موافق ظہور ہوا۔

سدی کا قول اوپر گزر چکا ہے کہ فرعون نے ایک رات کو سوتے میں خواب دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ مصر میں آن کر پھیل گئی اور فرعون کی قوم کے تمام گھر تو اس آگ میں جل گئے لیکن مصر میں بنی اسرائیل کا محلہ اس آگ سے بچ گیا ہے صبح کو فرعون جب سو کر اٹھا تو اس نے اپنے نجومیوں اور جادوگروں کو جمع کر کے اس خواب کی تعبیر پوچھی انھوں نے کہا بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں سے تیری بادشاہت غارت ہو جائے گی اور مصر کو صدمہ پہنچے گا اس خواب اور اس تعبیر کے ڈر سے فرعون نے بنی اسرائیل کے لڑکوں کے مار ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ جب ہزارہا لڑکے بنی اسرائیل کے قتل ہونے لگے تو فرعون کی قوم کے سرداروں نے فرعون سے آکر کہا کہ بنی اسرائیل میں کے بڑے بوڑھے تو اپنی موت سے مر جائیں گے اور ان کے لڑکے بادشاہی حکم سے مار ڈالے جاویں گے تو بنی اسرائیل کی فقط عورتیں باقی رہ جائیں گی پھر بادشاہی حکم سے طرح طرح کی محنت مزدوری کے کام جو بنی اسرائیل کو سونپے گئے ہیں آخر وہ کیونکر چلیں گے اس پر فرعون نے یہ حکم دیا تھا کہ ایک سال بنی اسرائیل کے لڑکے مارے جاویں اور ایک سال چھوڑ دیے جاویں حضرت ہارون تو اس سال میں پیدا ہوئے جو لڑکوں کے زندہ چھوڑ دینے کا سال تھا اور حضرت موسیٰ لڑکوں کے مارے جانے والے سال میں پیدا ہوئے

---

[1] ص ۲۷۶ ج ۳ و ص ۱۰ ج ۴۔ [2] ص ۲۰ ج ۴ تفسیر ہذا۔

الوٰرِثِیْنَ ﴿۵﴾ وَ نُمَکِّنَ لَھُمْ فِی الْاَرْضِ وَ نُرِیَ فِرْعَوْنَ وَ ھَامٰنَ وَ جُنُوْدَھُمَا مِنْھُمْ

قائم مقام اور جما دیں ان کو ملک میں اور دکھا دیں فرعون اور ہامان ان کے لشکروں کو ان کے ہاتھ

مَّا کَانُوْا یَحْذَرُوْنَ ﴿۶﴾ وَ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ اَرْضِعِیْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ

سے جس چیز کا خطرہ رکھتے تھے اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰؑ کی ماں کو کہ اس کو دودھ پلا پھر جب تجھ کو ڈر ہو

اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ان کی ماں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ حضرت موسیٰؑ کو صندوق میں ڈال کر دریا میں ڈال دیویں۔ یہ اوپر سورۃ یوسف میں گزر چکا ہے کہ حضرت یوسفؑ کے زمانہ سے حضرت یعقوبؑ کی اولاد جو بنی اسرائیل کہلاتی ہیں ملک شام سے مصر میں آن کر رہے حضرت یوسفؑ کی وفات کے بعد جب فرعون کی حکومت ہوئی تو فرعون اپنی قبطی قوم کو تو عزت سے رکھتا تھا اور بنی اسرائیل کو غیر قوم کے لوگ پاکر ذلت سے رکھتا تھا اور محنت مزدوری کے ذلیل کام ان سے لیتا تھا یہ قصہ تفسیر سدی[1] میں ہے یہ تفسیر ایک معتبر تفسیر ہے اس تفسیر میں اکثر روایتیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اسماعیل سدی نے نقل کی ہیں سفیان ثوری اور شعبہ نے اکثر روایتیں اسماعیل سدی سے اپنی تفسیروں میں نقل کی ہیں اور ابن جریرؒ نے بھی اپنی تفسیر میں جگہ جگہ اسماعیل سدی سے روایت کی ہے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں بھی اکثر جگہ تفسیر سدی سے روایتیں نقل کی ہیں چنانچہ اس قصہ کو بھی حافظ ابن حجرؒ نے تفسیر سدی کے حوالہ سے فتح الباری میں نقل کیا ہے[2] اور اس کی سند پر کچھ اعتراض نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قصہ کی اصل ہے امام احمدؒ نے اسمٰعیل سدی کو ثقہ کہا ہے اور ابن عدی نے صدوق ٹھہرایا ہے حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ اپنے خواب کی تعبیر سے ڈر کر فرعون نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو اس کو مار ڈالا جانے اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیا جائے بنی اسرائیل کے بے گناہ لڑکوں کو مار ڈالنا ایک ظلم تھا اسی واسطے فرعون کو دنیا میں خرابی ڈالنے والا فرمایا اس سے بڑھ کر اور کیا خرابی ہوگی اس ظالم نے بنی اسرائیل کی نسل کو دنیا سے مٹا دینا چاہا تھا کیوں کہ عمر رسیدہ لوگ اپنی موت سے مرجاتے اور پیدا ہونے والے لڑکوں کو یہ ظالم مروا ڈالتا صحیح مسلم کے حوالہ[3] سے جابرؓ بن عبداللہ کی حدیث قدسی ایک جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم کو اپنی ذات پر حرام ٹھہرالیا ہے اور لوگوں کو بھی ظلم سے منع فرمایا ہے اس حدیث سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ ظلم کیسی خرابی کی چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو خود بھی اپنی ذات پاک پر حرام ٹھہرایا اور لوگوں کو بھی اس کے برتاؤ سے روکا۔ اب آگے فرمایا کہ فرعون نے تو اپنے خواب کی تعبیر کے مٹانے کی بہت کوشش کی مگر تقدیر الٰہی کے آگے انسان کی تدبیر کیا چل سکتی ہے اللہ کا ارادہ ازلی تو یہ تھا کہ وہ بنی اسرائیل پر یہ احسان کرے کہ فرعون کو ہلاک کر کے بنی اسرائیل کو ملک شام میں بادشاہ اور مصر میں فرعون کا قائم مقام بنا دیوے تاکہ فرعون اس کا وزیر ہامان اور ان کے لشکر کے لوگ فرعون کی جس خواب کی تعبیر سے ڈرتے ہیں وہی تعبیر ان کی آنکھوں کے سامنے آجائے اور فرعون کو خدائی کے دعوے کی اور اس کے ساتھیوں کو اس کا ساتھ نباہنے کی پوری سزا مل جاوے لیکن اس انتظام کا ظہور موسیٰ علیہ السلام کے پرورش پانے اور نبی ہونے پر منحصر تھا اس لیے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل میں اللہ نے یہ بات ڈال دی تھی کہ جس سال لڑکے مارے جاتے تھے اس سال موسیٰؑ کے پیدا ہونے کا کچھ

[1] تفسیر ابن جریر ص ۲۷ پارہ ۲۰ طبع جدید و تفسیر الدر المنثور ص ۱۱۹ ج ۵۔ [2] فتح الباری ص ۴۸۲ ج ۳ طبع دہلی۔

[3] صحیح مسلم ص ۳۲ ج ۲۔

عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي ۚ إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ

اس کا تو ڈال دے اس کو پانی میں اور نہ خطرہ کر اور نہ غم کھا ہم پھر پہنچا دیں گے اس کو تیری طرف اور کریں گے اس کو

الْمُرْسَلِينَ ⑦ فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۗ إِنَّ فِرْعَوْنَ

رسولوں سے پھر اٹھا لیا اس کو فرعون کے گھر والوں نے کہ تھا ان کا دشمن اور کڑھانے والا بیشک فرعون اور

اندیشہ نہ کیا جاوے اور دودھ پلانے کے بعد بلا خوف بچہ کو ایک صندوق میں لٹا کر اس صندوق میں ایک رسی باندھ دی جائے اور اس رسی کے ایک سرے کو کسی پیڑ میں باندھ دیا جائے تاکہ اس بچہ پر کسی فرعونی کی نظر نہ پڑے اتنے سے بچہ کے دریا میں ڈالنے سے کچھ اندیشہ نہ کیا جاوے کیوں کہ اس بچہ کو ہر آفت سے بچانا اور صحیح سلامت ماں کے پاس لے آنا اس لیے اللہ تعالےٰ نے اپنا ذمہ لیا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کو اپنے رسولوں کے گروہ میں داخل کرنا چاہتا ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ[1] سے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے دنیا میں جو کچھ ہونے والا تھا اللہ تعالےٰ نے اپنے علم ازلی کے موافق وہ سب لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے ہزارہا لڑکوں کو قتل کرایا موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ ٹھہرایا غرض اس نے کوئی تدبیر اپنے خواب کی تعبیر کو اڑا دینے کی اٹھا نہیں رکھی لیکن دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق جو بات لوح محفوظ میں لکھی جا چکی تھی وہ کسی تدبیر سے ٹل نہ سکی قتادہ کا قول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل میں جو بات اللہ تعالیٰ نے ڈالی وہ نبوت کی وحی نہیں تھی کیوں کہ نبوت کی وحی میں امت کی ہدایت کے طرح طرح کے احکام ہوتے ہیں جو اس الہام میں نہیں تھے اس لیے یہ الہام خاص دنیوی انتظام کا ایک الہام تھا نبوت کی وحی نہ تھی معتبر سند سے ترمذی میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ[2] سے اور نسائی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ[3] سے عورتوں کی فضیلت میں جو روایتیں ہیں ان میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا فاطمہ رضی اللہ عنہا مریمؑ اور آسیہ فرعون کی بیوی ان چار عورتوں کا ذکر ہے علاوہ ان روایتوں کے اور بعضی صحیح روایتوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا بھی ذکر[4] ہے ان سب روایتوں سے قتادہ کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے کیوں کہ موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا الہام اگر نبوت کی وحی کے برابر ہوتا تو وہ نبی ہوتیں اور عورتوں کی فضیلت کی حدیثوں میں ان کا ذکر ضرور ہوتا۔

۸ تا ۹۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا مکان دریائے نیل کے کنارہ پر تھا ان کی ماں نے ایک صندوق بنایا اور اس میں بچھونا بچھایا اب فرعونیوں کے خوف سے دودھ پلانے کے بعد بچہ کو اس صندوق میں ڈال کر صندوق کو دریا میں چھوڑ دیتیں مگر صندوق میں ایک رسی باندھ رکھی تھی ایک روز جو صندوق میں بچے کو ڈالا تو رسی باندھنی بھول گئیں یوں ہی دریا میں چھوڑ دیا وہ بہ گیا یہاں تک کہ فرعون کے محل کے نیچے سے وہ صندوق گزرا لونڈیوں نے اس کو اٹھا کر حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچایا ان کو خبر نہ تھی کہ اس میں کیا ہے کھولا تو ایک لڑکا تھا اس کی محبت خدا نے حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کے دل میں ڈالی یہ اس واسطے کہ خدا نے آسیہ رضی اللہ عنہا کو نیک بخت اور فرعون کو بدبخت بنانے کا

[1] مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر۔ [2] مشکوٰۃ باب مناقب ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، [3] تفسیر ابن کثیر ص ۳۷۹ ج ۳ بحوالہ روایت مسند امام احمدؒ، [4] مثلاً مشکوٰۃ ص ۵۰۱ باب بدء الخلق۔

وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ⑧ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ؕ

ہامان اور ان کے لشکر چوکنے والے تھے اور بولی فرعون کی عورت آنکھوں کی ٹھنڈک ہے مجھ کو اور تجھ کو

لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑨

اس کو نہ مارو شاید ہمارے کام آوے یا ہم کر لیں اس کو بیٹا اور ان کو خبر نہیں۔

ارادہ کیا تھا جب فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو دیکھا تو ان کے مار ڈالنے کا ارادہ کیا مگر حضرت آسیہؓ نے فرعون کو اس ارادہ سے روکا اور کہا کہ یہ لڑکا میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے فرعون نے کہا تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے میری نہیں فرعون سے یہ بات اللہ تعالیٰ نے کہلوائی کیوں کہ حقیقت میں ایسا ہی ہوا کہ خدا نے موسیٰؑ کے سبب سے حضرت آسیہ کو ہدایت دی اور فرعون مردود کو ہلاک کیا حضرت آسیہؓ کے فرعون سے کوئی اولاد بھی نہ تھی اس واسطے آسیہؓ نے یہ بھی کہا کہ ہم اس لڑکے کو لے پالک بیٹا بنا لیں گے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کی خبر اس کو نہ تھی۔ لیکون لهم عدوا وحزنا کی تفسیر میں قتادہ کا قول ہے کہ دین کی باتوں میں تو موسیٰ علیہ السلام فرعون اور فرعونیوں کے دشمن تھے اور دنیا میں فرعون اور فرعونیوں کی بربادی کا سبب تھے یہی مطلب آیت کے اس ٹکڑے کا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے موافق قصہ کے انجام کے طور پر بڑھا کر آخر میں وھم لایشعرون فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ فرعون اور فرعونیوں کو اس انجام کی خبر نہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کو یہ لوگ فرعون کا لے پالک بیٹا جان کر یہ خیال جو کرتے ہیں کہ فرعونی بادشاہت کو موسیٰ علیہ السلام کے سبب سے کچھ مدد پہنچے گی ان لوگوں کا یہ خیال اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق موسیٰ علیہ السلام کے سبب سے فرعونی بادشاہت برباد ہو کر مصر سے فرعون پرستی بالکل جاتی رہے گی۔ کانوا خاطئین کا یہ مطلب ہے کہ یہ لوگ جو یہ جانتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام بڑھ کر انہی لوگوں کے طریقہ پر رہیں گے یہ خیال بھی غلط ہے موسیٰ علیہ السلام تو بڑھ کر مصر کو فرعون پرستی سے بالکل صاف و پاک کر دیں گے۔ سورہ بقر میں گذر چکا ہے کہ انسان کو غیب کا علم نہیں ہے اس لیے انسان بعض باتوں کو اپنے حق میں اچھا جانتا ہے لیکن علم الٰہی میں وہ باتیں اس کے حق میں اچھی نہیں ہوتیں یہی حاصل موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ کا ہے کہ فرعونی لوگ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا لے پالک بیٹا جان کر جن اچھے خیالوں میں لگے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں ان کے وہ خیالات بے اصل تھے معتبر سند سے مسند امام احمد مسند بزار اور مسند ابی یعلیٰ میں ابو سعیدؓ خدری سے روایت[1] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی ایماندار شخص کسی بات کو اپنے حق میں اچھا جان کر اللہ تعالیٰ سے اس بات کے پورے ہو جانے کی دعا کرتا ہے اور علم الٰہی میں وہ بات اس شخص کے حق میں اچھی نہیں ہوتی تو بجائے اس کے پوری ہونے کے کوئی برائی اس شخص پر جو آنے والی تھی وہ ٹل جاتی ہے اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں یہ دخل ہے کہ فرعونی لوگ اللہ کو نہیں پہچانتے تھے بلکہ فرعون کو اپنا معبود جانتے تھے اس واسطے ان کے دلی خیالات بھی پورے نہیں ہوئے اور خیالات کے پورے نہ ہونے کے عوض میں ڈوب کر مرنے کی برائی جو ان لوگوں پر آنے والی تھی وہ بھی ان کے سر پر سے نہ ٹلی مگر ایماندار لوگوں پر اللہ کی یہ رحمت ہے کہ ان کی کوئی خواہش ان کے حق میں اچھی نہیں ہوتی تو بجائے اپنی خواہش کے پورے ہونے کے کوئی آفت ان کے سر پر سے ٹل جاتی ہے۔

[1] الترغیب والترہیب ص ۴۸۰ ج ۲۔ باب الترغیب فی کثرۃ الدعاء الخ

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِىْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ

اور صبح کو موسیٰؑ کی ماں کے دل میں قرار نہ رہا نزدیک ہوئی کہ ظاہر کر دے بے قراری کو اگر نہ ہم نے گرہ دی ہوتی اس کے دل پر اس واسطے

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ؗ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا

کہ رہے ایمان والوں میں اور کہہ دیا اس کی بہن کو اس کے پیچھے چلی جا پھر دیکھتی رہی اس کو اجنبی ہو کر اور ان کو

يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى

خبر نہ ہوئی اور روک رکھی تھیں ہم نے اس سے دائیاں پہلے سے پھر بولی میں بتاؤں تم کو ایک گھر والی

۱۰ تا ۱۳۔ اگرچہ بعضے مفسروں نے اس آیت کے معنے یہ کئے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کی ماں کا دل ہر طرح کے غم سے خالی تھا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں پہلے ہی یہ اطمینان الہام کے ذریعہ سے پیدا کر دیا تھا کہ ان کا لڑکا دریا میں ڈال دینے سے ضائع نہ ہوگا اور صحیح سلامت پھر ان کے پاس آجائے گا لیکن یہ معنے قرآن شریف کے مطلب کے مخالف ہیں اسی واسطے حافظ ابو جعفر ابن جریر نے اس معنے کو ضعیف ٹھہرایا ہے کیوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود یہ فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ کی ماں نے بے قراری کے سبب سے حضرت موسیٰ کی بہن کو حضرت موسیٰؑ کا حال دریافت کرنے کو بھیجا اور حضرت موسیٰؑ کی ماں کو اس قدر رنج اور پریشانی تھی کہ اگر اللہ ان کا دل مضبوط نہ کر دیتا تو کچھ دور نہ تھا کہ وہ اپنے لڑکے کو دریا میں ڈال دینے کا قصہ ظاہر کر دیتیں اور اللہ نے ان کا دل غیب سے اس واسطے مضبوط کیا کہ ان کو اللہ کے اس وعدے کا پورا یقین رہے کہ ان کا لڑکا ان کے پاس پھر آجاوے گا تو اس قرآن شریف کے مطلب سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے دریا میں ڈالنے کے بعد حضرت موسیٰ کی ماں کو نہایت بے قراری تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس بے قراری کو رفع کرنے کی غرض سے ان کے دل کو مضبوط کیا اس لیے صحیح قول میں امام المفسرین عبداللہ بن عباسؓ نے یہی معنے پسند کئے ہیں جو قرآن شریف کے مطلب کے موافق ہیں جس کا حاصل یہی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی ماں کے دل میں اس قدر بے قراری تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کا دل مضبوط نہ کرتا تو وہ لوگوں کے سامنے اپنا سارا قصہ ضرور بیان کر دیتیں بعضے مفسروں نے یہ معنے بھی بیان کئے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کی ماں کا دل اس سبب سے غم سے خالی ہو گیا تھا کہ انہوں نے سن لیا تھا کہ فرعون نے ان کے لڑکے کو اپنا بیٹا بنا لیا اور اسی خوشی سے وہ یہ قصہ لوگوں سے ظاہر کرنا چاہتی تھیں کہ جس لڑکے کو فرعون نے اپنا بیٹا بنایا ہے وہ ان کا ہی لڑکا ہے اس معنے کو بھی اکثر مفسروں نے ضعیف قرار دیا ہے غرض قرآن شریف کے مضمون سے لگتے ہوئے وہی معنے ہیں جو اوپر بیان کئے گئے حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ جب وہ صندوق دریا میں بہ گیا تو موسیٰ علیہ السلام کی جدائی کے غم میں موسیٰؑ علیہ السلام کی ماں کا دل یہاں تک بے قرار ہو گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کے دل میں انا رادوہ الیک کے وعدہ کا یقین نہ پیدا کر دیتا تو وہ اپنے لڑکے کا سارا قصہ لوگوں سے کہہ دیتیں اس پر بھی موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے یہ بے قراری کی کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو صندوق کے پیچھے یہ سمجھا کر بھیجا کہ اجنبی بن کر اس صندوق کو دیکھیں کہ کہاں بہ کر جاتا ہے۔ یہ تو اوپر گذر چکا ہے کہ جب وہ صندوق فرعون کے محل کے نیچے پہنچا تو آسیہؓ کے پاس پہنچ گیا اور جب وہ صندوق کھولا گیا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی محبت آسیہ کے دل میں ڈال دی اب اس محبت کے

أَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا

وہ اس کو پال دیں تم کو اور وہ اس کو بھلا چاہنے والے ہیں پھر پہنچا دیا اس کو اس کی ماں کی طرف کہ ٹھنڈی رہے اس کی

وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ

آنکھ اور غم نہ کھاوے اور جانے کہ وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے پر بہت لوگ نہیں جانتے اور جب پہنچا اپنے زور پر

وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ

اور سنبھلا دیا ہم نے اس کو حکم اور سمجھ اور اسی طرح ہم بدلا دیتے ہیں نیکی والوں کو اور آیا شہر کے اندر

عَلٰي حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ڭ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا

جس وقت بے خبر ہوئے تھے وہاں کے لوگ پھر پائے اس میں دو مرد لڑتے یہ اس کے رفیقوں میں اور یہ

جوش میں آسیہ نے کئی انائیں موسیٰ علیہ السلام کے دودھ پلانے کے لیے بلوائیں مگر اپنی ماں کے آنے سے پہلے موسیٰ علیہ السلام نے کسی انا کی چھاتی منہ میں نہ پکڑی یہ حال دیکھ کر موسےٰ علیہ السلام کی بہن نے لوگوں سے کہا کہ میں تم کو ایسی انا کا پتہ بتلاتی ہوں جس کے پاس یہ بچہ اچھی طرح پرورش پا سکتا ہے۔ اب اس کے بعد موسےٰ علیہ السلام کی ماں وہاں بلائی گئیں اور ان کا بچہ دودھ پلانے کے لیے ان کے حوالہ ہو گیا۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے یہ انتظام اس لیے کیا کہ موسےٰ علیہ السلام کی ماں کی تسکین ہو جائے اور اللہ کے وعدے کو وہ سچا جان لیویں پھر فرمایا اکثر لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ اللہ کے سب وعدے سچے ہیں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انس بن مالکؓ کی روایت کئی جگہ گذر چکی ہے جس میں اللہ تعالےٰ کے رسول صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے بدر کی لڑائی میں مشرکوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ اب تم لوگوں نے اللہ کے وعدے کو سچا پایا اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں جو دخل ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین کہ اگرچہ اس وقت اس بات کو نہیں سمجھ سکتے کہ موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے وعدہ کو جس طرح اللہ تعالےٰ نے پورا کیا اسی طرح اس کا عذاب آخرت کا وعدہ ایک دن پورا ہونے والا ہے لیکن دنیا سے اٹھنے کے ساتھ ہی ان ان لوگوں کو اللہ تعالےٰ کے وعدہ کے سچا ہونے کی حالت اچھی طرح معلوم ہو جائے گی۔

۱۴ تا ۲۶۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ماں کی [illegible] بچپن کا حال بیان کر دیا تو فرمایا کہ جب وہ جوانی کو پہنچ گئے اور دشمن کے گھر پرورش پا کر سب طرح سنبھل گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو علم اور سمجھ دونوں عنایت کئے پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر سے نکل کر مدین میں پہنچنے کا سبب بیان فرمایا کہ ایک دن موسیٰ علیہ السلام مصر کے بازار میں تھے کہ انہوں نے دو شخصوں کو لڑتے ہوئے دیکھا جن میں ایک ان کے گروہ میں سے تھا اور دوسرا ان کے دشمنوں سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حین غفلة کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ وہ دوپہر کا وقت تھا اسرائیلی نے فریاد کی تو موسیٰ علیہ السلام نے فرعونی کے ایک گھونسا مارا جس سے وہ فرعونی مر گیا تو فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ شیطانی کام ہے۔ وہ کھلا دشمن ہے بہکانے والا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کی کہ اے رب میرے ظلم کیا میں نے اپنی جان پر بس بخشش کر میرے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ چوک بخش دی کہ وہ بڑا بخشش کرنے والا مہربان ہے

مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَی الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰی

اس کے دشمنوں میں پھر فریاد کی اس پاس اس نے جو تھا اس کے رفیقوں میں اس کی جو تھا اس کے دشمنوں میں پھر مکا مارا اس کو موسیٰ نے

فَقَضٰی عَلَیْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ

پھر اس کو تمام کیا بولا یہ ہوا شیطان کے کام سے بے شک وہ دشمن ہے بہکانے والا صریح بولا اے رب

اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ

میں نے برا کیا اپنی جان کا سو بخش مجھ کو پھر اس کو بخش دیا۔ بے شک وہی ہے بخشنے والا مہربان بولا اے رب جیسا تو نے

اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۷﴾ فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ

فضل کیا مجھ پر پھر میں کبھی نہ ہوں گا مددگار گنہگاروں کا پھر صبح کو اٹھا اس شہر میں ڈرتا راہ دیکھتا

فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ یَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤی اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸﴾

پھر تب ہی جس نے کل مدد مانگی تھی اس سے فریاد کرتا ہے اس کو کہا موسیٰ نے مقرر تو بے راہ ہے صریح۔

موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ اس قبطی کے مار ڈالنے کا نہ تھا اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے مرنے کے بعد پچھتائے اور اس کو ریت میں دفن کر دیا اور اپنے اس قصور پر حضرت موسیٰؑ ہمیشہ پشیمان رہے یہاں تک کہ قیامت کے روز جب لوگ ان سے شفاعت کرانا چاہیں گے تو وہ فرمائیں گے اِنِّیْ قَتَلْتُ نَفْسًا لَّمْ اُوْمَرْ بِقَتْلِهَا جس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے ایک جان کو قتل کر ڈالا جس کا مجھ کو حکم نہ تھا یہ ٹکڑا شفاعت والی حدیث کا ہے جو صحیح بخاری اور مسلم میں ابوہریرہؓ کی حدیث[1] سے ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس اسرائیلی مظلوم کی یہ مدد کی تھی کہ اس سے اس کے ظالم دشمن کو دفع کیا تھا لیکن اتفاق سے وہ قبطی مر گیا غرضکہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو مار ڈالا تو صبح کے وقت راہ دیکھتے اٹھے کہ مقتول کے وارث فرعون کے پاس فریادی گئے ہوں گے دیکھا چاہئے کہ کس کے اوپر خون ثابت ہو ابھی تک یہ بات پوشیدہ تھی کہ کس نے مارا کہ ناگہاں وہی شخص جس کی مدد میں موسےٰ علیہ السلام نے کل فرعونی کو مارا تھا دوسرے فرعونی کے ساتھ جھگڑ رہا تھا جب حضرت موسیٰ اس پر سے گذرے تو پھر اس نے فریاد کی حضرت موسیٰؑ نے خفا ہو کر اس سے کہا کہ تو تو صریح بے راہ ہے کہ ہر روز ہر ایک سے الجھتا ہے اور مجھے لڑواتا ہے پھر جب اس ظالم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ ڈالنا چاہا تو مظلوم نے جانا کہ مجھے مارنا چاہتے ہیں کیوں کہ مجھ ہی پر خفا ہوئے ہیں اور اپنے بچانے کے واسطے کہنے لگا کہ موسیٰؑ تم چاہتے ہو کہ جس طرح تم نے ایک آدمی کو مار ڈالا اسی طرح مجھ کو بھی آج مار ڈالو اس سے پیشتر پہلے روز کا معاملہ سوائے حضرت موسیٰؑ اور اس اسرائیلی کے کوئی اور نہیں جانتا تھا فرعونی نے جب یہ بات سنی تو اس نے دوڑ کر فرعون سے جا کر کہا کہ کل کے روز جو تمہارا آدمی مارا گیا تھا اس کو موسیٰؑ نے قتل کیا ہے فرعون بہت غضبناک ہوا اور موسےٰ کے مارنے کا ارادہ کیا اور کئی پیادے مقرر کئے کہ موسیٰؑ کو تلاش کر کے لاویں اتنے میں پیادوں کے آنے سے پہلے ایک شخص نے موسیٰ علیہ السلام سے آن کر کہا کہ اے موسیٰؑ تم اس شہر سے کہیں اور چلے جاؤ فرعونی لوگ تمہارے

[1] الترغیب والترہیب ص ۴۴۴ ج ۴ باب فی الشفاعۃ وغیرہا۔

فَلَمَّآ اَنۡ اَرَادَ اَنۡ يَّبۡطِشَ بِالَّذِىۡ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوۡسٰٓى اَتُرِيۡدُ اَنۡ تَقۡتُلَنِىۡ

پھر جب چاہا کہ ہاتھ ڈالے اس پر جو دشمن تھا ان دونوں کا بول اٹھا اے موسیٰ کیا چاہتا ہے کہ خون کرے میرا

كَمَا قَتَلۡتَ نَفۡسًۢا بِالۡاَمۡسِ ۖ اِنۡ تُرِيۡدُ اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ جَبَّارًا فِى الۡاَرۡضِ وَمَا تُرِيۡدُ

جیسے خون کرچکا ہے ایک جی کا کل کو تو یہی چاہتا ہے کہ زبردستی کرتا پھرے ملک میں اور نہیں چاہتا ہے

اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡمُصۡلِحِيۡنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنۡ اَقۡصَا الۡمَدِيۡنَةِ يَسۡعٰى قَالَ

کہ ہووے ملاپ کرنے والا اور آیا ایک مرد شہر کے پرلے سرے سے دوڑتا کہا

يٰمُوۡسٰٓى اِنَّ الۡمَلَاَ يَاۡتَمِرُوۡنَ بِكَ لِيَقۡتُلُوۡكَ فَاخۡرُجۡ اِنِّىۡ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيۡنَ ﴿۲۰﴾

اے موسیٰ دربار والے مشورہ کرتے ہیں تجھ پر کہ تجھ کو مار ڈالیں سو نکل جا میں تیرا بھلا چاہنے والا ہوں

فَخَرَجَ مِنۡهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىۡ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا تَوَجَّهَ

پھر نکلا وہاں سے ڈرتا ہوا راہ دیکھتا بولا اے رب خلاص کر مجھ کو اس قوم بے انصاف سے اور جب منہ دھرا

تِلۡقَآءَ مَدۡيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّىۡۤ اَنۡ يَّهۡدِيَنِىۡ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ

مدین کی سیدھ پر بولا امید ہے کہ میرا رب لے جاوے مجھ کو سیدھی راہ پر اور جب پہنچا مدین کے پانی پر

ع ۲ / ۸ / ۵

مارنے کی صلاح کر رہے ہیں میں تمہارا خیر خواہ ہوں اس لیے میں نے تم کو یہ خبر دی ہے اس شخص کا نام حزقیل تھا فرعون کے لوگوں میں سے یہ ہی مسلمان تھا اقصی المدینہ شہر کے دوسرے کنارے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ اتنا تیز آیا اور نزدیک کا راستہ اختیار کیا کہ فرعون کے سپاہی سے پہلے موسیٰؑ تک پہنچ گیا اور ان کو فرعون کے ارادہ سے آگاہ کر دیا اس وقت حضرت موسیٰؑ تنہا شہر سے باہر نکلے اور اس سے پیشتر انہوں نے کبھی سفر نہیں کیا تھا اتنی عمر عیش و عشرت میں گذاری تھی ڈرتے ہوئے شہر سے نکلے بعضے مفسروں نے لکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ایک فرشتہ گھوڑے پر سوار بھیجا اس نے حضرت موسےٰؑ کو راستہ بتایا غرضکہ مدین کی طرف متوجہ ہو کر کہا مجھ کو امید ہے کہ میرا پروردگار مجھ کو سیدھے راستہ پہ لے جاوے جب مدین کے پانی پہ پہنچے تو دیکھا کہ ایک کنویں پہ لوگ اپنی بکریوں کو پانی پلا رہے ہیں اور دو عورتیں اپنی بکریوں کو روکے ہوئے الگ کھڑی ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان عورتوں سے پوچھا کہ تم کیوں نہیں ان کے ساتھ اپنی بکریوں کو پانی پلاتیں انہوں نے کہا کہ جب یہ لوگ فارغ ہو کر چلے جائیں گے تو ان کا بچا ہوا پانی ہم اپنی بکریوں کو پلا دیں گے کیونکہ ہم خود تو پانی کا ڈول کھینچ نہیں سکتے اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں معتبر سند سے مصنف ابوبکر ابن ابی شیبہ میں حضرت عمرؓ سے روایت[1] ہے کہ جب کنویں پر کے لوگ اپنی بکریوں کو پانی پلا چکے تو کنویں کے منہ پر انہوں نے ایک پتھر رکھ دیا جس کو دس آدمی اٹھاتے تھے یہ حال دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام پتھر کے نزدیک آئے اور اس کو اٹھایا اور ان دونوں عورتوں کی بکریوں کو اچھی طرح پانی پلا دیا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما[2] نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے جو مدین تک سفر کیا تو ان کے پاس کھانے کی کوئی چیز نہ تھی اور ننگے پاؤں تھے مدین تک ابھی نہ پہنچے تھے کہ پاؤں کے تلووں میں چھالے پڑ گئے تھے اور تلووں کی کھال اتر پڑی تھی درخت کے سایہ میں بیٹھے مدین فرعون کی

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۱۲۴ ج ۵ [2] ایضاً

مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۥ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ

پائے وہاں جمع ہو رہے لوگ پانی پلاتے اور پائیں ان کے سوائے دو عورتیں

تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۖ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ

دو کے کھڑیں بولا تم کو کیا کام ہے بولیاں ہم نہیں پلاتیاں پانی جب تک پھیر لے جاویں چرواہے اور ہمارا باپ بوڑھا

كَبِيْرٌ ﴿٢٣﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ

ہے بڑی عمر کا پھر اس نے پلا دیئے ان کے جانور پھر ہٹ کر آیا چھاؤں کی طرف بولا اے رب تو جو اُتارے میری طرف اچھی چیز میں

فَقِيْرٌ ﴿٢٤﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ

اس کا محتاج ہوں پھر آئی اس پاس ان دونوں میں سے ایک چلتی شرم سے بولی میرا باپ تجھ کو بلاتا ہے

لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۭ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ

کہ بدلے میں دے حق اس کا جو تو نے پلا دئے ہمارے جانور پھر جب پہنچا اس پاس اور بیان کیا اس سے احوال کہا مت ڈر

نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ

بچ آیا تو اس قوم بے انصاف سے بولی ان دونوں میں سے ایک اے باپ اس کو نوکر رکھ لے البتہ بہتر نوکر

مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿٢٦﴾

جو تو رکھا چاہے زور آور ہو امانت دار

عملداری سے باہر مصر سے دس دن کے راستے پر تھا اور اس وقت حضرت شعیب علیہ السلام رہتے تھے اور وہ دو عورتیں جو اپنی بکریوں کو روکے کھڑی تھیں حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں تھیں حضرت شعیب علیہ السلام بیٹیوں کے بکریاں چرانے پر خوش تھے کیونکہ کوئی نبی ایسا نہیں جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں چنانچہ صحیح بخاری کی ابوہریرہؓ کی روایت[1] میں اس کا ذکر ہے غرضکہ جب وہ دونوں لڑکیاں ہر روز کی بہ نسبت سویرے سے بکریاں لے کر اپنے باپ کے پاس آئیں تو باپ کو تعجب ہوا جب لڑکیوں کی زبانی سب قصہ سنا تو باپ نے ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بلانے کو بھیجا وہ آئی اور موسیٰ علیہ السلام سے کہا میرا باپ تم کو بلاتا ہے کہ پانی پلانے کی اجرت دے معتبر سند سے تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت[2] ہے کہ وہ آستین سے منہ ڈھانک کر آتی غرضکہ جب موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس آئے اور انہوں نے اپنی وہ سرگذشت بیان کی کہ جس کے سبب سے مصر سے نکلے تو حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا اب کچھ نہ ڈرو تم ظالم قوم کے ظلم سے بچ گئے مطلب یہ کہ تم ان کی عملداری سے باہر نکل آئے کہ یہاں ان کی حکومت نہیں ہے اس میں اختلاف ہے کہ کونسی لڑکی نے دونوں میں سے یہ کہا کہ اے باپ اس کو مزدوری پر نوکر رکھ لو بعض نے کہا جو لڑکی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے گئی تھی اس نے کہا کہ اے باپ اس کو بکریاں چرانے کے واسطے نوکر رکھ لو اور جب لڑکی نے یہ بات کہی کہ یہ صاحب قوت اور امانت دار ہے تو باپ نے کہا تجھ کو اس شخص کی طاقت اور امانت کا حال کیونکہ معلوم ہوا اس نے جواب میں کہا کہ کنوئیں کے منہ پر سے اس پتھر کو اٹھا لیا جس کو دس آدمی اٹھاتے ہیں اور جس وقت میں اس کو بلا کر لائی تو اس کے آگے آگے چلتی تھی اس نے

[1] صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب قوله یعکفون علی اصنام لھم لیکن بروایت جابرؓ۔ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۳۸۴ ج ۳

قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ

کہا میں چاہتا ہوں کہ بیاہ دوں تجھ کو ایک بیٹی اپنی ان دونوں میں سے اس پر کہ تو میری نوکری کرے

حِجَجٍۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَۚ وَ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَؕ

آٹھ برس پھر اگر تو پوری کرے دس تو تیری طرف سے اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر تکلیف ڈالوں

کہا کہ میرے پیچھے پیچھے چل جب کوئی راستہ نیا آوے یا کئی راہیں ہوں تو جونسے راستے پر چلنا مقصود ہو اس کی طرف کنکر پھینک دو میں سمجھ جاؤں گا کہ اس طرف جانا ہے اتینا حکما وعلما کی تفسیر میں مجاہد کا قول ہے کہ انبیا کو نبوت سے پہلے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی جان لینے کی سمجھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جاتی ہے جس سے انبیا اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک ہونے کا علم قائم کر لیتے ہیں اسی کو اتینا حکما وعلما فرمایا سورہ انعام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جو قصہ گذر چکا ہے کہ انہوں نے سورج چاند اور تاروں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک جان لیا اس سے اور صحیح بخاری[1] کی حضرت عائشہ رضی کی اس حدیث سے جس میں یہ ذکر ہے کہ نبوت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں جا کر خالص اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے مجاہد کے اس قول کی پوری تائید ہوتی ہے کہ انبیا کو نبوت سے پہلے توحید کی سمجھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جاتی ہے آگے آتا ہے کہ نبوت سے پہلے کی اس حالت کے دس برس کے بعد مدین سے مصر کو واپس آتے وقت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا ہوئی ہے اس لیے جن مفسروں نے نبوت سے پہلے کی اس حالت کی تفسیر نبوت کو قرار دیا ہے وہ تفسیر صحیح نہیں ہے صحیح بخاری ومسلم[2] میں سلیمان بن صرد سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کے وقت اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو غصہ شیطان کے بہکانے سے آتا ہے جو اعوذ کے پڑھنے سے جاتا رہتا ہے۔ غصہ کی حالت میں فرعون کے شخص کے گھونسا مارنے کو موسیٰ علیہ السلام نے شیطانی کام جو کہا اس کی تفسیر اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے یہ سلیمان بن صرد کوفی صحابہ میں ہیں حدیث کی سب کتابوں میں ان سے روایت ہے گھونسا مارنے سے بطور عادت کے آدمی نہیں مرتا اس لیے یہ قتل خطا کی صورت تھی جو موسیٰ علیہ السلام سے ظہور میں آئی مقتول کے وارث بغیر عہد والے مشرک تھے اس واسطے بغیر خون بہا کے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی خطا کو معاف کر دیا صحیح بخاری ومسلم میں ابوہریرہ رضی سے روایت[3] ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے اپنی نوے بیبیوں سے نوے لڑکے پیدا ہونے کی قسم کھائی مگر انشاء اللہ کہنا بھول گئے اس لیے کوئی لڑکا پیدا نہیں ہوا یہ حدیث اس بات کی تفسیر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بھی فلن اکون ظہیرا للمجرمین کے بعد انشاء اللہ کہنا بھول گئے اس لیے دوسرے دن پر وہی قصہ پیش آیا۔

۲۷، ۲۸ ۔ علماء مفسرین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بڑا اختلاف کئی باتوں میں کیا ہے پہلی یہ کہ مصر سے جا کر جن بزرگ سے مدین میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ملے وہ بزرگ حضرت شعیب علیہ السلام تھے یا دوسرے کوئی

[1] مشکوٰۃ باب المبعث وبدء الوحی۔ [2] الترغیب والترہیب ص ۵۰۰ ج ۳۔ [3] مشکوٰۃ باب بدء الخلق وذکر الانبیاء۔

سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا

تو آگے پاوے گا مجھ کو اگر اللہ نے چاہا نیک بختوں سے ۔ بولا یہ ہو چکا میرے تیرے بیچ جون سی

الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾

مدت ان دونوں میں پوری کر دوں سو زیادتی نہ ہو مجھ پر ۔ اور اللہ پر بھروسا اس کا جو ہم کہتے ہیں

شخص تھے دوسرے یہ کہ ان بزرگ کی چھوٹی لڑکی سے حضرت موسےٰ علیہ السلام کا نکاح ہوا یا بڑی سے دوسرے یہ کہ ان بزرگ سے اور حضرت موسےٰ علیہ السلام سے یہ شرط جو ٹھہری تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان بزرگ کے پاس کم سے کم آٹھ برس رہ کر ان بزرگ کی بکریاں چرائیں اور اگر ہو سکے تو اور دو برس اپنی طرف سے اور اپنی خوشی سے پورے کریں پھر یہ نہیں معلوم ہوا کہ مدین میں حضرت موسیٰ علیہ السلام آٹھ برس رہے یا دس برس رہے اگرچہ یہ تینوں باتیں ایسی ہیں کہ ان میں سے کسی پر قرآن شریف کی تفسیر منحصر نہیں ہے کس لیے کہ قرآن شریف کی تفسیر کے لیے اس قدر ذکر کافی ہے کہ مصر سے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کو گئے تو وہاں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی جن بزرگ کا نام اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں ذکر نہیں کیا اور ان بزرگ کی ایک بیٹی سے حضرت موسےٰ علیہ السلام کا نکاح ہوا خواہ چھوٹی خواہ بڑی اور آٹھ برس یا دس برس حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں رہے لیکن مفسرین نے جب ان باتوں کو اپنی تفسیروں[1] میں ذکر کر کے آپس میں اختلاف بھی کیا ہے تو اس اختلاف میں غلبہ کدھر ہے اور نتیجہ اس اختلاف کا کیا ہے اس کا ذکر مختصر طور پر کر دیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ روایت طبرانی اور تفسیر حسن بصری اور تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بزرگ حضرت شعیبؑ تھے اب جو مفسر ان روایتوں کے خلاف ہیں ان کا اعتراض یہ ہے کہ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیب اور حضرت لوط کا زمانہ قریب قریب تھا کیوں کہ حضرت شعیب نے اپنی امت کو وما قوم لوط منکم ببعید۔ کہہ کر ڈرایا ہے اور حضرت موسیٰ اور حضرت لوط کے زمانہ میں چار سو برس کے قریب کا فرق ہے حضرت شعیب حضرت موسیٰ کے زمانہ تک کیوں کر زندہ رہ سکتے ہیں اس کا جواب مفسرین نے یہ دیا ہے کہ حضرت شعیب کی عمر بہت بڑی ہوئی ہے دوسرا اعتراض یہ ہے کہ وہ بزرگ اگر حضرت شعیب ہوتے تو اللہ تعالےٰ ضرور ان کا نام قرآن شریف میں ذکر فرماتا اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ نے وابونا شیخ کبیر جو فرمایا ہے یہ ان بزرگ کی لڑکیوں کا قول ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے تذکرہ کے طور پر فرمایا ہے اور یہ بات دنیا میں ایک عادتی ہے کہ اولاد اپنے باپ کا نام کم لیا کرتی ہے اس لیے قرآن شریف کے اس قصہ میں ان بزرگ کے نام لینے کا موقع نہیں تھا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کے [illegible] قصے کی جن روایتوں میں حضرت شعیبؑ کا نام آیا ہے وہ روایتیں ضعیف ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سب روایتوں [illegible] کے ملانے سے ایک روایت کو دوسرے سے قوت ہو جاتی ہے علی الخصوص جبکہ عتبہ بن منذر کی معتبر روایت میں حضرت شعیب [illegible] کا نام موجود[2] ہے تو پھر اب باقی کی دو باتیں

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۳۸۵، ۳۸۶ ج ۳ تفسیر روح المعانی۔

[2] شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے "رسالۃ فی قصۃ شعیب علیہ السلام" میں بھی یہ تحقیق فرمائی گئی ہے کہ یہ بزرگ حضرت شعیب نبی نہیں تھے بلکہ کوئی دوسرے تھے (جامع الرسائل لابن تیمیہ ص ۶۲، ۵۴ جلد اول۔ (ع، ح)

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًاۚ قَالَ

پھر جب پوری کر چکا موسیٰ وہ مدت اور لے کر چلا اپنے گھر والوں کو دیکھی پہاڑ کی طرف سے ایک آگ کہا اپنے

لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ

گھر والوں کو ٹھہرو میں نے دیکھی ہے ایک آگ شاید لے آؤں تمہارے پاس وہاں کی کچھ خبر یا انگارا آگ کا

اختلاف کی رہیں اس اختلاف کا رفع یہ ہے کہ صحیح بخاری اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اور مسند بزار میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دس برس تک مدین میں رہے اور ابوذرؓ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت شعیب کی چھوٹی لڑکی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح ہوا اور تفسیر ابن ابی حاتم[1] میں عوید بن عمران اور عتبہ بن منذر کی جو روایتیں ہیں وہ بھی مسند بزار کے موافق ہیں جس روایت میں کچھ ضعف ہے اس کا حال یہ ہے کہ ایک روایت کو دوسری روایت سے تائید ہو جانے کے بعد وہ ضعف جاتا رہتا ہے ابوذر کی مسند بزار کی حدیث کی سند میں اسحاق بن ادریس راوی میں کلام[2] ہے لیکن طبرانی صغیر اور اوسط کی سند میں یہ راوی نہیں ہے اسی واسطے مجمع الزوائد میں اس سند کو معتبر قرار دیا[3] ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اختلاف کی یہ جانب ایسی ہے جس کی سند روایتی ہے اور دوسری جانب ایسی ہے کہ محض عقلی ہے اور یہ ایک مسلم الثبوت بات ہے کہ تفسیر کے باب میں جانب روایتی، عقلی پر غالب ہے۔ حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تم اگر اس شرط پر راضی ہو کہ آٹھ برس یہاں مدین میں رہ کر میری بکریاں چراؤ تو ان دونوں لڑکیوں میں سے اپنی ایک لڑکی کا نکاح میں تمہارے ساتھ کرنا چاہتا ہوں اور اگر اس شرط سے بڑھ کر اور دو برس تم یہاں رہو تو یہ تمہارا احسان ہے میں دو برس کی زیادتی میں تمہارے اوپر کچھ زبردستی نہ کروں گا اور اللہ نے چاہا تو تم مجھ کو حسن اخلاق اور وعدہ کا پورا کرنے میں نیک خصلت پاؤ گے موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا یہ شرط مجھ کو منظور ہے آٹھ برس تو ضرور میں یہاں رہوں گا اس کے بعد دو برس کی زیادتی میرے اختیار پر چھوڑ دی جائے موسیٰ علیہ السلام کے اس جواب کے بعد معاہدہ پورا ہو گیا اس لیے شعیب علیہ السلام نے کہا کہ اب ہم اس معاملہ کے پورا ہو جانے کا اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں کہ وہ اس معاہدہ کی سچائی سے پورا کر دے صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت[4] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ بولنے کو جنت کا راہبر فرمایا ہے اس حدیث سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مسلمان آدمی کو ہر معاملہ میں سچ بولنے کی عادت کا پابند ہونا کتنے بڑے مرتبہ کی بات ہے اس لیے ایماندار آدمی کو شعیب علیہ السلام کی طرح اللہ پر بھروسہ کر کے ہر معاملہ میں سچ بولنے کی عادت لازم ہے۔

۲۹ تا ۳۲۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں مدتوں میں سے دس برس کی مدت کو پورا کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصر کے جانے کا اور اپنے بھائی اور اپنی ماں سے ملنے کا شوق ہوا اور وہ شعیب علیہ السلام سے رخصت ہوئے ان کے ساتھ ان کی بی بی اور بکریاں تھیں جو شعیب علیہ السلام نے ان کو دی تھیں یہ سفر جاڑے کے موسم کا تھا اور اندھیری رات میں راستہ بھی بھول گئے تھے اسی حالت میں انہوں نے ایک آگ دیکھی تو اپنی بی بی سے کہا تم ٹھہرو میں جاتا ہوں تاکہ راستہ کی کچھ خبر لاؤں اور تاپنے کے لیے کچھ آگ بھی لیتا آؤں جب موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس آئے جو کوہ طور کے جانب کو تھی یہ آگ ایک سبز درخت میں دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام متعجب ہوا اتنے میں میدان کے داہنے کنارے کے درخت سے یہ آواز آئی کہ اے موسیٰؑ میں تمام جہان کا پالنے والا اللہ

[1] ایضاً تفسیر ابن کثیر۔ [2] مجمع الزوائد ص ۸۰ ج ۷۔ [3] ایضاً [4] مشکوٰۃ ص ۴۱۲ باب حفظ اللسان والغیبۃ والشتم۔

لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ (۲۹) فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ

شاید تم تاپو پھر جب پہنچا اس پاس آواز ہوئی میدان کے داہنے کنارے سے

الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (۳۰) وَاَنْ

برکت والے تختے میں اس درخت سے کہ اے موسیٰ میں ہوں میں اللہ جہان کا رب اور یہ کہ

اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰٓى

ڈال دے اپنی لاٹھی پھر جب دیکھا اس کو پھنپھناتے جیسے سانپ کی سٹک سے الٹا پھرا منہ موڑ کر اور نہ پیچھے دیکھا اے موسیٰ

اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ (۳۱) اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ

آگے آ نہ ڈر تجھ کو خطرہ نہیں پیٹھا اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں نکل آوے

رب العلمین ہوں معتبر سند سے تفسیر ابن جریر میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ انہوں نے اس درخت کو دیکھا جس کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آواز آئی تھی وہ کیکر کا درخت تھا نہایت سبز، پھر فرمایا اے موسیٰ ڈال دے اپنی لکڑی جو تیرے ہاتھ میں ہے انہوں نے وہ لکڑی ہاتھ سے ڈال دی تو وہ سانپ بن کر دوڑنے لگی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ڈر کر پیٹھ پھیری اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا آگے آ اے موسیٰ اور خوف نہ کر بیشک تو امن والوں میں سے ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلی جگہ آ کر کھڑے ہو گئے پھر فرمایا اپنا ہاتھ بغل میں دبا اور پھر نکال کہ وہ بغیر کسی مرض کے سفید ہو جائے گا اور اس میں سورج کی سی چمک ہو گی پھر فرمایا اگر لکڑی کے سانپ بن جانے اور ہاتھ کے چمکدار ہو جانے سے کچھ ڈر لگے تو سینہ پر ہاتھ رکھ لینے سے یہ ڈر جاتا رہیگا پھر فرمایا یہ دونوں معجزے ہیں تیرے رب کی طرف سے ایک تو عصا کا سانپ ہو جانا دوسرا ہاتھ کا گریبان سے سفید چمکدار نکلنا فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف دونوں معجزے خدا نے بھیجے ہیں کہ وہ لوگ بے حکم ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ دونوں معجزے لے کر فرعون کے پاس جاؤ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں نے تو ایک قبطی کو قتل کیا ہے میں ڈرتا ہوں کہ جب وہ لوگ مجھ کو دیکھیں گے تو جان سے مار ڈالیں گے اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح زبان کا ہے کیونکہ میری زبان میں توتلا پن ہے، اس لیے ہارون کو میرا مددگار مقرر فرمایا جائے تاکہ وہ میرے کلام کی تائید کرے کس لیے کہ توتلے پنے کے سبب سے مجھ کو خوف ہے کہ وہ لوگ میرے جھٹلانے پر آمادہ ہو جاویں گے اس کے جواب میں فرمایا اے موسیٰ ہم ہارون کو تمہارا قوت بازو ٹھہراتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ ان معجزوں کے سبب سے تمہارے اور تمہارے ساتھیوں پر کوئی غالب نہ آسکے گا، معتبر سند سے مسند بزار مسند ابی یعلے اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے موسیٰ علیہ السلام کے مدین میں رہنے کی مدت کا حال پوچھا تو جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا موسیٰ علیہ السلام شرط کی پوری مدت تک مدین میں رہے جس کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام دس برس تک مدین میں رہے یہ حدیث فلما قضی موسٰی الاجل کی گویا تفسیر ہے صحیح بخاری کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت اس باب میں جو اوپر گزر چکی اگرچہ وہ ان کا قول ہے لیکن اس تفسیر میں یہ بات ایک جگہ بیان کر دی گئی ہے کہ تفسیر کے باب میں صحابہؓ کا صحیح قول حدیث نبوی کے

لہ تفسیر الدر المنثور ص ۱۲۶ ج ۵ تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر ابن کثیر ص ۳۸۶، ۳۸۷ ج ۳۔

بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۡ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ
چٹا نہ کچھ برائی سے اور ملا اپنی طرف اپنا بازو ڈر سے سو یہ سندیں ہیں

مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ
تیرے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں پر بیشک وہ تھے لوگ بے حکم بولا اے رب میں نے

قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِىْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّىْ
خون کیا ہے ان میں ایک جی کا سو ڈرتا ہوں کہ مجھ کو مار ڈالیں گے اور میرا بھائی ہارون اس کی زبان چلتی ہے مجھ سے

لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِىَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِىْٓ ۖ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ
زیادہ سو اس کو بھیج ساتھ میرے مدد کو کہ مجھ کو سچا کرے میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھٹلا کریں فرمایا

سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ
ہم زور دیں گے تیرے بازو کو تیرے بھائی سے

علم میں ہوتا ہے خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا صحیح قول تفسیر کے باب میں بڑا معتبر ہے سورۃ النمل میں صحیح مسلم کے حوالہ[1] سے ابوموسیٰ اشعری کی حدیث جو گذر چکی ہے وہی انس من جانب الطور نارا کی بھی تفسیر ہے اس میدان میں نور الٰہی کی برکت تھی اس سبب اس کو بقعہ مبارک فرمایا ہے فرقہ جہمیہ کا یہ اعتقاد ایک جگہ گذر چکا ہے کہ کوہ طور کے پاس جو کیکر کا درخت تھا اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک آواز پیدا کر دی تھی وہی آواز موسیٰ علیہ السلام نے سنی کیوں کہ خود بات چیت کرنے کے لیے زبان اور ہونٹوں کی ضرورت ہے اور ان چیزوں سے اللہ پاک ہے اہل سنت نے آیت انی انا اللہ رب العالمین سے اس اعتقاد کو یوں غلط ٹھہرایا ہے کہ اگر کیکر کا درخت یہ لفظ کہتا تو وہی درخت موسیٰ علیہ السلام کا معبود بن جاتا اور موسیٰ علیہ السلام اس درخت کو معبود جانتے تو نعوذ باللہ من ذالک مشرک ٹھہرتے۔ اہل سنت نے یوں بھی اس اعتقاد کو غلط ٹھہرایا ہے کہ سورہ حٰم السجدہ میں یہ جو ذکر ہے کہ بغیر زبان اور ہونٹوں کے آسمان اور زمین نے اتینا طائعین کہہ کر اللہ تعالیٰ کے حکم کا جو جواب دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے بات چیت میں زبان اور ہونٹوں کا ہونا کچھ لازمی چیز نہیں ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عدیؓ بن حاتم کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر شخص سے بلا واسطہ بات چیت کرے گا، اس حدیث سے بھی فرقہ جہمیہ کے اعتقاد کی غلطی اچھی طرح ثابت ہوتی ہے کیوں کہ اس میں کلام الٰہی کے ساتھ کسی واسطے کا ذکر نہیں ہے اس سورہ میں یہ ذکر تفصیل سے نہیں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زبان کے توتلے پنے کی جو شکایت کی تھی اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے کیا دیا لیکن سورہ طٰہٰ میں گذر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی یہ شکایت بھی اتنی رفع فرما دی تھی کہ لوگ ان کی بات کو سمجھ لیتے تھے موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے فرعون کی قوم کے ایک شخص کے مارے جانے کا اور موسیٰ علیہ السلام کی زبان کے جل جانے کا اور اسی سبب سے اس میں توتلا پن پیدا ہو جانے کا قصہ اوپر گذر چکا ہے یہاں تو مختصر طور پر اتنا ہی فرمایا کہ اے موسیٰ ہم ہارون کو تمہارا قوت بازو ٹھہراتے ہیں لیکن سورۂ مریم میں گذر چکا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے

[1] مشکوٰۃ باب الحساب والقصاص والمیزان فصل اول۔

وَنَجۡعَلُ لَكُمَا سُلۡطٰنًا فَلَا يَصِلُوۡنَ اِلَيۡكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنۡتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿۳۵﴾

اور دیں گے تم کو غلبہ پھر وہ نہ پہنچ سکیں گے تم تک ہماری نشانیوں سے تم اور جو تمہارے ساتھ ہو اوپر رہو گے

موسیٰ علیہ السلام کی مدد کے لیے ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت عطا فرمائی۔

۳۵۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ فرعون کے ساتھ اگرچہ بہت کچھ بھیڑ بھاڑ لشکر کی تھی اور اس لشکر کے مقابلہ میں ادھر حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کل دو ہی شخص تھے لیکن حضرت موسیٰ ہی اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کے موافق ہمیشہ فرعون اور اس کے ساتھیوں پر ایسے غالب رہے کہ فرعون اور اس کے ساتھی عاجز آگئے اور رہا یہ جو اس قدر لاؤ لشکر کے دو آدمیوں کا مقابلہ نہ کر سکے پہلے بر سر میدان جادوگروں نے مقابلہ کیا وہ عاجز ہو کر مسلمان ہوگئے پھر قحط پڑا تو ایسا ہی کہ جنگل میں تمام کھیت اور شہر میں تمام باغ خشک ہوگئے پھر آٹھ روز تک مینہ برسا تو ایسا ہی برسا کہ بنی اسرائیل کے محلہ میں ایک قطرہ پانی کا نہیں اور ہر قبطی محلہ میں قد آدم پانی کھڑا رہا پھر ٹڈیوں کا وہاں ایسا ہی آیا کہ جس سے بنی اسرائیل کو کچھ صدمہ نہ پہنچا اور قبطیوں کی زراعت ان کے باغ مکانوں کی چھتیں بدن کے کپڑے اور گھر کا سب سامان ٹڈیوں نے کھا کر برابر کر دیا پھر چچڑیوں کا وہاں ایسا ہی آیا جس سے ہر ایک قبطی زیست سے بے زار ہوگیا پھر مینڈکوں کا وہاں ایسا ہی آیا کہ کھانے پینے میں جہاں دیکھو وہاں مینڈک تھے یہاں تک کہ پکتی ہنڈیا اور گرم تنور سب میں مینڈک ہی مینڈک تھے پھر خون کا عذاب ایسا ہی آیا کہ تمام اپنے کا پانی یہاں تک کہ نیل دریا سب خون ہی خون ہوگیا غرض سورہ اعراف میں ان وبالوں کی تفصیل گذر چکی ہے کہ جادوگروں کے مسلمان ہونے کے زمانہ سے فرعون کے غرق ہونے کے زمانہ تک چالیس برس کے قریب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد میں غیب سے یہی آفتیں فرعون پر آئیں اور اس کے ساتھیوں نے رسول وقت کی فرمانبرداری قبول نہ کی تو آخر کو ایک دم غرق ہو کر سب ہلاک ہوگئے حاصل کلام یہ ہے کہ مدد غیبی کے سبب سے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارون دونو بھائیوں کو اور ان کے طفیل سے بنی اسرائیل کو فرعون اور اس کے ساتھیوں پر جو کچھ غلبہ رہا ہے اس غلبہ کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس وقت فرمایا ہے جب مدین سے مصر آتے وقت حضرت موسیٰ کو نبوت ملی ہے اس وعدہ کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔ اور جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا ہے اسی طرح کتب اللہ لاغلبن و رسلی کے موافق ہر رسول سے اللہ تعالیٰ کا مدد غیبی کا وعدہ ہے اور اس وعدے کا یہ ظہور ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک جو صاحب شریعت نبی ہیں آخر کو ان کا ہی غلبہ رہا اور ان کے مخالف طرح طرح کے وبالوں سے ہلاک ہوگئے۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں سے مدد غیبی کا وعدہ فرمایا ہے اسی طرح سچے دل سے جو لوگ اللہ کے رسولوں کے فرمانبردار ہیں ان کی مدد کا بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے چنانچہ سورۂ غافر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا ویوم یقوم الاشھاد مطلب یہ ہے کہ رسولوں اور ایمانداروں کو دنیا اور عقبیٰ میں مدد دینے کا اللہ کا وعدہ ہے امتحان کے طور پر اللہ کے رسولوں کے سچے فرمانبرداروں کو مخالفوں کے ہاتھ سے کچھ تکلیف پہنچ گئی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے موافق پھر مخالفوں سے پورا بدلہ لیا ہے حضرت یحییٰؑ اور حسینؓ شہید کے بدلہ میں ہزار ہا آدمی قتل ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے جیسی تکلیف دی اللہ تعالیٰ نے اہل روم کو پھر ان پر مسلط کیا اور ویسا ہی

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا

پھر جب پہنچا ان پاس موسیٰؑ لے کر ہماری نشانیاں کھلی بولے اور کچھ نہیں یہ جادو ہے جوڑ لیا اور ہم نے سنا نہیں یہ

فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ

اپنے اگلے باپ دادوں میں اور کہا موسیٰؑ نے میرا رب تو بہتر جانتا ہے جو کوئی لایا ہے سوجھ کی بات اس کے پاس سے اور جس کو

ان سے بدلہ لیا مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کے درپے جو لوگ تھے جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مدد بھیج کر کیا کچھ ان کو ذلیل کیا یہ سب کچھ تو دنیا کی مدد غیبی کا ذکر تھا جو لوگ اللہ کے عہد پر پورے قائم رہیں گے اور اللہ کے رسولوں کی پوری فرمانبرداری کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مدد آخرت کا جو ان سے یہ وعدہ کیا ہے کہ ایک نیکی کا دس سے لے کر سات سو تک بدلہ اور بہت سے گناہوں سے درگزر کرے گا اس اپنے وعدے کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ضرور پورا فرمائے گا اوفوا بعہدی اوف بعہدکم پر ہر مسلمان کو پورا ایمان رکھنا چاہیے اور اپنے عہد کو خالص دل سے پورا کرنا چاہیے، پھر اللہ کے عہد کا اپنے وقت پر ضرور ظہور ہونے والا ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ[1] سے معاذ بن جبلؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ لوگ خالص دل سے اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں اور اس حق کے پورا ہو جانے کے بعد بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ ان کو اپنے عذاب سے بچاوے یہ حدیث اور بندوں کے عہد اور اس کے پورا ہونے کی گویا تفسیر ہے۔

۳۶، ۳۷ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس معجزات لے کر گئے تو انہوں نے سرکشی کی راہ سے ان معجزات کو یہ کہا کہ یہ جادو جوڑا ہوا ہے اور ہم نے اپنے باپ دادا سے کبھی یہ نہیں سنا کہ فرعون کے سوا اور کوئی خدا ہے اسی کی عبادت چاہئے ہم نے تو یہی بات ہمیشہ دیکھی کہ لوگ فرعون کو خدا جانتے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ میرا پروردگار ایسے شخص کی عقبےٰ کی بہتری کو خوب جانتا ہے جو اس کے پاس سے ہدایت لایا یہ یاد رہے کہ مشرک لوگ جو بڑے ظالم ہیں کبھی فلاح نہ پاویں گے میرے تمہارے درمیان میں پروردگار جلد فیصلہ کرے گا۔ یہ اوپر ایک جگہ گزر چکا ہے کہ فرعون کے زمانہ میں جادو کا بڑا زور تھا اس لیے فرعون اور اس کے ساتھیوں نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کو جادو ٹھہرایا، سورۃ الشعراء میں گزر چکا ہے کہ فرعون اپنے کو خدا کہلواتا تھا اور موسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا تو اس نے صاف کہہ دیا کہ فرعون کے سوا کوئی دوسرا خدا تم قرار دوگے تو تم کو قید کر دیا جائے گا اسی طرح آگے آتا ہے کہ فرعون نے اپنے دربار والوں سے کہا ما علمت لکم من الٰہ غیری جس کا مطلب یہ ہے کہ فرعون اپنے آپ کو خدا جانتا تھا اور اپنے دربار والوں سے اپنے آپ کو خدا کہلواتا تھا اسی واسطے ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کی وحدانیت کی نصیحت کو سن کر اسے ایک اچنبھے کی بات قرار دیا۔ فرعون اتنی بات میں تو دہریہ تھا کہ دہریہ فرقہ کی طرح وہ خدا کی ہستی کا قائل نہیں تھا لیکن اس میں یہ بات دہریہ فرقہ سے بڑھ کر تھی کہ وہ اپنے آپ کو خدا کہتا تھا۔ فرعون اور فرعونیوں کی گمراہی کی باتوں کا جو جواب موسیٰ علیہ السلام نے دیا اس کا حاصل وہی ہے جو سورہ نمل میں اللہ تعالےٰ نے اپنے علم غیب کے موافق ان لوگوں کی دلی حالت کو ظاہر کر کے ان کی گمراہی کی باتوں کا جواب دیا ہے کہ جادوگروں کے ہار جانے اور قحط وغیرہ آفتوں کے موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ٹل جانے کے سبب سے ان لوگوں کے دلوں

---

[1] مشکوٰۃ کتاب الایمان

تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا

ملے گا پچھلا گھر بے شک بھلا نہ ہوگا بے انصافوں کا اور بولا فرعون اے دربار والو مجھ کو

عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْۤ

معلوم نہیں تمہارا کوئی حاکم میرے سوائے سو آگ دے اے ہامان میرے واسطے گارے کو پھر بنا میرے واسطے ایک محل شاید

نہیں تو یہ بات جم گئی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی خلاف عادت باتیں نہ جادو ہیں نہ فرعون کو خدا کو خدائی میں دخل ہے لیکن اپنی ناانصافی اور سرکشی کے سبب سے یہ لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے بھی مختصر طور پر یہی جواب دیا کہ دل میں جم جانے والی اور ناانصافی کی باتوں کا اللہ تعالیٰ کو خوب حال معلوم ہے مگر یہ یاد رکھو کہ عادت الٰہی کے موافق بے انصاف لوگ کبھی بھلائی کو نہیں پہنچتے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ دنیا کے ہونے سے پہلے جو لوگ علم الٰہی میں گمراہ اور دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل قرار پا چکے ہیں وہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد ویسے ہی کام کرتے ہیں اور وہی کام ان کو اچھے نظر آتے ہیں۔ اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے متواتر معجزے دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی ہستی اس کی قدرت اور موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبری ان سب باتوں کا یقین تو فرعون اور اس کے ساتھیوں کے دلوں میں پیدا ہو گیا تھا لیکن یہ لوگ علم الٰہی میں گمراہ اور دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل قرار پا چکے تھے اس لیے اپنی گمراہی کی باتوں سے باز نہ آئے آخر اللہ کے رسول کی پیشین گوئی کے موافق دونوں جہان میں بھلائی سے محروم رہے دنیا میں نہایت بے کسی سے ڈوب کر ہلاک ہوئے اور عقبیٰ کا عذاب جدا بھگتنا پڑا۔

۳۸ تا ۴۰۔ جن مفسروں نے اپنی تفسیر میں عقلی طور پر لکھی ہیں انہوں نے ان آیتوں کی تفسیر میں طرح طرح کی باتیں لکھی ہیں زمخشری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس قول سے فرعون کا مطلب یہ تھا کہ وہ خدا کا منکر تھا قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ نہیں فرعون کا مطلب یہ تھا کہ کسی دلیل سے خدا کا موجود ہونا اب تک اس کو معلوم نہیں ہوا تھا اسی واسطے خدا کے موجود ہونے کا علم حاصل کرنے کے لیے اس نے آسمان تک جانے کے لیے وہ اونچی مینار بنائی تھی اگر وہ خدا کا منکر ہوتا تو پھر مینار کیوں بنواتا اور اس طرح کی عقلی بحثیں اور تفسیروں میں بھی ہیں لیکن قرآن شریف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرعون دہریہ تھا۔ اور خدا کا منکر تھا اور اس میں یہ بات فرقہ دہریہ سے بھی بڑھ کر تھی کہ وہ گمراہی کے سبب سے اپنے آپ کو خدا کہلواتا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب خدا تعالیٰ کا ذکر کیا تو اس نے صاف کہہ دیا کہ فرعون کے سوا کوئی دوسرا خدا تم قرار دو گے تو تم کو قید کر دیا جاوے گا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملعون دہریہ اس قدر خدا کا منکر تھا کہ خدا کے نام لینے کو بھی قید کے قابل جرم گنتا تھا اس لیے اس نے اپنی تمام قوم کو جمع کر کے ڈھنڈورہ پٹوا دیا تھا کہ فرعون ہی نعوذ باللہ من ذالک ان سب کا خدا ہے چنانچہ اس ڈھنڈورے کا ذکر سورہ والنازعات میں آوے گا۔ ناقابل اعتراض سند سے تفسیر ابن مردویہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے[۲] کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا فرعون نے یہ دو باتیں کہی تھیں ایک تو یہ کہ سوا اپنے اس کو کوئی اور خدا معلوم نہیں ہوتا دوسری یہ کہ اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا وہی ان کا خدا ہے یہ دوسری بات اس نے پہلی

[۱] مشکوۃ باب الایمان بالقدر۔ [۲] تفسیر الدر المنثور ص ۱۲۹ ج ۵۔

اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِى الْاَرْضِ

میں جھانک دیکھوں موسیٰ کا رب اور میری اٹکل میں تو وہ جھوٹا ہے اور بڑائی کرنے لگے وہ اور اس کے لشکر ملک میں

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ

ناحق اور اٹکلے کہ وہ ہماری طرف پھر نہ آویں گے پھر پکڑا ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پھر پھینکدیا ہم نے

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

ان کو پانی میں سو دیکھ آخر کیسا ہوا گنہگاروں کا

بات کے چالیس برس کے بعد کہی اس دوسری بات کے کہتے ہی خدا کے عذاب میں وہ گرفتار ہو گیا معتبر سند سے تفسیر ابن حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی دوسری روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ پہلی بات جب فرعون نے کہی تو جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا اللہ یہ شخص اب بہت گمراہ ہو گیا ہے اس کی ہلاکت کا حکم ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ابھی اس کی ہلاکت کا وقت نہیں آیا ہے جب اس نے دوسری بات کہی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت حضرت جبرائیل سے فرمایا اب اس کا وقت قریب آگیا ہے غرض جس منارہ کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔ وہ منارہ اس دہریہ نے اپنی قوم کو یہ دھوکہ دینے کے لیے بنوائی کہ وہ حضرت موسیٰ کو جھوٹا جانتا ہے اس لیے منارہ بنواتے وقت اس نے حضرت موسیٰ کے حق میں یہ بات کہی تھی وانی لاظنہ من الکاذبین جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ منارہ بنواتے وقت خدا کی ہستی کا اس کے دل میں خیال اور گمان نہیں تھا اور وہ ملعون موسیٰ کو فقط اس بات میں نہیں جھٹلاتا تھا کہ حضرت موسیٰ خدا کے رسول ہیں بلکہ وہ اس بات میں ان کو جھٹلاتا تھا کہ سوا اس کے اور کوئی خدا نہیں ہے پھر یہ کس خدا کا رسول اپنے آپ کو بتلاتے ہیں سورہ یونس میں جہاں یہ ذکر ہے کہ غرق ہوتے وقت فرعون نے یہ کہا کہ میں بنی اسرائیل کے خدا پر ایمان لایا وہاں اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ فرعون نے ایسے وقت خدا کے موجود ہونے اور اس کے معبود ہونے کا اقرار کیا کہ اس وقت کا اقرار مفید نہیں اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سے پہلے کبھی فرعون کے دل میں خدا کے موجود ہونے کا خیال نہیں آیا تفسیر عبدالرزاق اور ابن ابی حاتم میں قتادہ کا قول ہے کہ پہلے پہل پختہ اینٹوں کا بنانا فرعون نے نکالا ہے اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ جب فرعون کے حکم کے موافق یہ اونچی منارہ اس کے وزیر ہامان نے بنائی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اس کو اپنا پر مار کر گرا دیا جس سے بہت سے آدمی فرعون کے لشکر کے ہلاک ہو گئے۔ اب اس منارہ کے قصہ کے بعد مختصر طور پر اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لشکر کی سرکشی اور فرعون کے غرق ہونے کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ قریش کو عبرت ہو جائے کہ اللہ کے رسولوں کو جھٹلانے والوں کا انجام یہ ہوتا ہے باوجود اس قدر لشکر کے رسولِ وقت کی مخالفت کے سبب سے جب ایک دم میں فرعون مع اپنے لشکر کے ہلاک ہو گیا تو قریش کے پاس تو نہ لشکر ہے نہ بادشاہت نہ فرعون کی سی حکومت پھر کس بھروسہ پر یہ لوگ اللہ کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں کیا ان کا ہلاک کرنا اللہ کے نزدیک فرعون کے ہلاک کرنے سے بھی زیادہ مشکل ہے دہریہ لوگ خدا کی ہستی کے قائل نہیں اس لیے یہ لوگ مرنے کے بعد پھر دوبارہ زندہ ہونے اور حساب و کتاب کے واسطے اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہونے کے بھی منکر ہیں اسی کو فرمایا وظنوا انھم الینا لا یرجعون صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ[۲] سے ابو موسیٰ اشعری کی حدیث اوپر گذر چکی ہے کہ اللہ تعا

[۱] تفسیر الدر المنثور ص ۱۲۸ ج ۵۔ [۲] مشکوٰۃ باب الظلم۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ

اور کیا ہم نے ان کو سردار بلاتے دوزخ کی طرف اور قیامت کے دن ان کو مدد نہیں اور پیچھے رکھی ان پر

هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى

اس دنیا میں پھٹکار اور قیامت کے ان پر برائی ہے اور دی ہم نے موسیٰؑ کو

الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً

کتاب اس پیچھے کہ کھپا چکے اگلی سنگتیں سوجھاتی لوگوں کو اور راہ بتاتی اور مہر

لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ

شاید وہ یاد رکھیں اور تو نہ تھا غرب کی طرف جب ہم نے بھیجا موسیٰؑ کو حکم

وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا

اور نہ تھا تو دیکھتا لیکن ہم نے اٹھائیں کئی سنگتیں پھر لمبی گزری ان پر مدت اور تو

جب تک چاہتا ہے نافرمان لوگوں کو مہلت دیتا ہے پھر جب انہیں پکڑتا ہے تو بالکل برباد کر دیتا ہے۔ اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فرعون اور اس کے ساتھیوں کو ایک مدت تک اللہ تعالیٰ نے مہلت دی جب وہ لوگ مہلت ملنے کے زمانہ میں اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو ان سب کو دریائے قلزم میں ڈبو کر ہلاک کر دیا جس کا قصہ اوپر گزر چکا ہے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مخاطب ٹھہرا کر قریش کو نافرمان لوگوں کے انجام سے ڈرایا ہے۔

۴۱ تا ۴۳۔ فرعون اور اس کے ساتھیوں کا دنیوی انجام اوپر ذکر فرما کر اب ان کا عقبیٰ کے انجام کا ذکر فرمایا کہ یہ لوگ قیامت کے دن ان لوگوں کے پیشوا ہوں گے جو ان کے بہکانے کے سبب سے گمراہ ہو کر دوزخ میں اس طرح جھونکے جاویں گے کہ بہکانے والوں کا بہکنے والوں میں سے کوئی یار و مددگار نہ ہوگا۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کا پیشوا ہونا فقط دنیا میں اتنی بات کے لیے ہے کہ یہ لوگ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بہکانے کا دونا عذاب ہوگا تو ان کے پیرو کچھ ان کی مدد نہ کر سکیں گے اس دوہرے عذاب کا ذکر سورۃ النحل میں گزر چکا ہے اور اسی ذکر میں صحیح مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی حدیث بھی گزر چکی ہے یہی قیامت کے دوہرے عذاب کا ذکر وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ کی گویا تفسیر ہے پھر فرمایا "پیچھے رکھی ہم نے ان کے دنیا میں لعنت ایمانداروں کی زبان پر اور قیامت کے روز وہ برائی والوں میں سے ہونگے"۔ آگے اب اللہ تعالیٰ اپنے اس انعام کی خبر دیتا ہے جو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کیا وہ یہ کہ فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کیا اور حضرت موسیٰؑ پر کتاب توریت اتاری مطلب یہ ہے کہ توریت اتارنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے کسی امت پر ہلاک کرنے کا عذاب عام طور پر نہیں اتارا بلکہ اللہ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ خدا کے دشمنوں کے ساتھ مقابلہ کریں ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ وہ گذشتہ حالات کی ایسی خبر دیتے ہیں کہ گویا اس وقت موجود تھے اور انہوں نے آنکھوں سے وہ حالات دیکھے ہیں حالانکہ وہ ان پڑھ تھے اور انہوں نے ایسے لوگوں میں پرورش پائی جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے حاصل یہ ہے کہ اے رسول اللہ کے پہلی امتوں کی باتیں تم پر اس لیے اتاری ہیں کہ پہلے کے عذابوں سے تم اپنی قوم کو ڈراؤ تاکہ اللہ تعالیٰ جب ان کے کفر کے سبب سے ان پر عذاب نازل کرے تو کچھ عذر اس کا باقی نہ رہے اور وہ یہ نہ کہیں کہ ہمارے پاس تو

كُنْتَ ثَاوِيًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿٤٥﴾ وَمَا كُنْتَ

رہتا تھا مدین والوں میں ان کو سناتا ہماری آیتیں پر ہم رہے ہیں رسول بھیجتے اور تو نہ تھا

بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَٰكِنْ رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا أَتَاهُمْ مِنْ نَذِيرٍ

طور کے کنارے جب ہم نے آواز دی ولیکن یہ مہر سے تیرے رب کے کہ تو ڈر سنا دے ایک لوگوں کو جن پاس نہیں آیا کوئی

مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٤٦﴾ وَلَوْلَا أَنْ تُصِيبَهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ

ڈر سنانے والا تجھ سے پہلے شاید وہ یاد رکھیں اور اتنے واسطے کہ کبھی پڑے ان پر آفت اپنے ہاتھوں کے بھیجے سے

أَيْدِيهِمْ فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ وَنَكُونَ مِنَ

تو کہنے لگے اے رب ہمارے کیوں نہ بھیج دیا ہم پاس کسی کو پیغام دے کر تو ہم چلتے تیری باتوں پر اور ہوتے

کوئی رسول ڈر سنانے والا نہیں آیا اس مضمون کی قرآن شریف میں اکثر آیتیں ہیں اور آگے کی آیتوں میں بھی یہ ذکر آتا ہے غرض انجانی کے عذر کو رفع کر دینا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اس لیے فرعون کے پاس اور فرعون سے پہلی قوموں کے پاس پچھلے رسولوں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے موسیٰ علیہ السلام کو رسول بنا کر اگرچہ ایسے زمانہ میں بھیجا کہ اے رسول اللہ کے اس زمانہ میں تم موجود نہیں تھے لیکن تمہاری ان پڑھ قوم کو ان پہلی قوموں کے قصے اس واسطے سنا دیئے گئے کہ تمہاری قوم کی بھی وہ نوبت نہ آوے کہ جس طرح وہ پہلے لوگ دنیا کی زندگی کو پائیدار سمجھ کر عقبیٰ سے بالکل غافل ہو گئے اور اللہ کے رسولوں کی نصیحت کو جھٹلانے لگے آخر طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک ہو گئے بے شک سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے اہل مکہ میں کے جن سرکش مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کو سچا نہیں جانا صحیح بخاری و مسلم کی انس بن مالکؓ کی حدیث کے حوالہ سے ان کا انجام اوپر گزر چکا ہے کہ دنیا میں بدر کی لڑائی کے وقت یہ بڑے بڑے سرکش نہایت ذلت سے مارے گئے اور مرتے ہی عقبیٰ کے عذاب میں گرفتار ہو گئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لاشوں پر کھڑے ہو کر اللہ کا وعدہ یاد دلایا اور یہ فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ کے وعدہ کو سچا پا لیا۔

۴۷،۴۴۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت شعیبؑ کا قصہ ذکر فرما کر اس قصے سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قریش پر ظاہر کی ہے اور قریش کو قائل کیا ہے کیونکہ یہ تو قریش کو معلوم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت شعیبؑ اور حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں پیدا نہیں ہوئے اور یہ بھی معلوم تھا کہ جب تک آپ مکہ میں تھے کبھی اہل توریت سے اور آپ سے ایسا میل جول نہ تھا جس سے آپ حضرت موسیٰ کی پیدائش سے لے کر ان کے نبی ہونے تک کا قصہ سن لیتے پھر بغیر ان دونوں باتوں کے جب کہ آپ نے پورا قصہ حضرت موسیٰ کا اور سب انبیاء کے اسی طرح سب جیسے جس طرح توریت میں تھے پورے پورے بیان فرما دیئے تو پھر آپ کی تائید نبوت میں کیا شک شبہ باقی رہ گیا اور یہ سورۃ انعام میں گزر چکا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے اور قرآن شریف کے نازل ہونے سے پہلے قریش یہ کہا کرتے تھے کہ کاش ہم میں بھی کوئی نبی ہوتا کہ اس کے ذریعہ سے ہم بھی اللہ کے حکم اترتے تو ہم ضرور ان دونوں فرقوں سے زیادہ راہ راست پر آ جاتے اب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت ثابت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے قریش کو یوں قائل کیا ہے کہ جب ان لوگوں میں کوئی نبی نہیں تھا اور کوئی کتاب اللہ کی طرف سے ان پر نہیں اتری تھی تو یہود اور نصاریٰ کو اہل کتاب دیکھ کر یہ لوگ حرص کرتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کی حرص پوری کر دی کہ ان میں نبی آخر الزمان کو پیدا کر دیا اور توریت و انجیل سے بھی زیادہ کامل

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ

یقین رکھنے والے پھر جب پہنچی ان کو ٹھیک بات ہمارے پاس سے کہنے لگے کیوں نہ ملا اس کو جیسا ملا تھا موسےٰ کو

اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ٙ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ

کیا ابھی منکر نہیں ہوچکے موسےٰ کے ملے سے اس سے پہلے کہنے لگے دونو جادو ہیں آپس میں موافق اور کہنے لگے ہم دونوں کو

كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

نہیں مانتے

کتاب ان نبی آخرالزمان پر نازل فرمادی تو بجائے اس کے کہ یہ لوگ اپنی مراد کے پورا ہوجانے پر اللہ کے اس فضل کا شکر ادا کریں بڑے ناشکر لوگ ہیں کہ اللہ کی اس نعمت کی قدر نہیں کرتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس پچتاوے کے دور کرنے کے لیے نبی آخرالزمان کو ان کی ہدایت کے لیے پیدا کیا ہے کہ گمراہی اور بے دینی کے سبب سے کل کو ان لوگوں پر کوئی مصیبت خدا کی طرف سے آجاوے تو ان کو اس بات کے پچتاوے کی گنجائش نہ رہے کہ ہماری ہدایت کے لیے اللہ کے کوئی رسول اور اللہ کا کوئی حکم آتا تو ہم ایسی گمراہی اور بے دینی میں کیوں گرفتار ہوتے جس گمراہی اور بے دینی کے سبب سے ہم پر خدا کی بلا اور مصیبت نازل ہوئی اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قریش کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے وہ اعتراض یہ تھا کہ یہود کے سکھلانے سے قریش نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ کہا تھا کہ عصا اور ید بیضا اور قلزم دریا کے بیچ میں سے سوکھے راستہ کا معجزہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملا تھا اس طرح کا ظاہر میں نظر آتا ہوا کوئی معجزہ آپ کو بھی خدا کی طرف سے مل جاوے تو ہم ضرور آپ کو سچا نبی جان لیویں گے اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ عصا اور ید بیضا کا معجزہ دیکھ کر فرعون اور اوس کے ساتھی حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ پر کب ایمان لائے جو یہ لوگ ظاہری معجزہ دیکھ کر اے نبی آخرالزماں تم پر ضرور ایمان لاویں گے بلکہ فرعون اور اوس کی قوم تو وہ معجزہ دیکھ کر بھی موسےٰؑ اور ہارونؑ دونوں کو دو جادوگر بتلاتے رہے اعتراض کے جواب کی یہ تفسیر حضرت سعید بن جبیرؓ اور مجاہد کی تفسیر ہے اور اکثر مفسروں نے اس تفسیر کو پسند کیا ہے اور اس تفسیر کی صورت میں قالوا ساحران تظاھرا کی قرات ٹھیک ہووے گی اور معنے آیت یہ ہوں گے کہ فرعون اور اوس کے قوم نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کو کہا کہ دونوں جادوگر ایک دل ہوگئے ہیں اور ہم ان کے منکر ہیں دوسری قرات سِحْرٰنِ کی ہے جس کی روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی ہے اس صورت میں آیت کے معنے یہ ہوں گے کہ قریش نے توریت اور قرآن شریف دونوں کا جادو بتلایا آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اے رسول اللہ کے ان مشرکوں سے کہو کہ تم لوگوں کو توریت اور قرآن سے بہتر کوئی کتاب معلوم ہو تو پیش کرو اس سے آخری قرات قرآن کے مضمون سے بہت مطابقت رکھتی ہے۔ مصیبت کے معنے یہاں عذاب کے ہیں جیسے سرکش مشرکین مکہ پر بدر کی لڑائی کے وقت عذاب آیا جس کا ذکر صحیح بخاری مسلم کی انس بن مالک کی روایت کے حوالہ سے اوپر گذر چکا ہے حاصل یہ ہے کہ ان لوگوں پر یہ عذاب آنحضرتؐ کے رسول ہوکر آنے اور قرآن کے نازل ہونے کے بعد ہوا اس لیے یہ لوگ اب انجانی کا عذر نہیں کرسکتے اس آخری قرات کی صورت میں مثل ما اوتی سے ان مشرکین کا مطلب توراۃ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح توراۃ تمام و کمال ایک ہی دفعہ موسےٰ پر اتری اسی طرح سے قرآن بھی تمام و کمال کیوں نہیں اترا جب اوس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ توراۃ ایک دفعہ اتری تو کیا ہوا آخر یہ لوگ توراۃ کے بھی تو پہلے سے منکر ہیں کہ ایک مدت سے بت پرستی کرتے ہیں بھلا بتلائیں کہ توراۃ میں بت پرستی کا کہاں حکم ہے اس جواب کو سن کر مشرکین

قُلْ فَأْتُوا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ

تو کہہ اب تم لاؤ کوئی کتاب اللہ کے پاس کی جو ان دونوں سے بہتر ہو میں اس پر چلوں اگر تم سچے ہو پھر اگر

لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ

نہ کر لا دیں تیرا کہا تو جان لے کہ وہ چلتے ہیں نرے اپنے چاؤ پر اور اس سے بہکا کون جو چلے اپنے چاؤ پر

بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ

بن راہ بتائے اللہ کے بے شک اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو اور ہم لگاتے گئے ہیں ان سے

ع ۵ ۸

مکہ تورات اور قرآن دونوں کو جادو کہنے لگے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے مغیرہ بن شعبہؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی روایتیں ایک جگہ گذر چکی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو انجانی کے عذر کا رفع کر دینا بہت پسند ہے اس لیے اس نے کتاب آسمانی دے کر رسول بھیجے اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح قریش میں کے سرکش لوگوں کو انجانی کا عذر رفع کر دینے کے بعد عذاب میں پکڑا یہی برتاؤ اس نے پہلے سب قوموں کے ساتھ کئے کیونکہ اس کو انجانی کے عذر کا رفع کر دینا بہت پسند ہے۔

۴۹،۴۸۔ یہ تو بیان اوپر کر دیا گیا ہے کہ اوپر کی آیتوں میں سحرٰن کا مطلب مشرکوں کے نزدیک تورات اور قرآن ہے حاصل یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے کہا کہ ہم تورات اور قرآن دونوں کو نہیں مانتے کہ یہ دونوں جادو ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے رسول اللہ تم ان مشرکوں سے کہو کہ تم ہی لوگ کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو زیادہ ہدایت کرنے والی ہو توریت اور قرآن سے تاکہ میں اس کی پیروی کروں پھر اگر یہ لوگ کوئی ایسی کتاب نہ لا سکیں تو جان لو کہ وہ اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہو سکتا ہے جو اپنی خواہشوں پر چلے ایسے لوگ اللہ کے نزدیک ناانصاف ظالم ہیں اور اللہ ایسے لوگوں کو زبردستی راہ راست پر لانا نہیں چاہتا کیونکہ زبردستی کی فرمانبرداری اس کی بارگاہ میں قبول نہیں ہے صحیح بخاری اور مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث کئی جگہ گذر چکی ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے علم غیب میں دوزخی ٹھہر چکے ہیں ان کو دنیا میں بری باتیں اچھی معلوم ہوتی ہیں اس حدیث سے یہ اچھی طرح سمجھ میں آ جاتا ہے کہ قریش میں کے جو لوگ حالت کفر پر مرے وہ بری باتوں کو کیوں اچھا جانتے تھے۔

۵۰ تا ۵۲۔ حضرت نوح جو سب سے پہلے صاحب شریعت نبی ہیں ان کے زمانہ سے لے کر فرعون کے غرق ہونے تک جس قدر پہلی امتیں اللہ کے رسولوں کی نافرمانی میں ہلاک ہوئیں ان کا ذکر قرآن شریف میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس ذکر میں سے فرعون کے غرق ہونے کے تذکرہ کا ٹکڑا اللہ تعالیٰ نے اوپر کی آیتوں میں ذکر فرما کر اس آیت میں رسولؐ کے نافرمان لوگوں کو ڈرا دیا ہے اور فرمایا ہے کہ پہلی امتوں کا پے در پے اس لیے ذکر کیا جاتا ہے کہ پہلے نافرمان لوگوں کا حال گھڑی گھڑی سن کر حال کے زمانہ کے نافرمان لوگوں کو ایک طرح کی عبرت اور نصیحت اس بات کی ہو کہ اگر یہ حال کے زمانہ کے لوگ رسول وقت کی نافرمانی سے باز آویں گے تو آخر وہی حال ان کا ہونے والا ہے جو پہلے نافرمان لوگوں کا ہوا اگرچہ مفسرین نے اس آیت کے شان نزول میں اختلاف کیا ہے بعضے کہتے ہیں قریش کی شان میں ہے بعضے کہتے ہیں اہل کتاب کی شان میں لیکن اصل بات یہ ہے کہ اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جو لوگ ہدایت الٰہی کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے موافق چلتے ہیں اب خواہ قریش ہوں یا اہل کتاب یا حال کے امت محمدیہ کے بدعتی لوگ جو اپنی خواہش اور رسم کو حکم الٰہی اور فرمانبرداری رسولؐ پر مقدم رکھتے ہیں سب اس آیت کے حکم میں داخل ہیں اور سب کو اللہ تعالیٰ

الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (۵۱) اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ (۵۲)

بات شاید وہ دھیان میں لاویں جن کو ہم نے دی ہے کتاب اس سے پہلے وہ اس کو یقین کرتے ہیں

وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ (۵۳)

اور جب اس کو سنایئے کہیں ہم یقین لائے اس پر یہی ہے ٹھیک ہمارے رب کا بھیجا ہم ہیں اس سے پہلے کے حکمبردار

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَ

وہ لوگ پائیں گے اپنا حق دہرا اس پر کہ ٹھہرے رہے اور بھلائی دیتے ہیں برائی کے جواب میں

نے رسولِ وقت کی مخالفت سے ڈرایا ہے صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی وہ حدیث جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس زمانہ کے لوگوں میں سے خواہ یہودی خواہ نصرانی کوئی ہو جو میری مخالفت کرے گا وہ دوزخ میں جاوے گا یہ حدیث اس آیت کی پوری تفسیر اور پوری شان نزول ہے کیونکہ جب غیر امت کے لوگوں کو بھی آپ نے اپنی مخالفت سے ڈرایا ہے تو خود وہ لوگ جو آپ کی امت کہلاتے ہیں آپ کی مخالفت کے بعد کس طرح دوزخ سے امن پا سکتے ہیں اب اس عبرت دلانے کی آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایمان کی رغبت دلانے کے لیے ان اہل کتاب کا ذکر آگے کی آیتوں میں فرمایا ہے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفتیں اپنی کتاب میں پائی تھیں ان کو آنحضرتؐ میں پاکر ان کو سچا نبی اور قرآن شریف کو اللہ کی سچی کتاب تسلیم کر لیا یہ ذکر بھی عام ہے یہود و نصاریٰ دونوں کو شامل ہے کیوں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی صحیح بخاری و مسلمؒ کی حدیث میں آپ نے یہ جو خوشخبری اہل کتاب کو دی ہے کہ اہل کتاب میں سے جو شخص اپنی کتاب پر ایمان قائم رکھ کر قرآن پر بھی ایمان لاوے اس کو اللہ تعالیٰ دوگنا اجر دے گا وہ حدیث عام خوشخبری میں ہے نہ اس میں یہود کی کچھ خصوصیت ہے نہ نصاریٰ کی وہی صحیح حدیث ان آیتوں کی تفسیر اور شان نزول کے لیے کافی ہے بعضے مفسرین نے یہ اختلاف جو کیا ہے کہ ایک فریق حبشہ کے نصاریٰ کی مدح اس آیت کو ٹھہراتے ہیں اور دوسرا فریق عبد اللہ بن سلام وغیرہ کی مدح قرار دیتے ہیں اس اختلاف کی کوئی ضرورت پائی نہیں جاتی کیونکہ یہ بات اس تفسیر میں ایک جگہ گزر چکی ہے کہ چند قصوں کا مجموعہ کبھی شان نزول ہوتا ہے اس لیے یہاں بھی حبشہ کے نصاریٰ کے قصے اور عبد اللہ بن سلام کے قصے ان دونوں قصوں کو آخر کی تینوں آیتوں کی شان نزول قرار دیا جائے۔ تو پھر کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا یہی حال پہلی آیت کا ہے کہ اس سے پہلے قل فاتوا بکتاب من عند اللہ فرما کر تو قریش کو مخاطب ٹھہرایا تھا پھر ومن اضل ممن اتبع ھواہ فرما کر بعد اس کے آیت ولقد وصلنا لھم القول میں گویا یہ فرمایا کہ خواہ قریش ہوں یا اہل کتاب ان سب کو پہلی امتوں کے قصے اس واسطے سنائے جاتے ہیں کہ جو کوئی پہلی امتوں کی طرح نافرمانی کی چال چلے گا عذاب میں گرفتار ہو جائے گا فرق فقط اتنا ہی ہے کہ قریش نے یہ قصے پہلے پہل سنے ہیں اور اہل کتاب تورات کے ذریعہ سے بھی ان قصوں کو سن چکے ہیں اور قرآن کے ذریعہ سے بھی تورات کی تصدیق ہو گئی ہے اس پر بھی اگر یہ لوگ نہ مانیں گے تو وہ آسمانی کتابوں کے جھٹلانے کے وبال میں پکڑے جائیں گے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث جو اوپر گزری اس سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ دو شریعتوں کی پابندی کے سبب سے جس طرح اہل کتاب کو دوگنا اجر ملے گا اسی طرح دو شریعتوں کے

[1] مشکوٰۃ ص ۱۲ کتاب الایمان۔

مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ

اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں اور جب سنیں نکمی باتیں اس سے کنارہ پکڑیں اور کہیں ہم کو ہمارے کام اور

لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ

تم کو تمہارے کام سلامت رہو ہم کو نہیں چاہئیں بے سمجھ تو راہ پر نہیں لاتا جس کو چاہے پر

اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ

اللہ راہ پر لاوے جس کو چاہے اور وہی خوب جانتا ہے جو راہ پر آویں گے اور کہنے لگے اگر ہم راہ پکڑیں تیرے ساتھ

نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ۭ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ

اُچکے جاویں اپنے ملک سے کیا ہم نے جگہ نہیں دی ان کو ادب کے مکان میں پناہ کے کھنچے آتے ہیں اس طرف میوے

جھٹلانے والے اہل کتاب کو خمیازہ بھی دوگنا بھگتنا پڑے گا حبشہ کے نصاریٰ کا قصہ سورہ مائدہ میں گزر چکا ہے کہ نجاشی کے پاس سے چند عیسائی مدینہ میں آئے اور قرآن شریف کی آیتیں سن کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے صحیح بخاری وغیرہ میں عبداللہ بن سلام کے اسلام کا قصہ[1] ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام یہود میں کے بڑے عالم تھے اس واسطے یہود پہلے تو ان کو بہت اچھا کہتے تھے مگر ان کے اسلام لانے کے بعد ان کو برا کہنے لگے عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام اور ان کے ساتھی یہود کے برا کہنے کو درگزر سے ٹال دیتے تھے حبشہ کے نصاریٰ نے اسلام میں داخل ہونے کے بعد تنگ دست مہاجرین کی کچھ مالی امداد بھی کی تھی غرض اس سے درگزر اور اللہ کے نام پر خرچ کرنے کا ذکر ان آیتوں میں خاص بطور تعریف کے فرمایا ہے۔

۵۴ تا ۵۶۔ اوپر کی آیتوں میں اہل کتاب کی یہ تعریف تھی کہ وہ قرآن شریف کو بھی مانتے ہیں اور جو کتاب ان کو پہلے مل چکی ہے اس کو بھی مانتے ہیں اور برائی کو بھلائی کے ساتھ ہٹاتے ہیں اور ہماری دی روزی میں سے خرچ کرتے ہیں ایسے لوگوں کو دوہرا اجر ملیگا اب فرمایا وہ لوگ جب کوئی ناشائستہ بات سنتے ہیں تو اس سے درگزر کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے عمل اور تمہارے واسطے تمہارے عمل بس تمہیں رخصت کا سلام پہنچے ہم جاہلوں کی چال کو پسند نہیں کرتے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کے لیے کوشش کی کہ مرتے وقت تک کلمہ پڑھ لیں مگر ابوطالب نے اس کو منظور نہ کیا اس پر آیت انک لا تھدی اتری آگے ذکر ہے کہ مکہ والوں نے کہا ہم اگر اسلام قبول کریں تو تمام عرب کے لوگ ہم سے عداوت کرنے لگیں گے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ لوگ اب کس کی پناہ میں ہیں یہ ہی حرم امن والا ہے جہاں ہم نے ان کو جگہ دے رکھی ہے اسلام کے بعد بھی ہم ہی پناہ دینے والے ہیں صحیح بخاری و مسلم میں مسیب بن حزن مخزومی سے اور فقط صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو روایتیں[2] ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کی وفات کے وقت بہت کوشش کی کہ ابوطالب دائرہ اسلام میں داخل ہو جاویں مگر ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ کے بہکانے سے ابوطالب نے اسلام قبول نہیں کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ تسلی فرمائی کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے جنتی اور دوزخی اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے ہی قرار پا چکے ہیں اور علم الٰہی کا یہ نتیجہ لوح محفوظ میں لکھا بھی جا چکا ہے اس لیے ابوطالب کی طرح

[1] مشکوٰۃ باب فی المعجزات فصل اول،

[2] تفسیر ابن کثیر ص ۳۹۴، ۳۹۵ ج ۳ و تفسیر الدر المنثور ص ۱۳۳ ج ۵۔

رِزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ

روزی ہماری طرف سے پر بہت ان میں سمجھ نہیں رکھتے اور کتنی کھپا دیں ہم نے بستیاں جو اترا چلی تھیں

مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ

اپنی گزران میں اب یہ ہیں ان کے گھر بستے نہیں ان کے پیچھے مگر تھوڑے اور ہم ہیں آخر سب

الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ

لینے والے اور تیرا رب نہیں کھپانے والا بستیوں کو جب تک نہ بھیج لے ان کی بڑی بستی میں کسی کو پیغام دے کر جو سناوے

اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ

ان کو ہماری باتیں اور ہم نہیں کھپانے والے بستیوں کو مگر جب کہ وہاں کے لوگ گنہگار ہوں اور جو تم کو ملی ہے کوئی چیز سو برتنا ہے

باوجود فہمایش اور کوشش کے جو شخص دائرہ اسلام میں داخل نہ ہو تو اس کا کچھ رنج نہیں کرنا چاہئے بلکہ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ایسے لوگ علم الٰہی میں گمراہ ٹھہر چکے ہیں۔ اسلام قبول کرنے والے اہل کتاب کے ذکر کے بعد ابو طالب اور مشرکین مکہ کا ذکر اس لیے فرمایا کہ یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاوے کہ خاص مکہ کے جو لوگ علم الٰہی میں گمراہ ٹھہر چکے تھے وہ اسلام سے محروم رہے اور باہر کے جو لوگ علم الٰہی میں نیک راہ قرار پا چکے تھے وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پہلے اپنے علم غیب کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کتنے آدمی جنت میں داخل ہونے کے قابل کام کریں گے اور کتنے دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل دائرہ اسلام میں داخل ہونے والوں اور اسلام سے محروم رہنے والوں کا ذکر جو اوپر گزرا اس کا سبب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے۔

۵۷ تا ۶۰۔ اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کا یہ قول بیان فرمایا تھا جس کو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے عذر میں پیش کرتے تھے کہ ہم نبی آخر الزمان پر ایمان لاویں گے تو مکہ کے گرد و نواح کی بستیوں کے لوگ مخالفت دینی اور مذہبی کے پیدا ہو جانے کے سبب سے بڑی مخالفت اور دشمنی سے ہمارے ساتھ پیش آنے لگیں گے جس سے ہماری راحت اور ہمارے امن میں بڑا فتور پڑ جاوے گا ایک جواب تو اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کے اس عذر کا اوپر فرمایا تھا جس کا حاصل یہ تھا کہ ان لوگوں کی یہ نادانی ہے جو مکہ کے امن کو یہ لوگ اپنی تدبیر کا نتیجہ خیال کرتے ہیں ان کی تدبیر سے کچھ مکہ میں امن نہیں ہے بلکہ اللہ کے حکم سے آدمیوں اور جانوروں کو اللہ کے گھر میں امن حاصل ہوا ہے ان آیتوں میں اہل مکہ کی اس بات کا یہ دوسرا جواب اللہ تعالیٰ نے دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مکہ کے گرد و نواح کی بستیوں کے لوگوں کے ڈر کا اگر یہ اہل مکہ ایمان نہ لاویں گے تو یہ خیال ان کا غلط ہے کیونکہ ان سے بیٹھے رہیں گے بلکہ ان کے ایمان نہ لانے سے اللہ اور اللہ کے رسول کو ان سے مخالفت پیدا ہو جاوے گی اور ملک شام اور یمن کے راستہ میں بہت سی بستیاں انھوں نے اس طرح کے اللہ اور اللہ کے رسولوں کے نافرمان لوگوں کی ویران پڑی ہوئی دیکھی ہیں یہ یاد رکھیں کہ ان کا بھی یہی آخر انجام ہونے والا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ وہ جو لوگ غارت ہو گئے ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہلاک کرنے سے پہلے اپنے رسول بھیج کر سمجھا دیا تھا کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی نافرمانی کریں گے تو ہلاک ہو جائیں گے اسی طرح ان اہل مکہ کے پاس بھی اللہ نے اپنا رسول بھیجا ہے اور ان پر طرح طرح کے احکام نازل کئے جاتے ہیں اور طرح طرح سے ان اہل مکہ کو سمجھا دیا جاتا ہے سمجھنے کا وقت ابھی باقی ہے پھر اللہ کی نافرمانی کے سبب سے جب اللہ کا عذاب آجائے گا تو دنیا کا یہ

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٠﴾ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ

دنیا کے جینے اور یہاں کی رونق اور جو اللہ کے پاس ہے سو بہتر اور رہنے والا کیا تم کو بوجھ نہیں بھلا ایک شخص جو ہم نے

وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

وعدہ دیا ہے اس کو اچھا وعدہ سو وہ اس کو پانے والا برابر ہے اس کے جس کو برتوا لیا برتنا دنیا کے جیتے پھر وہ قیامت کے دن

مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٦١﴾

پکڑا آیا

چند روزہ عیش و آرام جدا ہاتھ سے جاتا رہے گا اور ایسے عذاب آخرت میں جدا پکڑے جاویں گے جس عذاب کی سختی کے سبب سے یہ دنیا کا چند روزہ عیش و آرام ان کو یاد بھی نہ رہے گا پھر یوں سمجھایا ہے کہ جس دنیا کے عیش و آرام اور امن کے قائم رہنے کے لیے یہ لوگ گرد و نواح کی بستیوں کے لوگوں کو اپنا دشمن بنانا نہیں چاہتے اور اس عذر سے یہ لوگ رسول وقت پر ایمان نہیں لاتے تو کیا ان لوگوں کو اتنی سمجھ نہیں کہ بڑے بڑے عیش و آرام کے بندے جو ان سے پہلے تھے۔ وہ آخر کہاں گئے؟ کیا دنیا میں کوئی ہمیشہ رہ کر عیش و آرام کرنے والا ہے پھر جو چیز آخر ہاتھ سے جانے والی ہے اُس کی حفاظت کوئی کہاں تک کرے گا ایسی جانے والی چیز آج نہ گئی کل جاوے گی غرض ایسے ہاتھ سے جانے والے عیش و آرام کے پیچھے یہ لوگ اپنے اس ہمیشہ کے عیش و آرام کو جو خاک میں ملاتے ہیں جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی فرماں برداری کے اجر میں فرماں برداروں کے لیے فرمایا ہے تو یہ بالکل ان کی نادانی اور کم عقلی کی بات ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں قریش کو سمجھایا ہے اسی کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ نے شداد رضؓ بن اوس کی معتبر روایت میں فرمائی جس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے یہ حدیث اوپر گذر چکی[1] ہے یہاں بھی اس حدیث کا حاصل مطلب بیان کیا جاتا ہے تاکہ قرآن شریف کی تفسیر صحیح حدیث سے ہو جاوے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں عقلمند وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو خواہش دنیوی سے روکے اور کہ دنیا میں رہ کر ایسے کام کرے جو عاقبت میں اس کے کام آویں اور بیوقوف وہ شخص ہے جو دنیا میں عقبیٰ سے بے خبر اور غافل رہے اور پھر عاقبت میں بھلائی کی توقع رکھے صحیح مسلم کے حوالہ سے انس رضؓ بن مالک کی روایت ایک[2] جگہ گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ کے پہلے جھونکے کے بعد اللہ کے فرشتے دنیا کے بڑے بڑے عیش و آرام والوں سے پوچھیں گے کہ جس عیش و آرام دنیوی کے غفلت میں تم اس عذاب سے بے فکر رہے اس عذاب کے آگے وہ عیش و آرام تم کو کچھ یاد ہے تو وہ قسمیں کھا کھا کر جواب دیویں گے کہ نہیں۔ اسی طرح جنت میں داخل ہوتے ہی جنتیوں سے پوچھیں گے کہ دنیا کی تنگ دستی کے صبر کے اجر میں تم نے جنت کا عیش و آرام پایا اس عیش و آرام کے آگے تم کو دنیا کی اس تنگ دستی کی تکلیف کچھ یاد ہے تو وہ بھی قسمیں کھا کھا کر کہویں گے کہ نہیں اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کی جس راحت کے جاتے رہنے کے خوف سے یہ لوگ اللہ اور اللہ کے رسول کی مخالفت پر آمادہ ہیں اور مکہ کے گرد و نواح کے رہنے والے مشرکوں سے ڈر کر اس مخالفت کو چھوڑنا نہیں چاہتے اور انھوں نے اپنے نزدیک اس مخالفت پر آمادہ رہنے کے سبب سے مکہ میں آرام سے بیٹھنے کی راحت جو پیدا کی ہے اس راحت کی

[1] بحوالہ مشکوٰۃ ص ۴۵۱ باب استحباب المال والعمر للطاعۃ۔ فصل دوسری۔ [2] بحوالہ مشکوٰۃ باب صفۃ النار واہلہا۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٦٢﴾ قَالَ الَّذِينَ حَقَّ

اور جس دن اُن کو پکارے گا تو کہے گا کہاں ہیں میرے شریک جن کا تم دعوے کرتے تھے بولے جن پر ثابت ہوئی

عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا أَغْوَيْنَاهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۖ تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ ۖ مَا

بات اے رب یہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا ان کو بہکایا جیسے ہم آپ بہکے ہم منکر ہوئے تیرے آگے وہ

كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ﴿٦٣﴾ وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ

ہم کو نہ پوجتے تھے اور کہیں گے پکارو اپنے شریکوں کو پھر پکاریں گے تو وہ جواب نہ دیں گے ان کو

وَرَأَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ﴿٦٤﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ

اور دیکھیں گے عذاب۔ کسی طرح وہ راہ پائے ہوتے اور جس دن ان کو پکارے گا تو کہے گا کیا جواب کہا تم نے

غفلت میں اسلام اور تنگ دست اہل اسلام کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں قیامت کے دن اس مخالفت کی سزا میں جب یہ لوگ پکڑے جاویں گے تو اور عقبیٰ کے عذاب کے آگے انکو یہ دنیا کی چند روزہ راحت یاد بھی نہ رہے گی اسی طرح اپنی راحت کے آگے یہ عیش کے بندے جن تنگ دست اہل اسلام کو حقیر جانتے ہیں جب اُن تنگ دست اہلِ اسلام کو جنت کی ہمیشہ کی راحت ملے گی تو وہ اپنی دنیا کی تنگ دستی کی تکلیف کو بالکل بھول جاویں گے ۔

۶۱ تا ۶۳۔ان آیتوں میں یہ ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن مشرکوں سے کہا جاوے گا کہاں ہیں وہ اللہ کے شریک جن کا تم کو دنیا میں بڑا گھمنڈ تھا کیا وہ عذاب سے بچانے میں تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں پھر فرمایا کہ بہکانے والے کہیں گے اے رب ہمارے یہ لوگ ہیں جن کو بہکایا ہم نے جس طرح ہم بہکے پھر پوجا کرنے والوں سے بیزاری ظاہر کریں گے اور کہیں گے کہ وہ ہم کو نہیں پوجتے تھے بہکانے والوں سے مطلب وہی شیاطین الانس والجن ہیں جن کا ذکر سورۃ الانعام کی آیت وان الشیٰطین لیوحون الی اولیآئھم میں گزر چکا ہے اور قل اعوذ برب الناس کی تفسیر میں بھی یہ ذکر آوے گا پھر قائل کرنے کے لیے مشرکوں سے دوبارہ کہا جائے گا کہ بلاؤ اپنے شریکوں کو کہ وہ تم کو اس عذاب سے بچا دیں یہ مشرک ان کو پکاریں گے لیکن کچھ جواب نہ پاویں گے اور جب دیکھیں گے عذاب اس وقت یہ آرزو کریں گے کہ ہم بھی کاش دنیا میں ہدایت پانے والوں میں سے ہوتے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ[1] سے ابو ہریرہؓ کی روایت ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں لوگوں کو کولیاں بھر بھر کر دوزخ کی آگ میں گر جانے سے روکتا ہوں مگر یہ لوگ اس آگ میں گر جانے کی ایسے جرأت کرتے ہیں جس طرح کیڑے پتنگے روشنی پر گرتے ہیں۔اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن جس عذاب کو دیکھ کر ان مشرکوں کے جھوٹے معبود ان سے بیزار ہو جاویں گے اور جس عذاب کو دیکھ کر اوس دن یہ مشرک اپنے شرک پر پچتاویں گے اسی عذاب سے میں ان لوگوں کو بچانے کی کوشش کرتا ہوں مگر یہ لوگ میری نصیحت نہیں سنتے ۔

۶۴ تا ۷۰ ۔اوپر کی آیتوں میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے قریش کو طرح طرح کی فہمائش کی ہے اسی طرح کی فہمائش ان آیتوں میں ہے حاصل اس فہمائش کا یہ ہے کہ اللہ کی عبادت چھوڑ کر جو یہ لوگ بتوں کی پوجا کرتے ہیں ان کو اتنی سمجھ نہیں کہ اللہ کی پیدا

[1] مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنہ۔

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ فَاَمَّا

پیغام پہنچانے والوں کو پھر بند ہو گئیں ان پر باتیں اس دن سو آپس میں بھی نہیں پوچھتے سو جس نے

مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿٦٧﴾ وَرَبُّكَ

توبہ کی ہے اور یقین لایا اور کی بھلائی سو امید ہے کہ ہووے چھوٹنے والوں میں اور تیرا رب

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٨﴾

پیدا کرتا ہے جو چاہے اور پسند کرے ان کے ہاتھ نہیں پسند اللہ نرالا ہے اور بہت اوپر ہے اس سے کہ شریک بناتے ہیں

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ

اور تیرا رب جانتا ہے جو چھپ رہا ہے ان کے سینوں میں اور جو جتاتے ہیں اور وہی اللہ ہے کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا اس کی

الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ؗ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٧٠﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ

تعریف ہے پہلے میں اور پچھلے میں اور اسی کے ہاتھ حکم ہے اور اسی پاس پھیرے جاؤ گے تو کہہ دیکھو تو اگر

کی ہوئی ہزارہا نعمتوں میں ہے مثلاً ایک دن رات ہے ایک رات اگر اللہ کے حکم سے آفتاب نہ نکلے اور زمین کے اندر رو کا ہی رہ جاوے یا جس طرح ہر روز شام کو اللہ کے حکم سے سورج غروب ہوتا ہے اسی طرح ایک رات کو غروب نہ ہو اور بجائے رات کے دن اور بجائے دن کے رات ہو جاوے اور ان لوگوں کے دن اور رات کے عادتی اور مقررہ کاموں میں ہرج پڑ جاوے تو بھلا ان کے بتوں میں قدرت ہے کہ ان کے اس حرج کے رفع کرنے کے لیے اللہ کے انتظام کے موافق پھر رات اور دن کو قائم کر دیں یہ تو ان کے بتوں اور شیاطینوں کی دنیا میں جو عاجزی ہے اس کا حال ہوا اب عقبیٰ میں یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان کے بت اور شیاطین ہاں ان کی اللہ سے سفارش کریں گے اور اللہ ان کو خبر دیتا ہے کہ قیامت کے ان کے یہ جھوٹے معبود بالکل ان سے بیزار ہو جائیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو قائل کرنے کے لیے قیامت کے دن جب ان لوگوں سے کہوے گا کہ تم اپنے معبودوں کو بلاؤ تاکہ وہ تمہاری سفارش کریں تو کبھی تو اون کو جواب تک نہ دیویں گے اور کبھی جواب دیویں گے تو یہ الٹا جواب دیں گے کہ جیسے گمراہ یہ ویسے ہی ہم پھر ہم ان کی کیا سفارش کر سکتے ہیں پھر اب یہ ظاہر بات ہے کہ تعظیم تو اسی کی کوئی کیا کرتا ہے جس سے دین یا دنیا کا کسی طرح کا کام نکلے وہ بات اللہ ہی وحدہ لاشریک میں ہے ان کے بتوں میں کچھ بھی نہیں پھر یہ لوگ کس استحقاق سے بتوں کو اپنا معبود ٹھہراتے ہیں اور اللہ کے رسول اسی طرح کے جھوٹے معبودوں کی مذمت اور خالص اللہ کی عبادت کی ہدایت ان نادانوں کو کرتے ہیں تو یہ اللہ کے رسول کی مخالفت پر کیوں کمر باندھتے ہیں آج یہ لوگ اللہ کے رسول کی مخالفت کو ایک سرسری بات سمجھتے ہیں کل قیامت کے دن جب اللہ تعالے ان کو اپنے سامنے کھڑا کر کے ان سے پوچھے گا کہ بتلاؤ تم لوگوں نے اللہ کے رسولوں کی کیا فرماں برداری کی تو ان کے ہوش اڑ جائیں گے اور ان کو جواب تک نہ آوے گا یہ توحید اور اطاعت رسول کا سوال گویا آخری سوال ہے جو میدانِ قیامت میں خاص اللہ تعالے کے روبرو ہوگا اور یوں تو توحید اور اطاعت رسول کی پرسش آدمی کی قبر میں دفناتے ہی شروع ہو جاتی ہے چنانچہ صحیح حدیثیں[1] اوپر گذر

[1] بحوالہ مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر۔

جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیۡکُمُ الَّیۡلَ سَرۡمَدًا اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ مَنۡ اِلٰہٌ غَیۡرُ اللّٰہِ یَاۡتِیۡکُمۡ بِضِیَآءٍ ؕ

اللہ رکھ دے تم پر رات ہمیشہ کو قیامت کے دن تک کون حاکم ہے اللہ کے سوائے کہ لا دے تم کو کہیں روشنی

اَفَلَا تَسۡمَعُوۡنَ ﴿۷۱﴾ قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیۡکُمُ النَّہَارَ سَرۡمَدًا اِلٰی یَوۡمِ

پھر کیا تم سنتے نہیں تو کہہ دیکھو تو اگر رکھ دے اللہ تم پر دن ہمیشہ کو قیامت کے

الۡقِیٰمَۃِ مَنۡ اِلٰہٌ غَیۡرُ اللّٰہِ یَاۡتِیۡکُمۡ بِلَیۡلٍ تَسۡکُنُوۡنَ فِیۡہِ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۷۲﴾ وَ مِنۡ

دن تک کون حاکم ہے اللہ کے سوائے کہ لا دے تم کو رات جس میں چین پکڑو کیا تم نہیں دیکھتے اور اپنی

رَّحۡمَتِہٖ جَعَلَ لَکُمُ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ لِتَسۡکُنُوۡا فِیۡہِ وَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِہٖ وَ لَعَلَّکُمۡ

مہر سے بنا دیا تم کو رات اور دن کو اس میں چین بھی پکڑو اور تلاش بھی کرو کچھ اس کا فضل اور شاید تم

تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۷۳﴾ وَ یَوۡمَ یُنَادِیۡہِمۡ فَیَقُوۡلُ اَیۡنَ شُرَکَآءِیَ الَّذِیۡنَ کُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ﴿۷۴﴾

شکر کرو۔ اور جس دن ان کو پکارے گا تو کہے گا کہاں ہیں میرے شریک جن کا تم دعوے کرتے تھے۔

چکی ہیں کہ دفنانے والے لوگ ابھی قبرستان سے پلٹ کر بھی نہیں آتے کہ منکر نکیر دو فرشتے مردہ کے پاس آن کر اس سے توحید اور اطاعتِ رسول کا سوال شروع کر دیتے ہیں جو شخص توحید اور اطاعتِ رسول پر ثابت قدم دنیا سے اٹھا ہے وہ ان کے سوال کا جواب پورا پورا دیتا ہے اور طرح طرح کی راحت ایسے شخص کے لیے اس وقت سے پیدا ہو جاتی ہے اور جو توحید اور اطاعتِ رسول میں کچا ہے وہ ان کے سوال کے جواب کے وقت ہائے ہائے کر کے رہ جاتا ہے اور اس وقت سے طرح طرح کے عذاب میں گرفتار ہو جاتا ہے غرض تھوڑے دنوں کی دنیا کی زیست ہے اور اس زیست میں کمائی کی چیز توحید اور اطاعتِ رسول سے بڑھ کر کوئی نہیں اللہ سب کو اس کمائی کا شوق دلوے حاصل مطلب یہ ہے کہ جب سب نبی اور امتیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہوں گے تو پہلے ہر ایک امت کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ تم کو تمہارے نبی نے اللہ کی وحدانیت اور شرک سے بچنے کی جو نصیحت کی تو تم لوگوں نے اس نصیحت پر کیا عمل کیا اس کا جواب نہ ہر ایک مشرک کو خود سوجھے گا نہ ایک کو دوسرا عزیز قریب کچھ مدد دے سکے گا غرض اس موقع پر جن لوگوں نے مرنے سے پہلے شرک کو چھوڑ کر کچھ نیک عمل دنیا میں کر لیے ان کو نجات کی امید ہو سکتی ہے ورنہ ایسے موقع پر مشرک کو اپنی نجات کی کچھ امید نہ رکھنی چاہیے مشرک کی نجات نہ پانے کا اللہ تعالیٰ کا جو وعدہ ہے اس کا ذکر سورۃ النساء میں گذر چکا ہے پھر فرمایا کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ہر ایک شخص کی نیت اور عملوں کا سب حال اپنے علم ازلی کے موافق لوحِ محفوظ میں لکھ لیا ہے اسی کے موافق دنیا کا انتظام چل رہا ہے اس انتظام میں ان مشرکوں کی پسند کا کچھ دخل نہیں ہے جو یہ لوگ بجائے محمد صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ولید بن مغیرہ یا عروہ بن مسعود کا نبی ہونا پسند کرتے ہیں اللہ ان مشرکوں کی ان باتوں سے الگ ہے اور ان مشرکوں کی بکواس سے کیا ہوتا ہے یہ لوگ اپنی ناسمجھی سے ایسی بکواس لگاتے ہیں ورنہ سمجھ دار لوگ اللہ کی حکمت اور نشانیاں دیکھ کر اسی کو اپنا معبود جانتے ہیں اور دنیا میں بھی اس کی قدرت الٰہی اس کی حکمت کی تعریف کرتے ہیں اور عقبیٰ میں بھی کریں گے اور عقبیٰ کا جزا و سزا کا فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے اسی لیے اس فیصلہ کے وقت جب سب مخلوقات اس کے روبرو کھڑی ہو گی تو ان مشرکوں کو اپنی اس بکواس کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا اب آگے رات دن کی نعمت کا

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ

اور جدا کریں گے ہم ہر فرقے میں سے ایک احوال بتانے والا پھر کہیں گے لاؤ اپنی سند تب جانیں گے کہ سچ بات ہے اللہ کی اور

عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٧٥﴾

کھوئی گئیں ان سے جو باتیں وہ جوڑتے تھے

ع ۱۵ / ۱۰

احسان جتلایا تاکہ لوگ اس کے شکریہ میں خالص اللہ کی عبادت کریں اور مشرکوں کو شرک کی برائی دوبارہ جتلانے کے لیے فرمایا کہ قیامت کے دن مشرکوں سے کہا جاوے گا کہ کہاں ہیں وہ اللہ کے شریک جن کا تم کو دنیا میں بڑا گھمنڈ تھا کہ وہ تمہاری شفاعت کریں گے مشرکین مکہ میں یہ دونوں شخص ولید اور عروہ ذرا زوردار تھے اس لیے مشرکین مکہ کہتے تھے کہ بجائے محمدؐ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے ان دونوں شخصوں میں کوئی نبی ہوتا تو اچھا تھا اللہ تعالٰے نے یہ اسی کا جواب ان آیتوں میں دیا ہے سورہ زخرف میں مشرکین مکہ کے اس قول کی تفصیل زیادہ آوے گی صحیح بخاری شریف کے حوالہ سے ابوسعید خدریؓ کی حدیث آگے کی آیت کی تفسیر میں جو آتی ہے وہی حدیث ان آیتوں کی بھی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل آگے کی آیت کی تفسیر سے سمجھ میں آسکتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ پچھلی امتوں کے لوگ جب قیامت کے دن اپنے رسولوں کو جھٹلا کر اللہ تعالٰے کے روبرو یہ کہویں گے کہ یا اللہ ہم کو کسی نبی نے تیرا کوئی حکم نہیں پہنچایا تو قرآن شریف کے حوالہ سے امت محمدیہ کے نیک لوگ کہویں گے کہ یا اللہ قرآن میں پچھلا سب حال ہے اس لیے ہم گواہی دیتے ہیں کہ قرآن سے پہلے کے سبب انبیاء نے تیرا ہر ایک حکم اپنی امت سے لوگوں کو پہنچا دیا ہے اسی گواہی پر فیصلہ ہوگا۔

۷۵، صحیح بخاری ابن ماجہ اور مسند امام احمد میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث[1] ہے وہ حدیث اس آیت کی گویا تفسیر ہے حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ قیامت کے دن جب نبی اور ان کی امتیں اللہ تعالٰی کے سامنے کھڑی ہوں گی تو پہلے ہر ایک امت کے لوگوں سے اللہ تعالٰے پوچھے گا کہ تم کو تمہارے نبی نے اللہ کا حکم دنیا میں پہنچا دیا تھا پہلے تو مشرک لوگ اس سوال کے جواب میں خاموشی اختیار کریں گے چنانچہ اس کا ذکر اوپر کی آیتوں میں گذرا پھر جو لوگ دنیا میں اللہ کے رسول سے مخالفت کرتے ہیں وہ وہاں بھی اللہ کے رسول کے مخالف جواب دیں گے اور اللہ سے یہ کہویں گے کہ یا اللہ ہم کو کسی نبی نے تیرا کوئی حکم نہیں پہنچایا اس پر اللہ تعالٰی ہر ایک نبی سے دریافت فرمائے گا کہ کیوں تم نے ان لوگوں کو اللہ کا حکم پہنچا دیا تھا یا نہیں وہ عرض کریں گے ہاں ہم نے تو ان کو یا اللہ تیرا حکم ہر طرح پہنچا دیا تھا اللہ تعالٰی فرمائے گا بھلا تمہارا کوئی گواہ بھی ہے وہ کہویں گے نبی آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت ہماری گواہ ہیں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے نیک لوگ گواہی دے دیں گے یا اللہ ہر ایک نبی نے بیشک تیرا حکم اپنی امت کے لوگوں کو پہنچا دیا اللہ تعالٰی ان گواہی دینے والوں سے پوچھے گا کہ تم کو کیا خبر کہ ہر ایک نبی نے اپنی امت کو اللہ کا حکم پہنچا دیا وہ جواب دیویں گے کہ دنیا میں ہمارے رسول نبی آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے موافق ہم کو یہ خبر دی ہے کہ ہر ایک نبی نے اپنی امت کو اللہ کا حکم پہنچا دیا اس لیے ہم کو اپنے رسول کی ہر ایک بات پر پورا بھروسا ہے اور ہمارے دل میں اس بات کا یقین ہے کہ ہر نبی نے اللہ کا ہر طرح کا حکم اپنی امت کو پہنچا دیا حضرت نوح علیہ السلام سب سے پہلے صاحب شریعت نبی ہوئے

[1] بحوالہ مشکوۃ باب اثبات عذاب القبر۔

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ

قارون جو تھا سو موسیٰؑ کی قوم سے تھا پھر شرارت کرنے لگا ان پر اور ہم نے دیے تھے اس کو خزانے اتنے کہ اس کی

مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا

کنجیوں سے تھکتے کئی زور آور جب کہا اس کو اس کی قوم نے اترا مت اللہ کو نہیں

يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ﴿٧٦﴾ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ

بھاتے اترانے والے اور جو تجھ کو اللہ نے دیا اس سے پیدا کر پچھلا گھر اور نہ بھول اپنا حصہ

ہیں اس لیے بعض روایتوں میں فقط حضرت نوحؑ اور ان کی امت کا ہی ذکر ہے لیکن سب روایتوں کے اور سورہ اعراف کی آیت فلنسئلن الذین ارسل الیھم ولنسئلن المرسلین کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ اور ان کی امت کی کچھ خصوصیت نہیں ہے سب نبی اور امتوں کے ساتھ یہ ہی معاملہ گزرے گا جس کا ذکر اس حدیث میں ہے فقط اسی سبب سے تنہا حضرت نوحؑ اور ان کی امت کا ذکر بعض روایتوں میں آیا ہے کہ وہ سب سے اول صاحب شریعت نبی ہیں اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے گواہی شاہدی سے کسی چیز کو جاننے کی اس کو کچھ ضرورت نہیں لیکن اس حدیث میں جس گواہی کا ذکر ہے وہ گواہی قیامت کے دن فقط منکر لوگوں کے قائل کرنے کے لیے ہوگی اس گواہی شاہدی سے یہ مطلب بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جزا سزا کا مدار اپنے علم غیب پر نہیں رکھا اس لیے قیامت کے دن اس گواہی شاہدی کے بعد جب اللہ تعالیٰ منکر لوگوں سے فرمادے گا کہ تمہارے پاس اور کوئی سند اس انکار کی تصدیق میں ہو تو پیش کرو اس پر بعضے منکر جو عذر کریں گے اس کا ذکر صحیح مسلم میں انس بن مالک کی روایت[1] ایک سے ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز ہنس کر فرمایا قیامت کے دن ایک شخص اس طرح کے سوال جواب اللہ تعالیٰ سے کرے گا کہ جس پر ہنسی آتی ہے پھر فرمایا وہ شخص قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گا یا اللہ کیا تیرا انصاف مجھ کو ظلم سے بچانے کا مقتضی نہیں ہے اللہ تعالیٰ فرمادے گا کہ ضرور میرا انصاف ظلم سے ہر ایک شخص کے بچانے کا مقتضی ہے وہ شخص کہویگا تو میرے گواہ میرے غیر خواہ اور میری مرضی کے موافق ہونے چاہیں اس پر اللہ تعالیٰ اس شخص کے مونہہ پر مہر لگادے گا اور اس شخص کے ہاتھ پیروں کو گویائی عنایت فرمادے گا اور ہاتھ پیر جو کچھ اس شخص نے دنیا میں کیا ہے وہ سب بیان کر دیویں گے اس ہاتھ پیروں کی گواہی کے بعد ایسے لوگ اپنے ہاتھ پیروں کو برا بھلا کہویں گے اور اپنے جھوٹے عذروں کو چھوڑ کر لاچار اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی ہو جاویں گے آنحضرتؐ کو اس بات کی بڑی خوشی ہے کہ ان کی امت قیامت کے دن اللہ کے روبرو شہادت ادا کرے گی اور اللہ تعالیٰ ان کی گواہی کو قبول فرمادے گا چنانچہ تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ[2] میں صحیح روائتیں ہیں جن میں بڑی خوشی اور فخر سے آپ نے اس گواہی کا ذکر فرمایا ہے اللہ تعالیٰ امت کے لوگوں کو یہ توفیق دیوے کہ وہ اپنی رسولؐ کی پوری فرمانبرداری کرکے اپنے آپ کو اس گواہی کے قابل بنادیں۔

۷۶تا۷۸معتبر سند سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ قارون حضرت موسیٰ کا چچا زاد بھائی تھا اور اللہ تعالیٰ کا دشمن منافق تھا۔ جیسے سامری منافق تھا کثرت مال کے سبب سے وہ اترا گیا تھا اس کے اترانے پر اللہ تعالیٰ نے اس کو برباد کر دیا قارون کے خزانوں کی کنجیاں چمڑے کی تھیں تاکہ وہ کنجیاں ہلکی رہیں کیوں کہ جب وہ کہیں جاتا تھا تو کنجیاں اپنے ساتھ رکھتا تھا مجاہد کے قول کے موافق

[1] مشکوٰۃ ص ۴۸۵ باب الحساب والقصاص والمیزان۔ الترغیب والترھیب ص ۴۱۳ ج ۴۔ فصل فی ذکر الحساب وغیرہ۔
[2] تفسیر ابن کثیر زیر آیت وکذلک جعلنا کم امۃ وسطا۔ الآیۃ۔

مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا

دنیا سے اور بھلائی کر جیسے اللہ نے بھلائی کی تجھ سے اور نہ چاہ خرابی ڈالنی ملک میں اللہ کو بھاتے

يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٧٧﴾ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي ۚ أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ

نہیں خرابی ڈالنے والے بولا یہ تو مجھ کو ملا ہے ایک ہنر سے جو میرے پاس ہے کیا یہ نہ جانا

قَدْ أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا ۚ وَ

کہ اللہ کھپا چکا ہے اس سے پہلے کتنی سنگتیں جو اس سے زیادہ رکھتی تھیں زور اور زیادہ مال کی جمع اور

لَا يُسْأَلُ عَن ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٧٨﴾ فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ ۖ قَالَ

پوچھے نہ جائیں گنہگاروں سے ان کے گناہ پھر نکلا اپنی قوم کے سامنے اپنی تیاری سے کہنے لگے

عصبہ دس سے لے کر پندرہ آدمیوں کی جماعت تک کو کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرحین کی تفسیر اترانے والوں کی فرمائی ہے حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قارون کو اس قدر خزانے دیئے تھے کہ ان کی کنجیاں ایک طاقت والی جماعت پر بھاری تھیں اس لیے وہ اترا گیا اور جب اس کی قوم نے اس سے کہا کہ اترا کہ اللہ کو بھاتے نہیں اترانے والے اور جو تجھ کو خدا نے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر چاہ اور نہ بھول حصہ اپنا دنیا سے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مال خطیر خدا کی اطاعت میں خرچ کر اور بھلائی کر خدا کی مخلوق کے ساتھ جیسے بھلائی کی خدا نے تیرے ساتھ اور نہ فساد کر زمین میں جس کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق خدا کے ساتھ برائی نہ کر اللہ مفسدوں کو دوست نہیں رکھتا قارون نے اپنی قوم کے لوگوں کی نصیحت کا یہ جواب دیا کہ یہ مال مجھ کو میری عقل مندی کے سبب سے ملا ہے میں مال کمانا جانتا ہوں اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت سے مجھ کو یہ مال داری کی فضیلت دی ہے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا اس کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہلاک کر چکا ہے پہلے بہت لوگ جو قارون سے قوت اور مال میں زیادہ تھے مثلاً فرعون کہ وہ قوت اور مال میں زیادہ تھا اگر مال اور قوت باعث فضیلت ہوتا تو اس کو ہلاک نہ کرتا اور نہ پوچھیں جائیں گے مجرم ان کے گناہوں سے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان سے اس طرح کا سوال نہ ہوگا جس میں ان کو عذر کرنے کی گنجائش رہے بلکہ بے جا عذروں کے نہ سننے کے لیے ان کے ہاتھ پیروں سے گواہی لیجا کر ان کا فیصلہ ہو جائے گا چنانچہ صحیح مسلم کے حوالہ سے اس باب میں انس بن مالک کی یہ حدیث[1] ایک جگہ گذر چکی ہے آگے فرمایا کہ ایک روز قارون اپنی قوم کے روبرو بڑی طیاری و سامان سے نکلا جب دنیا کے طلب گاروں نے یہ دیکھا تو تمنا کی کہ کس طرح ہم کو بھی ایسا ہی سامان ملتا اور یہ بھی ان دنیا کے طلب گاروں نے کہا کہ قارون بڑا نصیبے والا ہے جب ان کی یہ بات قوم کے علم والوں نے سنی تو کہنے لگے کیوں خرابی میں پڑے ہو اللہ کا دیا ہوا ثواب دنیا کے مال و متاع سے بہتر ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے گھر کو اور اس کو زمین کے اندر دھسا دیا اکثر مفسروں کا قول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے قارون زمین میں دھسا۔ چنانچہ معتبر سند[2] سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ قارون نے ایک فاحشہ عورت کو اس شرط پر کچھ مال دیا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بدکاری کی تہمت لگائے جب اس نے تہمت لگائی تو آپ خدا کے ڈر سے کانپ گئے اور دو رکعت نماز پڑھ کر اس عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور اس عورت سے کہا کہ میں تجھ کو قسم دیتا ہوں اس ذات پاک کی

[1] قریب ہی صفحہ ۳۰۱ پر۔ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۳۹۸ ج ۳ و تفسیر الدر المنثور ص ۱۳۶ ج ۵۔

الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ

جو طالب تھے دنیا کی زندگی کے اے کسی طرح ہم کو ملے جیسا کچھ ملا ہے قارون کو بے شک اس کی بڑی

عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ

قسمت ہے اور بولے جن کو ملی تھی بوجھ اے خرابی تمہاری اللہ کا دیا ثواب بہتر ہے ان کو جو یقین لائے اور کیا

صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ

بھلا کام اور یہ بات انہیں کے دل میں پڑتی ہے جو سہنے والے ہیں پھر دھنسا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں پھر نہ ہوئی اس کی

لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ

کوئی جماعت جو مدد کرتی اس کی اللہ کے سوا اور نہ وہ مدد لا سکا اور فجر کو لگے کہنے

جس نے دریا کو پھاڑ دیا اور فرعون سے نجات دی مجھ کو ضرور اس شخص کو بتا جس نے تجھ کو اس بات کے کہنے پر آمادہ کیا اس نے کہا جب آپ نے قسم دے کر مجھ سے سچا حال دریافت کیا ہے تو اب میں کہتی ہوں کہ اس تہمت کے لگانے پر قارون نے مجھ کو اس قدر مال دینا کیا ہے اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام سجدہ میں گر پڑے اور قارون کے حق میں بددعا کی اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی کہ اللہ نے زمین کو حکم دے دیا کہ وہ قارون کے باب میں تمہاری فرماں برداری کرے اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ قارون اور اس کی حویلی کو دھنسا دے اور نگل جا جب قارون زمین میں دھنس گیا تو اللہ کے عذاب کو اس کے مال نے اور نوکر چاکروں نے کچھ دفع نہ کیا اور جب قارون کے مرتبہ کی خواہش کرنے والوں نے یہ حال دیکھا تو کہنے لگے ہم نے جانا کہ آدمی کے پاس مال کا ہونا کچھ اللہ کی رضامندی کا سبب نہیں ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ تنگ و فراخ کرتا ہے روزی جس پر چاہتا ہے اور اگر ہمارے پاس بھی اترانے کے قابل مال ہوتا تو اترانے کی ناشکری میں ہم بھی قارون کے ساتھی ہوتے کیونکہ ناشکر لوگوں کا کبھی بھلا نہیں ہوتا ان لوگوں کے کلام کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا عقبیٰ[1] میں تو اِن ہی لوگوں کا بھلا ہوگا جو ہر طرح کے اترانے اور فساد سے دور بھاگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نامرضی کے کام کرتے ہوئے اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں اوپر جزا و سزا کا ذکر تھا اس لیے آگے کی آیتوں میں جزا و سزا کی مقدار کا ذکر فرمایا کہ جو شخص قیامت کے روز ایک نیکی لائے گا اس کو اس سے بہتر ثواب ملے گا اور جو کوئی برائی لائے گا تو برائی کرنے والوں کو برائی کی حیثیت کے موافق سزا دی جائے گی صحیح بخاری و مسلم میں عمروؓ بن عوف انصاری[1] سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو اپنی امت کے فقر و فاقہ کی حالت کا خوف نہیں ہے بلکہ ان کی مالداری کی حالت سے یہ خوف ہے کہ کہیں مالداری کی حالت ان کو پہلی امت کے لوگوں کی طرح بربادی میں نہ ڈال دے اسی طرح معتبر سند سے ترمذی صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں کعبؓ بن عیاضؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مالداری کو بڑے فتنہ اور فساد میں پڑنے کی چیز فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اکثر آدمی مالداری کی غفلت میں پھنس کر قارون کی طرح اترانے لگتے ہیں اور عقبیٰ کو بالکل بھول جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ شریعت میں جن کاموں کے کرنے کی تاکید ہے ایسے لوگوں کے دل میں ان کاموں سے ایک طرح کی بے پروائی اور مناہی کے کاموں کی جرأت پیدا ہو جاتی ہے

[1] مشکوٰۃ ص ۴۳۹ کتاب الرقاق [2] الترغیب والترہیب ص ۱۷۸ ج ۴۔ عنوان الترغیب فی الزھد فی الدنیا الخ

تَمَنَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ يَقُولُونَ وَيْكَأَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ

جو کل شام مناتے تھے اس کا سا درجہ ارے خرابی یہ تو اللہ کھولتا ہے روزی جس کو چاہے اپنے بندوں میں

وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَا أَنْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۖ وَيْكَأَنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿۸۲﴾

اور روکتا ہے اگر نہ احسان کرتا ہم پر اللہ تو ہم کو دھسا دیتا ارے خرابی یہ تو بھلا نہیں پاتے منکر

ع ۸

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَ

وہ گھر پچھلا ہے ہم دیں گے وہ ان کو جو نہیں چاہتے چڑھنا ملک میں اور نہ بگاڑ ڈالنا اور

الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا ۖ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ

آخر بھلا ہے ڈر والوں کا جو کوئی لایا بھلائی اس کو ملتا ہے اس سے بہتر اور جو کوئی لایا برائی سو برائیاں کرنے والے

چنانچہ قتادہؒ کے قول کی موافق قارون تورات کے خوش آواز قاریوں میں مشہور تھا زیادہ مال داری کے بعد پہلے قارون زکوٰۃ کا منکر ہوا پھر اسی طرح کی بے دینی کی باتوں کی روک ٹوک کے سبب سے موسیٰ علیہ السلام کا دشمن ہوگیا یہاں تک کہ ان پر بدکاری کی تہمت لگائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ کی روایت سورہ توبہ میں گذر چکی ہے[1] جس میں ثعلبہ بن حاطب انصاری کا قصہ بھی قریب قریب قارون کے قصہ کے ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قارون کی طرح ثعلبہ نے بھی زکوٰۃ کا نام جرمانہ کہا اور زکوٰۃ کے دینے سے انکار کیا۔ صحیح بخاری مسلم ترمذی ابی داؤد اور نسائی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ کے منکرین زکوٰۃ کا قصہ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان منکرین زکوٰۃ پر جو فوج کشی کی تھی وہ قصہ ابوہریرہؓ کی روایت سے تفصیل وار ہے حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمروؓ بن عوف انصاری کی روایت میں جس اندیشہ کا ذکر فرمایا ہے اللہ کے رسول اور صحابہ کے زمانہ سے اس اندیشہ کا ظہور شروع ہو کر رفتہ رفتہ اب اس آخری زمانہ میں تو یہ حال ہے کہ امت محمدیہ میں کے بہت سے مال دار لوگ ترک زکوٰۃ ترک حج سود خواری اسی طرح کی اور بڑی بڑی آفتوں میں پھنس گئے ہیں اللہ تعالیٰ ولا تبغ الفساد فی الارض کے مضمون کی طرف جلدی ان کے دلوں کو مائل کرے۔ عکرمہؒ کے قول کے موافق یہاں فساد کے معنے ان گناہوں کے ہیں جو مال داری کے سبب سے پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً ترک زکوٰت یا سود خواری صحیح مسلم ترمذی اور نسائی میں ابوہریرہؓ اور عبداللہؓ بن الشخیر سے روایتیں ہیں کہ مال دار آدمی نے اپنے مال میں سے جو کھایا پہنایا وارثوں کے لیے چھوڑا وہ تو دنیا کا دنیا ہی میں رہا ہاں جو اللہ کے نام پر دیا وہ اس کے ساتھ جاوے گا اس کا اجر عقبے میں اسے ملنے والا ہے یہ حدیث آیت وابتغ فیما آتاک اللہ الدار الآخرۃ کی گویا تفسیر ہے[2] جس کا حاصل یہ ہے کہ مال دار آدمیوں کے لیے پائیدار حصہ وہی ہے جو انہوں نے نیک نیتی سے صدقہ خیرات میں خرچ کیا کہ اس میں تنگ دست لوگوں کے ساتھ بھلائی بھی ہے اور اجر بھی ہے اور جس شخص نے ایسا نہیں کیا وہ گویا اپنے مال میں سے پائے دار حصہ لینا بھول گیا اور جس شخص نے بیاہ ورنیا وتی کی کہ اپنے مال کو بیجا صرف کیا اس نے مال خرچ کرکے اپنے حق میں وبال مول لیا صحیح بخاری ومسلم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث قدسی ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں

[1] ملاحظہ ہو ۱۰۷ سہ جلد دوسری۔ لیکن اس کی سند میں کلام ہے کما فی الاصابۃ ۴ ۲ [2] مشکوٰۃ مع تنقیح الرواۃ ص ۴ جلد ۲ کتاب الزکوٰۃ۔

[3] الترغیب والترہیب ص ۲۷۱ ج ۴ عنوان: الترغیب فی الزہد فی الدنیا والاکتفاء منہا بالقلیل الخ۔

فَلَا يُجْزَى الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ اِنَّ الَّذِىْ فَرَضَ عَلَيْكَ

وہی سزا پاویں گے جو کرتے تھے۔ جس شخص نے حکم بھیجا تجھ پر

الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍؕ قُلْ رَّبِّىْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِىْ

قرآن کا۔ وہ پھیر لانے والا ہے تجھ کو پہلی جگہ۔ تو کہہ میرا رب خوب جانتا ہے کون لایا ہے راہ کی سوجھ اور کون پڑا ہے

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۸۵﴾ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ

صریح بہکاوے میں۔ اور تو توقع نہ رکھتا تھا کہ اتاری جائے تجھ پر کتاب مگر مہر ہو کر تیرے

اللہ تعالٰے نے فرمایا نیک کام کے فقط ارادہ پر ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جب انسان اپنے اس ارادہ کے موافق نیک کام بھی کر لیتا ہے تو دس سے لے کر سات سو تک اور زیادہ نیک نیتی کی صورت میں اس سے بھی زیادہ نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور کوئی شخص کسی بدکام کا ارادہ کرکے پھر اس کام کے کرنے سے باز رہے تو ایک نیکی لکھی جاتی ہے اگر اس نے وہ بدکام کر لیا تو بدی کی سزا میں نیکی کی جزا کی طرح کوئی زیادتی نہیں لکھی جاتی بلکہ ایک بدی کی ایک ہی لکھی جاتی ہے یہ حدیث من جاء بالحسنۃ کی گویا تفسیر ہے۔

۸۵ تا ۸۸ صحیح بخاری اور نسائی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کا قول ہے جس میں انھوں نے فرمایا معاد سے مقصود مکہ معظمہ ہے جس کا حاصل فتح مکہ کی خوشخبری ہے۔ تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباس کا دوسرا قول ہے۔ جس میں انھوں نے معاد کی تفسیر قیامت کی فرمائی ہے حقیقت میں دونوں تفسیریں صحیح ہیں کیوں کہ پہلی تفسیر کا ظہور تو فتح مکہ کے وقت ہو چکا دوسری تفسیر کا حاصل یہ ہے۔ کہ قرآن کی نصیحت سن کر راہ راست پر آنے والوں کا اور گمراہی پر جمنے والوں کا حال اللہ کو خوب معلوم ہے۔ اے رسول اللہ کے تم اپنا کام کیئے جاؤ۔ قیامت کے دن جب اللہ تعالٰے ان گمراہی پر جمے رہنے والوں سے ماذا اجبتم المرسلین کا سوال کرے گا۔ تو یہ لوگ لاجواب ہو جاویں گے اس دوسری تفسیر کی زیادہ تفصیل صحیح بخاری نسائی وغیرہ کی ابوسعید خدریؓ کی حدیث کے حوالہ سے آیت ونزعنا من کل امۃ شھیدا کی تفسیر (صفحہ ۱۲۳ جلد اول) میں گذر چکی ہے پھر فرمایا اے رسول اللہ کے تم ان مشرکوں سے کہہ دو کہ میرا پروردگار خوب جانتا ہے اس کو جو ہدایت پر ہے۔ اور جو کھلا گمراہ ہے اور اے رسول اللہ کے تم کو امید نہ تھی کہ تم پر خدا کی کتاب اتاری جائے گی جب اللہ تعالٰے نے تم کو ایسی نعمت دی ہے۔ تو تم مشرکوں کے مددگار مت بنو مطلب یہ ہے۔ کہ ان کی مخالفت تم کو اللہ تعالٰی کی آیتوں کی نصیحت سے نہ روک دے کیوں کہ اللہ تعالٰی تمہارا بول بولا کرنے والا ہے اس لیے تم لوگوں کو اوس معبودؐ کی عبادت کی رغبت دلاؤ جو وحدہ لاشریک ہے۔ اور اپنی مشرک قوم کی کچھ پاس داری نہ کرو اوس کے بعد اپنے رسول کو مخاطب ٹھہرا کر مشرکوں کو جتلایا کہ سوا اللہ کے اور کسی کی عبادت جائز نہیں ہے کیوں کہ سوا اس کی ذات پاک کے اور

رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ ﴿٨٦﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ

رب کی طرف سے سو تو نہ ہو مددگار کافروں کا اور نہ ہو کہ وہ تجھ کو روک دیں اللہ کے حکموں سے جب

أُنزِلَتْ إِلَيْكَ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٨٧﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ

اتر چکے تیری طرف اور بلا اپنے رب کی طرف اور نہ ہو شریک والوں میں اور مت پکار

اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ

اللہ کے سوا اور حاکم کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا ہر چیز فنا ہے مگر اس کا منہ اسی کا حکم ہے

وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٨﴾

اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے

ع ۹ / ۱۲

سب کو فنا ہے پھر فنا ہونے والی چیز نہ لائق عبادت ہے نہ ایسی چیز کے ہاتھ میں جزا و سزا ہے بلکہ جزا و سزا کے لیے سب اسی ذات پاک کے روبرو ایک دن حاضر کئے جاویں گے اور چند آیتوں کی تفسیر میں پہ ذکر گذر چکا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تمام اہل مکہ کے راہ راست پر آجانے کی بڑی تمنا تھی ان کی آیتوں میں بھی یہی ذکر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب مشرکین مکہ نے لولا اوتی مثل ما اوتی موسیٰ کہہ کر تورات کی طرح کسی کتاب آسمانی کے اہل مکہ پر نازل ہونے کا آپس میں چرچا کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں بھی یہ بات تھی۔ کہ کوئی معجزہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا عطا ہو جائے جس سے یہ لوگ راہ راست پر آجاویں اس پر ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ راہ راست پر آنے والوں کا اور گمراہی کی حالت پر مر جانے والوں کا حال اللہ کو خوب معلوم ہے۔ اس لیئے علم الٰہی کے موافق جو لوگ ان میں سے گمراہی کی حالت میں دنیا سے اٹھنے والے ہیں۔ وہ کسی معجزہ کو دیکھ کر راہ راست پر نہیں آنے والے اس واسطے اے رسول اللہ کے تم مشرکوں کی ایسی باتوں میں ان کے اور پاسند بنو۔ جب یہ گمراہی کے حالت پر مر جانے والے لوگ مر مٹ جاویں گے تو اللہ تعالیٰ تم کو فتح مند کر کے مکہ میں داخل کرے گا اور میدان محشر میں سب مخلوقات کے روبرو ان لوگوں سے جب تمہاری نافرمانی کی پرسش ہوگی تو یہ لوگ لاجواب ہو کر اپنی گمراہی پر بہت پچتا دیں گے۔ اسی طرح کی چند آیتیں نازل ہو جانے کے بعد جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو علم الٰہی کا یہ حال اچھی طرح سے کھل گیا تو آپ نے بھی پھر چند حدیثوں میں اچھی طرح یہ مطلب امت کو سمجھا دیا۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے علم ازلی کے موافق اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کون شخص جنت میں جانے کے قابل کام کرے گا اور کون شخص دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل اسی طرح صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث بھی ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی نصیحت کی مثال مینہ کے پانی کی اور نیک و بد لوگوں کی مثال اچھی بری زمین کی بیان فرمائی اس قسم کی سب حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ علم الٰہی میں جو لوگ گمراہ قرار پا چکے ہیں وہ کسی معجزہ یا نصیحت سے راہ راست پر آنے والے نہیں یہی مضمون آیتوں کا ہے اس لیے یہ حدیثیں گویا ان آیتوں کی گویا تفسیر ہیں۔

ركوعاتها ۷ (۲۹) سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ (۸۵) اٰيَاتُهَا ۶۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

الٓمّٓ ۞ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۞ وَلَقَدْ

کیا یہ سمجھے ہیں لوگ کہ چھوٹ جاویں گے اتنا کہہ کر کہ ہم یقین لائے اور ان کو جانچ نہ لیں گے اور ہم نے

فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۞

جانچا ہے ان کو جو ان سے پہلے تھے سو البتہ معلوم کرے گا اللہ جو لوگ سچے ہیں اور البتہ معلوم کرے گا جھوٹے

الٓمّٓ ۔ حروف مقطعات کا ذکر سورہ بقر میں گذر چکا ہے تفسیر شعبی تفسیر ابن ابی حاتم معالم التنزیل وغیرہ[1] میں مجاہد اور قتادہ کے قول کے موافق جو شان نزول ان آیتوں کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے ہجرت فرمانے کے بعد کچھ مسلمان مکہ میں ایسے رہ گئے تھے جن کو مشرک لوگ ہجرت سے بھی روکتے تھے اور مکہ میں بھی ان کو امن سے نہیں رہنے دیتے تھے بلکہ طرح طرح کی تکلیفیں ان مسلمانوں کو ہر وقت دیتے تھے جن تکلیفوں سے وہ مسلمان تنگ دل تھے ان کی ہمت بڑھانے کے لیے مدینہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں جب مدینہ سے ان کے دوست صحابہؓ نے ان کو ان آیتوں کے نازل ہونے کا حال لکھ کر مکہ میں بھیجا تو وہ مشرکین سے لڑ کر ہجرت کے لیے مکہ سے نکلنے کو مستعد ہو گئے اور اپنے ارادہ کے موافق ہجرت کی نیت سے نکلے اور مشرکین نے ان کو روکا اور لڑائی ہو کر کچھ مسلمان تو شہید ہو گئے اور کچھ مدینہ میں مہاجرین کر پہنچ گئے صحیح مسلم کی حضرت ابوہریرہؓ کی وہ مشہور حدیث[2] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کو اپنی نعلین مبارک نشانی کے طور پر دے کر لوگوں کو یہ خوشخبری سنانے کو بھیجا تھا کہ جو کوئی شخص دل سے کلمہ شہادت پڑھے گا وہ جنتی ہے اور حضرت عمرؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کو اس بشارت سے منع کیا تھا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے اس منع کرنے کا سبب پوچھا تھا تو حضرت عمرؓ نے یہ سبب عرض کیا تھا کہ اس بشارت کے سننے کے بعد لوگ ایسے نیک عملوں سے باز رہ جاویں گے۔ جن عملوں کے سبب سے ان کو بڑے بڑے درجے جنت میں مل سکتے ہیں ان آیتوں کی وہ صحیح حدیث پوری تفسیر ہے کیونکہ اس کا بھی وہی مطلب ہے کہ اگر فقط موتھ سے کلمہ شہادت کے کہہ لینے پر لوگوں کو چھوڑ دیا جائے اور نقصان مال اور جان سے ان کو اللہ تعالیٰ نہ آزمائے تو نقصان کے وقت صبر کرنے سے جو درجے ان لوگوں کو ملنے والے ہیں ان درجوں سے وہ محروم رہ جائیں گے۔ مثلاً صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ننگا کر کے آگ میں ڈالا اس جانچ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قیامت کے دن یہ مرتبہ[3] دلوایا کہ سب سے[4] پہلے ان کو اس دن کپڑے

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۱۴۱ جلد ۵۔ [2] مشکوٰۃ ص ۱۵ کتاب الایمان [3] یہ حکمت فتح الباری ص ۱۳۱ ج ۳ میں بیان کی گئی ہے حدیث کے الفاظ نہیں ۔ع،ح۔ [4] حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سب سے پہلے کپڑے پہنائے جانے کی حدیث کے لیے دیکھئے مشکوٰۃ ص ۴۸۳ باب الحشر

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَن يَسْبِقُونَا ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٤﴾ مَن

کیا یہ سمجھے ہیں جو لوگ کرتے ہیں برائیاں کہ ہم سے چڑھ جاویں بری بات چکاتے ہیں جو کوئی

كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٥﴾ وَمَن جَاهَدَ

توقع رکھتا ہو اللہ کی ملاقات کی سو اللہ کا وعدہ آتا ہے اور وہ ہے سنتا جانتا اور جو کوئی محنت اٹھائے

کپڑے پہنائے جائیں گے اللہ تعالیٰ کا علم قدیمی ہے دنیا کی روز کی نئی باتوں سے کوئی جدید علم اللہ تعالیٰ کا نہیں بڑھتا لیکن ازل میں مثلاً اللہ کے علم میں یہ بات تھی کہ جب دنیا پیدا ہوگی تو ایک شخص ابوجہل پیدا ہوگا اور باوجود رسولِ وقت کے سمجھانے کے وہ ایمان نہ لائے گا اور حالت کفر میں مارا جائے گا جب دنیا پیدا ہوئی اور ابوجہل پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ کے اس علم ازلی کا ظہور ہو گیا اس ظہور ازلی کو اللہ کی جانچ اس واسطے جگہ جگہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے کہ نیکی اور بدی کی جزا و سزا اللہ تعالیٰ نے اس جانچ پر موقوف رکھی ہے اپنے علم ازلی پر موقوف نہیں رکھی تاکہ لوگوں کو اس حجت کا موقع باقی نہ رہے کہ نیکی بدی کی جانچ سے پہلے فقط اپنے علم ازلی پر اللہ تعالیٰ نے ہم کو سزا دے دی۔ آگے فرمایا کہ یہ جانچ کچھ اس امت کے لوگوں پر ہی منحصر نہیں ہے۔ اس سے پہلے جو امتیں گذری ہیں ان کا بھی یہی حال تھا مثلاً فرعون کے ہاتھ سے بنی اسرائیل نے جو جو تکلیفیں پائی ہیں وہ قصہ یہ لوگ سن چکے ہیں بنی اسرائیل کے قصہ کی آیتیں قرآن میں جہاں جہاں ہیں وہ سب گویا ان آیتوں کی تفسیر ہیں پھر فرمایا یہ مشرک لوگ جو غریب مسلمانوں کو ہجرت سے روکتے ہیں اور ان کو مکہ میں بھی امن سے نہیں رہنے دیتے اپنے دل میں یہ خیال نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ ان سے اس ظلم و زیادتی کا بدلہ نہیں لے سکتا اللہ بڑا صاحب قدرت ہے ان سے بڑھ کر صاحب قوت قوموں کو اس نے ایک دم میں طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک کر دیا جن کی اجڑی ہوئی بستیاں ملک شام اور یمن کے سفر میں یہ لوگ دیکھ چکے ہیں لیکن اللہ کے کارخانہ میں ہر کام کا وقت مقرر ہے اس کے آنے پر ان لوگوں کو اس ظلم و زیادتی کی حقیقت کھل جائے گی اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے بدر کی لڑائی کے وقت یہ حقیقت کھل گئی جس کا قصہ صحیح بخاری و مسلم کی انس بن مالکؓ کی روایت سے ایک جگہ گذر چکا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث بھی گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تک چاہتا ہے ظالم لوگوں کو مہلت دیتا ہے پھر جب ان کو پکڑتا ہے تو بالکل برباد کر دیتا ہے اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب تک اللہ کو منظور تھا مشرکین مکہ طرح طرح سرکشی کرتے رہے اور جب بدر کی لڑائی کے وقت ان آیتوں کے وعدہ کے موافق اللہ تعالیٰ نے ان میں کے بڑے بڑے سرکشوں کو پکڑا تو بالکل برباد کر دیا۔

۵ تا ۷۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جس کو آخرت میں خدا تعالیٰ سے ملنے کی امید اور اپنے اچھے کاموں کے ثواب پانے کا بھروسہ ہے اللہ تعالیٰ اس کی امید کو پورا کرے گا اس واسطے کہ وہ دعا کا سننے والا اور تمام عملوں کا دیکھنے والا ہے پھر فرمایا جو محنت کر کے اچھے عمل کرے وہ اپنے ہی واسطے کرتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ بندوں کے نیک عملوں سے بے پرواہ کسی کا نیک اور پرہیزگار ہونا خدا کی بادشاہت میں کچھ رونق نہیں بڑھاتا اس پر بھی وہ ایمان والوں کو عمدہ جزا دے گا اور ان کی برائیوں کو ان کے ایمان اور نیک عمل کی برکت سے دور کر دے گا اور اچھے سے اچھا ان کے عملوں کا بدلہ دے گا ایک نیکی کا دس گنا اور سات سو نیکی تک اور بعضے زیادہ خالص نیتوں کے عملوں کا اس سے بھی بڑھ کر

فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

سو اٹھاتا ہے اپنے ہی واسطے اللہ کو پرواہ نہیں جہان والوں کی اور جو لوگ یقین لائے اور کئے

الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

بھلے کام ہم اتار دیں گے ان سے برائیاں ان کی اور بدلہ دیں گے ان کو بہتر سے بہتر کاموں کا

ثواب دے گا اور برائی کی سزا بقدر برائی کے دے گا بلکہ معاف کر دے گا سورہ یونس کی آیت ان الذین لا یرجون لقاءنا ورضوا بالحیوۃ الدنیا آیت من یرجوا لقآء اللہ کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان اہل مکہ میں سے جو لوگ حشر کے منکر ہیں ان کو تو حشر کے دن اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہونے اور حساب کتاب کی بالکل توقع نہیں ہے اس لیے انہوں نے تو اپنا سارا مدار دنیا کی زندگی کو قرار دیا ہے ہاں جو لوگ ان میں سے راہ راست پر آ گئے ہیں اور دنیا کی زندگی میں عقبیٰ کے فکر سے غافل نہیں ہیں اور جزا و سزا کے لیے اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہونے کی اور نیک کاموں کے ثواب کی ان کو توقع ہے ان کی توقع کو اللہ تعالیٰ پورا کرے گا صحیح بخاری میں عبادہؓ بن الصامت سے روایت[1] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شوق دل میں رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اس کو ایسے نیک کاموں کی توفیق دیتا ہے کہ وہ اچھی حالت سے اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر ہو۔ اور یہ حشر کے منکر لوگ اللہ تعالیٰ کے ملنے کا شوق دل میں نہیں رکھتے اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھی خوشی سے ان کو اپنے روبرو بلانا نہیں چاہتا حضرت عائشہؓ نے جب یہ حدیث سنی تو اللہ تعالیٰ سے ملنے کا مطلب موت کو خیال کر کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ موت کا شوق تو کوئی شخص اپنے دل میں نہیں رکھتا آپ نے فرمایا مرنے والے شخص کو آخری وقت پر اللہ کے فرشتے جزا و سزا کی اطلاع دیتے ہیں جس سے نیک لوگوں کو جزا کا حال سنکر اللہ تعالیٰ کے روبرو جانے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے حدیث میں اس شوق کا ذکر ہے موت کے شوق کا ذکر نہیں ہے اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی توقع کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوذرؓ کی حدیث قدسی ایک جگہ گزر چکی ہے کہ اگر ساری مخلوقات نیک ہو جاوے تو اس سے اللہ تعالیٰ کی بادشاہت میں کچھ بڑھ نہ جاوے گا اسی طرح اگر ساری مخلوقات بد ہو جاوے تو اس کی بادشاہی میں سے کچھ گھٹ نہ جاوے گا یہ حدیث ان اللہ لغنی عن العالمین کی گویا تفسیر ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ ایک نماز سے دوسری نماز تک کے اور ایک جمعہ اور رمضان سے دوسرے رمضان تک کے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں نیک عملوں کی برکت سے گناہ کا بوجھ اتر جانے کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث قدسی گزر چکی ہے کہ نیک کام کا اجر دس گنا ثواب سے لے کر سات سو تک اور زیادہ نیک نیتی کی صورت میں اس سے بھی زیادہ ثواب ملے گا یہ حدیث ولنجزینھم احسن الذی کانوا یعملون کی گویا تفسیر ہے۔

[1] مشکوٰۃ ص ۱۳۹ باب تمنی الموت وذکرہ۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ

اور ہم نے تقید کر دیا انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلے رہنا اور اگر وہ تجھ سے زور کریں کہ تو شریک پکڑ میرا جس کی

بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾ وَالَّذِينَ

تجھ کو خبر نہیں تو ان کا کہا نہ مان مجھ ہی تک پھر آنا ہے تم کو سو میں جتا دوں گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے اور جو لوگ

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ﴿٩﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ

یقین لائے اور بھلے کام کئے ہم ان کو داخل کریں گے نیک لوگوں میں اور ایک لوگ ہیں کہ

۸۔ صحیح مسلم ترمذی وغیرہ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت[۱] سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب حضرت سعدؓ نے اسلام قبول کیا تو ان کی ماں نے ان کو اسلام سے باز رکھنے کے ارادہ سے کھانا پینا چھوڑ دیا کئی روز تک کھانا نہیں کھایا اور یہی کہتی تھیں کہ جب تک سعد تم اپنا قدیمی دین اختیار نہ کرو گے میں کھانا نہ کھاؤں گی حضرت سعدؓ نے جواب دیا کہ میری ماں اگر ہزار دفعہ بھی مر کر جیوے گی اور پھر مرے گی جب بھی میں اسلام سے ہرگز نہ پھروں گا ان ماں بیٹوں کے جھگڑے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ اگرچہ ماں باپ کا حق بہت بڑا ہے لیکن جس اللہ نے ماں باپ اور اولاد سب کو اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے اس کا حق سب سے بڑا ہے اس کے حکم کے مخالف ماں ہو یا باپ پیر ہو یا استاد کسی کی فرمانبرداری جائز نہیں ہے بہت سی صحیح حدیثوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے مضمون کی تفسیر فرمائی ہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس امر میں خدا کی نافرمانی لازم آتی ہے اس امر میں مسلمان کو کسی کی فرمانبرداری نہیں چاہیے دوسری روایت صحیح بخاری و مسلم میں حضرت علیؓ[۲] کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس امر کو شریعت جائز رکھے مخلوق کی فرمانبرداری اس امر میں ہو سکتی ہے جب خالق کی نافرمانی کسی امر میں نظر آوے تو پھر کسی مخلوق کی فرمانبرداری نہیں چاہیے اس آیت کے آگے منافقوں کا ذکر فرما کر یہ جتلایا ہے کہ خواہ ماں کی ناراضی ہو خواہ باپ کی خواہ تکلیف ہو خواہ راحت مسلمانوں کو منافقوں کی طرح دین میں ڈانواں ڈول نہیں رہنا چاہیے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ[۳] سے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا پھر اپنے پیدا کرنے والے کی تعظیم میں جو لوگ دوسروں کو شریک کرتے ہیں ان سے بڑھ کر دنیا میں کوئی زیادہ گناہ گار نہیں یہ حدیث مالیس لک بہ علم کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم جو انسان پر واجب ہے اس کی سند تو سب کی آنکھوں کے سامنے ہے کہ اللہ نے انسان کو پیدا کیا اب شرک میں گرفتار لوگوں کے پاس جب کوئی سند نہیں ہے تو مشرک سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گناہ گار نہیں ہے آخر آیت میں فرمایا کہ ایک دن سب کو اللہ کے روبرو حاضر ہونا پڑے گا اور فرمانبرداروں کی جزا اور نافرمانوں کی سزا کا پورا پورا فیصلہ ہو جائے گا مطلب یہ ہے کہ ماں باپ کا واسطہ فقط دنیا کا ہے اور اللہ تعالیٰ کا واسطہ دونوں جہان کا اس لیے اللہ کی فرمانبرداری سب کی فرمانبرداری سے مقدم ہے۔

۹ تا ۱۱۔ مطلب یہ ہے کہ ہم ایمانداروں کو اور ان کو جنہوں نے اچھے عمل کئے ہیں اپنے نیک بندوں میں داخل کریں گے اس سے مقصود یہ ہے کہ نیک بندوں کے رہنے کی جگہ جنت میں ان کو رکھا جائے گا اس کے بعد ارشاد کیا کہ لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۴۰۵ ج ۳ و الدر المنثور ص ۱۴۱ ج ۵ [۲] مشکوٰۃ ص ۳۱۹ کتاب الامارۃ والقضاء۔ [۳] مشکوٰۃ باب الکبائر

يَقُولُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ

کہتے ہیں یقین لائے ہم اللہ پر پھر جب اس کو ایذا پہنچے اللہ کے واسطے ٹھہرا دے لوگوں کا ستانا برابر اللہ کی مار کے اور اگر

جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ

پہنچے مدد تیرے رب کی طرف سے کہنے لگیں ہم تو تمہارے ساتھ تھے کیا یوں نہیں کہ اللہ خوب خبردار ہے جو کچھ جیوں میں ہے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿۱۱﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ

جہان والوں کے اور البتہ معلوم کرے گا اللہ جو لوگ یقین لائے ہیں اور البتہ معلوم کرے گا جو لوگ دغاباز ہیں اور کہنے لگے

كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ

منکر ایمان والوں کو تم چلو ہماری راہ اور ہم اٹھا لیں تمہارے گناہ اور وہ کچھ نہ اٹھاویں گے ان کے

جو کہتے ہیں ایمان لائے ہم اللہ پر لیکن وہ لوگ یہ بات صرف زبان سے کہتے ہیں ان کے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا ہے اسی واسطے ان کا یہ حال ہے کہ جب ان کو کوئی تکلیف پہنچے تو پھر وہ لوگ دین اسلام سے پھر جاتے ہیں غرضکہ ان لوگوں کو اگر بھلائی حاصل ہوئے تو اطمینان ہے اور اگر کچھ جانچ ہوئی تو پھر گئے۔ پھر فرمایا کہ ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ اگر آجاوے مدد اور فتح تیرے رب کی طرف سے تو کہنے لگے ہم تمہارے ساتھ ہیں کیا اللہ کو خبر نہیں اس کی جو جہان کے لوگوں کے دلوں میں ہے وہ سب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے اگرچہ وہ منافق ظاہر میں تمہارے ساتھ ہوتے کا دم بھریں لیکن اللہ خوب جان لے گا ایمان والوں کو اور خوب جان لے گا منافقوں کو کہ کون مطیع ہے اور کون نافرمان ہے تفسیر ضحاک[۱] میں ہے کہ مکہ میں بعضے لوگ ایسے تھے جو مشرکوں کی ایذا کی برداشت نہ کر سکے اور ایذا سے ڈر کر اسلام سے پھر گئے انہی کو فرمایا کہ انہوں نے دنیا کی تھوڑی سی ایذا کو عذاب آخرت کے برابر اس لیے سمجھ لیا کہ عذاب آخرت کا ان کو پورا یقین نہیں تھا کیوں کہ اگر عذاب آخرت کا ان کو پورا یقین ہوتا تو مشرکوں کی ایذا سے بچنے کے لیے یہ لوگ زبانی باتوں میں مشرکوں کی ہاں میں ہاں ملا دیتے یہ تو دل سے مشرکوں کے شریک حال ہو گئے اب یہ مسلمانوں کی بہتری کے وقت اپنے آپ کو مسلمانوں کے ساتھی ہونے کا دعوے کریں تو اس سے کیا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو ان کے دل کا حال خوب معلوم ہے کس لیے کہ تمام جہان کے لوگوں کے دلوں کا حال اس سے پوشیدہ نہیں ہے سفیان ثوری کا قول ایک جگہ گزر چکا ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ سعیدؓ بن جبیر مجاہدؒ، عکرمہؒ، ضحاکؒ ان چار تابعیوں کے قول کا تفسیر کے باب میں بڑا اعتبار ہے معتبر سند سے تفسیر ابن ابی حاتم اور مستدرک حاکم کے حوالہ سے عمار بن یاسرؓ کے قصہ کی روایت سورت النحل میں گزر چکی[۲] ہے کہ عمار بن یاسرؓ نے مشرکوں کی ایذا سے بچنے کے لیے مشرکوں کی ہاں میں ہاں ملا دی اور جب مدینہ میں آن کر آنحضرت صلعم سے انہوں نے اپنا قصہ بیان کیا تو آپ نے ان سے دریافت کیا کہ جس وقت تم نے مشرکوں کی ہاں میں ہاں ملائی تو تمہارے دل کا کیسا حال تھا عمار بن یاسرؓ نے عرض کیا کہ اس وقت میرے دل میں تو اسلام بسا ہوا تھا آپ نے فرمایا تو زبانی باتوں کا کچھ خیال نہ کرو اس حدیث سورۃ النحل کی آیت الامن اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان سے ضحاک کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے

۱۲، ۱۳۔ تفسیر مقاتل وغیرہ میں مجاہد اور ضحاک کے قول کے موافق جو شان نزول ان آیتوں کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل

[۱] تفسیر ابن جریر ص ۱۳۲ ج ۲۰۔ [۲] صفحہ ۷، ۲۳ جلد ۳۔

خَطٰیٰهُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۫

گناہ وہ جھوٹے ہیں اور البتہ اٹھاویں گے اپنے بوجھ اور کتنے بوجھ ساتھ اپنے بوجھ

وَلَیُسْـَٔلُنَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ

کے اور البتہ ان سے پوچھ ہو گی قیامت کے دن جو باتیں جھوٹ بناتے تھے اور ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم پاس

فَلَبِثَ فِیْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

پھر رہا ان میں ہزار برس پچاس برس کم پھر پکڑا ان کو طوفان نے اور گنہگار تھے

فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِیْنَةِ وَجَعَلْنٰهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۵﴾ وَاِبْرٰهِیْمَ اِذْ قَالَ

پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور جہاز والوں کو اور رکھا ہم نے جہاز نشانی جہان والوں کو اور ابراہیم کو جب کہا

یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے مکہ میں جو تھوڑے سے مسلمان لوگ رہ گئے تھے ان سے ابوسفیان اور مشرک لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ اول تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ مرنے کے بعد پھر جیویں گے اور نیکی بدی کا حساب و کتاب ہو کر جزا و سزا ہو گی اور اگر ایسا ہوا بھی تو تمہاری بدیوں کی سزا ہم اپنے ذمہ لے لیں گے تم اپنے قدیمی دین پر قائم ہو جاؤ ان کے اس قول کا جواب ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے حاصل جواب کا یہ ہے کہ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں جو آخرت کے مؤاخذہ کا غیروں کا بوجھ اپنے ذمہ لیتے ہیں وہاں ایسی نفسانفسی ہو گی کہ باپ بیٹے سے اور بیٹا باپ سے دور بھاگے گا کہ ایک کا وبال دوسرے پر نہ پڑ جاوے اور جتنے لوگوں کو گمراہوں نے بہکایا ہے گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کے دو وبال ایسے لوگوں کی گردن پر اس دن پڑیں گے اپنی خوشی سے کسی کا بوجھ ایسے گمراہ لوگ قیامت کے دن کیا اٹھا سکتے ہیں صحیح مسلم کی حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو کوئی شخص دین کے کام میں کسی کو بہکا دے گا اس کی ذاتی بداعمالی کے علاوہ اس بہکانے کا وبال جدا اس کی گردن پر پڑے گا آخر کو فرمایا کہ قیامت کے دن جب ان لوگوں سے اس جھوٹ کا مؤاخذہ کیا جاوے گا تو یہ لوگ بالکل لاجواب ہو جاویں گے۔

۱۴ تا ۲۰۔ اوپر مشرکین مکہ کی سرکشی کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں اللہ نے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کے حال سے ان کو آگاہ فرمایا کہ وہ اپنی قوم میں اس قدر عرصہ دراز تک رہے اور پوشیدہ اور علانیہ دن رات ان کو سمجھاتے رہے جب بھی قوم کے لوگ نہ سمجھے اور اللہ کے رسول کو جھٹلاتے رہے اور اتنی مدت میں ان کی قوم میں سے بہت تھوڑے آدمی ایمان لائے جب اس قدر مدت دراز تک حضرت نوح علیہ السلام کی نصیحت اور ڈرانے نے کچھ فائدہ نہ دیا تو اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کے حال پر کچھ نہ پچھتاؤ اور نہ غم کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ رکھتا ہے اسی کے دست قدرت میں سب کچھ ہے اس لیے جو لوگ علم الٰہی میں بدقرار پا چکے ہیں وہ کسی طرح راہ راست پر نہیں آویں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں چالیس سال کی عمر میں حضرت نوح علیہ السلام رسول کر کے بھیجے گئے اور قوم کے لوگوں میں ساڑھے نو سو برس رہے اور طوفان کے بعد ساٹھ برس تک زندہ رہے سورہ ہود میں گزر چکا ہے کہ قوم نوحؑ نے حضرت نوحؑ کی نصیحت اور عذاب کے وعدہ کو جھوٹا جان کر خود اپنی زبان سے عذاب کے نازل ہونے کی خواہش کی آخر طوفان کا عذاب آن کر سوا اسی آدمیوں کے اور ساری قوم ہلاک ہو گئی۔ یہ طوفان نوحؑ کا قصہ سورہ ہود میں گزر چکا ہے قتادہ کا قول ہے کہ بہت دنوں تک وہ کشتی باقی رہی اور لوگوں نے

۱؎ مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ فصل اول۔

لِقَوۡمِهِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوۡهُ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا تَعۡبُدُوۡنَ

اپنی قوم کو بندگی کرو اللہ کی اور اس کا ڈر رکھو یہ بہتر ہے تم کو اگر تم سمجھ رکھتے ہو تم تو پوجتے ہو

مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡثَانًا وَّتَخۡلُقُوۡنَ اِفۡكًا ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَا

اللہ کے سوا یہی بتوں کے تھان اور بناتے ہو جھوٹی باتیں بیشک جن کو پوجتے ہو اللہ کے سوا مالک نہیں

يَمۡلِكُوۡنَ لَـكُمۡ رِزۡقًا فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ الرِّزۡقَ وَاعۡبُدُوۡهُ وَاشۡكُرُوۡا لَهٗ ؕ اِلَيۡهِ

تمہاری روزی کے سو تم ڈھونڈو اللہ کے یہاں روزی اور اس کی بندگی کرو اور اس کا حق مانو اسی کی طرف

تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنۡ تُكَذِّبُوۡا فَقَدۡ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوۡلِ اِلَّا

پھر جاؤ گے اور اگر تم جھٹلاؤ گے تو جھٹلا چکے ہیں بہت فرقے تم سے پہلے اور رسول کا ذمہ یہی ہے

الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمۡ يَرَوۡا كَيۡفَ يُبۡدِئُ اللّٰهُ الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى

پہنچا دینا کھول کر کیا دیکھتے نہیں کیوں کر شروع کرتا ہے اللہ پیدائش کو پھر اس کو دہرائے گا اللہ پر

اس کو دیکھا اسی کو فرمایا کہ یہ قصہ درکشتی جہان کے لوگوں کے لیے اللہ کی قدرت کی ایک نشانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اور انسان کی سب ضرورت کی چیزوں کو پیدا کیا اس لیے اکیلے اللہ کی تعظیم انسان پر واجب ہے برخلاف اس کے جو لوگ اللہ کی تعظیم میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں ان سے بڑھ کر دنیا میں کوئی ناانصاف نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں مشرکوں کو جگہ جگہ ظالم فرمایا ہے صحیح بخاری ومسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو جب تک چاہتا ہے مہلت دیتا ہے پھر جب انکو پکڑتا ہے تو بالکل برباد کر دیتا ہے اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مہلت کے زمانہ میں یہ لوگ عذاب کی جلدی کرتے رہے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان پر عذاب نازل نہیں کیا پھر جب پکڑ کا وقت آگیا تو سوا اسّی آدمیوں کے اور ساری قوم ہلاک ہوگئی۔ اب آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم کو خدا کی عبادت کی طرف بلایا اور اس سے ڈرنے کو کہا اور کہا کہ جب تم یہ کام کرو گے تو دنیا اور آخرت کی بہتری تم کو حاصل ہوگی اور سوا اللہ کے جن بتوں کو اے کافرو تم پوجتے ہو وہ تمہارے نفع نقصان کے مالک نہیں ہیں تم نے ہی ان کے نام گھڑ لیے ہیں اور ان کو معبود ٹھہرا لیا ہے وہ تمہاری طرح مخلوق ہیں وتخلقون افکا کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ خود تم بت تراشتے ہو اور ان کو اپنا معبود ٹھہراتے ہو جن لوگوں کے نام کی یہ مورتیں ہیں ان کو تمہارے اس کام کی بالکل خبر نہیں اس لیے قیامت کے دن وہ تم سے بیزار ہو جائیں گے اور جن کو تم سوائے اللہ کے پوجتے ہو وہ مالک تمہارے رزق کے نہیں کیونکہ ایک سال اگر قحط پڑ جاوے تو تم کو ان بتوں سے کچھ مدد نہیں مل سکتی اس لیے تم اللہ کی ہی خالص عبادت کرو اور اس سے کشائش رزق کی التجا کرو اور اسی کا شکر ادا کرو اور اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے تم قیامت کے روز اور وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے موافق جزا وسزا دے گا اور اگر تم ان باتوں کو جھٹلاؤ گے تو تو مثلاً نوح علیہ السلام کے قصہ سے یہ بات تم کو معلوم ہو چکی ہے کہ جن لوگوں نے پہلے پیغمبروں کو جھٹلایا ہے ان پر عذاب نازل ہوا ہے ہر رسول اسی بات کا ذمہ دار ہے کہ خدا کا حکم امت کے لوگوں کو پہنچا دیوے اور پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ رکھتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے تم بھی نیکوں میں ہونے کی حرص کرو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں کو جو حشر کے منکر تھے یوں سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ نے

اللّٰہِ یَسِیْرٌ ﴿۱۹﴾ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰہُ یُنْشِئُ

آسان ہے تو کہہ ملک میں پھرو پھر دیکھو کیونکر شروع کی ہے پیدائش پھر اللہ اٹھاوے گا

النَّشْاَۃَ الْاٰخِرَۃَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۰﴾ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَرْحَمُ

پچھلا اٹھان بے شک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے دکھ دے گا جس کو چاہے اور رحم کرے گا

مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ اِلَیْہِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ

جس پر چاہے اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے اور تم عاجز کرنے والے نہیں زمین میں نہ آسمان میں

وَ مَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ﴿۲۲﴾ وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَ

اور کوئی نہیں تمہارا اللہ سے ورے حمایتی نہ مددگار اور جو لوگ منکر ہوئے اللہ کی باتوں سے اور

پہلی دفعہ تم کو پیدا کیا جس سے تم ہو گئے سننے والے دیکھنے والے پھر جس خدا نے پہلی بار تم کو بنایا وہ دوسری بار تمہیں بنا سکتا ہے کیونکر دوسری بار کا پیدا کرنا اس پر آسان ہے پھر فرمایا سیر کرو زمین میں اور خدا تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھ کر عبرت پکڑو کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اب پہاڑوں درختوں بوٹیوں اور کھیتیوں کو پیدا کیا ہے اسی طرح جس چیز کا دوبارہ پیدا کرنا اس کو منظور ہوگا وہ پیدا کر دیوے گا اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے اور یہ دوبارہ پیدا کرنا جزا و سزا کے لیے ہوگا تاکہ پہلی دفعہ کا پیدا کرنا ٹھکانے سے لگے اس سزا کے وقت تم آسمان و زمین میں کہیں بھاگ نہ سکو گے اس لیے تم اللہ کو اپنا خالص معبود ٹھہراؤ کس لیے کہ اس شرک کے مؤاخذہ میں پکڑے گئے تو تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے کہ وہ تم کو گرفتار نہ کر سکے غرض کہ خدا کو کوئی عاجز نہیں کر سکتا اور اس کے سوا تمہارا کوئی دوست اور مددگار نہیں پھر فرمایا جو لوگ اللہ کی آیتوں اور اس کی قدرت کی نشانیوں اور آخرت کو نہیں مانتے وہ خدا کی رحمت سے ناامید ہیں اور دنیا اور آخرت میں ان لوگوں کے واسطے سخت عذاب ہے قتادہ کے قول کے موافق حافظ ابوجعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر[1] میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کے مابین میں وان تکذبوا سے عذاب الیم تک کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کو نصیحت کی ہے جس کا ذکر ان آیتوں میں ہے اور پہ فما کان جواب قومہ سے ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کا سلسلہ ملایا ہے شاہ صاحب نے اپنے فائدہ میں اس قول کو لیا ہے معتبر سند سے مسند امام احمد اور ابوداؤد کے حوالہ[2] سے براء بن عازب کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ نافرمان لوگوں کی موت کے وقت اللہ کے فرشتے ایسے لوگوں کو اللہ کے غصہ اور عذاب سے خبردار کر دیتے ہیں جس سے ایسے لوگوں کی روحیں رحمت الٰہی سے مایوس ہو کر جگہ جگہ جسم میں چھپتی ہیں اور پھر آخر نہایت سختی سے اللہ کے فرشتے ان لوگوں کی روحوں کو جسم سے نکال لیتے ہیں اور پھر ایسے لوگ دفن کے بعد طرح طرح کے عذاب قبر میں گرفتار ہو جاتے ہیں معتبر سند سے مسند امام احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت[3] ہے کہ قبر میں دفن کرنے کے بعد عذاب قبر کی سختی کے علاوہ یہ سختی بھی ہوتی ہے کہ ایسے لوگوں کا دوزخ کا ٹھکانا انہیں دکھا کر اللہ کے فرشتے ان سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ اس ٹھکانے میں جانے کے لیے تم کو حشر کے دن دوبارہ زندہ کیا جاوے گا براء ابن عازب کے اوپر کی حدیث میں یہ بھی ذکر ہے کہ دوزخ کے ٹھکانے کے عذاب کو دیکھ کر ایسے لوگ عذاب قبر کو غنیمت جانتے ہیں

[1] تفسیر ابن جریر ص ۱۴۰ ج ۲۰ و نیز دیکھئے تفسیر ابن کثیر ص ۴۰۸ ج ۳۔ [2] مشکوۃ باب اثبات عذاب القبر۔

[3] الترغیب والترہیب ص ۳۶۴ ج ۴ در میان عذاب قبر۔

بِلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ

اس کے ملنے سے وہ نا امید ہوئے میری مہر سے اور ان کو دکھ کی مار ہے۔ پھر کچھ

جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ

جواب نہ تھا اس کی قوم کا مگر یہی کہ بولے اس کو مار ڈالو یا جلادو پھر اس کو بچا دیا اللہ نے آگ سے اس میں

اور یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ قیامت قائم نہ ہو معتبر سند سے عبداللہ بن عمرؓ نے ترمذی کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ موت کے فرشتوں کے نظر آجانے کے بعد کسی کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی حاصل کلام یہ ہے کہ دان تکذبوا سے عذاب الیم تک کی آئتیں خواہ مشرکین مکہ کی شان میں ہوں یا ان کی اور پہلی امتوں کے منکرین حشر سب کی شان میں ہوں ان حدیثوں کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسے لوگ اس طرح کی بے کسی کے وقت میں اللہ کی رحمت سے نا امید ہو کر عذاب میں گرفتار ہونے سے خبردار ہوتے ہیں کہ آئندہ کے لیے ان کو توبہ اور استغفار کا موقع بھی نہیں رہتا اور جس عذاب دوزخ کے یہ لوگ دنیا میں منکر تھے مرنے کے ساتھ ہی جب ان کا دوزخ کا ٹھکانا انہیں دکھا دیا جاتا ہے تو اس کا ایسا خوف ان پر چھا جاتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں طرح طرح کے عذاب قبر کو یہ لوگ غنیمت جاننے لگتے ہیں اور قیامت کے دن اس عذاب دوزخ میں گرفتار ہو جانیکو یقینی جان کر عذاب قبر کی تکلیف میں بھی قیامت کے قائم نہ ہونے کی دعا مانگتے رہتے ہیں۔

۲۴۔ اوپر ایک جگہ یہ بات گزر چکی ہے کہ قرآن شریف میں جگہ جگہ پچھلے انبیا اور پچھلی امتوں کا ذکر جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہر ایک مقام میں تاریخی ثبوت کے طور پر اللہ تعالیٰ کو ایک نئی بات لوگوں کے ذہن میں ان قصوں سے جمانی منظور ہوتی ہے چنانچہ یہاں اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اسلام لانے کے بعد اللہ تعالیٰ لوگوں کو جانچتا ہے تاکہ جانچ کے وقت وہ صبر کریں اور اس صبر کے اجر میں اللہ تعالیٰ ان کو بڑے بڑے رتبے عقبیٰ میں عنایت فرمائے اب حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت موسیٰؑ تک جانچ کے طور پر ان کی امت کے اچھے لوگوں کو یا خود انبیا کو طرح طرح کی تکلیفیں جو پہنچی تھیں ان کا ذکر اس لیے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تسکین ہو جاوے اور پچھلے تاریخی حالات سے آپ کے ذہن میں یہ بات خوب اچھی طرح جم جاوے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ جانچ کے موقع جو پیش آرہے ہیں یہ کچھ نئی بات نہیں ہے بلکہ جب سے اللہ تعالیٰ کی شریعت کے احکام روئے زمین پہ بھیجے ہیں اور سب سے پہلے صاحب شریعت نبی حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اہل زمین کی ہدایت شروع کی ہے اسی وقت سے یہ عادت الٰہی جاری ہے کہ ہر نبی کی امت کی سرکشی کے سبب سے ان انبیاؑ کو یا امت کے اچھے لوگوں کو طرح طرح کی تکلیفیں رہیں اور وہ تکلیفیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان انبیا کے حق میں ایک جانچ اور آزمائش تھی۔ آزمائش کے زمانہ میں جو صبر و ثابت قدمی ان انبیا نے کی اس کا اجر اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے ان کو عقبیٰ میں تو جدا ملے گا اور دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ان کو خوش کیا کہ آزمائش کی مدت جو اللہ تعالیٰ کے حکم میں تھی اس مدت کے گزرنے کے ساتھ ہی اللہ کے رسولوں کا آخر بول بالا ہوا اور جتنے سرکش اور شریر لوگ ہر ایک نبی کی امت میں تھے وہ ایک دم میں غارت ہو گئے اللہ چاہتا تو وہ شریر لوگ شرارت ہی یا تو نہ کرتے اور اگر کرتے تو شروع شرارت کے زمانہ میں ہلاک ہو جاتے لیکن جو کچھ پچھلے زمانہ میں ہوا اور نبی آخرالزمان کے زمانہ میں ہو رہا ہے اس میں یہی مصلحت الٰہی ہے کہ انبیا کا رتبہ بلند ہو اور سرکشی کے سبب سے

فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا

بڑے پتے ہیں ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں اور بولا جو ٹھہرائے ہیں تم نے اللہ کے سوا بتوں کے تھان

ایک زمانہ کے لوگوں کے ہلاک ہوجانے کا حال سن کر دوسرے زمانہ کے لوگوں کو عبرت ہو چنانچہ اس مصلحت الٰہی کے موافق ظہور ہوا کہ مدت آزمائش پوری ہوتے ہی وہ مکہ جہاں گلی گلی کفر اور شرک نظر آتا تھا جہاں کے کفر اور شرک کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو وہاں سے ہجرت کا حکم دیا تھا۔ اور جہاں سے ہجرت کرنا دین میں بڑا ثواب قرار پایا تھا وہی مکہ ایسا دارالامن اور دارالاسلام ہو گیا کہ اور جگہ سے اہل اسلام وہاں ہجرت کر کے جانے لگے اور آنحضرتؐ کے زمانہ کے لوگوں کو قرآن شریف کے قصوں میں پچھلے زمانہ کے لوگوں کا حال سن کر وہ عبرت ہوئی کہ جن بستیوں میں ہزار ہا برس سے بت پرستی چلی آتی تھی کل تیئس ۲۳ برس کے زمانہ نزول قرآن شریف میں ان بستیوں کی گلی گلی اہل اسلام سے آباد ہو گئی جو لوگ دین محمدیؐ کے دشمن تھے وہی دین محمدیؐ کے حامی اور مددگار بن گئے غرض ہر کام کا وقت مقررہ آنے کی دیر ہے ہجرت سے پہلے تیرہ برس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہے اور مسلمانوں کی تعداد سو سے زیادہ نہ بڑھی جب وقت مقررہ آگیا ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع میں بعضے صحابہؓ کی روایت سے سوا لاکھ اور بعض روایتوں سے اس سے بھی زیادہ مسلمان مکہ میں موجود تھے حاصل مطلب اس آیت کا یہ ہے۔ کہ ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ابراہیم علیہ السلام کی باتیں سن کر ابراہیم علیہ السلام کے مار ڈالنے یا آگ میں جلا دینے کا ارادہ کیا اور جب ان لوگوں نے اپنے ارادہ کے موافق ابراہیم علیہ السلام کو ننگا کر کے آگ میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کو اس آگ کے صدمہ سے بچا دیا جس کے سننے سے ایماندار لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے نازک وقت میں اپنے خلیل کی کیسی مدد کی کہ آگ جیسی چیز میں جلانے کی تاثیر باقی نہ رہی اور اللہ کے خلیل سے جن لوگوں نے اپنے بتوں کے توڑنے کا بدلہ لینا چاہا تھا وہ لوگ اپنے ارادہ میں کامیاب نہیں ہوئے اوپر گزر چکا ہے کہ پچھلے قصے قرآن شریف میں فقط قصوں کی طرح نہیں بلکہ تاریخی شہادت کے طور پر ذکر کئے جاتے ہیں اور اس ضرورت سے بعضے قصوں کو مختصر بھی کر دیا جاتا ہے اس کی مثال ان آیتوں سے بھی سمجھ میں آسکتی ہے کہ یہاں جانچ کے بعد انبیا کی مدد جو غیب سے کی جاتی ہے اس کا ذکر تھا اس لیے ابراہیم علیہ السلام کے آگ سے بچا دینے کا ذکر فرمایا جس سبب سے ان لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تھا وہ قصہ سورۃ انبیاء میں گزر چکا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے ان لوگوں کے بتوں کو توڑ ڈالا تھا صحیح بخاری مسلم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ نمرود اور اس کے ساتھیوں نے ابراہیم علیہ السلام کو ننگا کر کے جو آگ میں ڈالا تھا اس جانچ کے صبر کے اجر میں قیامت کے دن سب سے پہلے ان کو کپڑے پہنائے جاویں گے اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں یہ دخل ہے کہ آیت میں ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے بچا دینے کی دنیا کی مدد کا ذکر ہے اور حدیث میں ابراہیم علیہ السلام کی اس مدد کا ذکر ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے ان کو کپڑے پہنائے جاویں گے۔[1]

۲۵ تا ۳۶۔ جب ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے یہ کہا کہ ابراہیم علیہ السلام کو مار ڈالو یا آگ میں جلا دو تو سب نے مل کر بہت ساری لکڑیاں ایک جگہ اکٹھی کیں اور ان لکڑیوں کے گرد میں ایک احاطہ کھینچا پھر ایسی آگ جلائی کہ جس کے شعلے آسمان تک پہنچے ایسی بڑی آگ

[1] مشکوٰۃ باب الحشر

مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ

سو دوستی کر کر آپس میں دنیا کی زندگی میں پھر دن قیامت کے منکر ہو جاؤ گے ایک سے ایک اور پھٹکار دے گے

بَعْضُكُمْ بَعْضًا ؗ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَ

ایک کو ایک اور ٹھکانا تمہارا آگ ہے اور کوئی نہیں تمہارا مددگار پھر مانا اس کو لوط نے اور

قَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢٦﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَ

وہ بولا میں وطن چھوڑتا ہوں اپنے رب کی طرف بیشک وہی ہے زبردست حکمت والا اور دیا ہم نے اس کو اسحاق اور

يَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَ

یعقوب اور رکھی اس کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب اور دیا ہم نے اس کو اس کا نیگ دنیا میں اور

اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٢٧﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ

وہ آخرت میں نیکوں سے ہے اور بھیجا لوط کو جب کہا اپنی قوم کو تم آتے ہو

کبھی نہیں جلی پھر انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ننگا کیا اور ڈھینکلی میں بٹھا کر اس آگ میں پھینک دیا خدا تعالیٰ نے اس آگ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے سرد کر دیا ایسی ہی جان نثاری کے سبب خدا تعالیٰ نے ان کو لوگوں کا امام بنا دیا کس واسطے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی جان کو خدا کی رضامندی میں جان نہیں گنا اور اپنے جسم کو آگ میں ڈال دیا اسی سبب سے سب دینوں کے لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی محبت کا دم بھرتے ہیں غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں کو بطور جھڑکی کے ارشاد کیا کہ تم نے بتوں کو فقط اس لیے معبود بنا رکھا ہے کہ دنیا میں ان کے پوجنے پر محبت سے اکٹھے ہو کر رہو لیکن قیامت کے دن یہ محبت عداوت ہو جاوے گی ایک ایک پر لعنت کرے گا یہ آپس کی عداوت اور لعنت کا حال سورہ بقرہ اور اعراف میں گزر چکا ہے اب آگے اللہ تعالیٰ ارشاد کرتا ہے کہ آگ کا سرد ہو جانا اور ابراہیم علیہ السلام کا سلامت رہنا دیکھ کر کسی نے سوائے حضرت لوط علیہ السلام کے حضرت ابراہیم کو اللہ کا رسول نہ مانا حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے قتادہ کا قول ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہ السلام نے مقام کوثی جو کوفہ کے نواح میں ہے ملک شام کی طرف ہجرت کی اور قتادہ نے یہ بھی کہا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہجرت ہوتی رہے گی یہاں تک کہ سب زمین والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کی جگہ ہجرت کریں گے مسند امام احمد اور ابوداؤد میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت سے ایک حدیث[1] اسی مضمون کی ہے جس سے قتادہ کے اس قول کی پوری تائید ہوتی ہے اس حدیث کی سند میں ایک راوی شہر بن حوشب کو اگرچہ بعضے علما نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن ابوزرعہ اور امام احمد نے شہر بن حوشب کو معتبر کہا ہے پھر فرمایا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا تو ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب دیا اور ہر ایک کو نبی کیا حضرت اسحاق علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام پوتے تھے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ہم نے ابراہیم کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھی یہ ایک اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے بنی اسرائیل کے کل انبیاء حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کے خاندان میں سے ہی ہوئے ہیں سب سے آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں انہوں نے سب لوگوں میں کھڑے ہو کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی بشارت دی ہے جو

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۱۰ ج ۳۔

الْفَاحِشَةَ ز مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ

بے حیائی کے کام پر تم سے پہلے نہیں کیا وہ کسی نے جہان میں کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر

وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۵ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ط فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ

اور راہ مارتے ہو اور کرتے ہو اپنی مجلس میں برا کام پھر کچھ جواب نہ تھا اس کی قوم کا مگر یہی

اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ

کہ بولے لے آ ہم پر آفت اللہ کی اگر تو سچا ہے بولے اے رب میرے مدد کر

عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾ ع وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى لا قَالُوْٓا اِنَّا

ان شریر لوگوں پر اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ابراہیم پاس خوشخبری لے کر بولے ہم کو

ع ۳ ۸ ۱۵

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور نبی نہیں ہوا حضرت اسمٰعیل بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں پھر فرمایا ہم نے ابراہیم کو اس کا بدلہ دنیا میں دیا کہ سب دین و مذہب والے ان کی تعریف کرتے ہیں اور ان کو دوست جانتے ہیں اب آگے حضرت لوط علیہ السلام کا حال بیان فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ایسے برے کام کرتے ہو جو تمام جہان میں کسی نے نہیں کئے مردوں پر دوڑتے ہو اور راہ مارتے ہو جو راہ سے گذرتا ہے اس کو قتل کر ڈالتے ہو اور اس کا مال واسباب لوٹ لیتے ہو اور مجلس میں جمع ہو کر برے فعل کرتے ہو اور کوئی کسی کو برا نہیں کہتا مجاہد نے کہا مجلس میں سب کے روبرو ایک دوسرے سے بدکاری کرتے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام کے وعظ و نصیحت کا کچھ جواب نہ دیتے تھے یہی کہتے اگر تو سچا ہے تو خدا کا عذاب ہم پر لے آ فرمایا حضرت لوط علیہ السلام نے اے رب میری اس فسادی قوم کے مقابلہ میں میری مدد کر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور فرشتے ان کی مدد کو بھیجے وہ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس مہمانوں کی شکل میں آئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے آگے کھانا رکھا جب دیکھا کہ وہ نہیں کھاتے تو ان کو اوپرے جان کر ڈرے تو فرشتے ان کو خوشخبری سنانے لگے کہ تمہاری بی بی سارہ کے پیٹ سے بیٹا نیک پیدا ہو گا بی بی نے سن کر تعجب کیا یہ قصہ سورہ ہود میں اور حجر میں پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوش خبری مل چکی اور ان کو یہ معلوم ہوا کہ یہ فرشتے ہیں اور لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کو بھیجے گئے ہیں تو عذاب کے دور کرنے کے باب میں فرشتوں سے بات چیت کرنے لگے کہ اس بستی میں تو لوط بھی ہے فرشتوں نے کہا کہ ہم سب کو جانتے ہیں لوط اور اس کے لوگوں کو ہم نجات دیں گے مگر اس کی بیوی نافرمان لوگوں کے ساتھ ہلاک ہو گی غرضکہ وہ فرشتے حضرت ابراہیمؑ سے رخصت ہو کر حضرت لوطؑ کے پاس خوبصورت لڑکوں کی شکل میں جب پہنچے تو حضرت لوطؑ ان کو دیکھ کر دل میں تنگ ہوئے کیونکہ قوم کی بدفعلی سے اندیشہ ناک تھے حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو پہچانا نہ تھا کہ یہ فرشتے ہیں اس لیے فرشتوں نے ان سے کہا کہ تم نہ ڈرو اور غم نہ کھاؤ ہم تم کو اور تمہارے اہل کو عذاب سے بچا لیں گے مگر تمہاری بیوی انہیں کے ساتھ ہلاک ہو گی پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کی بستیوں کو زمین کی جڑ سے اکھاڑ اکھاڑ کر الٹ دیا اور ان کے اوپر پتھروں کا مینہ برسایا اور ان کو قیامت کے روز تک اوروں کے لیے عبرت کا نمونہ قرار دیا اسی واسطے فرمایا ہم نے چھوڑ رکھا نشان کھلا ہوا عقل والوں کو کیونکہ صبح و شام تم وہاں سے آتے

مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ؕ

کھپا دینی ہے یہ بستی بے شک اس کے لوگ ہو رہے ہیں گنہگار بولا اس میں لوط ہے

قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۫ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

وہ بولے ہم کو خوب معلوم ہے جو کوئی اس میں ہے ہم بچالیں گے اس کو اور اس کے گھر والوں کو مگر اس کی عورت رہ جانے والوں میں

وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا

اور جب پہنچے ہمارے بھیجے لوط پاس ناخوش ہوا اُن کو دیکھ کر اور رغفا ہوا دل میں اور وہ بولے نہ ڈر اور نہ غم

تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى

نہ کھا ہم بچا دیں گے تجھ کو اور تیرے گھر کو مگر عورت تیری رہ گئی رہنے والوں میں ہم کو اتارنی ہے اس

اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ

بستی والوں پر ایک آفت آسمان سے اس پر کہ یہ بے حکم ہو رہے تھے اور چھوڑ رکھا ہم نے اس کا

جاتے ہو اور ان کے مکانوں کے نشان دیکھتے ہو مجاہد کا قول ہے کہ نشان نظر آنے سے یہ مراد ہے کہ ان لوگوں کی زمین میں سیاہ پانی باقی ہے اب آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت شعیب علیہ السلام کا حال بیان فرمایا۔ کہ انہوں نے اپنی قوم مدین کے باشندوں کو یہ حکم دیا کہ تم اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کرو اور آخرت کے دن کی جزا کی توقع رکھو اور دین لین میں لوگوں کے ساتھ دغابازی نہ کرو یہ لوگ تولنے میں دغابازی کرتے تھے اور راستہ بھی لوٹتے تھے اور اللہ اور رسول کو جھٹلاتے تھے اس لیے ان کو ایک بھونچال نے پکڑا اور پھر ایک سخت آواز نے جس سے وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوندھے مردہ پڑے ہوئے تھے۔ پورا قصہ ان کا سورہ اعراف میں اور سورہ ہود میں اور سورہ شعراء میں بیان ہو چکا ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک بڑی سخت آواز کی اسی کے سبب سے بھونچال آیا جس سے ان لوگوں کے دل دہل گئے اور ان کے سب مکان گر پڑے تفسیر عبدالرزاق تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن ابی حاتم میں زید بن اسلم سے روایت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو نمرود اور اس کی قوم کی ہدایت کے لیے بھیجا اس ہدایت پر جب یہ لوگ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو ان پر مچھروں کا عذاب نازل ہوا یہ مچھر اور لوگوں کا تو سب خون پی گئے گوشت اور چربی سب کھا گئے خالی ہڈیاں زمین پر گر پڑیں مگر نمرود کے دماغ میں ایک مچھر چڑھ گیا جس کے سبب سے اس کے سر پر ایک مدت تک طرح طرح کی مار پڑتی رہی اس ذلت کے بعد پھر وہ بھی ہلاک ہو گیا۔ اس تفسیر میں ایک جگہ گزر چکا ہے کہ امام بخاری نے عبدالرزاق کی تصنیفات کو صحیح ٹھہرا کر یہ کہا ہے کہ عبدالرزاق کے نابینا ہو جانے کے بعد جن لوگوں نے ان سے زبانی روایتیں لی ہیں وہ البتہ ضعیف ہیں اسی طرح تفسیر ابن ابی حاتم کی صحت روایت کا تذکرہ بھی گزر چکا ہے اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ تفسیر عبدالرزاق اور تفسیر ابن ابی حاتم کی روایتوں میں نمرود اور اس کی قوم کی ہلاکت کا جو قصہ ہے، وہ صحیح ہے اس واسطے بعض معتبر تفسیروں میں اس قصہ کو آیت وارادوا بہ کیدا فجعلناھم الاخسرین کی تفسیر قرار دیا ہے سورہ انبیاء میں ابراہیم علیہ السلام کا جو قصہ ہے مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ قوم ابراہیم نے اگرچہ ابراہیم علیہ السلام کی جان کا نقصان چاہا تھا لیکن آخر کار انہی

ۃً بَیِّنَۃً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا

ان نظر آتا بوجھتے لوگوں کو اور بھیجا مدین پاس ان کا بھائی شعیب بولا اے قوم بندگی کرو

ہَ وَارْجُوا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۳۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ

اللہ کی اور توقع رکھو پچھلے دن کی اور مت پھرو زمین میں خرابی مچاتے پھر اس کو جھٹلایا تو پکڑا ان کو

رَّجْفَۃُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۳۷﴾ وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۠ وَقَدْ تَّبَیَّنَ لَكُمْ

بھونچال نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے اور عاد کو اور ثمود کو اور تم پر کھل چکا ہے

ن مَّسٰكِنِهِمْ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ وَ

کے گھروں سے اور بھایا ان کو شیطان نے ان کے کاموں پر روک دیا ان کو راہ سے اور

ں کو نقصان پہنچا یہ زید بن اسلم ثقہ تابعی اور مشہور مفسروں میں ہیں ان کے بیٹے عبدالرحمن بن زید بھی قدیم مفسروں میں شمار جاتے ہیں۔ تفسیر کے باب میں یہ عبدالرحمن اپنے باپ زید بن اسلم سے روایت کیا کرتے ہیں۔ امام مالکؒ نے ان زید سے اکثر باتیں لی ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تک چاہتا ہے ادی قوموں کو مہلت دیتا ہے اور پھر جب پکڑ لیتا ہے تو بالکل تباہ کر دیتا ہے قوم ابراہیمؑ، قوم لوطؑ اور قوم شعیب کی مہلت اور تباہی کی حدیث گویا تفسیر ہے۔

۳۸ تا ۴۰۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان امتوں کا احوال مشرکین مکہ کو جتلایا جن امتوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور اللہ لیٰ نے ان کو کس کس طرح کا عذاب کر کے ہلاک کیا قوم عاد حضرت ہود علیہ السلام کی امت ہے اور ثمود حضرت صالح علیہ السلام امت ہے عرب کے لوگ ان کے مکانوں کو خوب جانتے تھے اور رات دن عرب کے لوگوں کا ان پہ گزر رہتا تھا قارون بڑے خزانوں تھا اور فرعون شہر مصر کا بادشاہ تھا اور اس کا وزیر ہامان تھا اللہ تعالیٰ نے بسبب کفر کے ہر ایک کو اس کے گناہ کے مناسب عذاب پڑا قوم عاد نے دعویٰ کیا کہ ہم سے زیادہ قوت میں کون ہے ان کے اوپر بہت سخت آندھی آئی جو زمین سے کنکر پتھر اٹھا کر مارتی اور اڑا کر آسمان سے سر کے بل پٹخ دیتی کہ جس کے صدمہ سے دھڑ سے سر جدا ہو کر دھڑ کھجور کے تنے کی طرح زمین پہ پڑتا اور کسی کو سخت آواز سے مار ڈالا جیسے قوم ثمود کہ ان کی درخواست کے موافق ایک اونٹنی پتھر سے پیدا ہوئی پھر بھی وہ ن نہ لائے کفر پر اڑے رہے۔ حضرت صالح علیہ السلام کو اور جو ان پر ایمان لائے تھے ان کو ڈراتے کہ ہم تم کو بستی سے نکال دیں گے سار کریں گے خدا تعالیٰ نے ان کو ایک چنگھاڑ سے ہلاک کر دیا اور کسی کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں دھنسا دیا جیسے قارون خود اپنے آپ کو سب سے بہتر جانتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے مکانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا قیامت تک وہ دھنستا چلا جائے گا۔ اور فرعون اور ہامان اس کے وزیر کو مع اس کے لشکر کے ایک تھوڑی سی دیر میں دریا میں ڈبو دیا کوئی ڈوبنے والا بھی باقی نہ بچا پھر فرمایا یہ اللہ تعالیٰ نے کچھ ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ ان کے عملوں کے موافق ان کو سزا دی وہی اپنی جانوں پر آپ ظلم کرتے تھے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہدایت کے واسطے ان کے پاس پیغمبروں کو بھیج دیا تھا اور کتابیں بھی نازل فرمائیں غرضکہ کوئی دقیقہ ان کے سمجھانے کا باقی نہیں رکھا مگر وہ کم بخت اپنے کفر اور جھٹلانے پر اڑے رہے اور

كَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۖ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى

تھے ہوشیار اور قارون اور فرعون اور ہامان کو اور ان پاس پہنچا موسےٰ

بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿۳۹﴾ فَكُلًّا اَخَذْنَا

کھلے نشان لے کر پھر بڑائی کرتے ملک میں اور نہ تھے جیت جانے والے پھر سب کو پکڑا ہم نے

بِذَنْۢبِهٖ ۖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ

اپنے اپنے گناہ پر پھر کوئی تھا کہ اس پر بھیجا پتھراؤ باؤ سے اور کوئی تھا کہ اس کو پکڑا چنگھاڑ نے

وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ

اور کوئی تھا کہ اس کو دھنسایا ہم نے زمین میں اور کوئی تھا کہ اس کو ڈبو دیا اللہ نے اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے

لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾

پر تھے وہ اپنا آپ برا کرتے۔

گناہوں اور نافرمانیوں سے اپنی شرارت کے سبب سے باز نہ آئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ من ارسلنا علیہ حاصبا سے مراد قوم لوط ہے اور من اخذتہ الصیحۃ سے مراد قوم ثمود اور مدین والے اور زمین میں دھنسا دیا سے مراد قارون اور اس کے اصحاب ہیں اور غرق سے قوم نوح اور فرعون مراد ہے۔ صحیح بخاری کے حوالہ[1] سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ایک جگہ گذر چکی ہے کہ قوم نوح میں کے کچھ لوگ مر گئے تھے جن کے مرجانے کا صدمہ قوم کے لوگوں کو بہت تھا شیطان نے ان لوگوں کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ قوم کے لوگ ان نیک شخصوں کی مورتیں بنا کر اپنی آنکھوں کے روبرو رکھ لیویں تو ان نیک لوگوں کی جدائی کا صدمہ کم ہو جائے گا قوم کے لوگوں نے اس وسوسہ کے موافق عمل کیا اور کچھ مدت تک تو وہ مورتیں ویسی ہی رہیں پھر رفتہ رفتہ ان کی پوجا ہونے لگی جس کے سبب سے شرک دنیا میں پھیل کر توحید اٹھ گئی یہ حدیث وزین لھم الشیطان اعمالھم کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شیطان دھوکے سے اس طرح ناحق بات کو حق بات کی صورت میں لوگوں کو دکھا دیتا ہے کہ دنیا کے کاموں میں جو بڑے ہوشیار کہلاتے ہیں وہ اس کے دھوکے میں آجاتے ہیں اور حق بات کو چھوڑ کر ناحق پر جم جاتے ہیں جس طرح مثلاً اگر شیطان قوم نوح کے لوگوں کے دل میں پہلے پہل یہ وسوسہ ڈالتا کہ وہ اپنے ہاتھ سے پتھر یا لکڑی کی مورتیں بنائیں اور ان کی پوجا کریں تو لوگ اس کو ایک ناحق بات خیال کرتے اس واسطے اس ملعون نے اس ناحق بات کو ایک حق بات کی صورت میں پہلے پہل رواج دیا اور پھر رفتہ رفتہ اپنا کام نکال لیا کہ بت پرستی دنیا میں پھیلا کر توحید سے لوگوں کو روک دیا صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوذرؓ کی حدیث قدسی کئی جگہ گذر چکی ہے کہ اللہ پاک نے ظلم اپنی ذات پاک پر حرام ٹھہرالیا ہے اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم سے لے کر قارون تک جو لوگ طرح طرح کے عذاب سے ہلاک ہوئے اللہ تعالیٰ نے ظلم کے طور پر بے قصور ان کو ہلاک نہیں کیا کیوں کہ ظلم کو اس نے اپنی ذات پاک پر ٹھہرالیا ہے اس لیے ان لوگوں کی سرکشی ہلاکت کے درجہ کو پہنچ گئی تو اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک کر دیا۔

[1] صحیح بخاری تفسیر سورہ نوح ص ۷۷۰ ج ۲ مع فتح الباری طبع دہلی۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ

کہاوت ان کی جنہوں نے پکڑے اللہ کو چھوڑ کر اور حمایتی جیسے کہاوت مکڑی کی بنا لیا اس نے ایک گھر

وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا

اور سب گھروں میں بودا سو مکڑی کا گھر اگر ان کو سمجھ ہوتی اللہ جانتا ہے جس کو

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا

وہ پکارتے ہیں اس کے سوائے کوئی چیز ہو اور وہ زبردست ہے حکمتوں والا اور یہ کہاوتیں بٹھاتے ہیں ہم لوگوں

لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِيْ

کے واسطے اور ان کو بوجھتے وہی ہیں جن کو سمجھ ہے اللہ نے بنائے آسمان اور زمین جیسے چاہیئے اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۴﴾

پتہ ہے یقین لانے والوں کو

۴۱ تا ۴۴۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی کہاوت بیان فرماتا ہے جو خدا کو چھوڑ کر اوروں کو معبود ٹھہراتے ہیں اور اپنی حاجتوں میں ان کو پکارتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے مکڑی کا گھر ہے جو نہایت بودا ہے اور گرمی جاڑے بارش کا اس میں کچھ بچاؤ نہیں اسی طرح ان جھوٹے معبودوں سے ان کے پوجنے والوں کو کچھ فائدہ نہیں ان کا دین مکڑی کے گھر کی طرح بودا ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹے معبودوں کے پوجنے والوں کی مکڑی کے گھر سے مثال دی جس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ آفت آجاوے گی تو ان کو اپنے جھوٹے معبودوں سے اسی طرح کچھ مدد نہ ملے گی جس طرح مکڑی کو اپنے گھر سے جاڑے گرمی میں کچھ بچاؤ کی مدد نہیں ملتی پھر اللہ تعالیٰ نے ان جھوٹے معبودوں کے پوجنے والوں کو دھمکایا کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں جن کو تم ہمارے سوائے پکارتے ہو ہم تم سے سمجھ لیں گے ہم زبردست حکمت والے ہیں پھر فرمایا ان کہاوتوں اور مثالوں کو جو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں علم والے ہی سمجھتے ہیں نوح علیہ السلام کی قوم سے لے کر قارون تک کے قصے کی آیتیں جو اوپر گزریں وہ سب آیتیں ان آیتوں کی گویا تفسیر ہیں جس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ یہ نافرمان لوگ اپنے جھوٹے معبودوں کی مدد کے بھروسہ پر شرک میں گرفتار رہے اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کی پکڑ ہوئی تو جس طرح جاڑے گرمی میں مکڑی کا گھر اس کے کچھ کام نہیں آتا اسی طرح ان مشرکوں کے جھوٹے معبود بھی ان کے کچھ کام نہ آئے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث جو گزر چکی ہے جس طرح وہ حدیث قوم ابراہیم قوم لوط اور قوم شعیب کی مہلت اور تباہی کی تفسیر ہے اسی طرح ان سب مکڑی کے گھر والوں کی مہلت اور تباہی کی بھی وہی حدیث گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان سب کو ان کے مکڑی کے گھروں کے بودے پنے سے واقف ہو جانے کے لیے مہلت دی گئی اور جب مہلت کے زمانہ میں یہ لوگ اپنی حالت سے باز نہ آئے تو طرح طرح کے عذابوں میں پکڑے گئے اور اس وقت ان کو اپنے مکڑی کے گھروں کا بوداپن اچھی طرح معلوم ہو گیا۔

۴۴ تا ۴۵ ان آیتوں میں اپنی قدرت کا حال بیان فرمایا ہے کہ اس نے آسمان اور زمین کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا بلکہ اس واسطے پیدا کیا کہ ہر ایک شخص کو اس کے عمل کا بدلہ ملے بُرے کو بُرا اچھے کو اچھا اس آیت میں ایمان والوں کو ہدایت ہے کہ اللہ اکیلا جہان کا پیدا کرنے والا

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ

تو پڑھ جو اتری تیری طرف کتاب اور کھڑی رکھ نماز بے شک نماز روکتی ہے

الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ؕ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَا تُجَادِلُوْٓا

بے حیائی سے اور بری بات سے اور اللہ کی یاد ہے سب سے بڑی اور اللہ کو خبر ہے جو کرتے ہو اور جھگڑا نہ کرو

اَھْلَ الْکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ٭ۖ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْھُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا

کتاب والوں سے مگر اس طرح پر جو بہتر ہو مگر ان میں بے انصاف ہیں اور یوں کہو کہ ہم مانتے ہیں

بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْکُمْ وَاِلٰـھُنَا وَاِلٰـھُکُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾

جو اترا ہم کو اور اترا تم کو اور بندگی ہماری اور تمہاری ایک کو ہے اور ہم اسی کے حکم پر ہیں

وَکَذٰلِکَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ ۚ وَمِنْ ھٰٓؤُلَآءِ

اور ویسی ہی ہم نے اتاری تجھ پر کتاب سو جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو مانتے ہیں اور ان لوگوں میں

ہے وہی اکیلا پوجنے کے قابل ہے اور منکرین حشر کو یہ تنبیہ ہے کہ یہ لوگ خود تو دنیا میں جو کام کرتے ہیں اس میں کوئی نہ کوئی فائدہ ان کو مدنظر ہوتا ہے مثلاً کھیتی میں پیداوار کا فائدہ تجارت میں نقدی کا فائدہ ان کا مقصود ہوتا ہے پھر یہ نادان اللہ تعالیٰ کے اتنے بڑے انتظام کو بے فائدہ کیوں ٹھہراتے ہیں اتنا نہیں سمجھتے کہ دنیا کے ختم ہو جانے کے بعد اگر جزا و سزا نہ ہو تو دنیا کا پیدا کرنا بالکل بے ٹھکانے ٹھہرتا ہے جو اللہ کی شان سے بہت بعید ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلعم کو قرآن شریف کے پڑھنے کا اور نماز کے قائم کرنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ نماز ایسی چیز ہے کہ سب بری باتوں سے روکتی ہے اور خدا کی یاد سب سے بڑی ہے معتبر سند سے مسند امام احمد میں ابوہریرہ کی حدیث[1] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روبرو ایک چور شخص کے نمازی ہونیکا ذکر آیا آپ نے فرمایا نماز کی برکت سے اس کی چوری کی عادت چھوٹ جائے گی یہ حدیث ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر کی گویا تفسیر ہے عبداللہ بن عون کے قول کے موافق یہاں فحشاء کے معنے بدکاری کے ہیں اور منکر کے معنے بدکاری کے سوا اور گناہ یعنی کے یہ عبداللہ ابن عون ثقہ تابعیوں میں ہیں صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت[2] ہے کہ جو شخص یاد الٰہی میں مصروف رہتا ہے تو تعریف کے طور پر اللہ تعالیٰ ایسے شخص کا ذکر فرشتوں کے روبرو کرتا ہے یہ حدیث ولذکر اللہ اکبر کی یہ گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وفادار غلام تو اپنے آقا کو یاد کیا ہی کرتا ہے لیکن آقا کا غلام کو تعریف کے طور پر یاد کرنا بڑی بات ہے معتبر سند سے ابوداؤد اور نسائی کی ابوامامہؓ کی حدیث گزر چکی ہے کہ بغیر خالص نیت کے کوئی عمل بارگاہ الٰہی میں مقبول نہیں ہے یہ حدیث واللہ یعلم ماتصنعون کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خالص نیت کے عملوں کی اور دنیا کے دکھاوے کی عملوں کی سب خبر ہے اور دنیا کے دکھاوے کے عمل اس کی بارگاہ میں مقبول نہیں ہیں شروع آیت میں اللہ تعالیٰ نے تلاوت قرآن اور نماز کا حکم اپنے رسول کو فرمایا اور پھر واللہ یعلم ماتصنعون فرما کر امت کو اس حکم میں شامل کر دیا تاکہ معلوم ہو کہ اس حکم کی تعمیل سب پر یکساں ہے تلاوت قرآن کے وقت نماز روزہ حج زکوٰۃ سب باتوں کا حکم اگرچہ معلوم ہو سکتا ہے لیکن نماز کی تاکید شریعت میں بہت ہے اس لیے نماز کا ذکر خاص طور پر فرمایا پھر

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۱۵ ج ۳ ، [2] مشکوٰۃ ص ۱۹۶ باب ذکر اللہ والتقرب الیہ۔

مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ

بعضے ہیں کہ اس کو مانتے ہیں اور منکر وہی ہیں ہماری باتوں سے جو بے حکم ہیں اور تو پڑھتا نہ تھا اس سے پہلے کوئی

مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ

کتاب اور نہ لکھتا تھا اپنے داہنے ہاتھ سے تو البتہ شبہ کھاتے یہ جھوٹے بلکہ یہ قرآن آیتیں ہیں صاف

صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَقَالُوْا لَوْلَآ

سینے میں ان کے جن کو ملی ہے سمجھ اور منکر نہیں ہماری باتوں سے مگر وہی جو بے انصاف ہیں اور کہتے ہیں کیوں نہ

اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾

اتریں اس پہ کچھ نشانیاں اس کے رب سے تو کہہ نشانیاں تو ہیں اللہ کے اختیار میں اور میں تو یہی سنانے والا ہوں کھول کر

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ

کیا ان کو بس نہیں کہ ہم نے تجھ پہ اتاری کتاب کہ ان پر پڑھی جاتی ہے بے شک اس میں مہر ہے اور

فرمایا اہل کتاب سے زیادہ نہ جھگڑو بلکہ ان سے اتنا ہی کہہ دو کہ قرآن شریف پر بھی ہم کو یقین ہے کہ وہ کلام الٰہی ہے اور پہلی کتابوں پر بھی کیونکہ ہمارا تمہارا معبود ایک ہے اور اسی کی سب کتابیں ہیں جس کی پیروی ہم پر لازم ہے مگر ان کتابوں میں ردوبدل ہو گیا ہے اس کی پیروی کا ہم کو حکم نہیں ہے قرآن شریف نے وہ ردوبدل کی باتیں ہم کو بتلادی ہیں اس لیے ہم اتنی ہی بات کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تم پر اترا ہے اس پر ہمارا ایمان ہے ردوبدل کے شبہ کے سبب سے نہ تمہاری کسی خالص بات کو ہم مان سکتے ہیں نہ تمہاری ساری کتاب کو جھٹلا سکتے ہیں صحیح بخاری میں اہل کتاب کے باب میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے اس کا حاصل وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا الذین ظلموا منھم اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اہل کتاب تم پر زیادتی کریں تو تم بھی ان سے ایسا ہی پیش آؤ مدینہ کے گردونواح میں یہود کے قبیلے بنی نضیر اور بنی قریظہ نے اہل اسلام کے مقابلہ اور مشرکین کی مدد پر کمر باندھی اس لیے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنی نضیر کو تو جلا وطن کیا اور بنی قریظہ قتل کئے گئے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں یہ دونوں قصے مفصل ہیں جن قصوں کو الا الذین ظلموا کی تفسیر کہا جا سکتا ہے اب آگے فرمایا اے رسول اللہ کے جس طرح ہم نے پہلے انبیاء پر کتابیں نازل کیں اسی طرح تم پر بھی قرآن نازل کیا جس کو بعضے اہل کتاب اور بعضے اہل مکہ اللہ کا کلام مانتے ہیں اور جو نہیں مانتے وہ حق بات کے جان بوجھ کر منکر ہیں کیونکہ قرآن کے نازل ہونے سے پہلے اے رسول اللہ کے جب کچھ تم لکھے پڑھے نہیں تھے تو ان مشرکوں کے دل جانتے ہیں کہ ان پڑھ آدمی ایسی کتاب اپنے دل سے ہرگز نہیں بنا سکتا جس کا بنانا پڑھے لکھے لوگوں کی قدرت سے بھی باہر ہے اور پہلی کتابوں میں تمہارے اوصاف ایسے تفصیل سے ہیں کہ اہل کتاب کے دل بھی خوب جانتے ہیں کہ تم اللہ کے رسول ہو اور قرآن کلام الٰہی ہے۔

۵۰ تا ۵۹۔ مشرکین مکہ کہتے ہیں کہ اگر یہ سچے رسول ہیں تو کچھ نشانیاں کیوں نہیں دکھاتے اللہ فرماتا ہے تو کہہ دے نشانیاں اللہ کے اختیار میں ہیں اگر اللہ جانتا نشانیاں دیکھ کر تم راہ پر آجاؤ گے تو وہ تم کو نشانیاں بھی دکھا دیتا اس پر کچھ مشکل نہ تھا مگر وہ جانتا ہے کہ تمہارا ارادہ مسخراپن کا ہے اس لیے وہ تم کو نہیں دکھاتا اور میں تو فقط ڈرانے والا ہوں پھر اللہ تعالیٰ مشرکوں کی وہ جہالت بیان کرتا ہے

ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٥١﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي

سمجھانا ان لوگوں کو جو مانتے ہیں تو کہہ بس ہے اللہ میرے تمہارے بیچ گواہ جانتا ہے جو کچھ ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٥٢﴾

آسمان و زمین میں اور جو لوگ یقین لاتے ہیں جھوٹ پر اور منکر ہوئے ہیں اللہ سے انہیں کا برا ہوتا ہے

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاۗءَهُمُ الْعَذَابُ ۭ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ

اور شتاب مانگتے ہیں تجھ سے آفت اور اگر نہ ہوتا ایک وعدہ ٹھہر رہا تو آپہنچتی ان پر آفت اور آئے گی ان پر

بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٥٣﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ

اچانک اور ان کو خبر نہ ہوگی شتاب مانگتے ہیں تجھ سے عذاب اور دوزخ گھیر رہی ہے

جس کے سبب سے وہ جو پیغمبر صلعم کی سچائی پر نشانیاں مانگتے تھے حالانکہ قرآن شریف ایسا بڑا معجزہ ہے کہ جس کے مقابلہ سے بڑے بڑے فصیح بلیغ عاجز آگئے اس کی مانند دس سورت کیا بلکہ ایک سورت بھی نہ بنا سکے پھر رسول کی صداقت میں کیا ایسی کتاب کافی اور بس نہیں ہے اس قرآن میں ایمان والوں کے لیے قرآن کی نصیحت پر عمل کرنے کا نتیجہ اللہ کی رحمت سے جنت ہے اور اس قرآن میں یہ بھی ہے جو اس کی نافرمانی کرے گا اس پر عذاب ہوگا تو کہہ دے میرے تمہارے درمیان خدا گواہ ہے جو سب جانتا ہے اگر میں جھوٹ کہتا ہونگا تو وہ مجھ سے بدلہ لے گا لیکن وہ تو دن بدن اسلام کو ترقی دے رہا ہے جس سے اسلام کا حق ہونا صاف ظاہر ہے اب اللہ تعالیٰ مشرکوں کی دوسری جہالت بیان کرتا ہے کہ وہ خدا کا عذاب جلد جلد طلب کرتے ہیں ان سے کہہ دیا جائے کہ اگر عذاب کے لیے قیامت کا دن مقرر نہ ہوتا تو بہت جلد ان کو عذاب پہنچتا اور البتہ آوے گا ان کو عذاب یکایک بے خبری میں اور دوزخ ان کی تاک میں ہے قیامت کے دن جب ان کو دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جاوے گا تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ ثواب عذاب کی جلدی کرنے کا اور اپنی اور بداعمالی کا مزہ چکھو اب آگے اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ہجرت کا حکم فرماتا ہے کہ جس شہر میں آدمی دین پر پورا نہ چل سکے وہاں سے ہجرت کر کے دوسرے شہر میں چلا جاوے جہاں دین پر پورا چل سکے معتبر سند سے امام احمد نے زبیر بن عوامؓ سے روایت[1] کی ہے کہ پیغمبر صلعم نے فرمایا سب شہر اللہ کے شہر ہیں اور سب بندے اللہ کے بندے ہیں جہاں تو نیکی کر سکے وہاں قیام کر پہلے پہل بے وطن ہونے میں تنگی معاش کے اندیشہ سے لوگوں کو مکہ کے چھوڑنے میں پس و پیش تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ اللہ کی زمین فراخ اور اللہ ہر جگہ رزاق ہے۔ اور کمزور ایمان والوں کو مکے میں ٹھہرنا مشکل ہوا تو انہوں نے حبشہ کو ہجرت کی تاکہ وہاں بے خوف اپنے دین پر چلیں وہاں کے بادشاہ نجاشی نے ان کو جگہ دی اور بڑی مدد کی معتبر سند سے مسند امام احمد میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت[2] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو بہت تکلیف دینی شروع کی تو یہ حبشہ کی ہجرت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے ہوئی بعد اس کے پیغمبر صلعم اور سب اصحاب نے مدینہ منورہ کو ہجرت کی مدینہ کی ہجرت کا قصہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت[3] سے مفصل ہے پھر فرمایا ہر جی

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۱۶ ج ۳ و الدر المنثور ص ۱۴۹ ج ۵ [2] فتح الباری ص ۲۴۴ ج ۴ باب ہجرۃ الحبشۃ۔ [3] صحیح بخاری ص ۵۵۲ ج ۱ باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ۔

بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ

منکروں کو جس دن گھیرے گا ان کو عذاب ان کے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے اور کہے گا

ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ

چکھو جیسا کچھ کرتے تھے اے بندو میرے جو یقین لائے ہو میری زمین کشادہ ہے سو مجھ ہی کو

فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ

بندگی کرو جو جی ہے سو چکھے گا موت پھر ہماری طرف پھر آؤ گے اور جو لوگ

کے لیے موت ضرور ہے پھر تم ہمارے پاس آؤ گے اس واسطے تم کو چاہیے کہ اللہ کی بندگی میں رہو جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کی جگہ بہشت میں اونچے محل اور نیچے ان کے نہریں ہیں ہمیشہ رہیں گی ان میں یہ اچھا بدلا ان نیک عمل کرنے والوں کا ہے جنہوں نے دین کے کاموں کی تکلیف اور مخالفوں کی ایذا پر صبر کیا اور دین پر جمے رہے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھا۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث گزر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے موافق لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کتنے آدمی جنت میں جانے کے قابل کام کریں گے اور کتنے دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰؓ اشعری کی یہ حدیث بھی گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن کی مثال مینہ کے پانی کی اور اچھے برے لوگوں کی مثال اچھی بری زمین کی بیان فرمائی ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث بھی گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اور معجزوں کے علاوہ مجھ کو قرآن کا معجزہ ایسا دیا گیا ہے جس کے سبب سے قیامت کے دن میری امت کے نیک لوگوں کی تعداد اور سب امتوں کے نیک لوگوں سے بڑھ کر ہوگی ان حدیثوں کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اہل مکہ میں جو لوگ علم الٰہی کے موافق دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل ٹھہر چکے تھے ان کے حق میں قرآن کی نصیحت ایسی رائیگاں گئی جس طرح بری زمین میں مینہ کا پانی رائیگاں جاتا ہے اور یہی لوگ مسخراپن کے طور پر قرآن کے سوا اور معجزوں کی خواہش اور عذاب کی جلدی کرتے کرتے اسی گمراہی کی حالت میں دنیا سے اٹھ گئے اور قرآن شریف کی نصیحت کے سبب سے جو لوگ راہ راست پر آئے ان کی تعداد قیامت کے دن سب کی آنکھوں کے سامنے آجاوے گی۔ صبر یا تو مناہی کی باتوں سے بچنے پر ہوتا ہے یا جن باتوں کے بجالانے کا شرع میں حکم ہے اس کے بجالانے میں آدمی کو جو تکلیف ہو اس پر صبر ضروری ہے مثلاً جیسے جاڑے کے وضو یا گرمی کے روزہ کی تکلیف یا صبر مصیبت کے وقت ہوتا ہے مثلاً جیسے کمزور مسلمانوں کو مکہ میں مشرکوں کے ستانے کی مصیبت درپیش تھی ان آیتوں میں ہر طرح کے صبر کے اجر کا ذکر ہے صبر کے اجر کا پورا بھروسہ جب تک آدمی اللہ تعالیٰ پر نہ رکھے تو اس سے صبر نہیں ہو سکتا اسی واسطے صبر کے ساتھ توکل کا ذکر فرمایا توکل کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے ہر کام کو تقدیر الٰہی اور مرضی الٰہی پر اسی طرح چھوڑ دیوے کہ اسباب دنیاوی کو کام میں لاوے مگر انجام ہر ایک کا اللہ تعالیٰ کی مرضی پر رکھ کر تکلیف کے وقت صبر اور راحت کے وقت شکر کرے صحیح مسلم میں صہیبؓ رومی سے روایت[1] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تقدیر الٰہی پر شاکر رہنے والے ایماندار شخص کی ہر طرح بہتری ہے تکلیف

[1] مشکوٰۃ ص ۵۲ ۴ باب التوکل والصبر فصل اول

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

یقین لائے اور کئے بھلے کام ان کو ہم جگہ دیں گے بہشت میں جھروکے نیچے بہتی نہریں رہا کریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾

سدا رہیں ان میں خوب نیگ ملا کام والوں کو جو ٹھہرے رہے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھا

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۖ

اور کتنے جانور ہیں جو نہیں اٹھا رکھتے اپنی روزی اللہ روزی دیتا ہے ان کو اور تم کو

کے وقت صبر کا اجر ہے اور راحت کے وقت شکر گزاری کا بدلہ طبرانی کبیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جب صابر لوگوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا تو بے صبر لوگ آرزو کریں گے کہ کاش دنیا میں ان کے جسم کی بوٹیاں کوئی قینچی سے کاٹتا اور وہ اس تکلیف پر صبر کرتے۔ یہ حدیث صبر کے اچھے اجر اور صبر کی ترغیب کی گویا تفسیر ہے اس حدیث کی سند میں ایک راوی مجاعۃ بن الزبیر ہے جس کو بعضے علماء نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن امام احمد نے اس کو معتبر کہا ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث جو ابھی گزری جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن کی نصیحت کی مثال مینہ کے پانی کی اور اچھے برے لوگوں کی مثال اچھی بری زمین کی بیان فرمائی ہے اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں یہ دخل ہے کہ جو لوگ علم الٰہی میں اچھے ٹھہر چکے ہیں ان کو قرآن کی نصیحت نے ایسا ہی فائدہ دیا جیسے اچھی زمین میں مینہ کے پانی سے فائدہ ہوتا ہے اور اسی فائدہ کے سبب سے قیامت کے دن وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے قابل قرار پائے اس لیے فرمایا قرآن کے ماننے والوں کے حق میں یہ قرآن ایک رحمت ہے اسی طرح علم الٰہی میں جو لوگ بدقرار پا چکے تھے ان کے حق میں قرآن کی نصیحت ایسی رائیگاں گئی جس طرح بری زمین میں مینہ کا پانی رائیگاں جاتا ہے اسی واسطے وہ لوگ شق القمر جیسا معجزہ دیکھنے کے بعد بھی مسخراپن کے طور پر اور معجزوں کی فرمائش اور عذاب الٰہی کی جلدی کرتے کرتے بدر کی لڑائی میں ان میں کے بڑے بڑے سرکش دنیا سے اٹھ گئے اور مرتے ہی وہ عذاب ان کی آنکھوں کے سامنے آگیا جس کی جیتے جی یہ لوگ جلدی کرتے تھے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انس بن مالکؓ کی حدیث گزر چکی ہے کہ دنیا میں بڑی ذلت سے یہ لوگ مارے گئے اور پھر ان کی لاشوں پر کھڑے ہو کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے عذاب الٰہی کا وعدہ سچا پالیا ابن ماجہ کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی صحیح حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے لیے ایک ٹھکانہ جنت میں اور ایک دوزخ میں پیدا کیا ہے یہ منکر حشر مشرک لوگ جب ہمیشہ کو دوزخ میں جا پڑیں گے تو ان کی جگہ جو جنت میں خالی رہ جائے گی وہ بھی جنتیوں کو مل جائے گی یہ حدیث اولٰئک ھم الخسرون کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنا جنت کا ٹھکانہ اپنے ہاتھ سے کھو دیا اس واسطے یہ لوگ بڑے ٹوٹے میں ہیں۔

۔ مسند عبد بن حمید بیہقی تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے جو شان نزول اس آیت کی

ــــــــــــــــــــــــــــــ

لہ الترغیب والترہیب ص ۲۸۲ ج ۴ عنوان الترغیب فی الصبر الخ۔ ۵ ۔ تفسیر الدر المنثور ص ۱۴۹ ج ۵۔

وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٠﴾

اور وہی ہے سنتا جانتا

بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک روز مدینہ منورہ کے ایک باغ میں تشریف لے گئے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیڑوں کے نیچے کی کھجوریں چن کر کچھ کھائیں اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا کہ تم بھی کھاؤ انہوں نے کہا کہ حضرت مجھ کو تو بھوک نہیں آپ نے فرمایا مجھ کو تو بھوک لگی ہے میں نے چار روز سے کچھ نہیں کھایا اور اگر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں تو اللہ تعالیٰ مجھ کو شاہ ایران اور شاہ روم کی سی بادشاہت عنایت فرما دیوے اے عبداللہ بن عمرؓ میرے بعد تم ایسے لوگوں کو دیکھو گے کہ برس برس روز کا غلہ ذخیرہ کر کے رکھیں گے اللہ تعالیٰ کے رزاق ہونے پر بھروسہ ان لوگوں کو نہ ہوگا حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ابھی ہم اس باغ میں ہی تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھ کو دنیا کا خزانہ جمع کرنے سے اور دنیا کی خواہش کی چیزوں کی رغبت سے منع فرمایا ہے اس لیے کل کے واسطے میں کوئی چیز کھانے کی نہیں رکھتا جلال الدین سیوطی نے اگرچہ اس روایت کی سند کو ضعیف بتلاتا ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی جراح بن منہال ابوالعطوف کو اکثر علماء[1] نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن ترمذی میں حضرت انسؓ کی ناقابل اعتراض سند کی حدیث[2] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کبھی کوئی کھانے پینے کی چیز کل کے واسطے ذخیرہ کر کے نہیں رکھتے تھے اس شان نزول کے موافق ہے بعضے مفسروں نے یہ جو اعتراض کیا ہے کہ اس شان نزول کی روایت کا مضمون اور صحیح روایتوں کے مخالف ہے جن کا مطلب یہ ہے کہ برس روز کا غلہ ازواج مطہرات کے گھروں میں آنحضرتؐ کی حیات کے وقت بھرا رہتا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح بیماری کی حالت میں علاج کرنے اور نہ کرنے کی دونوں روایتیں ہیں اور علماء ان دونوں روایتوں میں ایک روایت کو دوسری روایت کے مخالف نہیں کہتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ایک روایت اول درجہ کے توکل کے بیان میں ہے اور دوسری روایت اس حکم کے بیان میں ہے کہ شریعت میں ضرورت کے وقت بیماری کا علاج کرنا بھی منع نہیں ہے بلکہ جائز ہے اسی طرح کی یہ دونوں روایتیں ہیں ایک روایت دوسری کے مخالف نہیں ہیں تفسیر سفیان بن عیینہؒ[3] میں لکھا ہے کہ سوائے آدمی اور چوہے اور چیونٹی کے اور جاندار چیزیں کل کے کھانے پینے کی چیز کا ذخیرہ بہت کم جمع کرتی ہیں غرض کھانے پینے کی چیز گرانی کے وقت اگر کوئی شخص بھرے اور گرانی کے انتظار میں اس کو روک کر بیچنے کے لیے رکھے تو اس طرح کا ذخیرہ منع ہے اور ارزانی کے موسم میں تجارت کے لیے یا کھانے پینے کے لیے غلہ کا ذخیرہ منع نہیں ہے یہ ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ جو رازق ذخیرہ نہ رکھنے والوں کو ہر روز رزق پہنچاتا ہے ہجرت کے سبب سے اگر تمہارا کچھ ذخیرہ وطن میں رہ جائے گا تو وہی رازق اس حالت میں بھی تم کو رزق پہنچائے گا کیوں کہ وہ ہر شخص کی ضرورت جانتا ہے اور ہر شخص کی التجا کو سنتا ہے صحیح بخاری

[1] حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں ہذا حدیث غریب وابوالعطوف جراح بن منہال، ضعیف (ع،ح)

[2] جامع ترمذی کتاب الزھد، باب ماجآء فی معیشۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واہلہ [3] فتح البیان ص ۱۴ ۵ ج ۲ (طبع بھوپال ہند)

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ

اور جو تو لوگوں سے پوچھے کس نے بنائے آسمان و زمین اور کام لگائے سورج اور چاند تو کہیں

اللّٰهُ ۚ فَأَنّٰى يُؤْفَكُونَ ﴿٦١﴾ اللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۚ إِنَّ

اللہ نے پھر کہاں سے الٹ جاتے ہیں اللہ پھیلاتا ہے روزی جس کے واسطے چاہے اپنے بندوں میں اور ناپ کر دیتا ہے جسکو چاہے

اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٦٢﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ

بیشک اللہ ہر چیز سے خبردار ہے اور جو تو پوچھے ان سے کس نے اتارا آسمان سے پانی پھر جلا دیا

مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٦٣﴾

اس سے زمین کو اس کے مرے پیچھے تو کہیں اللہ نے تو کہہ سب خوبی ہے اللہ کو پر بہت لوگ نہیں بوجھتے

ع ۲/۲

و مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت[1] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ماں کے پیٹ میں جب بچہ کا پتلہ تیار ہو جاتا ہے تو اس میں روح پھونکنے سے پہلے اس کا رزق لکھ لیا جاتا ہے اس حدیث کو اس آیت کی تفسیر میں یہ دخل ہے کہ اس سے رزق کے باب میں جو انتظام الٰہی ہے اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے۔

۶۱ تا ۶۹۔ اللہ تعالیٰ ان آیتوں میں اپنا معبود ہونا بیان فرماتا ہے کہ اس کے سوائے کوئی لائق بندگی کے نہیں ہے کس واسطے کہ مشرک لوگ اگرچہ خدا کے سوا اوروں کو بھی پوجتے ہیں لیکن آسمان و زمین چاند سورج رات دن کا پیدا کرنے والا خدا ہی کو جانتے ہیں اور اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ بندوں کا روزی دینے والا اور مارنے والا بھی وہی اللہ ہے اور وہی کسی کو امیر اور کسی کو فقیر جیسا مناسب دیکھتا ہے اور جس کو جس کا مستحق جانتا ہے ویسا ہی کرتا ہے وہی سب کا خالق ہے یہ سب کچھ کہہ کر پھر بتوں کو اپنا معبود جانتے ہیں اس لیے فرمایا کہ اکثر ان مشرکوں کے عقل نہیں رکھتے یہ مشرک لوگ آخرت کے منکر تھے اور انہوں نے اپنے سب کاموں کا دارو مدار دنیا کی زندگی پر رکھا تھا اس لیے آگے کی آیت میں اللہ تعالیٰ دنیا کی حقارت اور آخرت کی تعریف بیان فرماتا ہے کہ دنیا کی زندگی ناپائیدار ہے جس کو بقا نہیں اور آخرت کا جینا ہمیشہ کا جینا ہے اگر یہ مشرک اس بات کو سمجھتے تو باقی کو فانی پر اختیار نہ کرتے پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مشرک لوگ بے بسی کی حالت میں صرف خدا ہی کو پکارتے ہیں ہر وقت اس کو نہیں پکارتے یہ ان کی نادانی ہے سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا واذا مسکم الضر فی البحر ضل من تدعون الا ایاہ فلما نجاکم الی البر اعرضتم جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم کو دریا میں تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے بتوں کو بھول جاتے ہو اور ڈوبنے سے بچانے کی التجا خالص اللہ سے کرتے ہو پھر جب نجات دی تم کو خدا نے دریا سے طرف جنگل کی تو بچ گئے یہاں فرمایا کہ جب نجات دی تو لگے شرک کرنے دنیا کی زندگی کو لہو لعب اس واسطے فرمایا کہ جس طرح بچے کسی چیز سے دل بہلاتے ہیں اور کھیلتے ہیں اور پھر تتر بتر ہو جاتے ہیں ایسے ہی دنیا فانی ہے اور آخرت میں حیات دائمی ہے جس میں موت نہیں اور نہ کسی طرح کا غم اور بیماری ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ سمجھ رکھتے یا کچھ علم ان کو ہوتا تو دار فانیہ کو آخرت باقیہ پر پسند نہ کرتے ان کو ایمان سے روکنے والی دنیا کی زندگی ہے جب ان کو زندگی کی امید نہیں رہتی اور ڈوب جانے کا خوف ہوتا ہے تو فطرت کی طرف پھرتے ہیں سچی نیت سے اکیلے اللہ ہی کو پکارتے ہیں بتوں کو چھوڑ دیتے

[1] مشکوٰۃ ص ۲۰ باب الایمان بالقدر فصل اول۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَھِىَ الْحَـيَوَانُ ۘ

اور یہ دنیا کا جینا تو یہی ہے جی بہلانا اور کھیلنا اور پچھلا گھر جو ہے سو یہی ہے جینا

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٤﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ

اگر یہ سمجھ رکھتے پھر جب سوار ہوئے کشتی میں پکارنے لگے اللہ کو نرے اسی پر رکھ کر نیت

فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٥﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ٻ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۣ

پھر جب بچا لیا ان کو زمین کی طرف اسی وقت لگے شریک پکڑنے کہ مکرتے رہیں ہمارے دیئے سے اور برتتے رہیں

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ

اب آگے جان لیں گے کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے رکھ دی ہے پناہ کی جگہ امن کی اور لوگ اُچکے جاتے ہیں اُن کے

حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ

آس پاس سے کیا جھوٹ پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کا احسان نہیں مانتے اور اُس سے بے انصاف کون

ہیں جانتے ہیں کہ اس شدت کے وقت اللہ کے سوا کوئی مصیبت کو دور کرنے والا نہیں جب وہ پروردگار ان کو ڈوبنے سے بچا دیتا ہے اور خشک زمین میں ان کو لے آتا ہے اور وہ بے خوف ہو جاتے ہیں تو اس وقت بتوں کو اللہ کا شریک ٹھہرانے لگتے ہیں اور غیر اللہ کو پکارنے لگتے ہیں فسوف یعلمون کا مطلب یہ ہے قریب معلوم کریں گے اپنے اس کام کے نتیجہ کو اب آگے اللہ تعالیٰ قریش پر احسان جتلاتا ہے کہ ان کو حرم میں اس طرح آباد کیا کہ جو اس میں آیا اس کو امن ملا مکے والے امن میں تھے اور سارے ملک میں فساد تھا ایک کو ایک لوٹتا قتل کرتا اس نعمت کا شکریہ ان لوگوں نے یہ کیا کہ خدا کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہرایا اور بتوں کی بندگی کی اللہ کے احسان کے بدلے میں ناشکری کی ان کو چاہئے تھا کہ خالص اللہ کی بندگی کرتے اور کسی کو اس کا شریک نہ کرتے اور اس کے رسول کی تعظیم کرتے انہوں نے بجائے تعظیم کے اللہ کے رسول کو اپنے شہر سے نکال دیا خدا تعالیٰ نے بھی اپنی نعمتیں ان سے لے لیں اور بدر میں ان کو قتل کیا پھر غلبہ اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو ہو گیا مکہ فتح ہوا اور ان کو اللہ نے ذلیل وخوار کیا پھر فرمایا ایسے شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر یہ جھوٹ باندھے کہ اللہ نے مجھ پر وحی کی ہے اور اس پر کچھ وحی نہیں ہوئی یا جھٹلا دے دین حق کو جب اس کے پاس آوے کیا دوزخ میں منکروں کے رہنے کی جگہ نہیں ہے یہ بطور دھمکی اور ڈرانے کے فرمایا جب اللہ تعالیٰ مشرکوں کا احوال فرما چکا تو اب ان کے مقابل میں اپنے نیک بندوں کا حال بیان کرتا ہے کہ جن لوگوں نے ہماری رضامندی حاصل کرنے کے لیے محنت کی ان کو ہم اپنی راہیں سوجھا دیں گے مطلب یہ ہے کہ ان کو نیک راستوں کی طرف زیادہ ہدایت کریں گے اور توفیق اچھی عطا کریں گے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے آیت کے اس ٹکڑے کی تفسیر میں فرمایا کہ جنہوں نے ہماری طاعت میں کوشش کی ہم ان کو اپنے ثواب کی راہیں بتلا دیں گے وان اللہ لمع المحسنین اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے دنیا میں مدد سے اور آخرت میں مغفرت سے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ اللہ ہو وہ کبھی ذلیل وخوار نہ ہوگا۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ شیطان نے پہلے تو لوگوں کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ وہ اپنے نیک بڑے بوڑھوں کی مورتیں فقط یادگاری کے

افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًی لِّلْكٰفِرِیْنَ ﴿۶۸﴾

جو باندھے اللہ پر جھوٹ یا جھٹلا دے سچی بات کو جب اس تک پہنچے کیا دوزخ میں بسنے کی جگہ نہیں منکروں کی

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۶۹﴾

اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سمجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں اور بے شک اللہ ساتھ ہے نیکی والوں کے

آیاتہا ۶۰ (۳۰) سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ (۸۴) رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ فِیْۤ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾

دب گئے ہیں روم لگتے ملک میں[1] اور وہ اس دبنے پیچھے اب غالب ہوں گے

لیے بناویں اور پھر کئی پشتوں کے بعد ان مورتوں کی پوجا کا رواج لوگوں میں اس اعتقاد سے پھیلا دیا کہ جو کوئی ان نیک لوگوں کی مورتوں کو پوجے گا یہ نیک لوگ اللہ کے روبرو اس کی سفارش کریں گے اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر لوگوں کے دل میں شیطان یہ وسوسہ ڈالتا کہ یہ لوگ اپنے ہاتھ سے پتھر کی مورتیں بنا دیں اور ان مورتوں کو یا اپنے نیک بڑے بوڑھوں کو تمام جہان کا خالق اور رازق سمجھیں تو وہ ملعون شرک کے پھیلانے میں کبھی کامیاب نہ ہوتا کیونکہ یہ وسوسہ ایسا کھلم کھلا غلط تھا کہ اس کو ہرگز کوئی نہ مانتا اس لیے اس ملعون نے شرک کے پھیلانے کا وسوسہ اس ہیر پھیر سے لوگوں کے دل میں ڈالا جس کا ذکر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث میں ہے اب اس ہیر پھیر کے وسوسہ کے بعد بھی یہ اعتقاد مشرکوں کے دلوں میں فرما کر اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو یوں قائل کیا ہے کہ جو تمام جہان کا خالق و رازق ہے تمام جہان کا معبود بھی وہی وحدہ لاشریک ہے اب رہا مشرکوں کا یہ اعتقاد کہ جو کوئی ان نیک لوگوں کی مورتوں کو پوجے گا تو یہ نیک لوگ اللہ کے روبرو اس کی سفارش کریں گے اس کا جواب سورہ یونس میں گزر چکا ہے حاصل یہ ہے کہ ان نیک لوگوں نے اپنے جیتے جی کسی کو یہ اجازت نہیں دی کہ ان کے مرنے کے بعد لوگ ان کی مورتوں کی پوجا کیا کریں اور مرنے کے بعد دنیا کے احوال کی ان نیک لوگوں کو کچھ خبر نہیں اس لیے قیامت کے دن وہ نیک لوگ ان مشرکوں سے اپنی بڑی بیزاری ظاہر کریں گے اور اللہ تعالیٰ کو اپنی بے خبری اور برات کا گواہ قرار دیویں گے۔ سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے کہ مسیلمہ کذاب کہتا تھا کہ اس پر بھی آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے اور مشرکین مکہ قرآن کے وحی ہونے کی منکر تھے ان ہی دونوں باتوں کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔

اتا ۔ صحیح سند سے ترمذی نسائی مسند امام احمد وغیرہ میں جو شان نزول ان آیتوں کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے بیان کی گئی ہے اس کا اور معتبر تاریخ کی کتابوں کی روایتوں[1] کا حاصل یہ ہے کہ روم میں بادشاہت پہلے تو ستارہ پرست لوگوں کی تھی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بعد تین سو برس کے قریب تک اس مذہب کے لوگ ملک روم کے بادشاہ رہے اور ان کا ہی لقب قیصر ہوتا تھا پھر ان میں کا ایک بادشاہ جس کا نام قسطنطین تھا نصرانی ہو گیا اور یہ شہر قسطنطنیہ اس نے بنایا اور بارہ ہزار کے قریب گرجے بنائے اور بہت سے

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۴، ۲۲۵ ج ۳۔ سے (لگتے ملک میں) یعنی ساتھ ملتے ملک میں سے مراد شام ہے جہاں عیسائیوں کی حکومت تھی اور حجاز کے قریب ہے (ع ح)

فِىْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۗ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ۗ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

کئی برس میں اللہ کے ہاتھ میں ہیں کام پہلے اور پچھلے اور اس دن خوش ہوں گے مسلمان

بِنَصْرِ اللّٰهِ ۗ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۗ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ وَعْدَ اللّٰهِ ۗ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ

اللہ کی مدد سے مدد کرے جس کی چاہے اور وہی ہے زبردست رحم والا اللہ کا وعدہ ہوا خلاف نہ کرے گا اللہ

قانون جاری کئے اور اسی کے زمانہ میں دین عیسائی کی بہت باتوں میں ردو بدل ہو گیا غرض اس کے زمانہ سے روم کے ملک میں نصرانی بادشاہت شروع ہوئی اس سلسلہ کا جب ہرقل بادشاہ تھا اس سے اور ملک فارس کے بادشاہ سے جس کا لقب کسریٰ تھا لڑائی ہوئی اور کسریٰ کی فوج ہرقل کی فوج پر غالب آئی یہ وہ زمانہ تھا کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے اور ابھی کچھ تھوڑے لوگ مسلمان ہوئے تھے کسریٰ کی فتح سن کر مکہ کے مشرک لوگوں نے مسلمانوں سے یہ کہا کہ جس طرح تم اپنے آپ کو آسمانی کتاب کا پیرو اور پابند بتلاتے ہو اسی طرح ملک روم کے لوگ نصرانی ہیں اور جس طرح ہم لوگوں کو تم مشرک تبلاتے ہو پارسی لوگ بھی ویسے ہی ہیں آخر ان کا ہی دین غالب رہا اور رومیوں پر غالب آئے اسی طرح ہم بھی تم پر آخر کو غالب آویں گے یہ خبر سن کر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ مشرک لوگ یوں کہتے ہیں آپ نے فرمایا کہ نو دس برس کے بعد پھر رومی لوگ پارسیوں پر غالب آویں گے اور آپ کے کلام کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے مکہ کے گلی کوچہ میں اس آیت کے مضمون کا شہرہ کر دیا اور ابی بن خلف اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے شرط ہوئی آخر نو برس کے بعد رومی پارسیوں پر غالب آئے اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ وہ شرط جیت گئے اس آیت میں یہ جو ذکر ہے کہ جس دن رومی پارسیوں پر غالب آویں گے اس دن مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے معتبر سند سے ابوسعید خدری ؓ کی روایت[1] سے ترمذی تفسیر سفیان ثوری اور تفسیر سدی میں اس کی تفسیر یوں ہے کہ جس زمانہ میں رومی پارسیوں پر غالب آئے اسی زمانہ میں اللہ کی طرف سے فرشتوں کی مدد آن کر بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کو مشرکین مکہ پر فتح حاصل ہوئی اگرچہ بعضے مفسروں کا یہ قول ہے کہ جس زمانہ میں رومی پارسیوں پر غالب آئے وہ زمانہ صلح حدیبیہ کا تھا لیکن ترمذی کی صحیح روایت سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے جو اوپر بیان کیا گیا یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نبی ہونے اور قرآن شریف کے کلام الٰہی ہونے کی بڑی دلیل ہے کیوں کہ نو برس پہلے جو کچھ آپ نے فرمایا تھا اور آیت میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے فرمانے کی تصدیق فرمائی تھی آخر کو وہی ہوا اکثر مفسروں نے لکھا ہے کہ اس آیت کا مطلب ظہور میں آجانے کے بعد بہت سے مشرک مسلمان ہوئے حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور ابی بن خلف میں شرط جو دونوں طرف سے ہوئی تھی اس سے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اس طرح کی دونوں طرف کی شرط جائز ہے لیکن ترمذی کی نیار بن مکرم کی روایت[2] میں یہ صراحت آچکی ہے کہ یہ قصہ اس طرح کی شرط کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے اس لیے اور مفسروں نے اس مسئلہ کو تسلیم نہیں کیا یہی ہرقل روم کا بادشاہ ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خط لکھا تھا اور ابوسفیان سے اس خط پر اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ حالات دریافت کئے تھے جس کا قصہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی روایت سے ہے اس ملک کسریٰ اور قیصر کا وہی حال ہے جو مسند امام احمد اور نسائی کا براء بن عازب ؓ کی معتبر روایتوں

---

[1] ایضاً ص ۴۲۶ ج ۳ [2] جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ص ۱۶۱ ج ۴

وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

اپنا وعدہ لیکن بہت لوگ نہیں جانتے جانتے ہیں اوپر اوپر دنیا کا جینا

وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۷

اور وہ لوگ آخرت سے خبر نہیں رکھتے۔

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معجزہ کے طور پر فرمایا تھا کہ یہ دونوں ملک فتح ہوں گے اور ان کے خزانے مسلمانوں کے صرف میں آویں گے تاریخ کی کتابوں میں اس کی صراحت ہے کہ کس طرح کی لڑائی کے بعد حضرت عمرؓ کی خلافت میں کسریٰ کا ملک اور سلطان محمد ثانی کی بادشاہت میں قسطنطنیہ مسلمانوں کے قبضے میں آیا۔

یہ سلطان محمد ثانی سلاطین عثمانیہ میں کے ایک سلطان ہیں ۸۵۷ھ ہجری میں بڑے محاصرہ کے بعد انہوں نے قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ دولت عثمانیہ میں قانون کی بنا بھی ان ہی سلطان کے زمانہ میں ہوئی سلاطین عثمانیہ کے بڑے بوڑھوں کی اصل بود و باش نواح بلخ کی ہے تاتاریوں نے ساتویں صدی میں جب بلخ اور اس کے نواح کے شہروں کو تاراج کیا تو سلاطین عثمانیہ کے بڑے بوڑھوں میں سے سلیمان شاہ ملک روم کے ارادہ سے نکلے یہ زمانہ وہ تھا کہ جس میں ادھر اس ملک میں سلجوقیوں کی سلطنت تھی سلیمان شاہ نے تو نہر فرات میں غرق ہو کر وفات پائی لیکن ان کے بیٹے ارطغرل ملک روم میں پہنچ گئے اور سلطان علاؤالدین سلجوقی کے حکم سے اُس ملک میں فوجی کام کرتے رہے اور ۶۸۷ھ میں ان کا انتقال ہو گیا ان کے بعد ان کے بیٹے امیر عثمان کو علاؤالدین سلجوقی نے سلطان کا خطاب دیا اور سلطان عثمان کی چند پشت کا مستقر تو اور مقامات پر رہا پھر سلطان محمد ثانی کے عہد سے سلاطین عثمانیہ کا مستقر قسطنطنیہ قرار پایا۔

حروف مقطعات کی تفسیر تو سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے باقی کی آیتوں کا حاصل مطلب یہ ہے کہ ملک عرب کے قریب کی بستی اذرعات کے میدان میں رومی اور پارسیوں کی لڑائی ہو کر اب تو پارسی رومیوں پر غالب آگئے ہیں لیکن دس برس کے اندر پھر رومی پارسیوں پر غالب آویں گے اللہ تعالیٰ غیب دان ہے اس کو پہلے کی اور آئندہ کی فتح شکست کا سب حال معلوم ہے پھر فرمایا جب رومیوں کا غلبہ پارسیوں پر ہو گا تو بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کا غلبہ بھی مشرکین مکہ پر ہو گا اس لیے مسلمانوں کو اس دن دُہری خوشی ہو گی پھر فرمایا فتح ظاہری اسباب پر منحصر نہیں ہے بلکہ فتح اللہ کے ہاتھ ہے وہ جس کو چاہتا ہے فتح یاب کرتا ہے وہ فرمانبرداروں کے حال پر رحم کرنے والا اور نافرمان لوگوں سے بدلہ لینے میں زبردست ہے پھر فرمایا اللہ تعالیٰ جس بات کا وعدہ کرے وہ کبھی خلاف نہیں ہوتا لیکن جن لوگوں کا بھروسہ دنیا کے اسباب ظاہری پر ہے وہ اللہ کے وعدہ پر بھروسہ رکھنا نہیں چاہتے کیوں کہ وہ لوگ تو دنیا کی زندگی پر گرویدہ اور آخرت کی جزا و سزا سے بالکل غافل ہیں ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے شداد بن اوسؓ کی معتبر روایت کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقلمند وہ شخص ہے جو دنیا کی زندگی میں کچھ آخرت کا سامان کرے اور نادان وہ ہے جو دنیا کی زندگی پر گرویدہ ہو کر آخرت کو بھول جائے اور پھر آخرت میں اللہ سے بہبودی کی امید رکھے۔ اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس سے عقلمند اور نادان لوگوں کی یہ تفصیل اچھی طرح معلوم ہو سکتی ہے کہ شریعت کے حکم میں عقلمند کون لوگ ہیں اور نادان کون ہیں۔

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِم مَّا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ

کیا دھیان نہیں کرتے اپنے جی میں اللہ نے جو بنائے آسمان و زمین اور جو ان کے بیچ میں ہے سو ٹھیک

وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ لَكَافِرُونَ ﴿٨﴾ أَوَلَمْ يَسِيرُوا

سادھ کر اور ٹھہرے وعدے پر اور بہت لوگ اپنے رب کا ملنا نہیں مانتے کیا پھرے

فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ

نہیں ملک میں جو دیکھیں آخر کیسا ہوا ان سے اگلوں کا ان سے زیادہ تھے

قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ

زور میں اور زمین اٹھائی اور بسائی ان کے بسانے سے زیادہ اور پہنچے اُن پاس رسول اُن کے لے کر کھلے حکم

۸ تا ۱۲۔ ان آیتوں میں اللہ جل شانہ نے یہ بات فرمائی ہے کہ مشرک لوگ خدا تعالیٰ کی مخلوقات میں غور و فکر کریں کس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دلیل ہے اور اس فکر کے کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ پروردگار مخلوقات کے پیدا کرنے میں اکیلا ہے اس واسطے کوئی اس کے سوا عبادت کے لائق نہیں ہے اور نہ کوئی بجز اس کے مخلوقات کا پالنے والا ہے یہ ان لوگوں کی نادانی ہے جو یہ لوگ اپنے دلوں میں نہیں سوچتے کہ آسمان اور زمین میں جو طرح طرح کی مخلوقات اور رنگ برنگ کی چیزیں ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں اس پر یہ لوگ اگر غور کریں تو اچھی طرح جان لیں کہ یہ تمام مخلوق بے کار پیدا نہیں کی گئی ہے بلکہ نیک و بد کی جزا و سزا کے لیے پیدا کی گئی ہے اور ایک مدت معین تک اس کی میعاد مقرر کی گئی ہے اور وہ قیامت کا روز ہے لیکن اکثر لوگ اپنے رب کے روبرو کھڑے ہونے کے منکر ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ جب یہ لوگ مثلاً کھیتی کرتے ہیں تو اناج کے فائدہ کی نیت سے اور باغ لگاتے ہیں تو میوہ کھانے کے ارادہ سے پھر اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی مخلوقات کیا بغیر کسی نتیجہ کے پیدا کی ہے نہیں نہیں بلکہ نتیجہ اس کا وہی جزا و سزا ہے جس کے موافق اللہ کے رسول نصیحت کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات پر تنبیہ فرمائی کہ جو کچھ احکام ہمارے رسول لاتے وہ حق ہیں جنہوں نے ان کو جھٹلایا خدا نے ان کو ہلاک کر دیا اس واسطے فرمایا کہ کیا ان لوگوں نے زمین میں سیر نہیں کی تاکہ ان کو معلوم ہو جاتا کہ کیا حال ہوا ان پہلی امتوں کا جو ان سے زور اور قوت میں زیادہ تھیں اور بہ نسبت ان کے انہوں نے زمین کو بھی کھیتی اور عمارت سے زیادہ آباد کیا تھا باوجود اس کے جب ان کے پاس ان کے رسول معجزے لے کر پہنچے اور وہ اپنی دولت اور قوت کے گھمنڈ میں اللہ کے رسولوں کو جھٹلانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب میں پکڑ لیا پھر خدا کے عذاب سے کوئی ان کو بچانے والا نہ ہوا اس عذاب کے نازل کرنے میں اللہ نے کچھ ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے کہ اپنے پیدا کرنے والے کے احکام کو جھٹلاتے تھے اس لیے انجام کار ان لوگوں کا جنہوں نے بُری کمائی کی تھی اچھا نہیں ہوا کہ دنیا میں وہ لوگ طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک ہوئے اور آخرت کا عذاب جدا بھگتیں گے اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ نے پہلی بار مخلوقات کو جس طرح پیدا کیا ویسا ہی دوبارہ پیدا کرے گا اس کا مطلب یہ کہ جس طرح پہلی بار پیدا کرنے پر وہ قدرت رکھتا ہے اسی طرح مرنے کے بعد پھر جلانے پر قادر ہے پھر قیامت کے روز تم سب اس کی طرف رجوع کئے جاؤ گے اس وقت ہر ایک اپنے عمل کا بدلا پاوے گا اور جس روز قیامت قائم ہو گی اس دن گنہگار لوگ آس ٹوٹے رہ جاویں گے لفظ یبلس المجرمون کی تفسیر

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٩﴾ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ

اور اللہ نہ تھا ان پر ظلم کرنے والا لیکن وہ اپنے آپ بُرا کرتے تھے پھر ہوا آخر بُرا کرنے والوں کا

الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٠﴾

بُرا اس پر کہ جھٹلائیں باتیں اللہ کی اور ان پر ٹھٹھے کرتے تھے

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿١١﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ

اللہ نیا بناتا ہے پہلی بار پھر اس کو دہرا دے گا پھر اسی طرف پھر جاؤ گے اور جس دن اٹھے گی قیامت

يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿١٢﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَاۗىِٕهِمْ شُفَعٰۗؤُا وَكَانُوْا

آس توڑے رہ جاویں گے گنہگار اور نہ ہوں گے ان کے شریکوں سے کوئی سفارش والے اور یہ ہو جاویں گے

بِشُرَكَاۗىِٕهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿١٣﴾

اپنے شریکوں سے منکر

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ لوگ ناامید اور آس ٹوٹے رہ جاویں گے مطلب اس کا یہ ہے جس کو وہ لوگ خدا کے سوا پوجتے تھے وہ ان کی سفارش کچھ نہ کریں گے اور ایسی ضرورت کے وقت کہ جب وہ پوجنے والے ان کے سخت محتاج ہوں گے وہ جھوٹے معبود اُن کے کچھ کام نہ آویں گے جب پوجنے والے اُن کا عاجز ہونا دیکھیں گے تو وہ پوجنے والے اُن کے سخت محتاج ہوں گے وہ جھوٹے معبود اُن کے کچھ کام نہ آدیں گے جب پوجنے والے اُن کا عاجز ہونا دیکھیں گے تو وہ ان کی سفارش سے ناامید ہو جاویں گے مسند امام احمد میں ابوہریرہؓ سے اور ترمذی میں انس بن مالکؓ سے معتبر روایتیں[1] ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخر زمانے میں دنیا کی عمر کی برکت ایسی کم ہو جاوے گی کہ ایک سال ایک مہینہ کی طرح اسی طرح سے ایک ہفتہ ایک دن کی طرح جلدی سے گزر جایا کرے گا۔ یہ حدیث واجل مسمی کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح ہر شخص کی عمر مقرر ہے اسی طرح تمام دنیا کی بھی عمر مقرر ہے اور جس طرح آخر وقت پر ہر شخص کا سانس جلدی جلدی چلنے لگتا ہے اور پھر اس کا دم نکل جاتا ہے اسی طرح آخر زمانہ میں دنیا کا ایک سال مہینہ کی طرح اور مہینہ ہفتہ کی طرح اور ہفتہ ایک دن کی طرح جلدی سے گزرنے لگے گا اور آخر کو دنیا ختم ہو جاوے گی صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوذرؓ کی روایت سے حدیث قدسی گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم کو اپنی ذات پاک پر حرام ٹھہرا لیا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث بھی گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو ایک عرصہ تک مہلت دیتا ہے جب وہ لوگ مہلت کے زمانہ میں اپنی سرکشی کو نہیں چھوڑتے تو ان کو ہلاک کر دیتا ہے ان حدیثوں کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قوم نوح سے لے کر قریش کے سرکشوں تک جتنے لوگوں کو اللہ تعالےٰ نے ہلاک کیا کچھ ظلم کے طور پر ہلاک نہیں کیا کیوں کہ ظلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر حرام ٹھہرا لیا ہے اس لیے پہلے ایک عرصہ تک ان لوگوں کو مہلت دی گئی جب وہ لوگ مہلت کے زمانہ میں اپنی نافرمانی اور سرکشی سے باز نہ آئے تو طرح طرح کے عذاب میں پکڑے گئے۔

[1] فتح الباری ص ۵۲۷ ج ۶ شرح باب ظہور الفتن

يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور جس دن اٹھے گی قیامت اس دن لوگ بھانت بھانت ہوں گے سو جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام

فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ

سو باغ میں ہیں ان کی آؤ بھگت ہوتی ہے اور جو منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری باتیں اور ملنا پچھلے گھر کا

فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

سو عذاب میں پکڑے آتے ہیں

۱۴ تا ۱۶۔ جس طرح دنیا میں نیک و بد سب ایک جگہ مل کر رہتے ہیں اسی طرح حشر میں حساب کتاب تک تو سب نیک و بد ایک ہی جگہ ہوں گے پھر بغیر حساب و کتاب کے ستر ہزار آدمی امت محمدیہ میں کے جنت میں داخل ہوں گے جس کا ذکر صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت[1] سے ہے اس کے بعد حساب و کتاب ہوگا اور حساب و کتاب کے بعد جو لوگ جنت میں داخل ہونے کے قابل ہوں گے وہ جنت میں اور جو لوگ دوزخ میں جانے کے قابل ہوں گے وہ دوزخ میں چلے جاویں گے اس کے بعد وہ گنہگار لوگ جن کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے انبیاء اور ملائکہ اور نیک لوگوں کی شفاعت سے دوزخ میں سے نکالے جا کر جنت میں داخل کئے جاویں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ملائکہ اور انبیا اور نیک مسلمان تو شفاعت کر چکے اب ارحم الراحمین کی باری ہے یہ فرما کر ایسے لوگوں کو جنہوں نے عمر بھر کوئی نیک کام نہیں کیا لپ بھر کر دوزخ سے نکالے گا اور جنت میں داخل فرما دے گا اس کا ذکر صحیح بخاری و مسلم کی ابو سعید خدریؓ کی شفاعت کی حدیث میں ہے اب دوزخ میں وہ لوگ رہ جاویں گے جو ہمیشہ دوزخ میں رہنے کے قابل ہیں پھر جنت اور دوزخ کے مابین میں موت کو ذبح کیا جا کر جنتیوں کو ہمیشہ جنت میں اور دوزخیوں کو ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا حکم سنا دیا جائے گا جس کا ذکر صحیح بخاری و مسلم کی ابو سعید خدریؓ کی روایت سے ایک جگہ گزر چکا ہے[2] غرض اس کے بعد جنتی اور دوزخی ایسے الگ الگ ہو جاویں گے کہ پھر کبھی ایک جگہ نہ ہوں گے ہر ایک فریق کے اسی وقت کے علیحدہ ہو جانے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن لوگ متفرق ہو جاویں گے پھر اس کی تفسیر فرمائی ہے کہ جنتیوں کی ٹکڑی جنت کے باغوں اور طرح طرح کی خوشی کے سامان میں ہوگی اور دوزخیوں کی ٹکڑی طرح طرح کے عذابوں میں گرفتار ہوگی معتبر سند سے مستدرک حاکم میں جابر بن عبداللہؓ سے روایت[3] ہے کہ جن لوگوں کی نیکیاں بدیوں سے زیادہ ہوں گی وہ بغیر حساب کے جنت میں چلے جاویں گے اور جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی ان کا حساب آسانی سے ہو کر وہ بھی جنت میں داخل ہو جاویں گے اور جن کی بدیاں نیکیوں سے زیادہ ہوں گی ان کا حساب سختی سے ہو کر وہ دوزخ میں جاویں گے اور پھر شفاعت کے بعد دوزخ سے نکل کر جنت میں جاویں گے اس حدیث سے بغیر حساب کے جنت میں جانے والوں کی اور آسانی سے حساب ہو کر جنت اور شفاعت کے بعد دوزخ سے نکل کر جنت میں جانے والوں کی تفصیل اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے۔

[1] مشکوٰۃ ص ۴۵۲ باب التوکل والصبر نیز دیکھئے فتح الباری ص ۱۸۲ ج ۶ باب یدخل الجنۃ سبعون الفا بغیر حساب۔

[2] بحوالہ مشکوٰۃ ص ۴۹۰ باب الحوض والشفاعۃ

[3] فتح الباری ص ۱۷۹ ج ۶ باب من نوقش الحساب، عذب۔

فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِيۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَحِيۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ ﴿۱۷﴾ وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِى السَّمٰوٰتِ وَ

سو پاک اللہ کی یاد ہے جب شام کرو اور صبح کرو اور اسی کی خوبی ہے آسمان و

الۡاَرۡضِ وَعَشِيًّا وَّحِيۡنَ تُظۡهِرُوۡنَ ﴿۱۸﴾ يُخۡرِجُ الۡحَىَّ مِنَ الۡمَيِّتِ وَيُخۡرِجُ الۡمَيِّتَ

زمین میں اور پچھلے وقت اور جب دوپہر ہو نکالتا ہے جیتا مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ جیتے سے

مِنَ الۡحَىِّ وَيُحۡىِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ وَكَذٰلِكَ تُخۡرَجُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ

اور جلاتا ہے زمین کو اس کے مرے پیچھے اور اسی طرح تم نکالے جاؤ گے اور اس کی نشانیوں سے

خَلَقَكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنۡتُمۡ بَشَرٌ تَنۡتَشِرُوۡنَ ﴿۲۰﴾ وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَكُمۡ

یہ کہ تم کو بنایا مٹی سے پھر اب تم انسان ہو پھیل پڑتے اور اس کی نشانیوں سے یہ کہ بنا دیئے تم کو

مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡكُنُوۡۤا اِلَيۡهَا وَجَعَلَ بَيۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ

تمہاری قسم سے جوڑے کہ چین پکڑو ان کے پاس اور رکھا تمہارے بیچ پیار اور مہر اس میں بہت

۱۷ تا ۲۶۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا کہ ہمارے نام کی تسبیح ایک تو شام کے وقت اور صبح کے وقت کیا کرو پھر فرمایا کیونکہ اسی کے لیے حمد اور تعریف ہے آسمانوں میں اور زمین میں مطلب یہ کہ آسمان اور زمین اور ہوا اور ان کے درمیان میں ہیں اس سب کے پیدا کرنے کی وجہ سے ان سب کی زبان سے خدا تعالیٰ حمد کرنے کا مستحق ہے پھر اللہ تعالیٰ نے عشا اور ظہر کے وقت تسبیح کرنے کو فرمایا عشا سخت اندھیرے کو اور ظہر بڑی روشنی کو کہتے ہیں ان دونوں وقتوں کی بڑائی کا ذکر قرآن میں کئی جگہ آیا ہے پھر فرمایا نکالتا ہے اللہ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے جس طرح انڈے کو مرغی سے اور مرغی کو انڈے سے آدمی کو نطفہ سے اور نطفہ کو آدمی سے پھر فرمایا اللہ زندہ کرتا زمین کو بعد مرنے کے پھر فرمایا کہ جس طرح تم زمین کا مرنا جینا دیکھتے ہو اسی طرح تم بعد مرنے کے زندہ کئے جاؤ گے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تسبیح کا لفظ جہاں قرآن میں ہے وہ نماز کے معنوں میں ہے اور یہ بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت[1] ہے کہ اس آیت میں سب نمازوں کے وقتوں کو جمع کر لیا ہے اس طرح پر کہ حین تمسون میں مغرب اور عشا آ گئی اور حین تصبحون میں فجر اور عشیا میں عصر اور حین تظہرون میں ظہر حاصل مطلب آیت یخرج الحی من المیت کا یہ ہے کہ جس میں زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے کی قدرت ہے اس کی قدرت میں پہلی بار پیدا کرنا اور پھر اس کا دہرانا برابر ہے کچھ بھی فرق دونوں میں نہیں ہے اور اس خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا پھر ناگہاں تم آدمی بن کر زمین میں پھیل پڑے اس سے سمجھ لو کہ اصل تمہاری اول مٹی سے ہے پھر ایک ناچیز پانی سے معتبر سند سے مسند امام احمد ترمذی ابوداؤد اور صحیح ابن حبان میں ابوموسےٰ اشعریؓ سے روایت[2] ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک مٹھی مٹی سے جو ساری زمین سے لی گئی تھی پیدا کیا ہے اس لیے اولاد آدم میں کوئی گورا ہے کوئی کالا کوئی بد کوئی نیک کوئی نرم کوئی سخت مزاج پھر فرمایا کہ خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری قسم میں سے بیویاں پیدا کیں وہ تمہارا جوڑا اور بیبیاں ہوئیں تاکہ تم کو آرام اور

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۱۵۴ ج ۵۔ [2] مشکوٰۃ مع تنقیح الرواۃ باب الایمان بالقدر فصل دوسری۔

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ

پتے ہیں ان کو جو دھیان کرتے ہیں ۔ اور اس کی نشانیوں سے ہے آسمان اور زمین کا بنانا اور بھانت بھانت بولیاں تمہاری

وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَ

اور رنگ اس میں بہت پتے ہیں بوجھنے والوں کو اور اس کی نشانیوں سے ہے تمہارا سونا رات میں اور دن میں اور

ابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ

تلاش کرنا اس کے فضل سے اس میں بہت پتے ہیں اُن کو جو سنتے ہیں اور اس کی نشانیوں سے یہ کہ

الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ

دکھاتا ہے تم کو بجلی ڈر اور امید کے لیے اور اتارتا ہے آسمان سے پانی پس زندہ کرتا ہے اس سے زمین کو مرگئے پیچھے

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ

اس میں بہت پتے ہیں ان کو جو بوجھتے ہیں اور اس کی نشانیوں سے یہ کہ کھڑا ہے آسمان و زمین اس کے حکم سے

ہین ہوا گر بیبیاں غیر جنس سے ہوتیں تو بجائے محبت کے نفرت اور بجائے آرام کے تکلیف ہوتی اسی واسطے تمہاری عورتیں تمہاری قسم سے بنائیں اور ان میں اور تم میں تمہاری محبت اور رحمت ڈال دی بے شک اس کے اندر بہت نشانیاں ہیں اس قوم کے لیے جو دھیان کرتے ہیں پھر فرمایا اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے آسمان کو کیسا بلند اور فراخ بنایا ستاروں سے اس کو رونق بخشی اور دنیا کی چھت اس کو قرار دیا زمین کو کیسا پست کیا اور اس کے اندر پہاڑ، میدان دریا، سمندر، درخت غرض انسان کی ضرورت کی چیزیں پیدا کیں جس سے خدا کی قدرت ظاہر ہوتی ہے اور تمہاری زبانوں کا اختلاف کہ ہر ملک کی جُدی جدی بولی ہے اسی طرح تمہارے رنگ صورتیں علیحدہ علیحدہ ہیں ایک کا چہرہ دوسرے کے چہرہ سے نہیں ملتا پھر بھی اس کی قدرت کی بڑی نشانی سمجھ داروں کے لیے ہے اور یہ بھی خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ رات میں تمہارے لیے نیند کو بنا دیا جس کے سبب سے تم کو راحت ملتی ہے دن میں ادھر ادھر پھر کر معاش کے اسباب ڈھونڈتے ہوتے ہو اور دور دور کے دریا اور خشکی میں سفر کرتے ہو ان باتوں میں قرآن کی نصیحت کو جو دل سے سنتے ہیں انہیں بہت نشانیاں ہیں اور اس کی قدرت کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھلاتا ہے کہ کبھی تم ہیبت ناک بادل اور بجلی کی کڑک سے ڈر جاتے ہو اور کبھی بارش کی امید رکھتے ہو اور نازل کرتا ہے آسمان سے پانی۔ پھر جلاتا ہے بسبب اس کے زمین کو زمین کے مرنے سے مراد اس کا خشک ہو جانا ہے کہ گھاس تک اس میں نہ تھی جب اس پر مینہ برسا تو لہلہانے لگی اور ہر جنس کی چیز اس میں پیدا ہوئی یہی اس کا جینا ہے اس میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سمجھ رکھتے ہیں اور خدا کی قدرت کی ایک نشانی یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے کھڑے ہیں آسمان کو زمین پر گرنے سے خدا نے روک رکھا ہے بغیر اس کے حکم کے گر نہیں سکتا پھر فرمایا اب تو اللہ کی قدرت کی یہ سب نشانیاں دیکھ کر تم لوگ حشر کے منکر ہو لیکن جب تمہارے مرجانے کے بعد تمہارا پروردگار تم کو نیک و بد کے حساب کے لیے زندہ کرنا چاہے گا تو ناگہاں تم اسی وقت قبروں سے نکل پڑو گے پھر فرمایا کہ آسمان اور زمین میں جو کوئی ہے سب اسی کی ملک ہے اور سب اسی کے حکم کے فرمانبردار ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جب آسمان و زمین میں کوئی اس کے حکم کو ٹال

ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْأَرْضِ إِذَا أَنتُمْ تَخْرُجُونَ ﴿٢٥﴾ وَلَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ

پھر جب پکارے گا تم کو ایک بار زمین میں سے تبھی تم نکل پڑو گے اور اسی کے ہیں جو کوئی ہیں آسمان و

وَالْأَرْضِ كُلٌّ لَّهُ قَانِتُونَ ﴿٢٦﴾ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ

زمین میں سب اس کے حکم کے تابع ہیں اور وہی جو پہلی بار بناتا ہے پھر اس کو دہراوے گا اور وہ آسان ہے اس پر

وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٧﴾

اور اس کی کہاوت سب سے اوپر آسمان و زمین میں اور وہ ہے زبردست حکمتوں والا

نہیں سکتا تو منکرین حشر کی کیا طاقت ہے کہ یہ حشر کے حکم کو ٹال دیویں۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ اور ابوسعید خدریؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی[1] ہے جس میں ایک شخص نے وصیت کی تھی کہ اس کے مرجانے کے بعد اس کی لاش کو جلا کر آدھی مٹی دریا میں بہادی جائے اور آدھی ہوا میں اڑا دی جائے اس شخص کے مرجانے کے بعد اس کے وارثوں نے وصیت کے موافق عمل کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے جنگل اور دریا کو اس مٹی کے جمع کرنے کا حکم دیا اور جھٹ پٹ وہ مٹی جمع ہوگئی اور حکم الٰہی سے اس کا پتلہ بن کر تیار ہو گیا اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں جو بیان کی ہیں ان کو بھول کر اپنی نادانی سے منکرین حشر یہ جو کہتے ہیں کہ جب مردہ کی مٹی جنگل اور دریا میں رواں دواں ہوگئی تو پھر وہ مٹی کیوں کر جمع ہوگی اور اس کا پتلہ کیوں کر بنے گا ان لوگوں کو یہ یاد رہے کہ جنگل دریا کوئی چیز اس کے حکم سے باہر نہیں ہے جب وقت آوے گا یہ لوگ دیکھ لیویں گے کہ اس وصیت والے شخص کی طرح کیوں کر ان کی رواں دواں مٹی جمع ہو جاوے گی اور کس طرح سے اس کا پتلہ بن کر تیار ہو جاوے گا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ دوسرے صور سے پہلے ایک مینہ برسے گا جس سے سب پتلے بن کر تیار ہو جائیں گے یہ حدیث وکذالک تخرجون کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح اب مینہ کی تاثیر سے ہر ایک چیز زمین میں پیدا ہوتی ہے اسی طرح حشر کے دن جو مینہ برسے گا اس کی تاثیر سے تمہارے جسم بن کر تیار ہو جاویں گے اور ان جسموں میں روحیں پھونک دی جاویں گی اور حشر قائم ہو جاوے گا۔

۲۷؎ معتبر سند سے ابن ابی حاتم میں عکرمہ کی روایت[2] سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین کہ مرکر پھر جینے کی آیتوں کے مضمون کو سن کر بڑا تعجب کرتے تھے اور مرکر مٹی ہو جانے کے بعد پھر جی اٹھنا کسی طرح ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کی سمجھ کے موافق ان کو سمجھایا کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو نہ پہلی دفعہ انسان کا پیدا کرنا کچھ مشکل تھا نہ دوسری دفعہ کچھ مشکل ہے لیکن یہ لوگ اگر اپنی سمجھ کے موافق بھی غور اور فکر کریں تو ان کی سمجھ میں آجاوے گا کہ ایک شخص ایک دفعہ جب ایک کام کو کر چکتا ہے تو دوسری دفعہ اس کو وہ کام سہل ہو جاتا ہے پھر دنیا میں جب ان کو اس بات کا تجربہ ہے کہ یہ ایک دفعہ کے کرنے سے دوسری دفعہ وہ کام آسان ہو جاتا ہے اور پہلی دفعہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسان کو پیدا کیا ہے کہ نطفہ سے جو پانی کی طرح کی ایک پتلی چیز ہے انسان کا پتلا بنا کر رحم جیسی تنگ جگہ میں روح پھونک دی وہ سب پیدائش تو رات دن ان کی آنکھوں کے سامنے تھے پھر جس نے پانی جیسی پتلی چیز کا پتلہ بنا کر رحم جیسی تنگ جگہ میں روح کو اس پتلے میں پھونک دیا اس کو مٹی جیسے سخت چیز کا پتلہ بنانا اور

[1] بحوالہ مشکوۃ ص ۲۰۷ باب ؟ باب الاستغفار والتوبۃ۔ [2] تفسیر الدر المنثور ص ۱۵۵ ج ۵۔

ضَرَبَ لَكُم مَّثَلًا مِّنْ أَنفُسِكُمْ ۖ هَل لَّكُم مِّن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن شُرَكَاءَ فِي

بتائی تم کو ایک کہاوت تمہارے اندر سے تمہارے جو ہاتھ کے مال ان میں ہیں کوئی ساجھی تمہارے

مَا رَزَقْنَاكُمْ فَأَنتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنفُسَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ

ہماری دی روزی میں کہ تم سب اس میں برابر رہو خطرہ رکھو ان کا جیسے خطرہ رکھو اپنوں کا یوں کھولتے ہیں ہم ان

الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ فَمَن

لوگوں جو بوجھتے ہیں بلکہ چلتے ہیں یہ بے انصاف اپنے چاؤ پر بن سمجھے سو کون

يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۖ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٢٩﴾

سمجھاوے جس کو اللہ نے بھٹکایا اور کوئی نہیں ان کے مددگار

کھلے میدان میں روح کا اس پتلے میں پھونک دینا کیا مشکل ہے حاصل کلام یہ ہے کہ جس طرح انسان کی پیدائش کا طریقہ دنیا میں اب جاری ہے وہ بھی لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ہے اور حشر میں جو کچھ ہوگا وہ وہی طریقہ ہے جس طرح حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے پھر اللہ کی قدرت کے آگے کیا چیز انوکھی ان کو نظر آتی ہے جو یہ لوگ حشر کا انکار کرتے ہیں صحیح بخاری کی حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث قدسی[1] اوپر گزر چکی ہے جس کا ٹکڑا یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا دنیا کی پیدائش کو آنکھوں سے دیکھ کر انسان کو لازم نہیں جو حشر کا انکار کرے اور اللہ کی قدرت کو جھٹلاوے اس حدیث کو آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ انسان کی عقل سے باہر اوپر کی آیتوں میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں جو جتلائی گئی ہیں ان کو دیکھ کر ان منکرین حشر کو لازم ہے کہ اللہ کو پہچانیں اور مخلوقات کی حالت پر اللہ کی قدرت کا قیاس کر کے حشر کے جھٹلانے میں عقلی باتوں کو دخل نہ دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور قدرت میں ایسا زبردست اور بے مثل ہے کہ آسمان اور زمین کی تمام مخلوقات میں کوئی اس کا ثانی نہیں پھر اس کی حکمت اور قدرت کا قیاس مخلوقات کی باتوں پر کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔

۲۸، ۲۹۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے سمجھانے کو یہ مثال بیان فرمائی ہے کہ جو تمہارے لونڈی غلام ہیں کیا وہ ہماری دی ہوئی روزی میں تمہارے ساجھی ہیں یا تم ان سے ایسا ڈرتے ہو جیسا کہ اپنے بھائی بندوں سے ڈرتے ہو مطلب یہ ہے کہ وہ غلام لونڈی تمہارے مال میں شریک نہیں نہ تم کو ان سے مال کے بانٹ لینے کا ڈر ہے نہ غلام کو یہ اختیار ہے کہ تم سے مال بٹالے ایسا ہی خدا کا کوئی شریک نہیں کیونکہ سب اللہ کے لونڈی غلام ہیں حاصل یہ ہے کہ جب تم کو غلاموں کا شریک ہونا نہیں بھاتا تو خدا کے ساتھ کیوں شریک ٹھہراتے ہو پھر فرمایا ہم قرآن کی آیتوں کو اس طرح سے کھول کر سمجھ دار لوگوں کو سمجھاتے ہیں لیکن ان ظالم مشرکوں نے بغیر سمجھے بوجھے بتوں کے پوجنے میں اپنی خواہش نفس کی پیروی کی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ جس کو خدا گمراہ کر دے اس کو کون ہدایت کر سکتا ہے کیونکہ ہدایت خدا تعالیٰ کے علم ازلی کے موافق ہوتی ہے جو لوگ اللہ کے علم ازلی میں گمراہ ٹھہر چکے ہیں نہ وہ دنیا میں راہ راست پر آ سکتے ہیں نہ قیامت کے دن ان کا کوئی ایسا مددگار ہے جو ان کو عذاب سے بچاوے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث گزر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا

[1] مشکوٰۃ کتاب الایمان۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ

سو تو سیدھا رکھ اپنا منہ دین پر ایک طرف کا ہو کر وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو بدلنا نہیں اللہ کے بنائے

اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڎ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۳۰) مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ

کو یہی ہے دین سیدھا اور بہت لوگ نہیں سمجھتے سب رجوع ہو کر جاویں اس کی طرف اور اس سے

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۳۱) مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا

ڈرتے رہو اور کھڑی رکھو نماز اور مت ہو شریک والوں میں جنہوں نے پھوٹ ڈالی اپنے دین میں اور ہو گئے

شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (۳۲)

ان میں بہت جتھے ہر فرقہ جو اپنے پاس ہے اس پر ریجھ رہے ہیں

ہونے کے بعد کتنے آدمی جنت میں جانے کے قابل کام کریں گے اور کتنے دوزخ میں جانے کے قابل اب جس قابل لوگ پیدا ہوئے ویسے ہی وہ کام کرتے ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوسعیدؓ خدری کی وہ حدیث بھی گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کی نصیحت کی مثال مینہ کے پانی کی اور اچھے برے لوگوں کی مثال اچھی بری زمین کی بیان فرمائی ہے۔ صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ سے روایت[1] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آذر کی مدد کرنی چاہیں گے مگر اللہ کا حکم نہ ہوگا یہ حدیثیں ان آیتوں کی گویا تفسیر ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ علم الٰہی میں جو لوگ شرک کی حالت میں مرکر ہمیشہ کے لیے دوزخی قرار پاچکے ہیں ان کے حق میں شرک کی مذمت کی مثالیں اور قرآن شریف کی سب نصیحت اسی طرح رائگاں ہے جس طرح بری زمین میں مینہ کا پانی رائگاں جاتا ہے اور یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ جو مشرک بغیر توبہ کے مرجاوے گا اس کی مغفرت کسی طرح ممکن نہیں اس واسطے ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے باپ آذر کے مدد کے ارادہ میں جس طرح ناکامیاب رہیں گے اسی طرح کسی مشرک کی اور کوئی بھی کچھ مدد نہ کر سکے گا۔

۳۰ تا ۳۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور عبادت کا حکم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کہ تم اپنا منہ سیدھا رکھو دین پر ایک طرف ہو کر شرک کے ذکر کے بعد ان آیتوں میں یہ اللہ کی وحدانیت کی تاکید ہے اسی واسطے فرمایا لازم پکڑو اللہ کی فطرت کو جس پر اس نے پیدا کیا ہے اس سے مطلب توحید اور خدا کی معرفت ہے کہ اسی پر ساری خلقت پیدا کی گئی ہے جیسا کہ پہلی آیت الست بربکم قالوا بلیٰ کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مخلوق کو اسلام پر پیدا کیا ہے بعد میں بعضے بعضے لوگ یہودی نصرانی وغیرہ ہو گئے خدا کی بنائی ہوئی فطرت کو بدلنا نہیں چاہئے فطرت کے معنے اسلام کے ہیں صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت[2] ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں اس حدیث کے معنے میں بہت حدیثیں ایک جماعت صحابہ سے روایت کی گئی ہیں اور بخاری نے لا تبدیل لخلق اللہ کے معنے لدین اللہ لیے ہیں اور یہی معنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہد اور عکرمہ و قتادہ وغیرہ نے لخلق اللہ کی تفسیر میں بیان کئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دین کو بدلنا نہیں چاہئے کہ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ اس سے ناواقف ہیں منیبین الیہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف

[1] صحیح بخاری مع فتح الباری ص ۲۴۳ ج ۳ کتاب الانبیاء باب قول اللہ واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا الآیۃ [2] مشکوٰۃ ۲۱ باب الایمان بالقدر۔

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً

اور جب لگے لوگوں کو کچھ سختی پکاریں اپنے رب کو اس کی طرف رجوع ہو کر پھر جہاں چکھائی ان کو اپنی طرف سے کچھ مہر

اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ

تبھی ایک لوگ ان میں رب کا شریک لگے بتانے کہ منکر ہو جاویں ہمارے دیئے سے سو کام چلاؤ اب آگے

تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾

جان لوگے کیا ہم نے ان پر اتاری ہے کوئی سند سو وہ بولتی ہے جو یہ شریک بتاتے ہیں

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ

اور جب چکھاویں ہم لوگوں کو کچھ مہر اس پر ریجھنے لگیں اور اگر آپڑے ان پر کچھ برائی اپنے ہاتھوں کے بھیجے پر

رجوع کرنے والے رہو اور ڈرو اس سے اور نماز کو قائم رکھو کہ بڑی عبادت ہے اسے ضائع نہ کرو اور نہ ہو مشرک بلکہ موحد ہو جو خلوص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے ہیں اس کے بعد مشرکوں کا حال بیان کیا کہ وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے دین میں پھوٹ ڈالی کر تغیر تبدل کر کے دین میں بعض باتوں کو مانا اور بعض کو نہ مانا فرقوا کی جگہ بعضے سلف فارقوا پڑھتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے دین کو چھوڑ کر پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا ہے جیسے یہود و نصاریٰ مجوسی اور بت پرست یہ ہر ایک فرقہ اپنے گھڑے ہوئے دین پر خوش خرم ہے اور اس کو حق سمجھ رہا ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے چنانچہ معتبر سند سے ترمذی میں عبداللہ بن عمرؓ بن العاص سے روایتؓ ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ان بہتر فرقوں میں سے نجات پانے والا فرقہ کون سا ہے تو آپ نے فرمایا کہ جس پر آج میں اور میرے اصحابؓ ہیں وہی حق پر ہیں باقی سب فرقے گمراہی پر ہیں ترمذی کی اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی کو اگرچہ بعضے علماء نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن امام بخاری نے اس کو ضعیف راویوں میں شمار نہیں کیا اور یحییٰ بن سعید القطان نے اس کو ثقہ کہا ہے اسی واسطے ترمذی نے اس حدیث کو معتبر کہا ہے[2]۔

۳۳ تا ۳۸۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فطرت اسلامی کا یہ ثبوت بیان فرمایا کہ مشرک فطرت کے تقاضے سے ناچار ہونے کے وقت اللہ وحدہ لاشریک لہ کو پکارتے ہیں اور جب اللہ چکھائے ان کو کچھ مہر اور ان پر نعمت کے دروازے کھول دے کہ وہ آسودہ ہو جاویں تو خدا تعالیٰ کے ساتھ شرک اور بتوں کی پوجا کرنے لگتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کے منکر ہو جاتے ہیں اور آسودگی کو بتوں کی مدد کا نتیجہ خیال کرتے ہیں پھر فرمایا کہ فائدہ اٹھائیں چند روزہ کام چلالیں اب آگے عنقریب یہ لوگ معلوم کر لیں گے کہ ان کے عملوں کی شامت سے انکو کیا بات پیش آئی اب آگے اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی بیوقوفی کا ذکر فرمایا کہ کیا ہم نے ان کے اوپر کوئی سند آسمان سے اتاری ہے جو شرک کو اچھا بتاتی ہے مطلب یہ ہے کہ جب یہ لوگ شرک کو اچھا بتاتے ہیں اور کوئی سند نہیں پیش کر سکتے تو ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا طریقہ بالکل بے سند اور ایجادی ہے پھر فرمایا جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو اس کے ساتھ خوش ہو جاتے ہیں اور اگر ان کو اپنے عملوں کے سبب سے کوئی تکلیف پہنچی تو یکایک بے آس ہو جاتے ہیں حاصل یہ ہے کہ انسان کی یہ جبلی خصلت ہے کہ عیش میں مارے خوشی کے پھولا نہیں سماتا اور اترانے لگتا ہے اور سختی میں ناامید

[1] مشکوٰۃ " باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ۔ [2] جامع ترمذی ص ۹۸ ج ۲ مع تحفۃ الاحوذی باب افتراق الامۃ

اَيۡدِيۡهِمۡ اِذَا هُمۡ يَقۡنَطُوۡنَ ﴿۳۶﴾ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ

تبھی آس توڑ دیویں کیا نہیں دیکھ چکے کہ اللہ پھیلاتا ہے روزی جس پر چاہے اور ناپ

وَيَقۡدِرُ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۷﴾ فَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰى حَقَّهٗ وَالۡمِسۡكِيۡنَ

کر دیتا ہے اس میں پتے ہیں ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں سو دے ناتے والے کو اس کا حق اور محتاج کو

وَابۡنَ السَّبِيۡلِ ؕ ذٰلِكَ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَ اللّٰهِ ۖ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۳۸﴾

اور مسافر کو یہ بہتر ہے ان کو جو چاہتے ہیں اللہ کا منہ اور وہی ہیں جن کا بھلا ہے

ہو جاتا ہے یہ خیال کر لیتا ہے کہ مجھ کو بھلائی اور بہتری کبھی حاصل نہ ہو گی ہاں جو بندے عیش میں شکر کرتے ہیں اور سختی میں صبر کرتے ہیں وہ ہر حالت میں ثواب حاصل کرتے ہیں صحیح مسلم کی صہیب رضی رومی کی حدیث[1] میں ہے کہ مومن کی عجب حالت ہے کہ اگر اس کو خوشی ہوتی ہے تو شکر کرتا ہے جو اس کے لیے بہتر ہوتا ہے اور اگر اس کو مصیبت پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے اب فرمایا کہ کیا دیکھا نہیں انہوں نے کہ اللہ تعالیٰ فراخ کرتا ہے روزی جس پر چاہے اور تنگ کرتا ہے جس پر چاہے ہر چیز میں اس کا تصرف ہے سب کام حکمت سے کرتا ہے بے شک اس کے اندر بڑے نشان ہیں ایمان والوں کیلئے اب آگے قرابتدار مسکین محتاج اور مسافر کے حسن سلوک کا ذکر فرما کر فرمایا یہ کام بہتر ہیں ان کو جو قیامت کے روز اللہ کا دیدار چاہتے ہیں اور یہ اعلیٰ مقصود اور بڑی مراد ہے اور وہی لوگ دنیا اور آخرت میں فلاح پانے والے ہیں جو اس حکم کے موافق دنیا میں عمل کرتے ہیں سورۃ العنکبوت میں فلما نجاھم الی البر اذا ھم یشرکون فرمایا تھا اور یہاں اذا فریق منھم بربھم یشرکون فرمایا سبب اس کا یہی ہے کہ وہاں خاص مشرکوں کی راحت کی حالت کا ذکر تھا یہاں عام طور پر انسان کی راحت کی حالت کا ذکر ہے کہ گروہ انسانی میں سے یہ مشرک لوگ تو اپنی غرض کے وقت خالص اللہ سے اپنا مطلب چاہتے ہیں پھر جب ان کا مطلب پورا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو بالکل بھول جاتے ہیں اور بتوں کی مدد سے مطلب کا پورا ہو جانا ان کے اعتقاد میں جم جاتا ہے اور گروہ انسانی میں جتنے لوگ ناشکر ہیں جو راحت کے وقت اترا جاتے ہیں غرض راحت اور خوشحالی اور بھلائی کو پہنچنے والے وہی شکر گزار ایمان دار لوگ ہیں جو اللہ کا دیا ہوا مال اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس خرچ کا بدلہ بارگاہ الٰہی سے ایک دن انہیں مع نفع کے ملنے والا ہے ایسے لوگوں کو اگر تنگ دستی آن گھیرے تو صبر اور قناعت سے کام لیتے ہیں کیونکہ ایک تو انہیں صبر کے اجر کی توقع ہے دوسرے ان کو دنیا کی تنگی و فراخی میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی یہ ایک نشانی بھی نظر آتی ہے کہ دنیا کا انتظام چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کسی کو خوشحال کیا ہے اور کسی کو تنگدست تاکہ خوشحال لوگوں کو تنگدست لوگوں کے کام کاج کی اور تنگدست لوگوں کو خوشحال لوگوں سے محنت مزدوری پانے کی ضرورت پڑے اور اس ضرورت کے سبب سے دنیا کا انتظام اچھی طرح چلے سورۃ الزخرف میں دنیا کے اس انتظام کا ذکر تفصیل سے آوے گا حاصل کلام یہ ہے کہ صہیب رضی رومی کی حدیث گویا ان آیتوں کی تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایماندار شخص خوشحالی اور تنگدستی دونوں حالتوں میں اچھا رہتا ہے ورنہ گروہ انسانی میں سے مشرک لوگوں اور اترانے والے لوگوں کے حق میں دونوں حالتیں وبال ہیں۔

---

[1] مشکوۃ باب التوکل والصبر۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ

اور جو دیتے ہیں بیاج پر کہ بڑھتا رہے لوگوں کے مال میں وہ نہیں بڑھتا اللہ کے یہاں اور جو دیتے ہو پاک دل سے

تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ

چاہ کر منہ اللہ کا سو وہی ہیں جن کے دونے ہوئے اللہ وہی ہے جس نے تم کو روزی دی

ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ

پھر تم کو مارتا ہے پھر تم کو جلاوے گا

۳۹۔ اوپر کی آیتوں میں ذکر تھا کہ رشتہ داروں اور فقیر یا مسافر کو جو کوئی اللہ کے واسطے کچھ دیوے گا تو ایسے دینے والے کا عاقبت میں بھلا ہوگا اس اوپر کی آیت کی مناسبت کے سبب سے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، مجاہدؒ، عکرمہؒ، ضحاکؒ، شعبیؒ اور قتادہؒ وغیرہ[1] مفسرین متقدمین نے اس آیت کے یہ معنے کئے ہیں کہ جس تحفہ میں ثواب کی نیت نہ ہو بلکہ یہ نیت ہو کہ آج ہم کسی کو کچھ تحفہ دیویں گے کل ہم کو وہ شخص بڑھا کر دیوے گا تو ایسے دینے کا کچھ اجر اللہ کے نزدیک نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو اسی دینے کا اجر ہے اور وہی دینا اللہ کے نزدیک بڑھتا اور دوچند ہوتا ہے جس میں خالص ثواب کی نیت ہو نہ دوسرے پر کچھ احسان رکھنے کی نیت ہو نہ کچھ بڑھ کر بدلا آنے کی نیت ہو اس تفسیر کی تائید حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی صحیح بخاری و مسلم کی اس روایت[2] سے ہوتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی بی بی بچوں کو روٹی کپڑا ثواب کی نیت سے دے تو اس کو بھی صدقہ کا اجر ملے گا اور مفسرین متقدمین نے اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ امت کے لوگوں کو اس طرح بدلے کی نیت سے کسی کو ہدیہ دینا جائز ہے فقط ثواب اس طرح کے دینے والے کو نہیں ملنے کا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کا ہدیہ کسی کو دینا آیت ولا تمنن تستکثر کی رو سے جائز بھی نہیں تھا متاخرین مفسرین کا یہ قول ہے کہ یہ آیت سود اور بیاج کے بیان میں ہے لیکن قرآن شریف کی آیتوں کی مناسبت کے سبب سے اور صحیح حدیث کی تائید کی رو سے پہلا قول قوی معلوم ہوتا ہے متاخرین مفسرین کے قول پر معنے آیت کے یہ ہوں گے کہ جو کوئی سود کھانے کی نیت سے کسی کو قرض دے گا تو سود کا پیسہ اگرچہ ظاہر میں بڑھتا ہے مگر اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا بلکہ اللہ تعالیٰ دنیا میں سود کے پیسہ کو گھٹا دیتا ہے اور عاقبت میں سود کھانے والا طرح طرح کے عذابوں میں پکڑا جائے گا صدقہ دینے سے ظاہر میں اگرچہ مال گھٹا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بڑھتا ہے کیونکہ دنیا میں اللہ تعالےٰ ایسے مال میں برکت دے گا اور عقبیٰ میں ایک روپیہ خرچ کرنے کا اجر دس سے لے کر سات سو تک کے خرچ کرنے کا ملے گا ایک روپیہ سے سات سو روپیہ سود میں بھلا کون کما سکتا ہے اب آگے مشرکوں کو یہ تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں کو اور ان کی ضرورت کی سب چیزوں کو پیدا کیا اور وہی وقت مقررہ کے آنے پر ان کو دنیا سے اٹھائے گا اور پھر سزا اور جزا کے لیے انہیں دوبارہ پیدا کرے گا باوجود اس کے یہ اللہ کی تعظیم میں دوسروں کو جو شریک کرتے ہیں اور اللہ کے دئیے ہوئے مال میں سے بتوں کا حصہ ٹھہراتے ہیں یہ ان لوگوں کی بڑی نادانی ہے۔

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۴ ج ۳۔ [2] مشکوٰۃ باب افضل الصدقہ میں بروایت حضرت ابو مسعودؓ ہے۔

هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا

کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو کر سکے ان کاموں میں ایک وہ نرالا ہے اور بہت اوپر ہے اس سے

يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ

جو شریک بتاتے ہیں کھل پڑی ہے خرابی جنگل میں اور دریا میں لوگوں کی ہاتھ کی کمائی سے چکھایا چاہیے ان کو

بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ

ان کے کام کا کہ شاید یہ پھر آویں تو کہہ کہ پھرو ملک میں تو دیکھو آخر کیسا

كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ

ہوا پہلوں کا بہت ان میں تھے شریک والے سو تو سیدھا کر اپنا منہ

الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾ مَنْ كَفَرَ

سیدھی راہ پر اس سے پہلے کہ آ پہنچے ایک دن جس کو پھرنا نہیں اللہ کی طرف سے اس دن لوگ جدا جدا ہوں گے جو منکر ہوا

فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ

سو اس پر پڑے گا اس کا منکر ہونا اور جو کرے بھلے کام سو اپنی حالت سنوارتے ہیں کہ وہ بدلہ دے ان کو

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ

جو یقین لائے اور بھلے کام کئے اپنے فضل سے بے شک اس کو نہیں بھاتے انکار والے اور اس کی نشانیوں میں

ع ۱۱ ۷

۴۰ تا ۴۵۔ اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ پہلی دفعہ جو اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کو پیدا کیا پھر عمر پوری ہونے کے بعد ہر ایک جاندار کی موت اللہ کے حکم سے آتی ہے کسی کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے یہ سب کچھ تو ان مکہ کے مشرکوں کی آنکھوں کے سامنے ہے اور ان مشرکوں کے رزق کا سبب جو آسمان سے پانی کا برستا ہے وہ بھی اللہ کے ہی اختیار میں ہے ان کے بتوں کو اس میں کچھ دخل نہیں اور جب ایک دفعہ یہ تمام عالم پیدا ہو چکا تو ان مشرکوں کے روزمرہ کے تجربہ کی گواہی سے دوسری دفعہ انسان کا پیدا ہونا اور نیک و بد کی جزا و سزا کا ہونا بالکل سہل ہے حاصل یہ ہے کہ جب یہ سب اللہ کے اختیار میں ہے تو ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا ہے کہ ان مشرکوں سے دریافت کیا جاوے کہ انکا جینا ان کا مرنا جیتے جی کا انکا رزق کون سی چیز ان کے بتوں کے اختیار میں ہے اور جب آنکھوں دیکھتے ان کے بتوں کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے تو عبادت کے وقت ان بتوں کو یہ لوگ جو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں ذرا ان کو نادم ہونا چاہیئے کہ ایسی بے اختیار اور عاجز چیز کو جو خود دوسرے کے اختیار اور قابو میں ہو معبود ہونے کا کونسا حق حاصل ہے ان آیتوں کی شان نزول طبرانی[1] نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے جو بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ تمام ملت ابراہیمی کو مشرکین مکہ نے بگاڑ کر فقط ایک حج کو عبادت کے نام سے باقی رکھا تھا اس میں طواف کے وقت اللہ کے نام کے ساتھ بتوں کے نام لے کر چلاتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس شرک سے نادم ہونے کے لیے یہ شرک کی مذمت کی آیتیں جگہ جگہ قرآن شریف میں نازل فرمائی ہیں اب مشرکوں کو شرک کا الزام دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ زمین میں قحط وبا اور دریا میں جہازوں کشتیوں کے ڈوبنے کے وبال جو آتے ہیں وہ لوگوں کے اسی طرح کے گناہوں کے سبب سے آتے ہیں جس طرح قریش جان بوجھ کر شرک

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۱۵۵ ج ۵

أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَلِيُذِيقَكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِأَمْرِهِ وَ

ایک یہ کہ چلاتا ہے باویں خوشخبری لانے والیاں اور تا چکھاوے تم کو کچھ مزہ اپنی مہر کا اور تا چلیں جہاز اس کے حکم سے اور

لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَى

تاکہ تلاش کرو اس کے فضل سے اور شاید تم حق مانو اور ہم بھیج چکے ہیں تجھ سے پہلے کتنے رسول اپنی اپنی

قَوْمِهِمْ فَجَاءُوهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا

قوم پاس پھر آئے اُن پاس ہتے لے کر پھر بدلا لیا ہم نے اُن سے جو گنہگار تھے اور حق ہے ہم پر

نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۷﴾ اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ

مدد ایمان والوں کی اللہ ہے جو چلاتا ہے باویں پھر ابھارتیاں ہیں بدلی پھر پھیلاتا ہے اس کو آسمان میں

يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ

جس طرح چاہے اور رکھتا ہے اس کو تہ بر تہ پھر تو دیکھے مینہ نکلتا ہے اس کے بیچ میں سے پھر جب اس کو پہنچایا جس کو چاہے

عِبَادِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۴۸﴾ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِنْ قَبْلِهِ

اپنے بندوں میں تبھی وہ لگیں خوشیاں کرنے اور پہلے ہو رہے تھے اس کے اترنے سے پہلے ہی

لَمُبْلِسِينَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ إِلَى آثَارِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ

ناامید سو دیکھ اللہ کی مہر کے نشان کیونکر جلاتا ہے زمین کو اس کے مرے پیچھے بے شک

کرتے تھے پھر قریش کو پچھلی امتوں کا حال یاد دلا کر یہ ڈرایا ہے کہ اگر شرک سے باز نہ آؤ گے تو پچھلی امتوں کی طرح غارت ہو جاؤ گے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خطاب کر کے فرمایا ہے جس خطاب میں امت بھی داخل ہے کہ دین پہ قائم رہنا چاہیے تاکہ اللہ کے دین میں فتور نہ پڑے اور اس فتور کے سبب سے وبال نہ آجاوے پھر ہوا کا ذکر اور ہوا کے سبب سے بادل جو آتے ہیں ان کا ذکر اور بادلوں کے سبب سے مینہ جو برستا ہے اس کا ذکر فرما کر فرمایا ہے کہ جس طرح ہر سال برسات کے موسم میں زمین کی مری ہوئی مٹی زندہ ہو جاتی ہے اور اس میں ہر طرح کے اناج کے پیدا ہونے کی قوت آجاتی ہے اسی طرح حشر کے دن اللہ تعالیٰ ہر ایک مرے ہوئے شخص کے جسم کو پھر تیار کر کے ان جسموں میں پھر روح پھونکے گا صحیح بخاری و مسلم کی ابوہریرہؓ کی حدیث اوپر گذر چکی ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ دوسرے صور سے پہلے شبنم کی طرح ایک مینہ برسے گا جس سے زمین میں کے سب مرے ہوئے لوگوں کے پتلے بنکر تیار ہو جاویں گے پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا جس سے ان پتلوں میں روح پھونک دی جاوے گی حاصل کلام یہ ہے کہ جس طرح اب مینہ سے دریا میں موتی کا اور زمین میں طرح طرح کی پیداوار کا جسم پیدا ہو جاتا ہے اسی طرح حشر کے دن کے ایک مینہ سے انسان کا جسم پیدا ہوگا اسی مشابہت کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ قرآن شریف میں زمین کی پیداوار سے حشر کی تشبیہ بیان فرمائی ہے مینہ اور ہوا کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ تسلی بھی فرمائی کہ اے رسول اللہ کے اگر یہ مشرک لوگ اللہ کی قدرت کی نشانیوں پہ دھیان نہ کریں گے تو اس طرح کی قدرت کے منکر پہلی امتوں کا جو انجام ہو چکا وہی ان کا ہوگا تاکہ دشمنوں کی ہلاکت سے دینداروں کو ایک طرح کی مدد مل جاوے کیوں کہ اس طرح کی مدد ہمیشہ سے اللہ نے اپنے ذمہ لی ہے آخر کو فرمایا مینہ کے برسنے

ذٰلِكَ لَمُحۡیِ الۡمَوۡتٰی ۚ وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۵۰﴾ وَ لَئِنۡ اَرۡسَلۡنَا رِیۡحًا فَرَاَوۡهُ مُصۡفَرًّا

وہ بے مردے جلانے والا اور وہ ہر چیز کر سکتا ہے اور اگر ہم بھیجیں ایک باؤ پھر دیکھیں وہ کھیتی زرد

لَّظَلُّوۡا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ یَكۡفُرُوۡنَ ﴿۵۱﴾ فَاِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی وَ لَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا

پڑ گئی تو لگیں اس پیچھے ناشکری کرنے سو تو سنا نہیں سکتا مردوں کو اور نہیں سنا سکتا بہروں کو پکارنا جب

وَلَّوۡا مُدۡبِرِیۡنَ ﴿۵۲﴾ وَ مَاۤ اَنۡتَ بِهٰدِ الۡعُمۡیِ عَنۡ ضَلٰلَتِهِمۡ ؕ اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ یُّؤۡمِنُ

پھریں پیٹھ دے کر اور نہ تو راہ سمجھا دے اندھوں کو ان کے بھٹکنے سے تو تو سنا دے اس کو جو یقین مانے

بِاٰیٰتِنَا فَهُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۵۳﴾

ع ۱۳ / ۸

ہماری باتیں سو وہ مسلمان ہوتے ہیں

اور پیداوار کے زور پکڑ جانے کے بعد اگر اللہ کی قدرت سے کوئی ایسی مخالف ہوا چل جاوے جس سے کھیتی خراب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے مینہ برسانے کے احسان کو بھول کر ایسی ناشکری کرنے لگتے ہیں کہ گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کبھی کوئی احسان ہی نہیں کیا۔

۵۲، ۵۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس قدر توحید کی باتیں کفار مکہ کو سناتے اور سمجھانے کی کوشش کرتے اسی قدر لوگ سن کر چلے جاتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ مردے اور بہرے کے مانند ہیں اور بہرہ بھی وہ کہ جس کی پیٹھ پھری ہوئی ہو کیوں کہ اگر بہرے آدمی کا منہ کسی بات کرنے والے شخص کی طرف ہو تو ہونٹوں کی جنبش یا اشارہ سے بھی کچھ سمجھ سکے ان لوگوں میں وہ بات بھی نہیں یہ ایسے بہرے ہیں کہ ان کا منہ بھی بات کرنے والے شخص کی طرف نہیں بلکہ پیٹھ پھری ہوئی ہے اس طرح کی آیتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مردے کچھ نہیں سنتے ایسی ہی عام حکم کی آیتوں سے حضرت عائشہؓ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی اس روایت کا انکار کیا کرتی تھیں[1] جو جنگ بدر کے مردوں کے حال میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں کے نام لے لے کر پکارا اور فرمایا کہ ہم نے تو خدا کا وعدہ سچا پایا تم لوگوں کو بھی خدا کے فرمانے کا ظہور معلوم ہو گیا اور اب تو تم کو معلوم ہو گیا کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی فرمانبرداری کرتے تو یہ دن آج نہ دیکھتے اور حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت آپ بے جان مردوں سے باتیں کرتے ہیں اور آپؐ نے فرمایا تم زندوں سے زیادہ یہ مردے میری اس بات کو سنتے ہیں جو میں ان سے کہہ رہا ہوں سوا حضرت عائشہؓ کے جمہور صحابہ اور تابعین کا قول یہ ہے کہ منکر نکیر کے سوال و جواب کے وقت سب مردے بات سنتے ہیں جس کا ذکر صحیح روایتوں میں آیا ہے اور خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے مردوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننے کی قوت دی تھی اس لیے انہوں نے بھی آنحضرتؐ کا فرمانا سنا حضرت عائشہؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت میں مطابقت حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں یوں بیان کی ہے کہ حضرت عائشہؓ کے انکار کے یہ معنے ہیں کہ منکر نکیر کے سوال جواب کے وقت کے سوا کوئی مردہ کسی وقت نہیں سنتا اور منکر نکیر کے سوال و جواب کے وقت مردہ کو مردہ نہیں کہنا چاہئے کیونکہ براء بن عازبؓ کی صحیح حدیث[4] سے

[1] فتح البیان ص ۵۰۹ ج ۳ بحوالہ الصحیحین۔ و تفسیر ابن کثیر ص ۴۳۸ ج ۳ [2] فتح الباری ص ۱۲ جلد ۴ باب قتل ابی جہل۔

[3] صفحہ ۴۰۰ ج اول باب ما جاء فی عذاب القبر۔ [4] ایضاً ص ۲۰۰۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ (۵۴)

اللہ ہے جس نے بنایا تم کو کمزوری سے پھر دیا کمزوری پیچھے زور پھر دے گا زور پیچھے کمزوری سفید بال بناتا ہے جو چاہے اور وہ ہے جانتا کر سکتا۔

یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ اس وقت مردہ میں روح پھونک دی جاتی ہے پھر وہ مردہ کا سننا نہیں ہوا بلکہ ایک روح والے جسم کا سننا ہوا اسی طرح جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے مردوں سے باتیں کی تھیں اس وقت بھی ان مردوں کے جسم میں اللہ کے حکم سے روح پھونک دی گئی تھی چنانچہ امام بخاری نے صحیح بخاری[۱] میں قتادہؒ کے قول کے حوالہ سے اس کی تصریح بھی کر دی ہے غرض مردے کے جس سننے کا ذکر براء بن عازبؓ یا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں ہے اس کا انکار حضرت عائشہؓ کو نہیں ہے اور جس سننے کا انکار حضرت عائشہؓ کو ہے اس کا ذکر ان حدیثوں میں نہیں ہے اس صورت میں حضرت عائشہؓ کی روایت اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں کچھ مخالفت نہیں ہے اسی واسطے جس طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جنگ بدر کے مردوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باتیں کرنے کی روایت ہے اسی طرح یہ روایت حضرت عائشہؓ سے بھی آئی ہے جس روایت کو امام احمد نے اپنی مسند میں معتبر سند سے روایت[۲] کیا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ سوا اس معجزے کے جو جنگ بدر کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہوا اور سوا منکر نکیر کے سوال و جواب کے وقت کے بالاتفاق سب صحابہ کا قول یہی ہے کہ مردہ نہیں سنتا۔ اب آگے فرمایا کہ جو لوگ اللہ کے علم ازلی میں راہ ہدایت پر نظر آنے سے اندھے قرار پا چکے ہیں ان پر بھی قرآن کی نصیحت کا کچھ اثر نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ قرآن کی نصیحت کا اثر تو ان لوگوں پر ہی ہو گا جو علم الٰہی میں ایماندار اور فرمانبردار ٹھہر چکے ہیں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعری کی حدیث گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کی نصیحت کی مثال مینہ کے پانی کی اور اچھے برے لوگوں کی مثال اچھی بری زمین کی بیان فرمائی ہے۔ اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ علم الٰہی میں نیک ٹھہر چکے ہیں قرآن کی نصیحت ان کے حق میں ایسا ہی فائدہ دیتی ہے جس طرح اچھی زمین مینہ کا پانی فائدہ دیتا ہے اور جو لوگ علم الٰہی میں برے قرار پا چکے ہیں ان کے حق میں قرآن کی نصیحت اسی طرح رائگاں ہے جس طرح بری زمین میں مینہ کا پانی یا مردوں اور بہروں کے آگے بات چیت کا کرنا یا اندھے کو کسی چیز کا دکھانا رائگاں ہے۔

۵۴۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کے حالات میں جو تغیر تبدل اول سے بڑھاپے تک ہے وہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اول مٹی سے پھر پانی جیسی پتلی چیز کی بوند سے پھر جمے خون سے پھر بوٹی سے انسان کو پیدا کیا اس کے بعد پھر ہڈیاں پھر ان پر گوشت چڑھایا اور پھر روح پھونکی پھر ماں اور روح پھونکنے پھر ماں کے پیٹ سے بچہ کمزور پیدا ہو کر پھر رفتہ رفتہ کچھ کچھ زور پکڑتا گیا غرضکہ جوانی تک کم زور بچہ کہلاتا ہے پھر بلوغ کے قریب ہوتا ہے پھر جوان ہوتا ہے یہ نہایت قوت کا زمانہ ہے اس کے بعد پھر نقصان کا زمانہ شروع ہوتا ہے طاقت کم ہونے لگتی ہے یہاں تک کہ نہایت بڈھا ہو جاتا ہے اور یہ قوت کی کمزوری

[۱] فتح الباری صفحہ ۲ جلد ۴ باب قتل ابی جہل از صحیح بخاری [۲] ایضاً صفحہ ۲۰۱۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا

اور جس دن اُٹھے گی قیامت قسمیں کھاویں گے گنہگار کہ ہم نہیں رہے ایک گھڑی سے زیادہ اسی طرح تھے

يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى

اُلٹے جاتے اور کہیں گے جن کو ملی سمجھ اور یقین تمہارا ٹھہراؤ تھا اللہ کے لکھے

يَوْمِ الْبَعْثِ ۫ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا

جی اُٹھنے کے دن تک سو یہ ہے جی اُٹھنے کا دن پر تم نہ تھے جانتے سو اس دن کام نہ آوے گی

کا زمانہ ہے جس میں بال سفید ہو جانے ہیں ہمت پست ہو جاتی ہے غرض اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اپنے بندوں میں اپنی قدرت کے موافق تصرف کرتا ہے اور وہ کمال علم اور قدرت والا ہے سب کچھ جانتا ہے اور کر سکتا ہے ترمذی ابوداؤد اور صحیح ابن حبان کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعری کی صحیح حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی تمام زمین سے لی تھی اسی تاثیر سے مختلف رنگ اور مختلف مزاج کے لوگ اولاد آدم میں قیامت تک پیدا ہوں گے حاصل یہ ہے کہ اب ظاہر میں اگرچہ آدمی کی پیدائش نطفہ سے ہے لیکن اس میں مٹی کا اثر بھی چلا آتا ہے صحیح بخاری کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت بھی گزر چکی ہے کہ نطفہ چالیس روز تک عورت کے رحم میں رہ کر جما ہوا خون ہو جاتا ہے پھر اس خون کا گوشت بن جاتا ہے ان حدیثوں سے انسان کی پیدائش کی ابتدا اور اس میں اللہ تعالیٰ کے قدرت کی جو نشانی ہے اس کا حال اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے اس بات کی زیادہ تفصیل قد افلح المؤمنین میں گزر چکی ہے حاصل کلام یہ ہے کہ اس قسم کی آیتوں سے منکرین حشر کو قائل کیا گیا ہے کہ جس صاحب قدرت نے انسان کو اس طرح کی عقل کی رسائی سے باہر طریقہ سے پیدا کیا ہے اس کی قدرت کے آگے آدم علیہ السلام کی طرح ان منکرین حشر کے مٹی کے پتلے بنا کر ان میں روحیں پھونک دینا کچھ مشکل نہیں ہے۔

۵۵ تا ۵۹۔ اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ انسان کی حالت کو ذرا بھی قیام نہیں ہے کبھی بالکل نادان بچہ ہوتا ہے کبھی جوانی کے نشہ میں اپنے آپ کو بھول جاتا ہے پھر تھوڑے دنوں میں دیکھو تو بڑھاپا آ کر وہ جوانی کا نشہ جاتا رہتا ہے نہ جوانی کا سا کھانا پینا ہے نہ وہ تندرستی ہے دانتوں نے الگ جواب دے دیا نگاہ جدا کمزور ہو گئی ہاتھ پیروں میں بالکل وہ سکت اور بوتا باقی نہیں رہا یہ سب کچھ ہو کر ایک سانس باقی تھا تھوڑے دنوں میں وہ بھی نہیں اور سینکڑوں ایسے دنیا سے اٹھ گئے کہ گویا کبھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے لیکن باوجود اس ناپائیدار زیست کے غافل لوگ دنیا کو ہمیشہ رہنے کا ٹھکانہ جانتے تھے اور عقبیٰ کی باتوں کو دنیا کی آسودگی میں ایک خواب و خیال کی سی باتیں سمجھتے تھے اللہ کے رسولؐ نے ہر چند دنیا کی حرص و ہوس سے صحیح حدیثوں میں طرح طرح سے روکا کبھی فرمایا کہ دنیا کی حرص ہوا عاقبت کی بہبودی کے لیے ایسی مضر ہے جس طرح بھیڑیے اور بکریوں کا ایک جگہ ہونا بکریوں کے حق میں مضر ہے کبھی فرمایا کہ دنیا میں سوا ذکر الٰہی کے جو کچھ ہے وہ سب ہیچ ہے کبھی فرمایا کہ آدمی کو دنیا میں مسافروں کی طرح رہنا چاہیے اور مرنے سے پہلے اپنے آپ کو مرا ہوا شمار کرنا چاہیے کبھی بڑی اور چھوٹی لکیریں کھینچ کر سمجھایا کہ چھوٹی لکیر آدمی کی چند روزہ عمر ہے اور بڑی لکیر آدمی کی حرص و ہوا ایک دن ایسا ہو گا کہ حرص و ہوا اپنے حال پر رہ جاوے گی اور آدمی دنیا سے اٹھ جاوے گا کبھی فرمایا کہ دنیا کی قدر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے غرض اسی طرح جو سمجھانے کا حق تھا وہ سب کچھ سمجھایا مگر دنیا کی الفت کے سامنے ان

يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ

ان گنہگاروں کو تقصیر بخشوانی اور ان سے کوئی منانا چاہے اور ہم نے بٹھائی ہے آدمیوں کو

هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ

اس قرآن میں ہر طرح کی کہاوت اور جو تو لادے ان پاس کوئی آیت تو مقرر کہیں دے منکر تم سب

اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ فَاصْبِرْ

جھوٹ بلاتے ہو یوں مہر کرتا ہے اللہ ان کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے سو تو ٹھہرا رہ

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾

بیشک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے اور اچھال نہ دیں تجھ کو جو یقین نہیں لاتے

غافلوں نے ایک نہ سنی آخر ان غافلوں کے عذر یہ کے موافق یہ تو سوجھی نہیں سکتا کہ دنیا ہمیشہ رہے یا یہ غافل دنیا میں ہمیشہ رہیں جب دنیا بگڑے گی اور اللہ اور اللہ کے رسول کے فرمانے کے موافق قیامت قائم ہو گی تو اس دن کا حال اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ وہ غافل دنیا کے فریفتہ لوگ جو دنیا کو اپنی غفلت سے اپنا ہمیشہ کا ٹھکانہ جانتے تھے جب قیامت کے دن لاکھوں کروڑں برس کا عذاب دیکھیں گے تو قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ اس لاکھوں برس کے عذاب کے حساب سے تو گویا ہم دنیا اور قبروں میں گھڑی دو گھڑی رہے آگے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ عذر ان لوگوں کے کچھ کام نہ آوے گا اس کے معنے اکثر مفسروں نے یہ بیان کئے ہیں کہ دنیا میں گھڑی دو گھڑی یہ غافل لوگ اس عذر کے طور پر بتلا دیں گے کہ گویا دنیا میں نہ یادہ رہنے اور اللہ کے رسول کی نصیحت سننے کا موقع ان کو نہیں ملا اسی واسطے ملائکہ اور انبیاء اور عام مسلمان قسم کھا کر غافلوں کے اس عذر کا جواب دیں گے کہ جس قدر اس کے وعدہ کے موافق دنیا میں ہم رہے اسی قدر تم بھی رہے مگر تمہاری نادانی نے آج تم کو خراب کیا کہ اللہ کے رسول کی نصیحت کے موافق جس ڈھنگ سے دنیا میں رہنا چاہیے تھا اس ڈھنگ سے تم نہیں رہے بلکہ دنیا کے جینے کو ہی اپنے پیدا ہونے کا مدار سمجھتے رہے اور آج کے دن کے منکر رہے اور جب تک رہے ماھی الاحیا تنا الدنیا و ما نحن بمبعوثین کہتے رہے آج وہی دن آگے آیا جس کا تمہیں انکار تھا اور جس سے تم بے فکر تھے اب عذر کا وقت ہاتھ سے جاتا رہا ہے وقت اب عذر کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ترمذی اور ابن ماجہ کی شداد بن اوس کی معتبر حدیث اوپر گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا بھر کا عقلمند وہی شخص ہے جو دنیا میں رہ کر اپنی عقبیٰ کو سنبھالنے کا کچھ کام کرے ورنہ پھر عقبیٰ میں بڑی خرابی پیش آوے گی اب آگے فرمایا قیامت کے دن ان لوگوں کا عذر اس واسطے نہ سنا جاوے گا کہ قرآن میں طرح طرح کی مثالیں بیان کی جا کر ان کو آج کے دن کا انجام اچھی طرح سمجھا دیا تھا مگر علم ازلی کے موافق ان کے دلوں پر کفر اور شرک کا زنگ مہر کی طرح ایسا چھا گیا تھا کہ تمام عمر یہ لوگ اس انجام کو جھٹلاتے رہے اور اس انجام سے اپنے آپ کو انجان بنا لیا آخر آج وہ انجام ان کے روبرو آیا۔

۶۰۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے تسلی کے طور پر ارشاد فرماتا ہے کہ تم ان کی مخالفت اور دشمنی پر صبر کرو بیشک خدا تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے اور تمہارے ساتھ والوں سے غلبہ کا اور مدد کرنے کا جو وعدہ کیا ہے اللہ اپنے اس وعدہ کو ضرور ضرور پورا کرے گا اس وعدہ میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں ہے اور ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ جو اللہ پر یقین

آیاتہا ۳۴ — (۳۱) سُوْرَۃُ لُقْمٰنَ مَکِّیَّۃٌ عہ (۵۷) — رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ ﴿۲﴾ ھُدًی وَّرَحْمَۃً لِّلْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳﴾ الَّذِیْنَ

یہ آیتیں ہیں پکی کتاب کی سوجھ ہے اور مہر نیکی والوں کو جو

یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِکَ

کھڑی رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ ہیں جو آخرت کو وہ یقین کرتے ہیں وہ ہیں

نہیں رکھتے ہیں اور نہ اس کے رسولوں کو سچا جانتے ہیں اور نہ خدا کی کتابوں پر اور بعد مرنے کے جی اٹھنے پر ایمان لاتے ہیں تمہیں آیندہ کی نصیحت سے بے دل کر دیں اس لیے تم کو چاہئے کہ جس طریقہ پر تم کو خدا تعالیٰ نے رسول کر کے بھیجا ہے اسی پر ثابت قدم رہو اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے بدر کی لڑائی کے وقت اور فتح مکہ کے وقت اس وعدہ کا ظہور ہوا کہ بدر کی لڑائی میں بڑے بڑے مخالفِ دین مارے گئے جس کا ذکر صحیح بخاری و مسلم کی انس بن مالکؓ کی روایت کے حوالہ سے اوپر کئی جگہ گذر چکا ہے اور جن بتوں کو یہ لوگ اپنا معبود سمجھتے تھے اسلام کے غلبہ نے ان بتوں کو بالکل نیست و نابود کر دیا اس کا ذکر بھی عبداللہ بن مسعودؓ اور ابوہریرہؓ کی صحیح بخاری کی روایت کے حوالہ سے اوپر گذر چکا ہے اس لیے آیت میں جو وعدہ تھا اس کے ظہور کی یہ حدیثیں گویا تفسیر ہیں۔

ا تا ۵۔ حروف مقطعات کا بیان اور اس سورہ کی شروع کی آیتوں کی یہ تفسیر سورہ بقر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کو نیک کام کرنے والوں کی ہدایت کے لیے اتارا ہے یہ قرآن ان کے حق میں رحمت ہے نیک کام کرنے والے محسنین وہ لوگ ہیں جو شریعت کے تابع ہو کر اچھے عمل کرتے ہیں مثلاً نماز کو اس کے وقتوں پر فرض ہوں یا سنت سب کو اچھی طرح ادا کرتے ہیں اور ایسے ہی زکوٰۃ کو جو اس کے مستحق ہیں ان کو دیتے ہیں اور صلہ رحمی کرتے ہیں اور آخرت کی جزا و سزا کا یقین رکھتے ہیں اور اللہ سے آخرت کے ثواب کی امید رکھتے ہیں دنیا کے دکھاوے کو کسی نیک عمل میں ریاکاری نہیں کرتے نہ بدعت کے طور پر اپنی طرف سے شریعت میں کوئی ایجاد نکالتے ہیں غرض یہ نیک کام شریعت کے مطابق خالص عقبیٰ کے اجر کی نیت سے جو لوگ کرتے ہیں انہی کو فرمایا کہ یہ لوگ دنیا میں راہ راست پر ہیں جس کے سبب سے آخرت میں ان ہی کا بھلا ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے موافق لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کتنے آدمی جنت میں جانے کے قابل کام کریں گے اور کتنے دوزخ میں جانے کے قابل۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی وہ حدیث بھی گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی نصیحت کی مثال مینہ کے پانی کی اور اچھے برے لوگوں کی مثال اچھی بری زمین کی بیان فرمائی ہے۔ ان حدیثوں کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ علم الٰہی میں نیک ٹھہر چکے ہیں ان کے حق میں قرآن کی نصیحت ایسی ہی فائدہ مند ہوتی ہے جس طرح اچھی زمین میں مینہ کا پانی فائدہ مند ہوتا ہے اس لیے وہ لوگ اس نصیحت کے اثر سے ایسے کام کرتے ہیں جن کاموں کا ذکر ان آیتوں میں ہے اس طرح سے جو لوگ علم الٰہی میں برے اور بدقرار پا چکے ہیں ان کے حق میں قرآن کی نصیحت ایسی رائگاں

عہ اگرچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ایک قول کے موافق اس سورہ کی درمیانی چند آیتیں مدنی ہیں لیکن اس تفسیر میں گذر چکا ہے کہ جس سورہ کی شروع کی آیتیں مکی ہوں وہ سورہ مکی کہلاتی ہے۔ (از مصنف)

عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ

سو جھ پر اپنے رب کی طرف سے اور وہ ہیں جن کا بھلا ہے اور ایک لوگ ہیں کہ خریدار ہیں کھیل کی

الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

باتوں کے تا بچلادیں اللہ کی راہ سے بن سمجھے اور ٹھہرادیں اس کو ہنسی وہ جو ہیں

عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

ان کو ذلت کی مار ہے

ہے جیسے بری زمین میں مینہ کا پانی رائگاں جاتا ہے اس لیے یہ لوگ ایسے کام کرتے ہیں جن کاموں کا ذکر آگے کی آیتوں میں ہے کچھ تفسیر ان آیتوں کی آگے کی آیتوں کی تفسیر میں بھی آتی ہے۔

۶۔ اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا تھا جو قرآن شریف کی نصیحت کی آیتیں سن کر ایمان لائے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے رسول کے سچے ہونے پر جم گئے اس لیے انہوں نے دنیا میں جو کچھ نیک و بد کیا قیامت کے دن اس کے حساب و کتاب و جزا و سزا کے سچ ہونے کا پورا یقین کیا اور اس یقین کے سبب سے نماز زکوٰۃ اس طرح کے نیک کاموں میں لگے رہے اب اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو خود بھی نصیحت کی بات نہیں سنتے اور لوگوں کو بھی کھیل تماشے کی باتوں میں لگا کر نیک کام سے اور قرآن شریف روزمرہ کی نصیحت کی باتیں جو نازل ہوتی تھیں ان کے سننے سے روکتے ہیں تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت[1] سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مکہ کے مشرکوں میں ایک شخص نضر بن ابن حارث تھا وہ عراق کی طرف سوداگری کو جایا کرتا تو کبھی تو گانے والی لونڈیاں خرید لاتا اور کبھی رستم اور اسفندیار کے قصہ کی کتابیں خرید لاتا اور مکہ کے لوگوں کو وہ قصہ سنا کر اور گانا سنوا کر قرآن شریف کی نصیحت کی باتیں سننے سے باز رکھتا تھا اس کے حق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی مختصر طور پر یہی شان نزول مستدرک حاکم میں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے بھی ہے جس کو حاکم نے صحیح کہا ہے۔ نیک کاموں میں سے اوپر کی آیتوں میں فقط نماز اور زکوٰۃ کا ذکر اس واسطے فرمایا کہ یہ سورت ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی ہے روزے اور حج کے فرض ہونے کا حکم اس وقت تک نہیں آیا تھا ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں روزے اور حج کے فرض ہونے کا حکم آیا ہے زکوٰۃ کے حکم میں بھی اگرچہ علماء نے یہ اختلاف کیا ہے کہ ہجرت سے پہلے مکہ میں زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا ہے مگر صحیح ابن خزیمہ میں حافظ ابن خزیمہ نے اسی بات کو قوی ٹھہرایا ہے کہ زکوٰۃ کا حکم ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوا[2] ہے اور زکوٰۃ کے وصول کا انتظام ہجرت کے بعد مدینہ میں قائم ہوا ہے اکثر مکی آیتوں میں جو زکوٰۃ کا ذکر ہے اس سے حافظ ابن خزیمہ کے اس قول کی پوری تائید بھی ہوتی ہے کسی کے ساتھ کوئی نیکی کرے تو جس طرح اس کو احسان کہتے ہیں اسی طرح نماز روزہ حج زکوٰۃ ان کاموں کے اچھی طرح ادا کرنے کو بھی احسان کہتے ہیں جب یہ نیک عمل پورے دل سے ادا کیے جاویں اور ان کے ادا کرنے میں ریاکاری کا کچھ دخل ہو تو ان کے ادا کرنے کو احسان نہیں کہتے بلکہ جب یہ عمل بالکل خالص نیت سے خاص اللہ کے واسطے ادا کئے جاویں

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۱۵۹ ج ۵ لیکن جویبر کے حوالہ سے ہے تفسیر ابن جریر (ص ۶۰ ج ۲۱) میں یہ شان نزول مذکور نہیں (ع ، ح)

[2] ایضاً ، [3] فتح الباری ص ۱۱ ج ۲۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْۤ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ

اور جب سنایئے اس کو ہماری آیتیں پیٹھ دے جائے غرور سے گویا ان کو سنا ہی نہیں گویا اس کے دو کان بہرے ہیں سو خوشخبری

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۞

دے اس کو دکھ والی مار کی جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام ان کو ہیں نعمت کے باغ

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ

رہا کریں ان میں وعدہ ہو چکا اللہ کا سچا اور وہ زبردست ہے حکمتوں والا بنائے آسمان بن ٹیکے

تو اس طرح کے ادا کرنے کو شرع میں احسان کہتے ہیں چنانچہ صحیحین وغیرہ کی حضرت عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی وہ مشہور حدیث[له] جس میں ایک سائل کی صورت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام صحابہ کو دین کی باتیں سکھانے آئے تھے اس حدیث میں جب حضرت جبرئیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احسان کے معنے پوچھے تو آپ نے فرمایا کہ احسان کا اول درجہ تو یہ ہے کہ آدمی اس طرح دل لگا کر خالص دل سے عبادت کرے کہ گویا خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اگر یہ درجہ نصیب نہ ہو تو عبادت کے وقت اتنا تو ضرور دل میں خیال رکھے کہ خدا تعالیٰ اس بندہ کو دیکھ رہا ہے اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے محسنین کا لفظ جو فرمایا ہے اس کے معنے بھی ہیں کہ جو لوگ خالص دل سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں ان کے لیے عقبیٰ میں بڑا اجر ہے۔ اور ان نیک لوگوں کے برخلاف وہی لوگ ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ جس طرح کے لوگوں کا ذکر اس آیت میں ہے وہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بہکا کر گمراہی کا راستہ سکھاتے ہیں قیامت کے دن ایسے لوگوں پر دوہرا عذاب ہوگا ذاتی گمراہی کا جدا اور لوگوں کو بہکانے کا جدا۔ یہ حدیث عذاب مھین کی گویا تفسیر ہے کیونکہ یہ نسبت اکہرے عذاب کے دوہرے عذاب میں جو ذلت کی زیادتی ہے وہ ظاہر ہے۔

۷ تا ۱۰۔ اوپر کی آیت میں جن لوگوں کا ذکر تھا انہی کو فرمایا کہ ایسے لوگوں کے روبرو جب قرآن کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ اپنی مالداری کے غرور میں پیٹھ موڑ کر اس طرح ٹل جاتے ہیں کہ گویا وہ بہرے ہیں اس واسطے فرمایا اے رسول اللہ کے تم ایسے ہر شخص کو دکھ دینے والے اس عذاب کی خبر سنا دو جو قیامت کے دن اس پر کیا جاوے گا حاصل یہ ہے کہ جس طرح وہ اللہ کی کتاب سے اور اس کی آیتوں سے گستاخی کر کے اللہ کے رسول کو ایذا دیتا تھا اسی طرح اللہ اس کو قیامت کے روز دکھ دینے والے عذاب میں ڈالے گا یہاں تک تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا بیان کیا جو قرآن شریف کی آیتوں کے سننے سے بیہودگی کرتے ہیں اور ان کو ہنسی میں اڑاتے ہیں اور آپ سے بہرے بن جاتے ہیں اب آگے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا حال بیان فرماتا ہے کہ جو خدا تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کو بڑی رغبت اور توجہ کے ساتھ سنتے ہیں اور ان سے بڑے بڑے فائدہ اور نفع حاصل کرتے ہیں چنانچہ فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکموں پر ایمان لائے اور تمام پیغمبروں کے رسول ہونے کی تصدیق کی اور شریعت کے مطیع ہو کر اچھے عمل کئے ان کے واسطے نعمتوں کے باغ ہیں جن میں انواع اقسام کی لذتیں اور طرح طرح کی خوشبوئیں ہیں ان کے اندر ہمیشہ ہمیشہ چین اور مزے اڑایا کریں گے عمدہ عمدہ لطیف کھانے اور پینے کی چیزیں اور پوشاک و لباس قسم قسم کے پہنیں گے اور بڑے بڑے عالیشان مکان میں رہیں گے اور نایاب سواریوں پر

[له] مشکوٰۃ کتاب الایمان حدیث اول۔

عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ

انہیں دیکھتے ہو اور ڈالے زمین پر بوجھ کہ تم کو لے کر جھک نہ پڑے اور بکھیرے اس میں سب طرح کے

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۰﴾ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ

جانور اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی پھر اگائے زمین میں ہر قسم کے جوڑے خاصے یہ کچھ بنایا ہے اللہ کا

فَاَرُوْنِىْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۱﴾ ع ۱۱ ۱۰

اب دکھاؤ مجھ کو کیا بنایا ہے اوروں نے جو اس کے سوا ہیں کوئی نہیں یہ بے انصاف صریح بھٹکتے ہیں

چڑھیں گے اور پاکیزہ بی بیاں ان کی ہم نشینی کے لیے موجود ہوں گی ہمیشہ رہنے کا یہ مطلب کہ نعمتیں ان سے کبھی جدا نہ ہوں گی اور نہ وہ بدلنے کی خواستگار ہوں گے وعدہ اللہ کا حق ہے کیونکہ وہ اپنے وعدہ کا خلاف کبھی نہیں کرے گا اس لیے کہ اس کی ذات بڑی کریم اور رحیم ہے اور وہ بڑی عزت والا اور حکمت والا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے معاذ بن جبلؓ کی حدیث گذر چکی ہے کہ اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ بندے اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں اب اس حق کے پورا ہو جانے کے بعد بطور حق کے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی مغفرت فرمائے گا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث بھی گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اب جو لوگ اللہ کی عبادت میں غیروں کو شریک کرتے ہیں ان سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گنہگار نہیں ان حدیثوں کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس اللہ نے انسان کو اور انسان کی سب ضرورت کی چیزوں کو پیدا کیا ہے جو لوگ اس پر بھی دوسروں کو اس کے برابر ٹھہراتے ہیں اور اپنے خالق کے احکام کے سننے سے جان بوجھ کر بہرے بن جاتے ہیں انہوں نے اللہ کے حق کو کچھ نہیں سمجھا اس لیے ان سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گنہگار نہیں اور عقبیٰ میں ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اسی طرح جن لوگوں کو احکام الٰہی کا پورا یقین ہے جس کے سبب سے وہ عقبیٰ کی بھلائی کے کاموں میں لگے رہتے ہیں انہوں نے اللہ کے حق کو پہچانا اور ادا کیا اس واسطے اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق ان کو جنت میں داخل کرے گا جس کی نعمتوں کی تفصیل بیان سے باہر ہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث قدسی اس باب میں کئی جگہ گذر چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جنت کی نعمتیں جنت میں داخل ہونے سے پہلے نہ کسی نے آنکھوں سے دیکھی نہ کانوں سے سنی نہ ان کا تصور کسی کے دل میں گذر سکتا ہے پھر فرمایا کہ اس خدائے حکیم نے آسمان بغیر ستون کے پیدا کیے حسن اور قتادہ کا قول ہے کہ آسمان کے لیے کوئی ایسا بھی ستون نہیں جو نظر آوے اور ایسا بھی نہیں جو دکھائی نہ دے زیادہ تفصیل اس مسئلہ کی سورہ رعد میں مفصل ہو چکی ہے[1] پھر فرمایا ڈالے اللہ نے زمین پر بوجھ پہاڑوں کے تاکہ بوجھل ہو جاوے اور تم کو لے کر نہ جھک جاوے اور پھیلائے اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر طرح طرح کے حیوانات جن کی تعداد سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا اس سے اللہ سبحانہ نے اپنا خالق ہونا ثابت فرمایا اب رازق ہونے پر آگاہ کرتا ہے کہ اتارا ہم نے آسمان سے پانی پھر اگائے ہم نے زمین میں اس کے سبب سے ہر قسم کے جوڑے خوشنما اور عمدہ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر انعام اور فضل ہے۔

۱۱۔ اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آسمان زمین پہاڑ اور تمام مخلوقات کی پیدائش کا ذکر فرما کر اس آیت میں مشرکوں کو یوں قائل کیا ہے کہ اللہ کی قدرت سے تو یہ سب کچھ پیدا ہوا ہے اسی واسطے اللہ کے رسولؐ یہ پیغام پہنچاتے ہیں کہ سوا

[1] صفحہ ۲۱۲ جلد سوم۔

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا لُقۡمٰنَ الۡحِكۡمَةَ اَنِ اشۡكُرۡ لِلّٰهِ ؕ وَمَنۡ يَّشۡكُرۡ فَاِنَّمَا يَشۡكُرُ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ

اور ہم نے دی ہے لقمان کو عقلمندی کہ حق مان اللہ کا اور جو کوئی حق مانے گا تو مانے گا اپنے بھلے کو اور جو کوئی

اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں ہے کیوں کہ معبود تو وہ ہے جس میں قدرت ہے وہ اپنی قدرت کے سبب سے اپنے عبادت کرنے والوں کو فائدہ پہنچا سکتا ہے تم جو اللہ کے رسول کی نافرمانی کرتے ہو اور اللہ کی عبادت میں بتوں کو شریک کرتے ہو اور قرآن کی نصیحت کے سننے سے جان بوجھ کر بہرے بنتے ہو تو بتلاؤ تمہارے جھوٹے معبودوں نے ان چیزوں میں سے کیا چیز پیدا کی ہے اور جب تم اپنے جھوٹے معبودوں کی پیدا کی ہوئی چیز ایسی نہیں بتلا سکتے جس سے تم کو آخرت میں یا دنیا میں کسی طرح کا فائدہ پہنچے تو تمہارے معبودوں کو کہاں سے یہ حق حاصل ہو گیا کہ تم ان کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اس پر بھی گروہ انسان میں جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں غیروں کو شریک کرتے ہیں ان سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گنہ گار نہیں ۔ یہ حدیث ضلالٍ مبین کی گویا تفسیر ہے کیونکہ اپنے خالق کو چھوڑ کر جو کوئی مخلوقات کو اپنا معبود ٹھہراوے نہ اس سے بڑھ کر کوئی گمراہ ہو سکتا ہے نہ خالق اور مخلوق کو یکساں سمجھنے کی برابر دنیا میں کوئی گناہ ہو سکتا ہے ۔

۱۲، ۱۳، ۱۴۔ اوپر کی آیتوں میں شرک کی مذمت تھی اور لقمانؒ کی نصیحت میں بھی شرک کی مذمت ہے اس مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے اوپر کی آیتوں کے ساتھ لقمانؒ کی نصیحت کا ذکر فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام اور لقمان علیہ السلام کا زمانہ ایک ہے سوا عکرمہ کے سلف میں سے اور کوئی لقمانؒ کے نبی ہونے کا قائل نہیں ہے تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن ابی حاتم میں عکرمہ کی ایک روایت[1] بیان کی گئی ہے جس سے لقمانؒ کا نبی ہونا ثابت ہوتا ہے یہ عکرمہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پروردہ ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ عکرمہ کے دونوں پاؤں کاٹھ میں ٹھوک دیا کرتے تھے اور عکرمہ کو قرآن شریف کی تفسیر سکھایا کرتے تھے چنانچہ عکرمہ سے روایت ہے کہ میں نے چالیس برس تک حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے علم سیکھا ہے آخر کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے روبرو میں نے فتوے دینے شروع کر دیے تھے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے گھر کے دروازہ پر بیٹھ کر میں فتوے دیا کرتا تھا اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ گھر کے اندر ہوا کرتے تھے اسماء الرجال کی کتابوں میں جہاں یہ سب کچھ عکرمہ کا حال لکھا ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ عکرمہ کے مزاج میں آخر کو کچھ خارجی پن آگیا تھا اس واسطے امام مالک اور امام احمد اور اور محدثین عکرمہ کی روایت سے پرہیز کرتے تھے علاوہ اس کے تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن ابی حاتم کی سند میں جابر بن یزید جعفی ہے جس کی روایت کو ابوداؤد و نسائی اور اور محدثینؒ نے ضعیف ٹھہرایا ہے غرض ان سببوں سے جمہور مفسرین کے مقابلہ میں حافظ ابن کثیر اور اور مفسروں نے عکرمہ کی اس روایت کو قابل اعتبار نہیں شمار کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد مجاہد وغیرہ بھی عکرمہ کی اس روایت کے مخالف ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق بغیر نبوت کے دین کی باتوں کی سمجھ کو حکمت کہتے ہیں صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت[2] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ حکمت عطا فرماوے اور وہ اس کے موافق اور لوگوں کو تعلیم دیوے تو ایسے

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۳ جلد ۳

[2] مشکوٰۃ کتاب العلم فصل اول۔

كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ⑫ وَإِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ

اور جو کوئی منکر ہو گا تو اللہ بے پرواہ ہے سب خوبیوں سراہا اور جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے کو جب اس کو سمجھانے لگا اے بیٹے شریک نہ ٹھہرائیو

شخص کا سا مرتبہ حاصل کرنے کی باقی کے لوگوں کو حرص کرنی چاہیے صحیح بخاری و مسلم میں اسامہ بن زید سے روایت [1] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان علما کو سخت عذاب کا مستحق فرمایا ہے جو لوگوں کو علم دین کی باتیں سکھادیں اور خود اس کے موافق عمل نہ کریں ان صحیح حدیثوں کو حکمت کے لفظ کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ علم دین کے سیکھنے کو اور اس کے موافق تعلیم و فتوے دینے اور عمل کرنے کو حکمت کہتے ہیں فقط تعلیم اور فتوے ہو اور عمل نہ ہو تو ایسا علم دین حکمت نہیں بلکہ وبال ہے سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے حکمت کو بڑی خوبی فرمایا ہے جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے علم دین پایا اور پھر اس کو پھیلایا اور خود بھی اس کے موافق عمل کیا اس نے دنیا میں بڑی خوبی پائی مسند امام احمد میں حضرت عائشہ کی معتبر روایت [2] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص احسان کرنے والے کے احسان کو ہر وقت یاد رکھے گا اور اس کا ذکر کرتا رہے گا اس نے اس احسان کا گویا شکرا دا کر لیا یہ حدیث ان اشکر لی ولوالدیک کی گویا تفسیر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ دین کی باتوں کی سمجھ کی نعمت عطا کرے تو اس شخص کو چاہیے کہ پڑھنے پڑھانے اور عمل کرنے سے اس نعمت کی یاد میں مصروف رہے کہ یہی اس نعمت کی شکر گذاری ہے۔ حافظ ابو جعفر ابن جریر نے شکر کو حکمت کی تفسیر میں جو ٹھہرایا ہے اس کا مطلب بھی وہی ہے جو حضرت عائشہ کی حدیث کے موافق اوپر بیان کیا گیا۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابو ذر کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ سارا جہان نیک ہو جائے تو اس سے اللہ تعالیٰ کی بادشاہت میں کچھ بڑھ نہ جاوے گا اور اگر سارا جہان بد ہو جاوے تو اس کی بادشاہت میں سے کچھ گھٹ نہ جاوے گا یہ حدیث فان اللہ غنی حمید کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شکر گزاروں کے شکر اور ناشکر گزاروں کی ناشکری کی اللہ تعالیٰ کو کچھ پرواہ نہیں کیوں کہ اس کی ذات پاک میں سب خوبیاں پہلے ہی سے ایسی موجود ہیں کہ کسی کے شکر اور ناشکری سے ان خوبیوں پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعود کی حدیث بھی گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر یہ احسان کیا کہ اس کو پیدا کیا اس کے اس احسان کو بھول کر جو لوگ اللہ کی عبادت میں غیروں کو شریک کرتے ہیں دنیا میں ان سے بڑھ کر کوئی گنہگار نہیں یہ حدیث ان الشرک لظلم عظیم کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرک شخص بغیر توبہ کے مر جائے گا تو اس کی مغفرت کسی طرح سے نہ ہو گی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ مشرک پر جنت حرام ہے ہاں سوا شرک کے اور گناہوں کا گنہگار بغیر توبہ کے اگر مر جاوے گا تو اس کی مغفرت اللہ کے اختیار میں ہے چاہے وہ بلا کسی مواخذہ کے ایسے شخص کو جنت میں داخل کرے چاہے کسی قدر مواخذہ کے بعد اس سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے کہ شرک سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گناہ نہیں سقراط، بقراط، افلاطون، جالینوس وغیرہ اگرچہ یہ لوگ بھی صاحب حکمت مشہور ہیں لیکن یہ لوگ فقط عقلی باتوں کی سمجھ کو حکمت جانتے ہیں حالانکہ فقط عقل کی رسائی سے حشر جنت دوزخ ایسی غیب کی باتوں کو بغیر وحی کی مدد کے صحیح طور پر کوئی نہیں جان سکتا اس واسطے ان عقلی صاحب حکمت لوگوں نے محض عقل سے ایسی غیب کی باتوں کے سمجھنے میں بڑی بڑی غلطیاں کی ہیں مثلاً یہ لوگ جسمانی حشر کے قائل نہیں جنت اور دوزخ کی ظاہری ہستی کے منکر ہیں دنیا کو قدیم کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو دنیا کی روزمرہ

[1] مشکوٰۃ ص ۴۳۶ باب الامر بالمعروف، [2] الترغیب والترہیب ص ۸۰ ج ۲ عنوان "الترغیب فی شکر المعروف الخ"

بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ

اللہ کا بیشک شریک بنانا بڑی بے انصافی ہے اور ہم نے تقید کیا انسان کو اس کے ماں باپ کے واسطے پیٹ میں رکھا اس کو

وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾

اس کی ماں نے تھک تھک کر اور دودھ چھڑانا ہے اس کا دو برس میں کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا آخر مجھی تک آنا ہے۔

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

کی باتوں کا علم نہیں بتلاتے۔ اس طرح کی ان لوگوں کی اور باتیں بھی آسمانی کتابوں کے برخلاف ہیں شرعی حکمت کے صاحب حکمت علماء نے اپنی کتابوں میں ان غلط باتوں کو آسمانی کتابوں کے حوالہ سے اچھی طرح بے اصل ٹھہرایا ہے لیکن ان لوگوں کو اپنی عقلی باتوں کے صحیح ہونے کا ایسا یقین ہے کہ ان باتوں کے آگے یہ لوگ نبوت کی وحی کو کچھ نہیں گنتے چنانچہ سقراط نے جب موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا حال سنا تو موسیٰ علیہ السلام کے پاس جانے سے انکار کیا اور صاف کہہ دیا کہ ہمارا علم ہم کو کافی ہے ہمیں کسی نبی کی تعلیم درکار نہیں ہے جن عقلی صاحب حکمت لوگوں کا ذکر اوپر گزرا یہ ان میں کے متقدمین کہلاتے ہیں ان کے زمانہ تک دنیا کے قدیم ہونے کا اعتقاد نہیں تھا یہ اعتقاد ان لوگوں کے بعد ارسطو کے زمانہ میں پیدا ہوا ہے یہ ارسطو بت پرست مشرک شخص تھا علم منطق اسی کی ایجاد ہے اس واسطے اس کو معلّم اول کہتے ہیں پھر ابو نصر فارابی نے ارسطو کی باتوں کی شرح بیان کی ہے اس لیے ابو نصر معلم ثانی مشہور ہے آخر شیخ ابو علی بن سینا کا زمانہ ہے ابو علی بن سینا نے اگرچہ پہلی عقلی باتوں کو اسلام کے مطابق کر دینے کی کوشش کی ہے لیکن ابو علی بن سینا کی بہت سی باتیں قواعد اسلام کے برخلاف ہیں چنانچہ اس ابو علیؒ بن سینا کا یہ اعتقاد کہ نہ اللہ تعالیٰ غیب کی باتوں کو جانتا ہے نہ وہ متکلم بالذات ہے بلکہ وہ کسی چیز میں کلام کی صفت پیدا کر دیتا ہے اسی کو اللہ کا کلام کہتے ہیں اسی طرح ابو علی کی اور باتیں بھی قواعد اسلام کے برخلاف اس کی کتابوں میں ہیں۔

۱۴۔ اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے لقمانؑ کی اس نصیحت کا ذکر فرمایا ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھی انہوں نے اول اس کو اللہ کے ساتھ شرک کرنے سے منع کیا اور کہا کہ شرک بڑا ظلم ہے لقمان علیہ السلام کی نصیحت ماں باپ کے حق سے خالی تھی اس واسطے اللہ تعالیٰ نے لقمان کی نصیحت میں اتنی بات اور بڑھا دی کہ ماں باپ کا حق بھی مانو جس سے معلوم ہوا کہ اول حق اللہ تعالیٰ کا ہے اور بعد اسکے ماں باپ کا حق ہے پھر ماں کا حق جدا جتلانے کے لیے فرمایا کہ ماں نے بچہ کو پیٹ میں رکھ کر بوجھ اٹھایا پھر دو برس تک دودھ پلا کر تکلیف اٹھائی اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ماں کی محنت و مشقت کا اس لیے ذکر کیا کہ بچہ ماں کے احسانوں کو نہ بھولے ماں کا حق جتلانے کے بعد انسان کو فرمایا کہ اللہ کا اور اپنے ماں باپ کا شکر کر تجھ کو میرے پاس دوبارہ زندہ ہو کر آنا ہے اس وقت میں تجھ کو پورا بدلہ شکر کرنے کا دوں گا مطلب یہ ہے کہ ماں باپ کا حق دنیوی ہے اور اللہ کا حق اگر پورا ادا ہو گیا تو اس کا اجر عقبیٰ میں ملنے والا ہے۔ یہاں تو حملته امه وهنا على وهن فرمایا ہے اور سورہ الاحقاف میں حملته امه كرها ووضعته كرها فرمایا دونوں آیتوں کے ملانے سے حاصل یہ ہوا کہ حمل کے زمانہ سے لے کر دودھ چھوڑانے کے زمانہ تک بچہ کے سبب سے ماں کو ایسی تکلیفیں رہتی ہیں جن کے سبب سے عورتوں کی سب قوت تھک جاتی ہے چنانچہ یہ بات سب کی آنکھوں کے سامنے کی ہے کہ دو تین بچے پیدا ہو جانے کے بعد بہ نسبت مردوں کے جلدی سے عورتیں بڑھیا ہو جاتی ہیں سورۃ البقرہ میں اور یہاں دودھ پلانے کی مدت دو برس کی فرمائی ہے اور سورۃ الاحقاف میں حمل اور دودھ پلانے کی مدت کو تیس مہینے کی مدت فرمایا ہے امام مالک، شافعی، امام احمد، ابو یوسف اور امام محمدؒ کے نزدیک اس

وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا

اور اگر وہ دونوں تجھ سے اڑیں اس پر کہ شریک مان میرا جو تجھ کو معلوم نہیں تو ان کا کہنا نہ مان اور ساتھ دے ان کا

فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ

دنیا میں دستور سے اور راہ چل اس کی جو رجوع ہوا میری طرف پھر میری طرف ہے تم کو پھر آنا پھر میں جتا دوں گا

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾

تم کو جو کچھ تم کرتے تھے

تیس مہینے میں کم سے کم حمل کی مدت چھ مہینے ہیں اور زیادہ سے زیادہ مدت دودھ پلانے کی دو برس ہیں[۱]۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سورہ احقاف کی آیت کی تفسیر یہ ہے کہ اس میں دودھ پلانے کے تیس مہینے کا ذکر ہے اور حمل کی مدت کے تیس مہینے کا ذکر محذوف ہے جو اسی تیس مہینے سے سمجھا جاتا ہے اس لیے ان کے نزدیک زیادہ سے زیادہ مدت حمل کی تیس مہینے ہے اور یہی مدت زیادہ سے زیادہ دودھ پلانے کی ہے زیادہ تفصیل اس مسئلے کی فقہ کی کتابوں میں ہے۔ دارقطنی میں معتبر سند سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت[۲] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پلانے کی زیادہ سے زیادہ مدت کو دو برس ٹھہرایا ہے اس سے امام محمد صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کا قول آیت کی تفسیر میں قوی معلوم ہوتا ہے اس واسطے طحاوی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے[۳]۔ صحیح بخاری ومسلم کے حوالہ سے معاذ بن جبلؓ کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرنا بندوں پر یہی اللہ کا حق ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت[۴] ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو کونسا نیک عمل زیادہ پسند ہے آپ نے فرمایا وقت پر نماز کا پڑھنا اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔ ان حدیثوں سے اللہ تعالیٰ کے حق اور ماں باپ کے حق کی تفسیر اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا ان کاموں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں اسی واسطے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ ماں باپ کے حق کا ذکر فرمایا ہے۔"

۱۵۔ اوپر ماں باپ کے حق کے ماننے کا ذکر تھا اور یہ بھی ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ کا حق ماں باپ کے حق پر مقدم ہے اس لیے فرمایا کہ اگر ماں باپ تجھ سے شرک کرنے پر جھگڑیں تو ان کا کہا ہرگز نہ مان کیونکہ شرک ایسی بے سند چیز ہے جس کا پتہ دنیا میں کسی کو معلوم نہیں اس لیے اس باب میں ماں باپ کی پیروی مت کر ہاں معاملات دنیا میں تو ان کا ساتھی رہ اور ان کے ساتھ سلوک کر تازہ دین میں ان لوگوں کی پیروی کر جو شرک سے بیزار اور ایمان والے لوگ ہیں آخر تم سب اللہ کے پاس جزا و سزا کے لیے آنا ہے۔ صحیح بخاری ومسلم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت عبداللہ بن حذافہ کے قصہ کی گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس بات میں آدمی اللہ کا گنہگار ٹھہرتا ہو تو مخلوقات کی خاطرداری سے کوئی ایماندار شخص ایسی بات کو ہرگز نہ کرے۔ اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ماں باپ ہوں خواہ کوئی اور مخلوقات میں سے ہو انسان کو مخلوقات کی فرمانبرداری وہیں تک جائز ہے کہ وہ فرمانبرداری حکم الٰہی کے برخلاف نہ ہو۔"

[۱] تفسیر مظہری ص ۲۲۳ جلد اول [۲] تفسیر مظہری ص ۲۲۳ جلد اول وسنن دارقطنی ص ۴۹۸۔
[۳] مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ فصل اول [۴] ایضاً

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي

اے بیٹے اگر کوئی چیز ہو وے برابر رائی کے دانے کے پھر رہی ہو کسی پتھر میں یا آسمانوں میں یا زمین

الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ

میں لا حاضر کرے اس کو اللہ بیشک اللہ چھپی بات جانتا ہے خبردار اے بیٹے کھڑی رکھ نماز اور سکھلا بھلی بات

وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَا تُصَعِّرْ

اور منع کر برائی سے اور سہار جو تجھ پر پڑے بیشک یہ ہیں ہمت کے کام اور اپنے

خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾

گال نہ پھلا لوگوں کی طرف اور مت چل زمین پر اتراتا بیشک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اتراتا بڑائیاں کرتا

۱۶ تا ۱۹۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے لقمان علیہ السلام کے باقی کے اس کلام کو جو انہوں نے بیٹے سے بطور نصیحت کے کہا تھا پورا کیا لقمان علیہ السلام اپنے بیٹے سے کہتے ہیں کہ اے میرے بیٹے اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو اور رہو وہ پتھر میں یا آسمان یا زمین میں کہیں ہو جزا و سزا کے وقت اللہ تعالیٰ اس کو حاضر کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ چھپی ہوئی باتوں کا جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے ناقابل اعتراض سند سے مسند امام احمد میں ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی ٹھوس پتھر میں گھس کر عمل کرے تو بھی اس کا عمل ظاہر ہو جائے گا خواہ کیسا ہی عمل ہو یہ حدیث لطیف خبیر کی گویا تفسیر ہے اسی طرح مسند بزار اور بیہقی کے حوالہ سے انسؓ بن مالک کی معتبر روایت گذر چکی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حکم سے بعضے ایسے عمل لوگوں کے اعمال ناموں میں سے خارج کر دیے جاویں گے جن کی خرابی کا حال اعمال ناموں کے لکھنے والے فرشتوں کو بھی معلوم نہ ہوگا اس حدیث کو بھی لطیف خبیر کی تفسیر میں بڑا دخل ہے پھر فرمایا کہ لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو یہ وصیت کی کہ نماز کو اس کے ارکان و اوقات کے ساتھ قائم رکھ اور لوگوں کو نصیحت کر موافق شرع کے اور منع کر خلاف شرع سے اور اس نصیحت کے کرنے میں کچھ تکلیف لوگوں کی طرف سے پہنچے تو صبر کر کیونکہ صبر بڑی ہمت کی چیز ہے۔ ولا تصعر خدک کی تفسیر میں علی بن طلحہؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ ہی نقل کیا ہے کہ تو تکبر نہ کر اور بڑائی نہ مار اور ایسا مت کر کہ خدا کے بندوں کو حقیر سمجھے اور جب وہ تجھ سے بات کریں تو تو ان سے منہ پھیرے پھر فرمایا مت چل زمین پر اترا کر خود پسندی سے ورنہ خدا تعالیٰ تجھ کو حقیر رکھے گا کیونکہ وہ کسی کی خود پسند بڑائی مارنے والے کو پسند نہیں کرتا مطلب یہ ہے کہ بیچ کی چال چل نہ بہت آہستہ نہ بہت تیز اور بلکہ ان دونو کے درمیان میں چل اور پست کر آواز اپنی گفتگو کرنے میں بے فائدہ ناحق آواز کو بلند مت کر بیشک بری سے بری آواز گدھے کی آواز ہے مجاہد اور اور مفسرین نے کہا ہے کہ کل آوازوں سے مکروہ اور ناپسند گدھے کی آواز ہے جو پکار کر بات کرے اس کی آواز گدھے کی آواز سے مشابہ ہے صحیح بخاری مسلم نسائی وغیرہ میں ابوہریرہؓ سے روایت[2] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم مرغ کی آواز سنو تو اپنے حق میں بہتری کی دعا مانگو کیونکہ وہ اللہ کے فرشتوں کو دیکھ کر بولتا ہے اور جب تم گدھے کی آواز سنو تو اللہ سے پناہ مانگو کس لیے کہ گدھا شیطان کو دیکھ کر چلاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مرغ کی آواز سن کر جو کوئی دعا کرے گا تو فرشتے جو مرغ کے نظر آئے ہیں وہ آمین کہیں گے اور انکی

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۴ ج ۳، [2] مشکوٰۃ ص ۲۱۲ باب الدعوات فی الاوقات و تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۶ ج ۳

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ
اور چل بیچ کی چال اور نیچی کر آواز اپنی بے شک بری سے بری آواز گدھوں کی

الْحَمِيْرِ ۱۹ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ
آواز ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کام لگائے تمہارے جو کچھ آسمان و زمین میں اور بھر دیں تم کو

نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى
اپنی نعمتیں کھلیں اور چھپیں اور ایک آدمی وہ ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں نہ سمجھ رکھیں نہ سوجھ

وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۲۰
نہ کتاب چمکتی

آمین کی برکت سے عجب نہیں کہ وہ دعا قبول ہو جاوے اور گدھے کی آواز سن کر جو کوئی اللہ سے پناہ مانگے گا تو اس ذکر الٰہی سے شیطان بھاگ جاوے گا اور یہ اللہ سے پناہ مانگنے والا شخص شیطان کے بہکانے سے محفوظ رہے گا حاصل کلام یہ ہے کہ بہت چیخ کر بات چیت کا کرنا گدھے کی آواز سے مشابہ ہے اور گدھا شیطان کو دیکھ کر بے تحاشا چلاتا ہے اس لیے لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اس مشابہت سے منع کیا۔ سورۃ الحجرات میں چلا کر بات چیت کرنے کی مذمت تفصیل سے آوے گی۔

۲۰۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ظاہر اور باطن نعمتوں کا جو ذکر فرمایا ہے اس کی تفسیر میں علمائے مفسرین نے بہت سے قول لکھے ہیں اور ایسے مقام پر جس قدر کثرت سے قول علماء مفسرین نے لکھے ہیں وہ بجا بھی ہیں کیونکہ انسان پر اللہ کی جو نعمتیں ہیں ان کا کچھ حد و حساب ہی نہیں پھر جس طرح بے حد و حساب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اسی طرح بے حد و حساب ان نعمتوں کی تفسیر بھی ہے اسی واسطے جو اللہ تعالیٰ نے سورۂ ابراہیم میں اپنی نعمتوں کی یہ تفسیر فرمائی ہے کہ وان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوھا جس کے حاصل معنے یہ ہیں کہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا تو درکنار انسان اگر اللہ کی نعمتوں کی فقط گنتی بھی کرے تو نہیں ہو سکتی جب خود اللہ تعالیٰ کی تفسیر کی رو سے اللہ کی نعمتوں کی تفصیل اور تفسیر انسان کی قدرت سے باہر ہے تو مفسرین نے دس بارہ قول جو اس آیت کی تفسیر میں لکھے ہیں ان سے اللہ کی نعمتوں کی کیا تفسیر ہو سکتی ہے لیکن بیہقی اور دیلمی وغیرہ نے امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ایک صحیح قول جو اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے وہ ذکر کر دیا جاتا ہے تاکہ آیت کی کسی قدر تفسیر ہو جائے وہ قول یہ ہے کہ عطا بن رباح جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مشہور شاگردوں میں ہیں اور تابعین میں سید التابعین علمائے ان کو لکھا ہے وہ کہتے ہیں ایک روز میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ خود میں نے بھی اس آیت کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھی تھی آپؐ نے فرمایا کہ ظاہری نعمتوں سے اللہ کی مثلاً ایک یہی کتنی بڑی نعمت ہے کہ ہاتھ پیر آنکھ ناک سب اعضا اللہ تعالیٰ نے تیرے صحیح سالم پیدا کئے اور تندرستی عطا کی اور باطن کی نعمتوں میں یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ تیرے ایسے برے کام اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے چھپائے کہ اگر آج وہ سب لوگوں پر ظاہر ہو جاویں تو خود تیرے گھر والے تیرے دشمن ہو جاویں غیروں کا تو کیا ٹھکانا حاصل کلام یہ ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سمجھانے کی غرض سے ایک نعمت ظاہری

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۱۷۰ ج ۵، تفسیر فتح البیان ص ۵۷۰ ج ۳۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ

اور جب ان کو کہئے چلو اس حکم پر جو اُتارا اللہ نے کہیں نہیں ہم تو چلیں گے اس پر جس پر پایا ہم نے باپ دادوں کو بھلا

لَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَ

اور جو شیطان بلاتا ہو ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف تو بھی اور جو کوئی تابع کرے اپنا منہ اللہ کی طرف اور

هُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾

وہ ہو نیکی پر سو اس نے پکڑا محکم کڑا اور اللہ کی طرف ہے آخر ہر کام کا

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور جو کوئی منکر ہوا تو تو غم نہ کھا اس کے انکار سے ہماری طرف پھر آنا ہے ان کو پھر ہم جتا دیں گے ان کو جو انہوں نے کیا ہے مقرر اللہ

اور ایک نعمت باطنی اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی بے گنتی نعمتوں میں سے مثال کے طور پر بیان فرما دی اس طرح قرآن اور حدیث سے نکال کر ہزاروں لاکھوں کروڑوں نعمتیں اللہ کی بیان کی جاویں تو ممکن ہیں مگر اس ہزاروں لاکھوں کروڑوں کی گنتی سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی گنتی پوری ہو گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمانے کے موافق یہ بات انسان کی طاقت سے باہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی گنتی پوری کی جاوے اس لیے مفسروں نے اپنی اپنی تفسیروں میں جو کچھ اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے وہ سب مثال کے طور پر خیال کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر انسان کو کم ہے اس واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات میں طرح طرح کی نصیحت بھی فرمائی ہے مثلاً ابوہریرہؓ کی صحیح مسلم کی روایت[1] میں فرمایا ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ تندرستی اور خوشحالی میں جو کم درجہ ہو ایسے شخص پر نظر ڈالے جو شخص اپنے سے بڑھتی درجہ میں ہو اس پر کبھی نظر نہ ڈالے تاکہ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری لازم نہ آوے حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان میں مثلاً سورج چاند مینہ زمین میں کھیتی باغ انسان کی یہ سب ضرورت کی چیزیں پیدا کیں اس پر بھی بعضے ناشکر لوگ نادانی سے اللہ تعالیٰ کے وحدہٗ لاشریک ہونے میں بغیر کسی سند کے طرح طرح کی حجتیں نکالتے ہیں۔

۲۱ تا ۲۶۔ اوپر ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی سب ضرورت کی چیزیں پیدا کیں اس پر بعضے ناشکر لوگ نادانی سے اللہ تعالیٰ کے وحدہٗ لاشریک ہونے میں بغیر سند کے جھگڑتے ہیں ان آیتوں میں اس بے سند جھگڑنے کا ذکر فرمایا کہ ان مشرکوں سے جب اللہ کے حکم پر چلنے کو کہا جاتا ہے تو یہ نادان کہتے ہیں کہ جن بتوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے ہم بھی انہیں کو پوجیں گے اور ان کا ہی طریقہ اختیار کریں گے اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ کیا یہ لوگ باپ دادا کی چال چلیں گے اگرچہ شیطان ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو مطلب یہ ہے کہ ان کے باپ دادا شیطان کے پیرو اور گمراہ ہوں تو کیا جب بھی یہ ان کا طریقہ اختیار کریں گے؟ یہ عقل سے بہت بعید ہے پھر فرمایا جو لوگ اللہ کے حکم پر چلتے ہیں ان لوگوں نے بڑی مضبوط دستاویز کو پکڑا ہے وہ دستاویز اللہ کا وعدہ ہے کہ اللہ ایسے لوگوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ کیونکہ دنیا کے کاموں میں اگر یہ لوگ اپنے بڑوں کا طریقہ غلط پاتے ہیں تو چھوڑ دیتے ہیں پھر دین کے طریقہ میں بڑوں کے حق پر ہونے کی جب کوئی سند ان لوگوں کے پاس نہیں ہے تو ایسے بے سند طریقہ کو یہ لوگ شیطانی بہکاوا کیوں نہیں خیال کرتے پھر فرمایا جو شخص اللہ کے حکم پر نہ چلے تو اے رسول اللہ کے اس کا تم کچھ غم نہ کرو ان کو ہمارے پاس آنا ہے اس وقت ہم

[1] مشکوٰۃ ص ۴۴۷ باب فضل الفقراء الخ۔

عَلِيمٌۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ ﴿٢٣﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٢٤﴾

جانتا ہے جو بات جیوں میں ہیں کام چلا دیں گے ہم ان کا تھوڑے دنوں پھر پکڑا بلاویں گے ان کو گاڑھی مار میں

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ ٱللَّهُ ۚ قُلِ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ

اور جو تو پوچھے اُن سے کس نے بنائے آسمان اور زمین تو کہیں اللہ نے تو کہہ سب خوبی اللہ کو ہے پر وہ

أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٥﴾ لِلَّهِ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلْغَنِىُّ ٱلْحَمِيدُ ﴿٢٦﴾

بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں بیشک اللہ ہے وہی ہے پرواہ سب خوبیوں سراہا

ان کو ان کے عملوں کو جتلاویں گے اور سزا دیں گے بیشک اللہ تعالیٰ دل کی باتوں کو خوب جانتا ہے اس پر کچھ پوشیدہ نہیں ہے۔ پھر فرمایا ہم تھوڑے دنوں دنیا کی چیزوں سے فائدہ اٹھانے کے بعد قیامت کے روز ان کو مجبور و ناچار کر کے پکڑ لادیں گے اور ان کے عملوں کی ان کو پوری سزا دیویں گے۔ اب آگے فرمایا کہ اے رسول اللہ کے اگر تم ان مشرکوں سے پوچھو گے کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے مطلب یہ کہ وہ مشرک اس بات کو جانتے ہیں کہ سب کا پیدا کرنے والا خدا تعالیٰ ہے کوئی اس کا شریک نہیں پھر باوجود اس کے عبادت میں اللہ کے ساتھ ایسوں کو شریک کرتے ہیں جن کو خدا کی مخلوق کہتے ہیں پھر فرمایا سب تعریف اللہ کو زیبا ہے مطلب یہ ہے کہ اے رسول اللہ کے اللہ کا شکر کرو کہ خدا کی حجت کے پورے ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں رہی کیونکہ خود مشرکوں کے اقرار سے ان پر الزام ثابت ہوگیا پھر ایسے جاہل ہیں کہ شرک کئے جاتے ہیں پھر فرمایا جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے وہ سب اللہ کی ملک ہے بے شک اللہ ہی بے پرواہ اور خوبیوں والا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علی رضہ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اپنے علم ازلی کے موافق اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کتنے آدمی جنت میں جانے کے قابل کام کریں گے اور کتنے دوزخ میں جانے کے قابل۔ اسی طرح صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی وہ حدیث بھی گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی نصیحت کی مثال مینہ کے پانی کی اور اچھے بُرے لوگوں کی مثال اچھی بری زمین کی بیان فرمائی ہے ان حدیثوں کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے مشرکین مکہ میں سے جو لوگ علم الٰہی میں دوزخ کے قابل ٹھہر چکے تھے وہ اگرچہ اللہ کو اپنا خالق و رازق جانتے تھے لیکن ازلی گمراہی کے سبب سے پھر بھی شرک کو نہیں چھوڑتے تھے اور رات دن کی قرآن کی نصیحت ان کے حق میں ایسی ہی رائگاں تھی جس طرح بری زمین میں مینہ کا پانی رائگاں جاتا ہے صحیح بخاری کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت گزر چکی ہے کہ قوم نوح میں کچھ نیک لوگ مر گئے تھے جن کے مرجانے کا اس وقت کے لوگوں کو بڑا رنج تھا شیطان نے موقع پاکر ان لوگوں کے جی میں یہ وسوسہ ڈالا کہ ان نیک لوگوں کی شکل کے بت بنا کر رکھ لئے جاویں کہ ان بتوں کو دیکھ لینے سے ان نیک لوگوں کی جدائی کا رنج کم ہو جاوے گا۔ اس وسوسہ کے موافق وہ بت بنائے گئے اور پھر رفتہ رفتہ ان بتوں کی پوجا ہونے لگی۔ اس حدیث کو اولو کان الشیطان یدعوھم الیٰ عذاب السعیر کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی عداوت کے سبب سے جہاں تک ہو سکے اولاد آدم کو شیطان دوزخ میں گھسیٹ کر لے جانا چاہتا ہے اس لیے اس نے اپنے اس مقصد کو پورا کرنے کا حیلہ بت پرستی کو ٹھہرایا ہے اور

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ

اور اگر جتنے درخت ہیں زمین میں قلم ہوں اور سمندر اس کی سیاہی اس کے پیچھے سات سمندر

اللہ تعالیٰ کو یہ بت پرستی کا طریقہ ایسا ناپسند ہے کہ قوم نوح سے لے کر فرعون تک لاکھوں آدمیوں کو دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اسی بت پرستی کی سزا کے طور پر طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک کر دیا اور عقبیٰ میں ایسے لوگوں کی لیے سخت عذاب کا وعدہ فرمایا ہے اب ان مشرکین مکہ کو یہ یاد رہے کہ اگر یہ لوگ اپنے بڑوں کو پیشوا ٹھہرا کر بت پرستی سے باز نہ آویں گے تو یہی انجام ان کا ہوگا جو ان سے پہلے لوگوں کا ہوا، اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے صحیح بخاری و مسلم[1] کے حوالہ سے انس بن مالکؓ کے بدر کے قصہ کی روایت جو اوپر گزر چکی ہے اس سے اس وعدہ کا ظہور اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔ العروۃ الوثقیٰ کے معنے مضبوط دست آویز کے بھی ہیں مضبوط رسی کے بھی ہیں اور رفقط لفظ عروہ کے معنے جڑ اور بنیاد کے بھی ہیں اس واسطے تفسیروں اور ترجموں میں العروۃ الوثقیٰ کے مختلف معنے جو نظر آتے ہیں وہ سب صحیح ہیں بعضے مرادی ترجموں کے قرآن میں عہدہ کا ترجمہ گھ کیا گیا ہے اس سے مطلب وہی جڑ اور بنیاد ہے صحیح بخاری مسلم وغیرہ[1] میں عبداللہ بن سلامؓ کے خواب کی ایک بڑی حدیث ہے جس میں عبداللہ بن سلام نے ایک لوہے کی سلاخ خواب میں دیکھی ہے اور پھر اس سلاخ پر چڑھ کر میدان محشر اور اہل جنت اور دوزخ کو دیکھا ہے اس روایت میں یہ بھی ہے کہ اس سلاخ کے سرے پر ایک سونے کا کڑا جڑا ہوا تھا اسی کڑے کو پکڑ کر عبداللہ بن سلام اس سلاخ پر چڑھے ہیں اور خواب کی تعبیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کڑے کو العروۃ الوثقیٰ اور اس سلاخ کو اسلام فرمایا ہے اسی مناسبت سے بعضے ترجموں میں عروہ کے معنے کڑے کے کیے ہیں جو بالکل صحیح ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ سب معنے مثال کے طور پر ہیں اصل مقصد یہ ہے کہ جس شخص نے اسلام کو مرتے دم تک مضبوط پکڑا اس نے گویا نجات کی دست آویز حاصل کی۔

۲۷ تفسیر ابن جریر تفسیر ابن ابی حاتم اور مغازی ابن اسحاق وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت[2] سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب آیت وما اوتیتم من العلم الا قلیلا نازل ہوئی تو یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بحث اور تکرار کی کہ جن کو کم علم اللہ کی طرف سے دیا گیا ہے وہ کون لوگ ہیں اگر وہ قریش ہیں تو خیر مضائقہ نہیں اگر ہم یہود لوگوں کو تم کم علم بتلاتے ہو تو تم جس کلام کو قرآن اور کلام الٰہی کہتے ہو اس میں تورات کی یہ صفت تم ہی بیان کرتے ہو کہ تورات میں ہر طرح کا علم ہے اور یہ تم کو معلوم ہے کہ تورات کا علم ہم لوگوں میں ہے پھر ہم کم علم کیوں کر ہوئے اس کا جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں دنیا بھر کا سب علم تھوڑا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جواب کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی علماء نے لکھا ہے کہ یہود نے یہ بحث اور تکرار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محض عداوت کے سبب سے کی تھی ورنہ جب سے موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں بیٹھے تھے اور ایک چڑیا نے ایک بوند پانی دریا میں سے پیا تھا اور حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰؑ سے نصیحت کی طور پر کہا تھا کہ تورات کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں اتنا ہی سمجھنا چاہیے جس طرح اتنے بڑے دریا میں سے اس چڑیا نے پانی پیا ہے اس وقت سے یہود کو یہ مسئلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمانے سے معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں تورات کا علم بالکل تھوڑا ہے

[1] مشکوۃ ص ۵۷۵ باب جامع المناقب، [2] تفسیر ابن کثیر ص ۴۵۱ ج ۳ و تفسیر الدر المنثور ص ۱۶۷ ج ۵۔

مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۷﴾

نہ نبڑیں باتیں اللہ کی بیشک اللہ زبردست ہے حکمتوں والا

صحیح بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے حضرت موسٰی اور خضر علیہ السلام کا جو قصہ[1] ہے اس میں یہ چڑیا کے پانی کا ذکر تفصیل سے ہے چڑیا کے پانی پینے کے قصہ کی یہ نصیحت حضرت خضرؑ نے حضرت موسٰیؑ کو اس واسطے کی تھی کہ حضرت موسٰی نے تورات کے علم کو بڑا علم جان کر اپنے آپ کو بڑا عالم خیال کیا تھا چنانچہ یہ ذکر بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اسی صحیح بخاری ومسلم کی روایت میں ہے حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے اس شان نزول پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہود سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تو ہجرت کے بعد واسطہ پڑا ہے پھر اس مکی آیت کی شان نزول یہ یہود کا قصہ کیوں کر قرار پا سکتا ہے جواب اس اعتراض کا یہ ہے کہ سورہ بنی اسرائیل میں مسند امام احمد کی روایت کے حوالہ سے یہ بات گزر چکی ہے کہ قریش نے مکہ سے کچھ آدمی ہجرت سے پہلے یہود کے پاس مدینہ میں اس غرض سے بھیجے تھے کہ یہود سے کوئی ایسا مشکل سوال پوچھ کر لاؤ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امتحان کے طور پر پوچھا جائے اس پر یہود نے روح کا حال پوچھنے کی صلاح دی تھی اور جب قریش نے یہود کی صلاح کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کا حال پوچھا تو سورہ بنی اسرائیل میں روح کے ذکر کی آیت نازل ہوئی اور اسی آیت میں وما اوتیتم من العلم الا قلیلا کا ٹکڑا بھی نازل ہوا جب آنحضرتؐ مدینہ میں تشریف لائے تو یہود نے اس مکی آیت کے ٹکڑے کے باب میں بحث اور تکرار کی اور اس بحث اور تکرار کا جو جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا اس جواب کی تصدیق میں اللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل فرمائی غرض اس بحث و تکرار کی ابتدا ایک مکی آیت کے ٹکڑے سے ہے اس لیے اس بحث و تکرار کے جواب کی آیت کو بھی علماء نے مکی قرار دیا ہے کیونکہ یہ آیت اگرچہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے لیکن اس میں ذکر ایسے قصہ کا ہے جس کی ابتدا مکہ سے تھی چنانچہ اس طرح کی اور بھی آیتیں ہیں جو مدینہ میں نازل ہوئی ہیں اور ذکر ان میں اہل مکہ کا ہے اور اس ذکر کے سبب سے وہ آیتیں مکی قرار پائی ہیں اور ایک گروہ مفسرین نے اپنا یہ مذہب بھی قرار دے لیا ہے کہ جن آیتوں میں اہل مکہ کا ذکر ہے ان کو وہ مکی کہتے ہیں خواہ آیتیں مکہ میں نازل ہوئی ہوں یا مدینہ میں۔ حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالٰی ایسا زبردست حکمت والا ہے اور اس کے علم ازلی میں حکمت کی وہ وہ باتیں ہیں کہ اگر دنیا کے سارے درخت قلم اور سات سمندر سیاہی بن جاویں اور اللہ تعالٰی کی حکمت اور قدرت کی باتیں لکھی جاویں جب بھی وہ باتیں پوری نہ ہوں اس واسطے یہود کا یہ اعتقاد کہ اللہ تعالٰی کا علم تورات میں ختم ہو گیا بالکل ایک غلط اعتقاد ہے موسیٰ علیہ السلام نے فقط یہی خیال کیا تھا کہ تورات کا علم بڑا علم ہے اور موسیٰ علیہ السلام اپنے زمانہ کے بڑے عالم ہیں اس پر اللہ تعالٰی کی خفگی ہوئی اور موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے پاس جانے کا حکم ہوا اور وہاں تورات کے علاوہ چند باتیں علم الٰہی کی ظاہر ہوئیں اس قصہ کو جان بوجھ کر اے رسول اللہ کے یہ یہود لوگ تم سے بحث تکرار جو کرتے ہیں یہ ان لوگوں کی ہٹ دھرمی ہے۔ صحیح بخاری ومسلم میں ابی بن کعبؓ سے روایت[2] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰی موسیٰ علیہ السلام پر رحمت کرے اگر وہ خضر علیہ السلام کے پاس زیادہ رہتے تو اور نئی نئی باتیں معلوم ہو جاتیں اس حدیث کو اس آیت کی تفسیر میں یہ دخل ہے کہ اللہ تعالٰی کا علم کچھ تورات پر منحصر نہیں بلکہ تورات کے علم سے بڑھ کر جن باتوں کا ذکر سورۃ الکہف میں

[1] صحیح بخاری ص ۲۲ ج ۱ باب ما یستحب للعالم اذا سئل ای الناس اعلم الخ [2] ایضاً صحیح بخاری حوالہ مذکور۔

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ

تم سب کا بنانا اور مرے پر جلانا وہی جیسا ایک جی کا بے شک اللہ سنتا ہے دیکھتا تو نے نہیں دیکھا

اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۡ كُلٌّ

کہ اللہ پیٹھاتا ہے رات کو دن میں اور پیٹھاتا ہے دن کو رات میں اور کام میں لگائے سورج اور چاند ہر ایک

يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ

چلتا ہے ایک ٹھہرے ہوئے وعدہ تک اور یہ کہ اللہ خبر رکھتا ہے جو کرتے ہو یہ اس پر ہے کہ اللہ وہی

گزر ان کے علاوہ اور بہت سی باتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے موافق خضر علیہ السلام کو بتلائی تھیں۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کا ذکر جو اوپر گزر اس میں یہ بھی ہے کہ خضر علیہ السلام نے اپنے اور موسیٰ علیہ السلام کے علم کو ملا کر یہ کہا کہ میرا اور تمہارا علم دونوں اللہ کے علم کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ اس روایت کو بھی اس آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کی کچھ انتہا نہیں۔

۲۸ تا ۳۴۔ مطلب یہ ہے کہ ساری مخلوقات کا پیدا کرنا اور بعد مرنے کے پھر اس کا زندہ کرنا خدا تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کچھ مشکل نہیں ہے بلکہ اس کی ایسی مثال ہے جیسا کہ ایک جان کا پیدا کرنا اور جلانا ہے کس لیے کہ سب کا موجود کرنا فقط کن کے کہنے سے ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قادر مطلق جب ارادہ کرتا ہے کسی شے کا تو فرماتا ہے ہو جا وہ ہو جاتی ہے پھر فرمایا اللہ تعالیٰ سننے والا ہے سب کے قولوں کا اور دیکھنے والا ہے سب کے عملوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ حشر کے منکر جو باتیں کرتے ہیں اور حشر کو جھٹلا کر جس طرح کے کاموں میں مصروف ہیں ان سب کی اللہ کو خبر ہے حاصل کلام یہ ہے کہ جب ایک کلمہ کن کے ساتھ ہی یہ حشر کے جھٹلانے والے دوبارہ زندہ ہو جاویں گے اور ان کی گستاخی کی زبانی باتیں اور ہاتھ پیروں کے اعمال سب کچھ ان کی آنکھوں کے سامنے آجائے گا تو اس وقت ان کو حشر کے جھٹلانے کی حقیقت کھل جاوے گی اب آگے اللہ تعالیٰ اپنی اس قدرت سے آگاہ فرماتا ہے کہ اللہ بڑھا دیتا ہے رات کو دن میں اس طرح کہ کچھ حصہ رات کا دن میں داخل کرتا ہے جس سے دن بڑا ہو جاتا ہے اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے یہ گرمی کے موسم کا حال ہے پھر دن کم ہو جاتا ہے اور رات لمبی ہوتی جاتی ہے یہ بات جاڑے کے موسم میں ہوتی ہے پھر فرمایا کام میں لگا رکھا ہے سورج اور چاند کو کہ ہر ایک چلتا ہے ایک وعدہ مقرر تک اجل مسمٰی سے قیامت کا روز مراد ہے صحیح بخاری و مسلم میں ابوذرؓ سے روایت[1] ہے کہ سورج غروب ہونے کے وقت عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے پھر اپنے پروردگار سے اذن چاہتا ہے کبھی یہ وقت بھی آنے والا ہے کہ سورج سے کہا جاوے گا کہ جدھر سے آیا ہے ادھر ہی جا معتبر سند سے تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت[2] ہے کہ سورج دن کو آسمان میں چھوٹی نہر کی طرح چلتا ہے اور رات کے وقت زمین کے نیچے چلتا ہے یہاں تک کہ پھر صبح کے وقت مشرق سے نکل آتا ہے اور یہی صورت چاند کی ہے ان حدیثوں کو اس آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب قرار پایا کہ دنیا کا کل انتظام ایک وقت مقررہ تک کا ہے ہمیشہ کے لیے نہیں جو لوگ دنیا کی اس ناپائدار زندگی پر غش ہیں وہ بڑے دھوکے میں ہیں پھر فرمایا کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے خبردار ہے

[1] مشکوٰۃ ۲ ۴۷۲ باب العلامات بین یدی الساعۃ الخ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۴۵۲ ج ۳۔

الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٣٠﴾ أَلَمْ

ٹھیک ہے اور جو پکارتے ہیں اس کے سوا سو ہی جھوٹ ہے اور اللہ وہی ہے سب سے اوپر بڑا تو نے نہ

تَرَ أَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللَّهِ لِيُرِيَكُمْ مِنْ آيَاتِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ

دیکھا کہ جہاز چلتے ہیں سمندر میں اللہ کی نعمت لے کر کہ دکھاوے تم کو کچھ اپنی قدرتیں البتہ اس میں پتے ہیں

لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿٣١﴾ وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ

ہر ٹھہرنے والے حق بوجھنے والے کو اور جب سر پر آوے ان کے لہر جیسے بدلیاں پکاریں اللہ کو نرے کر کر اسی کو بندگی ہے

فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ ۚ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ ﴿٣٢﴾

پھر جب بچا دیا ان کو جنگل کی طرف تو کوئی ہوتا ہے ان میں بیچ کی چال پر اور منکر وہی ہوتے ہیں ہماری قدرتوں سے جو قول کے جھوٹے ہیں حق نہ

مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سب کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ سب چیزوں کو جانتا ہے پھر فرمایا کہ جب وہ ایسا صاحب قدرت ہے تو وہی معبود برحق ہے اور اس کے سوائے تم جس چیز کو پوجتے ہو وہ ناحق ہے وہ ایسی ذات برتر و بلند ہے کہ کوئی چیز اس سے اوپر نہیں ہے اور وہ ایسا بڑا ہے کہ سب چیزیں اس کے روبرو عاجزی کرنے والی ہیں پھر فرمایا کہ جہاز چلتے ہیں دریا میں تاکہ دکھادے تم کو اپنی قدرت کی نشانی کہ دریا کو تمہارا تابعدار بنادیا ہے یہ اس کی مہربانی ہے اگر اللہ تعالیٰ پانی میں یہ طاقت پیدا نہ کرتا کہ کشتیوں کو اٹھائے تو کبھی پانی پر کشتیاں نہ چلتیں پھر فرمایا اس میں بڑے بڑے نشان ہیں ہر صبر کرنے والے شکر کرنے والے کے واسطے مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ان نعمتوں کے شکریہ کے طور پر خالص اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اس عبادت میں مثلاً جاڑہ کے وضو اور گرمی کے روزہ کی پیاس کی تکلیف پر صبر کو کام میں لاتے ہیں ایسے پکے مسلمانوں کے لیے اللہ کی قدرت کی باتوں میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں جن نشانیوں سے انہوں نے اللہ کو پہچانا ہے پھر فرمایا جب ڈھانک لے ان کو دریا کی موج بدلیوں کے مانند تو اس وقت پکارنے لگیں نرے اللہ کو خالص کر کے اور جب خدا تعالیٰ ان کو اس مصیبت سے بچا لیتا ہے تو پھر اس کے ساتھ شرک کرنے لگ جاتے ہیں حالانکہ ان کو چاہئے تھا کہ خدا کے اس احسان کے مقابلہ میں اس کا شکر کرتے اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ ٹھہراتے فرمایا کہ ہماری ان کھلی کھلی قدرت کی نشانیوں کا انکار نہیں کرتے مگر وہی لوگ جو بے وفا ہیں اور جن کو اپنے عہد و پیمان کا کچھ پاس و لحاظ ہے وہ خشکی میں آجانے کے بعد دریا میں کے خوف کی حالت کے عہد کو پورا تو نہیں مگر کسی قدر یاد رکھتے ہیں حاصل مطلب یہ ہے کہ دریا کی مصیبت سے نجات پانے کے بعد دریا میں کے عہد کو پورا کرنے والے اور راحت کی حالت میں خوف الٰہی کی حالت پر قائم رہنے والے تو بہت کم ہیں ہاں یہ دو قسمیں اکثر ہیں کہ بعضے تو اس عہد کو کسی قدر یاد رکھ کر درمیانی حالت پر رہتے ہیں اور بعضے بدعہد اپنے اس عہد کو بالکل بھول جاتے ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک اللہ کو منظور ہوتا ہے وہ نافرمان لوگوں کو مہلت دیتا ہے اگر وہ لوگ مہلت کے زمانہ میں راہ راست پر نہیں آتے تو ان کو ایسے عذاب میں پکڑ لیتا ہے جس سے وہ کسی طرح بچ نہیں سکتے۔ اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مہلت کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے ان بدعہد ناشکر لوگوں کو اپنی قدرت کی طرح طرح کی نشانیاں یاد دلا کر سمجھایا لیکن جب یہ لوگ اپنی عادت سے باز نہ آئے تو بدر کی لڑائی کے وقت ان کی گرفت کا زمانہ آگیا جس سے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ

اے لوگو بچتے رہو اپنے رب سے اور ڈرو اس دن سے کہ کام نہ آوے کوئی باپ اپنے بیٹے کے بدلے اور نہ کوئی

جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۫ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ

بیٹا ہو جو کام آوے اپنے باپ کی جگہ کچھ بے شک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے سو تم کو نہ بہکاوے دنیا کا جینا اور نہ دھوکا دے تم کو

ان میں کے بڑے بڑے بدعہد ناشکر دنیا میں بڑی ذلت سے مارے گئے اور مرتے ہی عقبیٰ کے عذاب میں گرفتار ہو گئے جس عذاب کے جتلانے کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ کے وعدہ کو سچا پا لیا چنانچہ یہ قصہ صحیح بخاری و مسلم کی انس بن مالکؓ کی روایت کے حوالہ سے اوپر گذر چکا ہے۔

۳۳۔ قیامت کے دن کا معاملہ بڑا سخت ہے صحیح حدیثوں[۱] سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل دوزخ میں سے ادنیٰ عذاب والا شخص بھی ماں باپ مال اولاد جو کچھ تمام دنیا کا سامان و اسباب ہے سب اپنی نجات کے معاوضہ میں دینے کو تیار ہو جائے گا خیر یہ تو جنت اور دوزخ میں ہو جانے کے بعد کا ذکر ہے اس سے پہلے پل صراط سے گذرنے کے بعد دوزخ اور جنت کے مابین میں ایک بلند مقام پر سب لوگ ظلم و زیادتی کا بدلہ دلائے جانے کے لیے روک کے جاویں گے چنانچہ صحیح بخاری[۲] کی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ظلم و زیادتی کے بدلہ کا ذکر جو فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ وہاں کسی کے پاس کچھ روپیہ پیسہ تو ہے نہیں کہ ظالم مظلوم کو روپیہ پیسہ دے کر اپنی نجات کی صورت نکالے اس لیے وہاں یہ فیصلہ ہوگا کہ کسی ظالم نے جس قدر ظلم کسی مظلوم پر کیا ہے اس ظلم کے حساب سے کچھ ثواب اس ظالم کی نیکیوں کا مظلوم کو دلا دیا جائے گا اور اگر اس طرح کے معاوضہ میں نیکیاں اور نیکیوں کا ثواب کچھ کم پڑ جائے گا تو ظلم کے حساب سے مظلوم کے گناہوں کا عذاب ظالم کو بھگتنا پڑے گا اس ظلم و زیادتی کے معاوضہ اور بدلہ کو باپ بیٹے اور بیٹا باپ کی شکل سے گھبراوے گا کہ کہیں باپ کی بیٹے پر یا بیٹے کی باپ پر کچھ زیادتی نہ نکل آوے اور اس زیادتی کے بدلہ میں ایک کی نیکیاں دوسرے کے پاس نہ چلی جاویں نامہ اعمال کے دائیں یا بائیں ہاتھ میں دئے جانے کے وقت عملوں کے تولنے پل صراط کے گذرنے کے وقت بہت سے موقع قیامت کے دن ایسے ہیں کہ وہاں نہ باپ بیٹے کے کام آسکتا ہے نہ بیٹا باپ کے حاصل کلام یہ ہے کہ مشرکین مکہ کو آیت میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ کلمہ گو ظالموں کا جب اس دن یہ حال ہوگا تو جو لوگ سب سے بڑے ظلم شرک میں گرفتار رہ کر بغیر توبہ کے مر جاویں گے ان کو اس دن کی بے کسی سے ڈرنا اور اس بے کسی کا کچھ انتظام کر لینا چاہئے کیوں کہ اس دن کوئی کسی کے کام نہ آوے گا بلکہ اس دن تو جو شخص اللہ کی وحدانیت میں پورا اترا اور اس کا خالص نیت کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوا اس کی یہ سب مشکلیں اللہ تعالیٰ آسان کر دے گا اپنے اپنے خالص عمل کے موافق کوئی ایسا ہوگا کہ جس کا ایک کلمہ توحید کے ثواب کا بوجھ سب بدیوں پر غالب آجاوے گا پل صراط پر سے کوئی بجلی کی چمک کی طرح گذرے گا کوئی ہوا کی طرح کوئی تیز گھوڑے کی طرح کسی خالص توبہ کا اثر یہ ہوگا کہ اس کے گناہ نیکیوں سے بدل دئے جائیں گے حساب آسانی سے ہو جاوے گا ہر بات کی کرید نہ نکالی جاوے گی الغرض آخرت میں ہر طرح سے اللہ کی وحدانیت اور نیک عمل کا سودا ہے مشرکین مکہ میں سے جو لوگ اس سے غافل ہیں ان کو قبر میں دفن ہونے کے وقت سے حسرت اور ندامت شروع ہوگی اور قیامت تک وہی حسرت اور

[۱] مثلاً دیکھئے مشکوٰۃ ص ۵۰۲ باب صفۃ النار و اہلہا بروایت حضرت انسؓ [۲] ایضاً ص ۴۳۵ باب الظلم فصل اول۔

منزل

باللهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا

اللہ کے نام سے وہ دغا باز اللہ جو ہے اسی کے پاس ہے قیامت کی خبر اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو ہے

حالت باقی رہے گی صحیح بخاری ابوداؤد اور ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایتؐ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قبر میں دفن ہونے کے بعد ہر شخص کو جنت اور دوزخ دونوں جگہ دکھائی جاتی ہیں نیک عمل شخص کو دوزخ دکھا کر فرشتے یہ کہتے ہیں کہ تیرے نیک عمل کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے تجھ کو اس عذاب سے بچا دیا اور بدعمل شخص کو جنت دکھا کر یہ کہتے ہیں کہ تیری بدعملی کے سبب سے یہ راحت کا مقام تیرے ہاتھ سے جاتا رہا اس وقت بدعمل شخص کو بڑی حسرت ہوتی ہے ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایتؐ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر شخص آخرت میں ایک طرح کی ندامت بھگتے گا بدعمل شخص کو یہ ندامت ہوگی کہ وہ بدعملی سے دنیا میں باز کیوں نہ آیا اور توبہ کیوں نہیں کی اور نیک عمل والے شخص کو یہ حسرت رہے گی کہ کچھ اور زیادہ نیک عمل کیوں نہیں کئے جو زیادہ بڑا درجہ ملتا اس حدیث کی سند میں ایک راوی یحییٰ بن عبداللہؒ کو اگرچہ بعضے علماء نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن یحییٰ بن سعید القطان نے یحییٰ بن عبداللہ کو ثقہ کہا ہےؐ یہ یحییٰ بن سعید القطان بصرہ کے علماء میں مشہور امام احمدؒ کے استاد ہیں اور راویوں کے باب میں ان کے قول کا بڑا اعتبار ہے۔ علی بن مدینی ان کی اس باب میں بڑی تعریف فرمایا کرتے تھے یہ ابوسعید القطان امام شافعیؒ کے مرتبہ کے ثقہ تبع تابعین ہیں اپنے وقت کے امام ہیں اور حدیث کی سب کتابوں میں ان سے روایت ہے یہ بھی صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ نیک عمل کے ساتھ اللہ کی رحمت بھی ہوگی تو آدمی کی عقبیٰ میں نجات ہوگی لیکن اگر تا بمقدور آدمی عمل کر کے اللہ کی رحمت کا امیدوار ہے تو اس امیدواری کا مضائقہ نہیں نہ یہ کہ تمام عمر اللہ تعالیٰ کے خلاف مرضی کام کرے اور امید نجات کی رکھے ترمذی اور ابن ماجہ کی شداد بن اوسؓ کی معتبر حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے خلاف مرضی ہمیشہ کام کرے اور اللہ تعالیٰ سے طرح طرح کی بہبودی کی امیدیں رکھے اس کی عقل ٹھکانے نہیں ہے آگے فرمایا جس دن کے آنے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں سے کیا ہے شیطان کے بہکانے سے دنیا کی زندگی کے بھروسہ پر اس دن کو بھول جانا کسی صاحب عقل کا کام نہیں ہے کیوں کہ معمولی عقل کا آدمی بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ دنیا کے ختم ہو جانے کے بعد نیک و بد کی جزا و سزا کے لیے ایک دن مقرر نہ ہوتا تو دنیا کا اتنا بڑا انتظام بے ٹھکانہ قرار پاتا اور اس طرح بے ٹھکانہ کام اللہ تعالیٰ کی شان سے بہت بعید ہے۔ غین کے زبر سے غرور اس چیز کو کہتے ہیں جو آدمی کو بہکا دے سب سے بڑا بہکانے والا انسان کا شیطان ہے اس لیے اکثر سلف نے یہاں غرور کے معنے شیطان کے کئے ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت سے حدیث قدسی ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا انسان کی عقل کے خلاف میں نے اس کو ایک قطرہ پانی سے پیدا کیا پھر شیطان کے بہکانے سے دنیا کی زندگی کے نشہ میں انسان اپنی خلاف عقل پیدائش کو بھول کر حشر کے قائم ہونے میں عقلی حجتیں جو نکالتا ہے یہ اس کی بڑی نادانی ہے۔ یہ حدیث آیت کے اس آخری ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے۔

سہؐ۔ تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن ابی حاتم میں مجاہد کی روایتؐ سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک

ؐ تفسیر ابن کثیر ص ۴۵۵ ج ۳ ؐ

فِی الْاَرْحَامِ ؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ
ماں کے پیٹ میں اور کوئی بھی نہیں جانتا کیا کرے گا کل اور کوئی بھی نہیں جانتا

اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۳۴﴾
زمین میں مرے گا تحقیق اللہ ہی سب جانتا ہے خبردار

شخص دیہاتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے پوچھا کہ میری بی بی حاملہ ہے تبلاؤ لڑکا پیدا ہو گا یا لڑکی اس گاؤں میں رہتا ہوں وہاں مینہ کم برستا ہے تبلاؤ وہاں مینہ کب برسے گا اور یہ تبلاؤ کہ میں کب تک جیوں گا اس پر اللہ تعالے نے آیت نازل فرمائی صحیح بخاری مسند امام احمد وغیرہ میں جو حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن پانچ چیزوں کا اس آیت میں ذکر ہے وہ غیب کی کنجیاں ہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے ان پانچ کو اور کوئی نہیں جانتا مسند امام احمد میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور عبد اللہ بن عمرؓ سے روایتیں ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سوا ان پانچ چیزوں کے اور سب چیزوں کا علم دیا تھا ان روایتوں کی تائید اس صحیحین کی روایت سے ہوتی ہے جس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک سائل کی صورت بن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کے اور مسئلوں کے ساتھ قیامت کا حال پوچھا کہ قیامت کب آوے گی آپ نے اور سب مسئلوں کا جواب تو تفصیل سے دیا اور قیامت کی چند نشانیاں بتلا کر یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ جس سے یہ بات پوچھی جاتی ہے اور جو یہ بات پوچھتا ہے وہ دونو اس بات کے جواب میں یکساں انجان ہیں غرض اس آیت میں جو پانچ باتیں ہیں وہ ایسی باتیں ہیں مثلاً جب تک مینہ برسنے یا ماں کے پیٹ میں لڑکا یا لڑکی قرار پانے کا وقت نہیں آتا اور اللہ کا حکم نہیں ہوتا کسی کو کچھ حال معلوم نہیں ہوتا کہ مینہ کس وقت برسے گا یا بچہ کیسا ہو گا سورۃ الجن میں آوے گا کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے کچھ غیب کا حال تبلا دیتا ہے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس آیت کے یہ معنے کئے ہیں کہ سوا ان پانچ باتوں کے اور غیب کی باتوں سے اللہ تعالیٰ رسولوں کو بذریعہ وحی کے اور اولیا کو بذریعہ الہام اور خواب کے واقف کار کر دیتا ہے جس طرح گزشتہ زمانہ کے علم غیب کے طور پر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کا حال اور آئندہ زمانہ کے علم غیب کے طور پر دنیا کا قیامت تک کا حال اور عذاب قبر دوزخ جنت حساب قیامت اور پل صراط وغیرہ کا حال بذریعہ وحی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب معلوم ہو گیا اور آپ نے امت کو وہ سب بتلایا اسی طرح امت میں سے بعضے ولیوں کو الہام اور خواب کے طور پر کچھ غیب کا حال کبھی معلوم ہو جاتا ہے لیکن جس طرح وحی کی حفاظت شیطان کے مغالطہ سے خدا تعالیٰ کی طرف سے کی جاتی ہے جس کا ذکر سورہ جن میں آوے گا اس طرح کی حفاظت الہام و خواب کی شرع کی کتابوں میں کہیں مذکور نہیں ہے اس لیے الہام اور خواب سے کوئی مسئلہ شرعی ثابت نہیں ہو سکتا اور جو الہام یا خواب ظاہر شریعت کے مخالف ہو وہ ظاہر شریعت میں صحیح نہیں قرار دیا جاتا ہے اور مجتہد کے اجتہاد کا بھی یہی حال ہے اس میں غلطی کا گمان موجود ہے اسی واسطے جن شرائط کی پابندی عرف شرع میں مجتہد کے لئے قرار دی گئی ہے ان میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ مجتہد احکام شریعت اور ناسخ منسوخ سے خوب ماہر ہو تاکہ اس کا کوئی مسئلہ قیاسی کسی ظاہر حکم شریعت کے مخالف نہ ہو

ل تفسیر ابن کثیر ص ۵۵ ج ۳۔
ے مشکوۃ باب مناقب عمرؓ فصل

آیاتہا ۳۰ (۳۲) سُوْرَۃُ السَّجْدَۃِ مَکِّیَّۃٌ (۷۵) رکوعاتہا ۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

الٓمّٓ ① تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْہِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ② اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىہُ

اتارنا کتاب کا ہے اس میں کچھ دھوکا نہیں جہان کے صاحب سے کیا کہتے ہیں یہ باندھ لایا

زیادہ تفصیل علم غیب کی انشاء اللہ سورہ جن میں آوے گی اس آیت کے متعلق اسی قدر صراحت کافی ہے کہ جو غیب کی بات رسول صاحب وحی کو وحی کے ذریعہ سے یا ولی کو الہام یا خواب کے ذریعہ سے یا مجتہد کو اجتہاد کے ذریعہ سے معلوم ہوتی ہے وہ ان پانچ باتوں کے ماسوا ہے جن کا ذکر اس آیت میں ہے۔ صاحب کشاف اور معتزلی فرقہ کے اور لوگوں نے سورۃ الجن کے آیت کے ٹکڑے الا من ارتضی من رسول سے یہ مطلب نکالا ہے کہ ولی لوگ رسول نہیں ہیں اس واسطے غیب کی کوئی خبر کسی ولی کو الہام کے طور پر نہیں معلوم ہوسکتی اس بات کو غلط ٹھہرانے کے لیے حافظ ابن حجرؒ نے اہل سنت کے مذہب کے موافق آیت کی تفسیر میں اولیاء اللہ کے الہام کا ذکر بھی کیا ہے کیوں کہ صحیح حدیثوں میں اولیاء اللہ کے الہام کا ذکر آیا ہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کی ابوہریرہؓ کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی امتوں کے صاحب الہام لوگوں کا اور حضرت عمرؓ کا بھی ان میں سے ہونے کا ذکر فرمایا ہے حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ قیامت سے لوگوں کو بہت ڈرنا چاہئے کیوں کہ وہ بے خبری میں رات کو دن کو کسی کو معلوم نہیں کہ کب آجاوے اور یہ قیامت کے آنے کی گھڑی کی بے خبری ایسی ہے جیسے ان لوگوں کے آنکھوں کے سامنے کی بات ہے مینہ کے برسنے کا پیٹ کے بچے کے لڑکا یا لڑکی کے ہونے کا کل کیا ہوگا اس کا وطن یا سفر کی اپنی موت کا کچھ حال سوا اللہ تعالیٰ کسی کو معلوم نہیں۔ (سورۃ لقمان ختم ہوئی)

سورۃ السجدۃ۔ بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ سورہ مکی ہے سوا دو یا تین آیتوں کے کہ وہ تینوں آیتیں مدینہ منورہ میں اتری ہیں لیکن اس تفسیر میں ایک جگہ گزر چکا ہے کہ جس سورہ کی شروع کی آیتیں مکی ہوں وہ سورہ مکی کہلاتی ہیں صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز صبح کی نماز میں سورہ الم تنزیل السجدہ اول رکعت میں اور سورہ ھل اتی علی الانسان جس کو دہر کہتے ہیں دوسری رکعت میں پڑھا کرتے تھے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے نہ تھے جب تک کہ سورہ الم تنزیل السجدہ اور سورہ تبارک الذی بیدہ الملک کو نہ پڑھ لیتے حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

اتا ہم۔ الٓمّٓ۔ حروف مقطعات میں سے ہے ان حروف کا ذکر سورہ بقر میں گزر چکا ہے۔ ریب شک کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اس کتاب کے رب العالمین کی طرف سے اترنے میں کچھ شک نہیں ہے اب آگے اللہ تعالیٰ نے مشرک لوگوں کا حال بیان فرمایا کہ یہ جو کہتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرآن شریف کو آپ بنا لیا ہے۔ یہ ان کا گمان بالکل غلط ہے بلکہ وہ حق ہے پروردگار

[۲] فتح البیان ص ۵۶۸ ج ۳ - طبع بھوپال (ہند)

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۴۵۶ ج ۳ - [۳] مشکوۃ مع تنقیح الرواۃ۔ فضائل القرآن فصل ثانی۔

بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ

کوئی نہیں وہ ٹھیک ہے تیرے رب کی طرف سے کہ ڈر سنادے ایک لوگوں کو جن کو نہیں آیا کوئی ڈرانے والا تجھ سے پہلے شاید وہ

يَهْتَدُوْنَ ﴿۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ

راہ پر آویں اللہ ہے جس نے بنائے آسمان و زمین اور جو ان کے بیچ میں ہے چھ دن میں پھر

اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴﴾

قائم ہوا عرش پر کوئی نہیں تمہارا اس کے سوا حمایتی نہ سفارشی پھر تم کیا سوچ نہیں کرتے۔

کی طرف سے اترا ہے تاکہ تو ڈراوے ان لوگوں کو کہ جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا شاید وہ ہدایت پاویں اور حق کی پیروی کریں پھر کہا اللہ وہ ہے کہ جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونو کے درمیان میں ہے چھ روز میں پھر عرش پر قائم ہوا اس کے متعلق مفصل بیان سورہ الاعراف میں گزر چکا ہے[1] پھر فرمایا کہ اس خدا کے سوا تمہارا کوئی کام بنانے والا نہیں اور نہ بغیر رضامندی اس کی کے کوئی تمہارا سفارشی ہے بلکہ وہی پروردگار تمام کاموں کا مالک اور ہر چیز کا تدبیر کرنے والا ہے اس کے سوا اس کی مخلوق کا کوئی کام بنانے والا اور سفارش کرنے والا نہیں اس کی ذات سب سے برتر اور پاکیزہ ہے کوئی اس کا مثل اور ساجھی اور اس کے مرتبہ کے برابر نہیں ہے صحیح مسلم اور مسند امام احمد میں ابوہریرہؓ کی جو ایک روایت ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ کون سی چیز کس دن پیدا کی گئی۔ سورہ اعراف میں گزر چکا ہے[2] کہ وہ حدیث نبوی نہیں ہے بلکہ کعب بن احبار کا قول ہے اور اس قول کے موافق سب چیزوں کی پیدائش سات روز میں ٹھہرتی ہے اس واسطے امام بخاری وغیرہ نے اس قول کو آیت کے مخالف اور قابل اعتراض قرار دیا ہے۔ سورۃ الاعراف میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی استویٰ علی العرش کی صفت کی آیت آیات متشابہات میں سے ہے[3] اور صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی وہ حدیث بھی گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متشابہ آیتوں کی تاویل سے منع فرمایا ہے اس واسطے سلفؒ کے نزدیک استویٰ علی العرش کے معنے یہی ہیں کہ جس طرح سے عرش پر ہونا اللہ تعالیٰ کی شان کے مناسب ہے اسی طرح سے بلا مشابہت دنیا کی کسی چیز کے اللہ تعالیٰ عرش پر ہے جس کی تفصیل اور کیفیت اسی کو معلوم ہے حاصل کلام یہ ہے کہ ان آیتوں میں اہل مکہ کو یہ تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ جب تم لوگ قرآن کے موافق کچھ آیتیں ایسی بنا کر نہیں پیش کر سکتے جس میں قرآن کی سی فصاحت اور غیب کی سچی خبریں ہوں تو آخر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی تم جیسے بشر ہیں تم لوگوں کو اتنا سوچنا چاہئے کہ بغیر تائید غیبی کے وہ یہ قرآن کیوں کر بنا سکتے ہیں اس لیے اس قرآن میں آسمان و زمین کی غیب کی خبروں کا پایا جانا یہ اسی کے کلام کی شان ہے دوسرے کی کیا طاقت ہے کہ وہ ایسا کلام بنا سکتا ہے اور جس وقت سے تمہارے بڑوں نے ملت ابراہیمی کو بگاڑ کر بت پرستی کو اپنا دین ٹھہرالیا ہے اس وقت سے کوئی رسول کتاب آسمانی لے کر اس بت پرستی کے وبال سے ڈرانے کے لیے تمہارے پاس نہیں آیا اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے تمہاری انجانی کو رفع کرنے اور بت پرستی کے وبال سے تمہیں ڈرانے کے لیے یہ قرآن نازل فرمایا ہے یہ بھی تم کو یاد

[1] صفحہ ۲۶۲-۲۶۴ جلد دوم۔ [2] ص ۶۲ - جلد دوسری طبع ہذا۔ [3] لغوی اور شرعی معنی کے اعتبار نہیں بلکہ اپنی اپنی سمجھ کے اعتبار سے کیونکہ لغۃً اور شرعاً استویٰ علی کے معنی علا (یعنی اوپر ہوا) کے ہیں (صحاح)

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ

تدبیر سے اتارتا ہے کام آسمان سے زمین تک پھر چڑھتا ہے اس کی طرف ایک دن میں جس کا اندازہ پاتا ہزار برس

سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝۵

میں ہے تمہاری گنتی میں۔

رکھنا چاہئے کہ جب آسمان و زمین کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح پہ پیدا کیا کہ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے تو لائق عبادت بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے پھر جو کوئی اس کے سوا کسی غیر کی عبادت کرے گا تو وہ عذاب الٰہی میں پکڑا جائے گا اور عذاب الٰہی سے بچانے والا کوئی حمایتی ایسے شخص کو آسمان و زمین میں نظر نہ آوے گا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے مغیرہ بن شعبہؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی روایتیں ایک جگہ گزر چکی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو انجانی کے عذر کا رفع کر دینا بہت پسند ہے اسی واسطے اس نے آسمانی کتابیں دے کر رسولوں کو بھیجا ان روایتوں کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک مدت سے مکہ میں بت پرستی پھیل کر شرک کی خرابی کو اہل مکہ نہیں جانتے تھے اس لیے ان کے انجانی کے عذر کو رفع کرنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے آخر الزمان کو رسول کر کے بھیجا اور ان پہ قرآن نازل فرمایا۔

۵۔ بعضے مفسروں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس آیت میں ہزار برس کا عرصہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے اور سورہ معارج پچاس ہزار برس کا عرصہ ذکر فرمایا ہے ان دونوں آیتوں میں موافقت کی کیا صورت ہے پھر اس اعتراض کا کئی طرح سے جواب دیا ہے لیکن اوپر گزر چکا ہے کہ تفسیر کے باب میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد مجاہد کے قول کا بڑا اعتبار ہے اس لیے مجاہد کا قول ذکر کیا جاتا ہے مجاہد نے جو موافقت ان دونوں آیتوں کی بتلائی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے دنیا کے انتظام کے لیے طرح طرح کے حکم ہوتے ہیں عرش معلےٰ سے آسمان بہ آسمان وہ حکم دنیا کے آسمان تک آن کر دنیا کے آسمان کے فرشتے زمین پر اس حکم کے موافق تعمیل کر دیتے ہیں اور تعمیل کی اطلاع کے لیے پھر فوراً اول آسمان پر چڑھ جاتے ہیں اور اسی طرح وہ اطلاع عرش معلےٰ تک پہنچ جاتی ہے اس طرح سب سے اول دنیا کے آسمان کے فرشتے زمین سے آسمان تک آنے جانے میں ہزار برس کے فاصلہ کو طے کرتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ پچاس ہزار کا فاصلہ عرش معلےٰ تک کا طے ہوتا ہے اور یہ سب کچھ دن کے دن ہو جاتا ہے جس کی گنتی ایک حساب سے ہزار برس کی ہے اور ایک حساب سے پچاس ہزار برس کی غرض اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زمین سے دنیا کے آسمان تک کی مدت ذکر فرمائی ہے اور سورہ معارج میں عرش معلےٰ تک کی مدت کا ذکر فرمایا ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے دنیا میں جو کچھ ہونے والا تھا اپنے علم ازلی کے موافق وہ سب اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے معتبر سند سے مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ لوح محفوظ کے نوشتہ میں سے ہر شب قدر کو سال بھر کے امور انتظامی کی نقل فرشتوں کو مل جاتی ہے اس کے موافق اللہ کے فرشتے سال بھر کا انتظام چلاتے ہیں[1] صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوموسےٰ اشعریؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ لوگوں کے دن کے تمام عمل رات سے پہلے اور رات کے عمل دن سے پہلے فرشتے

[1] دیکھو امبحث فتح البیان ص ۱، ۵، ۳، ۵ ج ۷ (طبع ہند) میں ہے (ع،ح)، [2] یعنی اندازہ (ع،ح)

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٦﴾ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ

یہ ہے جاننے والا چھپے اور کھلے کا زبردست رحم والا جس نے خوب بنائی جو چیز

خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ﴿٧﴾ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ

بنائی اور شروع کی انسان کی پیدائش ایک گارے سے پھر بنائی اس کی اولاد نچڑے پانی

مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿٨﴾ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ

بے قدر سے پھر اس کو برابر کیا اور پھونکی اس میں اپنی جان میں سے اور بنا دیئے تم کو کان

اللہ تعالیٰ کے ملاحظہ میں پیش کر دیتے ہیں۔ ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے موافق ہر کام آسمان پر جو لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے اس میں کا سال بھر کا انتظام فرشتوں کی معرفت ہر سال زمین پر رونما ہوتا ہے اور اس کے موافق تعمیل ہو کر دن کے عملوں کا نتیجہ رات سے پہلے اور رات کے عملوں کا نتیجہ دن سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ملاحظہ میں پیش ہو جاتا ہے حالانکہ یہ فاصلہ آسمان دنیا تک ہزار برس کا اور عرش معلیٰ تک پچاس ہزار برس کا ہے۔ اس آیت میں مشرکین مکہ کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ جس طرح دنیا کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے اسی طرح دنیا کے تمام انتظام میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے باوجود اس کے جو لوگ غیروں کو اس کی تعظیم میں شریک کرتے ہیں وہ بڑے نادان ہیں۔

۶ تا ۱۱۔ دنیا کے بادشاہوں کے انتظام میں اس واسطے خامی رہ جاتی ہے کہ ان کو آئندہ کا غیب کا حال معلوم نہیں ہوتا برخلاف اس کے دنیا کے پیدا کرنے اور دنیا کی تدبیر کا انتظام الٰہی اس لیے پختہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے غیب اور ظاہر کا اور ایسا زبردست ہے کہ اس نے تمام چیزوں کو زیر کر رکھا ہے اور وہ اپنے ایمان والے بندوں پر مہربان ہے پھر فرمایا اللہ وہ ہے جس نے ہر چیز کی پیدائش کو اچھا بنایا اور پیدائش آسمان اور زمین کے بعد آدمی کی پیدائش کا اللہ نے ذکر اس طرح فرمایا کہ انسان کی پیدائش مٹی سے ہے مراد انسان سے حضرت آدمؑ ہیں جو سب آدمیوں کے باپ ہیں ان کو اول اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا پھر اس کی نسل کو نچوڑے ہوئے ناچیز پانی سے پیدا کیا جو پانی مرد کی پشت اور عورت کے سینہ سے نکلتا ہے پھر اس کو برابر سیدھے قد والا بنایا اور اس میں روح پھونکی اور کان آنکھیں اور دل سب کچھ دیا لیکن تم لوگ اللہ تعالیٰ کا تھوڑا شکر کرتے ہو مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے بدلہ میں تم تھوڑا شکر ادا کرتے ہو اب اللہ تعالیٰ اہل شرک کے آخرت کے جھٹلانے کے باب میں ارشاد فرماتا ہے کہ یہ مشرک لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم خاک میں مل جاویں گے تو کیا ہم نئی پیدائش سے پھر جلائے جائیں گے یہ بات عقل سے بعید ہے یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ بات ان کی کم زور طاقت کی نسبت تو بعید ہے لیکن خدا کی قدرت سے یہ بات ہرگز بعید نہیں کیوں کہ جب اس صاحب قدرت نے پانی سے ان کا پتلہ بنا کر اس میں روح پھونک دی تو آدم علیہ السلام کے پتلے کی طرح مٹی سے ان کے پتلوں کو بنا دینا اور ان میں روح پھونک دینا کیا مشکل ہے اس کی قدرت تو ایسی ہے کہ وہ جس چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو اس کو یہ حکم کرتا ہے کہ ہو جا پھر وہ چیز ہو جاتی ہے پھر فرمایا یہ مشرک اپنے پروردگار کے روبرو کھڑے ہونے سے جب منکر ہوں تو ان سے کہہ دیا جائے کہ ملک الموت تمہاری جان کو قبض کرے گا جو کہ تمہارے اوپر تعینات کیا گیا ہے پھر فرمایا تم دوبارہ جلائے جاؤ گے اور اپنے پروردگار کے روبرو بعد نئی پیدائش کے اپنے عملوں کی جزا و سزا کے لیے حاضر کئے جاؤ گے۔ ترمذی ابو داؤد اور صحیح ابن حبان کے حوالہ سے

وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۹﴾ وَقَالُوْۤا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی

اور آنکھیں اور دل تم تھوڑا شکر کرتے ہو اور کہتے ہیں کیا جب ہم رل گئے

الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۰﴾ قُلْ

زمین میں کیا ہم کو نیا بننا ہے کوئی نہیں وہ اپنے رب کی ملاقات سے منکر ہیں تو کہہ

یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ ع وَلَوْ تَرٰۤى

بھر لیتا ہے تم کو فرشتہ موت کا جو تم پر یقین ہے پھر اپنے رب کی طرف پھر جاؤ گے اور کبھی تو دیکھے

ع ۱ / ۱۴

اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا

جس وقت منکر سر ڈالے ہوں گے اپنے رب کے پاس اے رب ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو پھر بھیج

ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدم علیہ السلام کے پتلے کی مٹی اللہ تعالیٰ نے تمام زمین سے لی ہے اسی اثر سے اولاد آدم میں کوئی گورا ہے کوئی کالا کوئی نیک مزاج ہے کوئی بد مزاج۔ یہ حدیث وبدا خلق الانسان من طین کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ منکرین حشر تو بغیر ملونی کے خالص مٹی کے پتلوں کے بن جانے اور ان میں روح کے پھونکے جانے کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر گنتے ہیں لیکن اللہ کی قدرت تو وہ ہے کہ اس نے ایک ہی پتلا ایسا بنا دیا جو قیامت تک کے پتلوں کا نمونہ تھا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ نطفہ چالیس روز تک عورت کے رحم میں ٹھہر کر جما ہوا خون بن جاتا ہے پھر اس خون کا گوشت بن جاتا ہے اور ہڈیاں اس گوشت سے بن کر ان ہڈیوں پر گوشت کا غلاف چڑھا دیا جاتا ہے غرض چار ساڑھے چار مہینے میں یہ سب کچھ ہو کر پتلا تیار ہو جاتا ہے اور پھر اس میں اللہ کے حکم سے جان پڑ جاتی ہے۔ ان آیتوں میں اولاد آدم کی پیدائش کا جو ذکر ہے۔ یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے جس سے منکرین حشر سمجھ سکتے ہیں کہ جس صاحب قدرت کی قدرت کے آگے انسان کی یہ مشکل پیدائش کچھ چیز نہ تھی اس کی قدرت کے آگے حشر کے دن مٹی کے پتلے بنا کر ان میں روح کا پھونک دینا کیا مشکل ہے۔ مسند امام احمد کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی معتبر روایت ایک جگہ گذر چکی[1] ہے کہ منکر نکیر کے سوال جواب کے بعد نیک آدمی کو اس کا جنت میں ٹھکانہ دکھا کر اللہ کے فرشتے یہ کہہ دیتے ہیں کہ اس ٹھکانے میں رہنے کے لیے تجھ کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیا جائے گا اسی طرح بد آدمی کو دوزخ کا ٹھکانا دکھا کر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ قیامت کے دن تجھ کو اس ٹھکانے میں جانا پڑے گا اور پھر ایسے شخص پر عذاب قبر شروع ہو جاتا ہے۔ اس حدیث سے ثم الی ربکم ترجعون کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ منکرین حشر کو اللہ تعالیٰ کے روبرو تو قیامت کے دن کھڑا ہونا پڑے گا چنانچہ ابوہریرہؓ کی معتبر روایت ترمذی کے حوالہ سے اور معاذ بن جبلؓ کی معتبر روایت مسند بزار اور طبرانی کے حوالہ سے اس باب میں ایک جگہ گذر چکی ہے لیکن حشر کے پہلے بھی ان لوگوں کو مرتے کے ساتھ ہی حشر کا نتیجہ معلوم ہو جاتا ہے۔

۱۲ تا ۱۵۔ ان آیتوں میں یہ ارشاد ہے کہ اب تو منکرین حشر دوبارہ زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے سے منکر ہیں

---

[1] بحوالہ مشکوۃ کتاب الجنائز

نَعۡمَلۡ صَالِحًا اِنَّا مُوۡقِنُوۡنَ ﴿۱۲﴾ وَلَوۡ شِئۡنَا لَاٰتَيۡنَا كُلَّ نَفۡسٍ هُدٰٮهَا وَلٰكِنۡ

ہم کریں بھلائی ہم کو یقین آیا اور اگر ہم چاہتے تو دیتے ہر جی کو سوجھ اس کی راہ کی لیکن

حَقَّ الۡقَوۡلُ مِنِّىۡ لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوۡقُوۡا

ٹھیک پڑی میری کہی بات کہ مجھ کو بھرنا ہے دوزخ جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھے سو اب چکھو مزا

بِمَا نَسِيۡتُمۡ لِقَآءَ يَوۡمِكُمۡ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيۡنٰكُمۡ وَذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡخُلۡدِ بِمَا

جیسے بھلا دیا تھا اس اپنے دن کا ملنا ہم نے بھلا دیا تم کو اور چکھو مار سدا کی بدلا

لیکن جب مرتے ہی ان کو حشر کا نتیجہ معلوم ہو جانے گا اور اس نتیجہ کے ظہور کے لیے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے روبرو قیامت کے دن کھڑے ہوں گے تو ان کا اس وقت کا حال دیکھنے کے قابل ہوگا کہ وہ اپنے رب کے روبرو حقیر و ذلیل ہو کر کھڑے ہوں گے اور شرم کے مارے گردنوں کو نیچا کر کے زبان سے کہیں گے کہ اے پروردگار ہمارے ہم نے دیکھا اور سنا اب ہم تیرے حکم کو مانتے ہیں دیکھا اور سنا کا مطلب یہ ہے کہ دوزخ کا عذاب آنکھوں سے دیکھ لیا اور رسولوں کے بیان کی صداقت یا اللہ خود تیری زبان سے بالمشافہ سن لی پھر کہیں گے بھیج دے دوبارہ اے پروردگار ہم کو دنیا میں ہم نیک عمل کریں گے کیونکہ اب ہم کو یقین ہو گیا کہ تیرا وعدہ سچا اور برحق ہے لیکن خدا تعالیٰ کو معلوم ہے اگر ان کو پھر دنیا میں بھیج دیا جائے تو وہ پہلے کی طرح پھر کفر کریں گے خدا کی آیتوں اور رسولوں کو جھٹلا دیں گے جیسا کہ سورہ انعام میں گزر چکا ہے ولو تریٰ اذ وقفوا علی النار فقالوا یا لیتنا نرد ولا نکذب بایات ربنا ونکون من المؤمنین بل بدا لهم ما کانوا یخفون من قبل ولو ردوا لعادوا لما نهوا عنه وانهم لکاذبون جس کا مطلب یہ ہے کہ اے رسول اللہ کے اگر تم دیکھو ان لوگوں کو جبکہ وہ کھڑے کئے جاویں گے دوزخ پر تو کہیں گے اے کاش ہم بھیج دئے جاویں دنیا کی طرف تاکہ ہم ایمان لانے والوں میں سے ہو جاویں یہ بات وہ لوگ اس لئے کہیں گے کہ ان کو ظاہر ہو جاوے گا کہ دنیا میں وہ ناحق پر تھے اور علم الٰہی میں یہ بات ٹھہر چکی ہے کہ اگر یہ لوگ پھر دنیا کی طرف پھیر دیے جاویں تو پھر وہی کام کریں گے جس سے روکے گئے ہیں کیونکہ دوزخ کو دیکھ کر یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں پھر فرمایا اگر ہم چاہتے تو ہر ایک شخص کو ہدایت دیتے لیکن علم الٰہی میں یہ ٹھہر چکا ہے کہ دوزخ کو نافرمان جنات اور آدمیوں سے بھرا جائے گا اور مجبور کر کے سب کو راہ راست پر لایا جاوے گا اور جب انہیں دوزخ میں جھونکا جاوے گا تو تنبیہ کے طور پر اہل دوزخ سے کہا جاوے گا یہ چکھو عذاب بسبب اس کے کہ بھول گئے تم اس دن کو اور بعید جانتے تھے اس کو اس لئے ہم نے بھی بھلا دیا تم کو مطلب یہ کہ ہم بھی وہ معاملہ تمہارے ساتھ کریں گے جو بھلا دینے والے سے ہوتا ہے پھر فرمایا چکھو عذاب ہمیشہ کا بہ سبب اس کے کہ تھے تم دنیا میں برے عمل کرتے پھر فرمایا کہ قرآن کی آیتوں پر تو وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو نصیحت کی جاوے تو وہ سجدہ کرتے ہوئے گر پڑتے ہیں مطلب یہ کہ وہ قرآن کی آیتوں کو کان لگا کر سنتے ہیں اور ہر ایک امر میں اس کی تابعداری کرتے ہیں وسبحوا بحمد ربهم وهم لا يستكبرون اس کا مطلب یہ ہے کہ پاکی بیان کرتے ہیں اپنے پروردگار کی اس کی خوبیوں کے ساتھ اور تکبر اور بڑائی نہیں کرتے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث گزر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے موافق لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کتنے جن و انسان جنت میں جانے کے

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤﴾ إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا

اپنے کئے کا ہماری باتوں کو مانتے ہیں وہ کہ جب ان کو سمجھائیے ان سے گر پڑیں سجدہ کر کر اور

بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿١٥﴾ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ

پاک ذات کو یاد کریں اپنے رب کی خوبیوں سے اور وہ بڑائی نہیں کرتے۔ الگ رہتی ہیں ان کی کروٹیں اپنے سونے کی جگہ سے پکارتے ہیں

رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿١٦﴾

اپنے رب کو ڈر سے اور لالچ سے اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں۔

قابل کام کریں گے اور کتنے دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل کام کریں گے۔ صحیح بخاری ومسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی وہ حدیث بھی گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی نصیحت کی مثال مینہ کے پانی کی اور اچھے برے لوگوں کی مثال اچھی بری زمین کی بیان فرمائی ہے۔ ان حدیثوں کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو جنات اور انسان علم الٰہی میں دوزخ کے قابل قرار پاچکے ہیں دنیا کی زندگی بھر قرآن کی نصیحت ان کے حق میں ایسی رائگاں ہے جیسے بری زمین میں مینہ کا پانی رائگاں جاتا ہے جس سے مرتے دم تک وہ راہ راست پر نہ آویں گے اور مجبور کر کے انہیں راہ راست پر لانا اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں ہے اس لیے دوبارہ زندہ ہونے اور دوزخ کو آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد وہ اپنی اس حالت پر پچھتاویں گے اور دنیا میں دوبارہ آن کر راہ راست پر زندگی بسر کرنے کی تمنا ظاہر کریں گے لیکن یہ بے وقت کی تمنا ان کے کچھ کام نہ آوے گی اسی طرح علم الٰہی میں جو لوگ نیک قرار پاچکے ہیں وہ قرآن کی نصیحت کے موافق عمل کر کے قیامت کے دن جنت میں داخل ہوں گے معتبر سند سے تفسیر ابن منذر میں حضرت علیؓ[1] سے اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو روایتیں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورہ میں وھم لایستکبرون پر سجدہ کرنا تاکیدی ہے، تلاوت کے سب سجدے جمہور کے نزدیک سنت ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہیں زیادہ تفصیل ہر ایک مذہب کی فقہ کی کتابوں میں ہے۔

۱۶۔ جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ آیت تہجد کی نماز کی شان میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے اور اس قول کی تائید بھی حضرت معاذ بن جبلؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے جس کو امام احمد ترمذی نسائی ابن ماجہ حاکم بیہقی نے روایت کیا ہے ترمذی اور حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے[2] حاصل اس روایت کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ بن جبل سے چند نیک کاموں کا ذکر فرما کر پھر فرمایا کہ تہجد کی نماز تو ایسی چیز ہے جس کے ثواب کا بیان نہیں ہو سکتا اور پھر آپ نے یہ آیت پڑھی تفسیر ابن مردویہ میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت بھی حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت کے موافق ہے ترمذی کی دوسری روایت جو انس بن مالکؓ سے ہے اور مسند بزار کی حضرت بلال کی روایت جن دونوں روایتوں کا حاصل یہ ہے کہ عشا کی نماز کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے ان دونوں روایتوں کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تہجد کی نماز اکثر لوگوں پر شاق ہے اسی طرح کچھ لوگوں پر تھکان اور نیند کے

[1] حضرت علیؓ کا قول الدر المنثور ص ۱۷۱ ج ۵ میں بحوالہ ابن ابی شیبہ ہے۔ [2]

[2] تفسیر ابن کثیر ص ۴۵۹ ج ۳ و تفسیر الدر المنثور ص ۱۷۵ ج ۵۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾

سو کسی جی کو معلوم نہیں جو چھپا دھرا اس کے واسطے جو ٹھنڈک ہے آنکھوں کی بدلا اس کا جو کرتے تھے

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۭ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

بھلا ایک جو ہے ایمان پر برابر اس کے جو ہے حکم سے نہیں برابر ہوتے سو وہ جو یقین لائے اور کئے کام

الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۡ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

بھلے تو ان کو باغ ہیں رہنے کے مہمانی اس پر جو کرتے تھے اور وہ جو

سبب سے عشاء کی نماز بھی شاق ہے اس لیے عشاء کی نماز کی شان میں بھی اس آیت کا مطلب پایا جاتا ہے اوپر یہ بیان ہو چکا ہے کہ ایک آیت کا مطلب جہاں جہاں صادق آتا تھا تو صحابہؓ کا یہ دستور تھا کہ ان سب حالتوں اور شکلوں کو اس آیت کی شان نزول قرار دیا کرتے تھے حاصل کلام یہ ہے کہ اوپر کی صحیح روایت کی وجہ سے قوی شان نزول تو وہی ہے جو جمہور مفسرین نے بیان کیا ہے باقی روایتوں اور اقوال مفسرین کا مطلب یہ ہے کہ اور نمازوں پر بھی آیت کا مضمون صادق آتا ہے۔ اوپر جن ایماندار لوگوں کا ذکر تھا کہ وہ قرآن کی نصیحت کو کان لگا کر سنتے ہیں اور احکام الٰہی کے تابع ہیں یہ انہی کا ذکر فرمایا کہ جب اور لوگ آرام سے سوتے ہیں تو یہ لوگ اپنے بچھونے کو خالی چھوڑ کر عذاب عقبیٰ کے خوف اور راحت عقبیٰ کی امید سے تہجد کی نماز پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت کی دعا مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے صدقہ خیرات بھی کرتے ہیں۔

۱۷۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیت قرآن شریف میں ایسی ہے جس کی تفسیر انسان سے نہیں ہو سکتی اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کی تائید اس صحیح حدیث قدسی سے ہوتی ہے جس کو امام بخاری و مسلم وغیرہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ نے اپنے بعضے نیک بندوں کے لیے جنت وہ وہ نعمتیں رکھی ہیں جو کسی نے نہ آنکھوں سے دیکھیں نہ کانوں سے سنی نہ کسی کے دل میں ان کا تصور گزر سکتا ہے حضرت ابوہریرہؓ جب یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کرتے تھے تو ساتھ اس کے اس آیت کو بھی پڑھا کرتے تھے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ حدیث آیت کی تفسیر ہے اب جو بات آدمی نے نہ آنکھوں سے دیکھی ہو نہ کانوں سے سنی ہو نہ دل میں اس کا تصور گزر سکتا ہو تو ایسی بات کو انسان قلم یا زبان سے کیونکر ادا کر سکتا ہے اسی واسطے امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس نے یہ فرمایا کہ اس آیت کی تفسیر انسان کے اختیار سے باہر ہے کیونکہ خود صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث قدسی میں یہ فرمایا ہے کہ اس آیت کی تفسیر کا سمجھنا انسان کے دل منصوبہ سے باہر ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جن ایماندار لوگوں کے نیک عملوں کا اوپر کی آیتوں میں ذکر تھا اس آیت میں ان عملوں کی جزا کا یہ ذکر ہے اور اوپر کی حدیث قدسی اس جزا کی تفسیر ہے۔

۱۸ تا ۲۰۔ اس آیت شریف میں اللہ تعالیٰ اپنے عدل اور انصاف سے آگاہ فرماتا ہے کہ کیا وہ شخص جو خدا کی آیتوں کی تصدیق اور رسولوں کی فرمانبرداری کرتا ہے قیامت کے روز مانند اس شخص کے ہے جو کہ خدا کا نافرمان ہے ہرگز دونوں برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ جنہوں نے اچھے کام کئے ان کے لیے باغ رہنے کے ہیں جن میں بالاخانے ہیں بہ سبب کہ اس کا بدلہ ہے وہ دنیا میں نیک عمل کرتے

لہ تفسیر معالم التنزیل زیر تفسیر آیت ہذا۔ ؎۲ تفسیر ابن کثیر (ص ۶۰ ۴ ج ۳) وغیرہ

فَسَقُوا فَمَأْوٰىهُمُ النَّارُ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ

بے حکم ہوئے سو ان کا گھر ہے آگ جب چاہیں کہ نکل پڑیں اس میں سے الٹے جاویں اور کہتے ان کو

ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿۲۰﴾ وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ

چکھو آگ کی مار جس کو تم جھٹلاتے تھے اور البتہ چکھا دیں گے ہم ان کو تھوڑا سا عذاب

الْأَدْنٰى دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ

ورے اس بڑے عذاب سے کہ شاید وہ پھر آویں اور کون بے انصاف اس سے جس کو سمجھایا

بِآيٰتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنْتَقِمُونَ ﴿۲۲﴾

اس کے رب کی باتوں سے پھر ان سے منہ موڑ گیا مقرر ہم کو ان گنہگاروں سے بدلا لینا ہے

ع ۲ ۱۵

تھے اسی طرح جن لوگوں نے نافرمانی کی ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے پھر جب وہ اس آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو اسی کے اندر پھر ڈال دئے جاویں گے، اور ان سے کہا جائے گا کہ وہی آگ ہے جس کو تم دنیا میں جھٹلاتے تھے اس لیے اب اس کا مزا چکھو، معتبر سند سے مسند امام احمد اور مسند بزار میں ابوسعید خدری سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کم سے کم دوزخ کا عذاب جس شخص پر ہوگا اس کو آگ کی جوتیاں پہنا دی جاویں گی جس سے گھڑی اس کا بھیجا پگل کر نکل پڑے گا یہ حدیث مختصر طور پر صحیح مسلم میں بھی ہے[1] اور معتبر سند سے اسی مضمون کی ابوہریرہ سے ایک روایت طبرانی میں بھی ہے صحیح مسلم اور مستدرک حاکم میں عبداللہ بن مسعود سے روایتیں ہیں جن میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ادنیٰ اہل جنت کو تمام دنیا سے دس گنا ساز و سامان[2] دیا جائے گا ان حدیثوں سے اہل دوزخ اور اہل جنت کے برابر نہ ہونے کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔

۲۱، ۲۲۔ تفسیر سدی تفسیر عطاء بن یسار اور تاریخ ابن عساکر وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباس[3] سے جو شان نزول ان آیتوں کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک روز حضرت علیؓ سے اور ایک شخص مشرک مکہ سے جس کا نام ولید بن عقبہ تھا تکرار ہوگئی ولید نے حضرت علیؓ سے کہا تم میرے آگے کے بچے ہو میں تم کو کیا سمجھتا ہوں حضرت علیؓ نے ولید کو جواب دیا تو خدا کا منکر کافر ہے میں تجھ کو کیا سمجھتا ہوں اس پر اللہ تعالیٰ نے اوپر کی آیتیں نازل فرما کر فرمایا کہ اللہ کے نزدیک کافر اور ایماندار لوگ برابر نہیں ہو سکتے ایمانداروں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنت میں وہ وہ نعمتیں رکھی ہیں جن کا ذکر اوپر گزرا کہ نہ کسی آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سنی اسی ذکر میں اب یہ فرمایا کافروں کے لیے دنیا میں بھی دکھ بیماری تنگی قحط سالی یہ طرح طرح کے عذاب ہیں تاکہ وہ اپنے کفر سے باز آویں اس پر بھی جو لوگ اپنے کفر سے باز نہ آویں گے اور کفر کی حالت میں مر جاویں گے تو عقبیٰ میں ان کو طرح طرح کا عذاب ہے جس عذاب سے نہ ان کو موت ہے نہ کہیں بھاگنے کا موقع ہے کس لئے کہ ان ظالموں کو اب اللہ کے کلام سے اللہ کے رسول نصیحت کی باتیں سناتے ہیں تو یہ لوگ ٹکرائیاں کرتے ہیں مرنے کے بعد ان کی ٹکرائیوں کا بدلہ ان کو اچھی طرح مل جاوے گا۔ صحیح بخاری کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ جب مشرکین مکہ نے قرآن کی نصیحت کے سننے سے بہت ٹکرائی

---

[1] الترغیب والترہیب ص ۴۸۰ ج ۴۔ فصل فی تفاوتہم فی العذاب؛ وذکر اہونہم عذابا۔

[2] ایضاً فصل فیما لادنی اہل الجنة فیہا ص ۵۰۱، ۵۰۲ ج ۴، [3] تفسیر الدر المنثور ص ۱۷۸ ج ۵۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ

اور ہم نے دی ہے موسیٰ کو کتاب سو مت رہ دھوکے میں اس کے ملنے سے اور وہ کی ہم نے سوجھ بنی اسرائیل

اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۣ وَكَانُوْا

کو اور کئے ہم نے ان میں سردار جو راہ چلاتے ہمارے حکم سے جب وہ ٹھہرے رہے اور ہماری

بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾

باتوں پر یقین کرتے تیرا رب جو ہے وہی چکا دے گا ان میں دن قیامت کے جس بات میں کہ وہ پھوٹ رہے تھے

کی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر قحط کی بلا نازل ہونے کی بددعا کی اور آپ کی بددعا سے مکہ میں ایسا قحط پڑا کہ مکہ کے لوگ مردہ جانوروں کی ہڈیاں تک کھا گئے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انس بن مالک کی حدیث بھی گذر چکی ہے کہ بدر کی لڑائی میں جب مشرکین مکہ میں کے بڑے بڑے سرکش مارے گئے تو اللہ کے رسول نے ان کی لاشوں پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اب تو عذاب آخرت کا اللہ تعالیٰ کا وعدہ تم لوگوں نے سچا پا لیا قرآن شریف کی نصیحت کے سننے سے کنارہ کرنے والوں سے دنیا اور عقبیٰ کے عذاب کا وعدہ جو ان آیتوں میں تھا اس وعدہ کے ظہور کی یہ حدیثیں گویا تفسیر ہیں۔

۲۳ تا ۲۵۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین کے زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام رسول ہوئے ہیں لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نہیں مانتے اور حضرت موسیٰ اور توراۃ کو نصاریٰ لوگ مانتے ہیں اور یہود سے اور قریش سے بڑی دوستی تھی اور قریش یہود کو مانتے تھے اس واسطے بہ نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر قرآن شریف میں زیادہ ہے تاکہ یہود نصاریٰ قریش تینوں قوموں کے اوپر قرآن شریف کی نصیحت کا اثر ہو یہاں حضرت موسیٰ اور ان کی امت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس لیے فرمایا ہے کہ قریش اس قصہ میں سے اس بات کو سمجھیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرمانبرداری سے جس طرح بنی اسرائیل کو دین اور دنیا کی دولت ملی داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام جیسے نبی اور بادشاہ بنی اسرائیل میں ہوئے اب اب نبوت تو نبی آخر الزمان کے بعد نہیں ہو سکتی لیکن قریش بھی اگر نبی آخر الزمان کی فرمانبرداری اختیار کریں گے تو دین اور دنیا کی دولت پا دیں گے اللہ سچا ہے اور اللہ کا وعدہ سچا ہے جو لوگ قریش میں سے اسلام لائے اور اللہ کے رسول کے فرمانبردار بن گئے جس طرح بادشاہت دنیا میں ان کو ملی اس سے تاریخ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں اور جو مرتبہ ان کو عقبیٰ میں ملے گا اس کے حال کے دو سچے گواہ ایک قرآن شریف دوسرا حدیث شریف موجود ہیں کیا اللہ کی شہادت اور اللہ کے رسول کی شہادت سے بڑھ کر کوئی گواہی دنیا میں پیدا ہو سکتی ہے اب بھی جس کسی کو دین اور دنیا کی خوبی درکار ہو وہ سچے دل سے اللہ کے رسول کی فرمانبرداری اختیار کرے پھر اللہ کے وعدہ کا ظہور جیسا جب تھا وہ اب بھی موجود ہے۔ صحیح مسلم میں انس بن مالک سے روایت[1] ہے کہ معراج کی رات بیت المقدس کے راستہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ صحیح بخاری و مسلم میں مالک بن صعصعہ سے روایت[2] ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات چھٹے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام سے ملے اور موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ کے موافق

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۸۷ ج ۵۔ [2] مشکوٰۃ باب فی المعراج فصل اول۔

أَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسَاكِنِهِمْ إِنَّ فِي

کیا ان کو سوجھ نہ آئی اس سے کہ کتنی کھپا دیں ہم نے ان سے پہلے سنگتیں پھرتے ہیں اُن کے گھروں میں اس میں

ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ أَفَلَا يَسْمَعُونَ ﴿٢٦﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ

بہت پتے ہیں کیا وہ سنتے نہیں کیا دیکھا نہیں انہوں نے کہ ہم ہانک دیتے ہیں پانی ایک زمین چٹیل کو پھر نکالتے ہیں

آپ نے پچاس نمازوں میں سے ۴۵ نمازوں کی تخفیف کی اللہ تعالیٰ سے التجا کی اور آپ کی وہ التجا منظور ہو کر پچاس نمازوں کی جگہ پانچ نمازیں رہ گئیں جو اب لوگ پڑھتے ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات میں یہ شبہ پڑا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام تھوڑی دیر پہلے تو بیت المقدس کے راستہ میں نظر آئے تھے پھر ایسے جلدی مجھ سے پہلے وہ چھٹے آسمان پر کیوں کر پہنچ گئے۔ فلا تکن فی مریۃ من لقائہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے اسی شبہ کو رفع فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے ظاہر کرنے کے لیے ایسی جلدی موسیٰ علیہ السلام کو ملک شام سے چھٹے آسمان پر پہنچا دیا اس لئے اے رسول اللہ کے تمہاری ملاقات جو موسیٰ علیہ السلام سے چھٹے آسمان پر ہوئی اس میں کچھ دھوکا نہیں ہے وجعلنا منھم ائمۃ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سے بعضے لوگ اچھے ہوئے اور بعضے نہیں ہوئے جیسے مثلاً نبی آخر الزمان! تمہارے زمانہ کے بنی اسرائیل ہیں کہ انہوں نے آسمانی کتابوں کو بدل کر طرح طرح کا اختلاف دنیا میں پھیلا دیا پھر فرمایا کہ ان لوگوں کے اختلاف کا اور مشرکین مکہ نے ملت ابراہیمی میں جو اختلاف ڈال رکھا ہے اس کا قیامت کے دن پورا فیصلہ ہو جائے گا۔

۲۶ تا ۲۸۔ ان آیتوں میں ارشاد ہے کہ یہ مشرک اللہ کے رسول کو جھٹلانے والے اتنا نہیں سمجھتے کہ رسولوں کے جھٹلانے کے جرم میں ان سے پہلے کتنی قومیں طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک ہو گئیں ملک شام اور یمن کے سفر میں جن کی اجڑی ہوئی بستیاں یہ لوگ دیکھ چکے ہیں جس میں ان کے لیے ان رسولوں کے جھٹلانے والوں کے ہلاک ہونے اور ایمان والوں کے نجات پانے میں بہت سی نشانیاں اور نصیحتیں ہیں کیا یہ لوگ ان اجڑی ہوئی قوموں کا انجام نہیں سنتے اور عبرت نہیں پکڑتے پھر فرمایا کیا یہ نہیں دیکھا ان لوگوں نے کہ ہم ہانک لے جاتے ہیں پانی کو خشک زمین پر اور نکالتے ہیں بہ سبب اس پانی کے چارا اور غلہ اور پھل کہ ان کے جانور اور یہ خود کھاتے ہیں تو کیا وہ ان نعمتوں کا شکر نہیں کرتے اور اللہ کی وحدانیت کا اقرار نہیں کرتے کیوں کہ وہ پروردگار ان سب چیزوں کے پیدا کرنے میں اکیلا ہے کوئی دوسرا اُس کا شریک نہیں ہے اس لئے اس کی عبادت میں بھی شریک ٹھہرانے کا کسی کو حق نہیں ہے پھر فرمایا کہ وہ مشرک مسلمانوں سے کہتے ہیں کب ہے یہ فتح تم کو ہم پر سچے ہو تو بتلاؤ۔ اس فتح سے مقصد قیامت کا دن ہے چنانچہ اس کا ذکر آگے آتا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ شرک اور حشر کا انکار اللہ کے رسول کو جھٹلانا غرض جو جو عادتیں اہل مکہ میں تھیں قوم نوح سے لے کر قوم فرعون تک ان ہی عادتوں کی وہ قومیں گزری ہیں جو طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک ہو گئیں اس لئے قرآن شریف میں ان اجڑی ہوئی قوموں کے قصے جگہ جگہ ذکر کئے گئے ہیں تاکہ اہل مکہ کو عبرت ہو اور وہ یہ سمجھیں کہ اگر وہ اپنی عادتوں سے باز نہ آویں گے تو ان اجڑی ہوئی قوموں کی طرح ان پر کوئی آفت ضرور آوے گی۔ اللہ سچا ہے اللہ کا کلام سچا ہے بدر کی لڑائی کے وقت ان مشرکوں میں کے بڑے بڑے سرکشوں پر دنیا اور دین کے عذاب کی آفت جو آئی اس کا قصہ انس بن مالکؓ کی صحیح بخاری اور مسلم کی حدیث کے حوالہ سے اور مکہ کے قحط کا قصہ صحیح بخاری

بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۭ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى

اس سے کھیتی کہ کھاتے ہیں اس میں سے ان کے چوپائے اور آپ پھر کیا آپ دیکھتے نہیں ہیں اور کہتے ہیں کب ہے

هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

یہ فیصلہ اگر تم سچے ہو تو کہہ دن فیصلے کے کام نہ آوے گا منکروں کو

کی عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کے حوالہ سے اوپر گذر چکا ہے اسی طرح صحیح بخاری و مسلم کی ابوہریرہؓ کی حدیث کے حوالہ سے یہ بھی گذر چکا ہے کہ دوسرے صور سے پہلے ایک مہینہ برسے گا جس سے سب مرے ہوئے لوگوں کے جسم تیار ہو جاویں گے پھر ان میں روحیں پھونک دی جاویں گی اور حشر قائم ہو جاوے گا۔ قرآن شریف میں کھیتی کی مثال سے ایک تو مشرکوں کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت جتلائی گئی ہے جس کا ذکر اوپر گذرا دوسرے ان کے حشر کے انکار کو بے اصل ٹھہرایا گیا ہے کہ جس طرح اب مینہ کے پانی کے اثر سے ہر سال طرح طرح کی پیداوار زمین سے نکل آتی ہے اسی طرح ایک مینہ کے پانی کے اثر سے ان منکرین حشر کے جسم زمین میں سے حشر کے دن نکل آویں گے اور ان میں روحیں پھونک دی جاویں گی خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح زمین میں سے ہر ایک طرح کی پیداوار کے نکلنے میں انسان کی عقل کو کچھ دخل نہیں ہے یہی حال حشر کا ہے پھر زمین کی پیداوار کا حال آنکھوں سے دیکھ کر حشر کا انکار کرنا اور اس میں عقلی حجتوں کو دخل دینا بڑی نادانی ہے۔

۲۹۔ یہ تفسیر ابن جریر اور تفسیر سدی وغیرہ میں قتادہ کی روایت[1] سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر مشرک لوگوں سے کبھی کبھی بات چیت کے وقت کہا کرتے تھے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ اسلام کا غلبہ ہوگا اور شرک سے مکہ بالکل پاک ہو جائے گا اور مسلمانوں کو مشرکوں کے شرک کا کھٹکا بالکل نہ رہے گا اور اللہ کے رسول کے کلام کی تصدیق پوری ظاہر ہو جائے گی پھر دنیا کے ختم ہونے کے بعد سب دوبارہ زندہ ہوں گے اور اس دوبارہ زندگی میں مسلمان عزت سے رہیں گے اور مشرک ذلت و خواری سے مشرک لوگ مسلمانوں کو جواب دیا کرتے تھے کہ آخر بتلاؤ تو سہی کہ یہ کب اور کون سے دن ہوگا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی بعضے مفسروں نے اس فتح سے فتح بدر مراد لی ہے اور بعضوں نے فتح مکہ لیکن حافظ عماد الدین ابن کثیر اور مفسرین نے اس قول پر یہ اعتراض کیا ہے کہ قرآن شریف کی اس آیت کے مضمون سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس فتح کا وقت اس طرح کا وقت ہوگا جس میں کافر لوگوں کا ایمان مقبول نہ ہوگا فتح بدر اور فتح مکہ کے بعد تو ہزار ہا آدمیوں کا ایمان مقبول ہوا اس صورت میں صحیح تفسیر آیت کی وہی ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مشہور شاگرد مجاہدؒ نے کی ہے کہ اس فتح کے دن سے قیامت کا دن مراد ہے کہ اس دن اہل اسلام کی مغفرت ہوگی ان کی شفاعت قبول ہوگی ان کو جنت کی نعمتیں ملیں گی اور مشرک اس دن طرح طرح سے خوار ہوں گے اپنے جھوٹے معبودوں سے بیزاری ظاہر کریں گے دنیا میں پھر آنے اور اسلام پر قائم رہنے کا وعدہ کریں گے مگر اس دن نہ ان کی کوئی ندامت کام آوے گی نہ ان کا اسلام لانے کا وعدہ قبول ہوگا اب آگے فرمایا کہ اے رسول اللہ کے تم ان منکرین حشر کی عقلی حجتوں کا کچھ خیال نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے موافق تم بھی اس دن کا انتظار کرو اور ان لوگوں کو بھی اس کا انتظار کرنا چاہئے وقت

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۱۷۹ ج ۵۔

إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٢٩﴾ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانتَظِرْ إِنَّهُم مُّنتَظِرُونَ ﴿٣٠﴾

اُن کا ایمان لانا اور نہ ان کو ڈھیل ملے گی سو تو خیال چھوڑ ان کا اور راہ دیکھ وہ بھی راہ دیکھتے ہیں

مقررہ پردہ دن سب کی آنکھوں کے سامنے آجائے گا مسند امام احمد کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی معتبر روایت اوپر گزر چکی ہے کہ منکر نکیر کے سوال جواب کے بعد ہر آدمی کو دوزخ کا ٹھکانہ دکھا کر اللہ کے فرشتے یہ کہہ دیتے ہیں کہ اس ٹھکانے میں جانے اور رہنے کے لیے تجھ کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ مسند امام احمد اور صحیح ابن حبانؒ میں ابوہریرہؓ سے معتبر روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ اپنے اپنے کام میں لگے ہوں گے کہ ایک دفعہ ہی صور پھونکا جا کر تمام دنیا اجڑ جائے گی اور قیامت قائم ہو جائے گی۔[1] حاصل کلام یہ ہے کہ جس طرح ہر ایک آدمی کے عمر کی مدت مقرر ہے اسی طرح تمام دنیا کی عمر بھی مقرر ہے لیکن یہ بات تو علم الٰہی میں ٹھہر چکی تھی کہ مکہ کے ان منکرین قیامت میں سے کوئی شخص صور کے پھونکے جانے اور اصل قیامت کے قائم ہونے تک زندہ نہ رہے گا اس واسطے اُن لوگوں کو قیامت کے انتظار کی تنبیہ جو آیت میں فرمائی گئی ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ جس طرح ان کے بڑے بوڑھے ان کی آنکھوں کے سامنے مر گئے اسی طرح یہ لوگ اپنی موت کا انتظار کریں دم نکلتے ہی ان کو معلوم ہو جائے گا کہ قیامت کے دن ان کا کیا انجام ہونے والا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کی حضرت عائشہؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی جس کا حاصل یہ ہے کہ جب لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کا حال پوچھا کرتے تو آپ ایک تو عمر لڑکے کی طرف نظر ڈال کر یہ فرما دیا کرتے کہ اگر یہ لڑکا جیتا رہا تو یہ بوڑھا نہ ہونے پائے گا کہ اتنے میں تم لوگوں کی قیامت قائم ہو جائے گی۔[2] اس حدیث کا مطلب وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ ان قیامت کا حال پوچھنے والوں کو آپ یہ جواب دیا کرتے تھے کہ اس لڑکے کے بوڑھا ہونے سے پہلے موجودہ لوگوں میں سے اکثر لوگ مر جاویں گے اور مرنے کے ساتھ ہی ان میں سے ہر ایک کو اپنا قیامت کا انجام معلوم ہو جاوے گا۔

سورہ سجدہ ختم ہوئی۔

---

[1] الترغیب والترہیب ص ۳۸۲۔ ج ۳ باب فی النفخ فی الصور و قیام الساعۃ۔ [2] ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب قرب الساعۃ الخ فصل اول

آیاتہا ۷۳ (۳۳) سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ (۹۰) رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ (۱)

اے نبی ڈر اللہ سے اور کہا نہ مان منکروں کا اور دغا بازوں کا مقرر اللہ ہے سب جانتا حکمتوں والا

وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ (۲) وَّتَوَكَّلْ

اور چل اسی پر جو حکم آئے تجھ کو تیرے رب سے مقرر اللہ تمہارے کام کی خبر رکھتا ہے اور بھروسا رکھ

عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (۳)

اللہ پر اور اللہ بس ہے کام بنانے والا

سورۃ الاحزاب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق یہ سورہ مدنی ہے معتبر سند سے نسائی اور مستدرک حاکم میں ابی بن کعب سے روایت[1] ہے کہ سورہ بقرہ کے برابر یہ سورہ نازل ہوئی تھی مگر اس کی باقی کی آیتوں کی تلاوۃ منسوخ ہوگئی فقط سنگسار کرنے کی آیت کا حکم باقی ہے صحیح بخاری مسلم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز خطبہ پڑھا اور بعد حمد خدا کے کہا اے لوگو بیشک اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر کر کے بھیجا اور ان پر کتاب اتاری اس میں رجم کی آیت بھی تھی ہم نے اس کو پڑھا اور وہ آیت یہ ہی تھی کہ شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب زنا کریں تو ضرور ان دونوں کو سنگسار کرو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رجم کیا اور ہم نے بھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رجم کیا میں ڈرتا ہوں کہ عرصہ کے بعد کوئی کہے کہ رجم کی آیت قرآن میں نہیں ملتی اور لوگ خدا کے اتارے ہوئے فرض کے چھوڑنے کے سبب سے گمراہ ہو جاویں گے۔

۱تا ۳۔ان آیتوں میں اللہ کے رسول اور امت کے لوگوں کو تقویٰ کا کافروں اور منافقوں کے مشورہ کے نہ ماننے کا اور ہر کام میں اللہ پر بھروسہ کرنے کا حکم ہے، تقویٰ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر کر آدمی نافرمانی کو چھوڑ دے اور ثواب کی امید پر اس کی عبادت کرے پھر فرمایا اللہ ہی اس کا مستحق ہے کہ اس کے حکموں کو مانو اور اس کی تابعداری کرو اور ہر کام میں اللہ ہی پر بھروسہ کرو کہ وہی بندوں کے سب کام بنانے والا انجام کار سے خبردار صاحب حکمت ہے مشرکین مکہ ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد مدینہ کے منافق جو بات کہتے تھے وہ اسلام کے برخلاف ہوتی تھی مثلاً سورۃ الانعام میں گزر چکا کہ مشرکین مکہ تنگ دست مسلمانوں کو اللہ کے رسول کی مجلس سے روکنا چاہتے تھے اسی طرح مدینہ کے منافقوں نے قتادہ بن نعمان کے زرہ کی چوری کے مقدمہ میں اللہ کے رسول کو جو دھوکا دینا چاہا تھا اس کا ذکر سورۃ النساء میں گزر چکا ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کی اور مدینہ کے منافقوں کی بات نہ ماننے کی جو نصیحت فرمائی ہے اس کی تفسیر ان قصوں سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے اللہ پر بھروسہ رکھنے کی نصیحت جو ان آیتوں میں ہے اس پر عمل کرنے والے مسلمانوں کا دنیوی نتیجہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے عباسیہ تک کی خلافت ہے اور ایسے لوگوں کا

[1] ملاحظہ ہو فتح البیان ص ۵۸۰ ج ۳ والدر المنثور ص ۱۷۹ ج ۵ وتفسیر ابن کثیر ص ۴۶۵ ج ۳

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ

اللہ نے رکھے نہیں کسی مرد کے دو دل اس کے اندر اور نہیں کیا تمہاری جوروؤں کو جن کو ماں کہہ بیٹھتے ہو سچ

اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ

تمہاری مائیں اور نہیں کیا تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے یہ تمہاری بات ہے اپنے منہ کی اور اللہ

يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ④ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ

کہتا ہے ٹھیک بات اور سجھاتا ہے راہ پکارو لے پالکوں ان کے باپ کر کر یہی پورا انصاف ہے

اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ

اللہ کے یہاں اگر نہ جانتے ہو ان کے باپ کو تو تمہارے بھائی ہیں دین میں اور رفیق ہیں اور گناہ نہیں تم پر

آخرت کا نتیجہ صحیح بخاری کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایتؒ میں ہے کہ اس طرح کے ستر ہزار آدمیوں کی جماعت قیامت کے دن بغیر حساب وکتاب کے جنت میں جاویں گے۔

۴،۵۔ یہ آیتیں زید بن حارثہؓ کے باب میں اتری ہیں وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لے پالک تھے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو متبنّٰی کر لیا تھا نبوت سے پہلے کے رواج کے موافق لوگ ان کو زید بن محمدؐ کے نام سے پکارتے تھے اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند معلوم ہوئی اس واسطے اس مصنوعی طریقہ کے توڑنے کا ارادہ فرما کر فرمایا کہ خدا نے تمہارے منہ بولوں کو تمہارا حقیقی بیٹا نہیں بنایا مسند امام احمد اور ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے معتبر روایتؒ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک روز پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور نماز میں آپ کو کوئی وسوسہ پیدا ہوا تو جو منافق آپؐ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہنے لگے ان کے دو دل ہیں ایک منافقوں کے ساتھ اور ایک ایمان والوں کے ساتھ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا کہ کسی آدمی کے جسم میں اللہ تعالیٰ نے دو دل نہیں بنائے پھر فرمایا پکارو ان لے پالوں کو ان کے باپ کے نام سے کہ یہ انصاف کی بات ہے اللہ کے نزدیک پھر اگر تم نہ جانتے ہو ان کے باپوں کو تو وہ تمہارے بھائی ہیں دین میں امام بخاری اور مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ زید بن حارثہ کو ہم زید بن محمد۔۔ پکارتے تھے یہاں تک کہ قرآن شریف میں یہ آیت اتری اور اس حدیث کو ترمذی نسائی نے بھی کئی طریقہ سے روایت کر کے کہا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ منہ بولے بیٹوں سے حقیقی بیٹوں کا سا برتاؤ کرتے تھے صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے بھی ایک روایتؒ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لے پالک کا طریقہ زمانہ شرک کا ایک طریقہ ہے پہلے کی کسی شریعت میں اس کا کوئی حکم نہیں ہے پھر فرمایا اگر تم کسی کی نسبت میں چوک جاؤ اور انجانی سے ایک کے بیٹے کو دوسرے کا بیٹا کہہ دو تو تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں ہے گناہ تو اسی پر ہے جو جان بوجھ کر گناہ کا کام کرے رہی بھول چوک وہ معاف ہے، مشرکین مکہ میں جس طرح لے پالک کے پالنے کی رسم تھی جس رسم کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کو اپنا لے پالک بیٹا بنا یا تھا اسی طرح شرک کے زمانہ میں یہ بھی ایک رسم تھی کہ مشرک لوگ اپنی بی بی کو اپنی ماں کی پشت کے ساتھ تشبیہ دے کر انت علی کظھر امی کہا کرتے تھے اور

۱؎ مشکوٰۃ باب التوکل والصبر فصل اول ۲؎ تفسیر ابن کثیر ص ۴۶۶ ج ۳۔ الدر المنثور ص ۱۸۱ ج ۵ ۳؎ فتح الباری تفسیر سورۃ ہذا۔

جُنَاحٌ فِيمَآ أَخْطَأْتُم بِهِۦ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٥﴾

جس چیز میں چوک جاؤ پر وہ دل سے ارادہ کیا اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

ٱلنَّبِىُّ أَوْلَىٰ بِٱلْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَأَزْوَٰجُهُۥٓ أُمَّهَٰتُهُمْ ۗ وَأُو۟لُوا۟ ٱلْأَرْحَامِ

نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے اور اس کی عورتیں ان کی مائیں ہیں اور ناطے والے ایک دوسرے

بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِى كِتَٰبِ ٱللَّهِ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُهَٰجِرِينَ إِلَّآ أَن تَفْعَلُوٓا۟ إِلَىٰٓ

سے لگاؤ رکھتے ہیں اللہ کے حکم میں زیادہ سب ایمان والوں اور وطن چھوڑنے والوں سے مگر یہ کیا چاہو

أَوْلِيَآئِكُم مَّعْرُوفًا ۚ كَانَ ذَٰلِكَ فِى ٱلْكِتَٰبِ مَسْطُورًا ﴿٦﴾

اپنے رفیقوں سے احسان یہ ہے کتاب میں لکھا

اس عورت کو ہمیشہ کے لیے اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیا کرتے تھے قد سمع اللہ میں اس رسم کے موقوف ہو جانے کا ذکر تفصیل سے آوے گا یہاں مختصر طور پر اتنا ہی ذکر ہے کہ جس طرح آدمی کے جسم میں دو دل نہیں ہوتے اسی طرح ظہار کے کہنے سے بی بی ماں ہو سکتی ہے نہ لے پالک اجنبی باپ کا بیٹا ہو سکتا ہے صحیح بخاری و مسلم میں سعد بن ابی وقاص سے روایت[۱] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اجنبی شخص کو جان بوجھ کر باپ ٹھہرانا اتنا بڑا گناہ ہے جس سبب سے جنت سے آدمی محروم ہو جاتا ہے۔ لے پالک کی رسم کی ممانعت کے بعد شریعت میں اس ممانعت کی جس قدر تاکید ہے اس کی تاکید کی یہ حدیث گویا تفسیر ہے۔

۶۔ صحیح بخاری و مسلم میں انس بن مالکؓ سے روایت[۲] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو اسی کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی ایمان والا نہیں بنے گا یہاں تک کہ میں اس کی جان اور اس کے مال اور اولاد اور تمام لوگوں سے اس کے نزدیک زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں حضرت عمرؓ نے عرض کیا[۳] اللہ کی قسم اے اللہ کے رسول آپ مجھ کو ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں یہاں تک کہ میری جان سے بھی آپ نے جواب دیا اے عمرؓ ایمان اسی کو کہتے ہیں صحیح بخاری میں ابو ہریرہؓ کی اسی مضمون کی روایت[۴] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر کی حدیثوں کا مضمون بیان فرما کر آیت کے ٹکڑے النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم کو پڑھا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس مضمون کی سب حدیثیں آیت کے اس ٹکڑے کی تفسیر ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنی جان کی راحت کے لیے آدمی کبھی ایسے کام کر بیٹھتا ہے جو آدمی کو دین و دنیا کے وبال میں پھنسا دیتے ہیں اور اللہ کے رسول ہمیشہ وبال کے کاموں سے بچانے کی نصیحت کرتے ہیں اس لیے عقبیٰ کے وبال سے بچنے والے شخص کو ضرور ہے کہ وہ اللہ کے رسول کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھے وازواجہ امھاتھم اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بیویاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آچکیں امت میں کے کسی مسلمان کو ان سے نکاح کرنا اسی طرح جائز نہیں ہے جس طرح سگی ماں سے نکاح کرنا حرام ہے ہاں سوا نکاح کے اور باتوں میں سگی ماں کا حکم الگ ہے مثلاً سگی ماں اور بیٹے میں پردہ کا حکم نہیں ہے یہاں باوجود نکاح کے حرام ہونے کے امت میں کے اجنبی مسلمانوں سے اللہ کے رسول کی بیویوں کو پردہ کا حکم ہے سگی ماں کے بہن سے نکاح حرام ہے یہاں وہ حکم نہیں ہے صحیح بخاری[۵]

[۱] مشکوٰۃ باب اللعان۔ [۲] مشکوٰۃ ص ۱۲ کتاب الایمان، [۳] تفسیر ابن کثیر ص ۴۶۷ ج ۳۔

[۴] تفسیر فتح البیان ص ۱۵۹ ج ۳۔ [۵] ص ۹۹۹ ج ۲ باب ذوی الارحام۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى

اور جب لیا ہم نے نبیوں سے ان کا قرار اور تجھ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسٰے سے

ابْنِ مَرْيَمَ ۪ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۟ۙ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ

جو بیٹا مریم کا اور لیا ہم نے ان سے گاڑھا قرار تا پوچھے اللہ سچوں سے ان کا سچ

وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۸ ع

اور رکھی ہے منکروں کو دکھ کی مار

ع ۱۷

میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے مہاجرین کے رشتہ دار جب تک مدینہ کو نہیں آئے تھے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار میں دینی بھائی بندی کرا دی تھی جس کے سبب سے مہاجرین و انصار میں وراثت بھی قائم ہوگئی تھی پھر جب مہاجرین کے رشتہ دار مدینہ میں آ گئے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صحیح قول کے موافق وہ بھائی بندی کی وراثت تو جاتی رہی فقط تہائی مال تک وصیت باقی رہ گئی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت اور قول کے موافق آیت کے آخری ٹکڑے کی تفسیر یہ ہے کہ رشتہ داروں کے حصے وراثت کے طور پر سورۃ النساء میں ٹھہر چکے ہیں اس لیے عام مسلمانوں اور مہاجرین کی نسبت رشتہ دار زیادہ مستحق ہیں وراثت تو ان ہی کی قائم کی جائے اور دینی بھائی بندی کے خیال سے ثلث مال تک کی وصیت اگر کوئی کرے تو اس کی مناہی نہیں ہے اولوالارحام کے ایک معنے تو عام رشتہ داروں کے ہیں اور دوسرے معنے خاص ان رشتہ داروں کے ہیں جن کے رشتہ میں عورت کا واسطہ ہے مثلاً جیسے نانا یا نواسہ آخری معنے کے اولوالارحام کی وراثت میں سلف کا اختلاف ہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے۔

۷، ۸۔ اس آیت میں انبیاء کے عہد کا جو ذکر ہے اس کی تفسیر سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں ہر ایک پہلے نبی سے مابعد میں آنے والے نبی کے باب میں یہ عہد لیا ہے کہ پہلا نبی مابعد میں آنے والے نبی کا زمانہ پاوے تو اس مابعد کی شریعت پر ایمان لاوے اور اگر اس زمانہ کے پانے کی امید نہ ہو تو اپنی امت کو اس کے موافق وصیت کر جاوے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کے زمانہ میں نماز روزے کے احکام بدلتے رہے ہیں ورنہ توحید الٰہی اور احکام الٰہی کی فرمانبرداری میں سب شریعتیں ایک ہیں مسند امام احمد صحیح بخاری، ترمذی وغیرہ میں چند صحابہؓ سے روایتیں ہیں جن کا ذکر سورۃ البقرہ میں گزر چکا[1] ہے کہ سوائے امت محمدیہ کے اور امتیں اپنے نبیوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے روبرو جھٹلاویں گے اور کہیں گے یا اللہ ہم کو کسی نبی نے تیرا حکم نہیں پہنچایا اس پر امت محمدیہ کے نیک لوگ قرآن کے حوالہ سے ان نبیوں کی تائید میں یوں کہیں گے کہ یا اللہ تو نے نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن اتارا تھا اس کے موافق ہم گواہی دیتے ہیں کہ ان نبیوں نے تیرے سب احکام اپنی امتوں کو پہنچائے اسی گواہی پر فیصلہ ہو کر وہ نبیوں کے جھٹلانے والی امتیں دوزخ میں جاویں گی ان حدیثوں کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ توحید الٰہی کی تاکید سلسلہ بہ سلسلہ جاری رہنے کے لیے انبیاءؑ سے وہ عہد لیا گیا ہے جس کا ذکر آیت میں ہے اور

[1] ص ۱۲۷۔۱۲۸ جلد اول تفسیر ہذا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

اے ایمان والو یاد کرو احسان اللہ کا اپنے جب آئیں تم پر فوجیں پھر ہم نے بھیجی ان پر

رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝۹ اِذْ جَآءُوْكُمْ

باؤ اور وہ فوجیں جو تم نے نہیں دیکھیں اور ہے اللہ جو کچھ کرتے ہو دیکھتا جب آئے تم پر

مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ

اوپر کی طرف سے اور نیچے سے اور جب ڈگنے لگیں آنکھیں اور پہنچے دل

الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝۱۰ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا

گلوں تک اور اٹکلنے لگے تم اللہ پر کئی کئی اٹکلیں وہاں جانچے گئے ایمان والے اور جھڑ جھڑا اگئے

زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝۱۱ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا

زور جھڑ جھڑانا اور جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں روگ ہے جو وعدہ دیا ہم

آخر آیت میں جس سچی بات کی بابت سوال کئے جانے کا ذکر ہے وہ وہی سچ ہے جس پر امت محمدیہ کی گواہی گزرے گی اور جن منکروں کا ذکر آخر آیت میں ہے وہ وہی لوگ ہیں جو اپنے نبیوں کو دنیا میں جھٹلاتے رہے اور قیامت کے دن بھی جھٹلاویں گے حاصل کلام یہ ہے کہ دنیا میں انبیاء کوشش سے اپنا کام کریں اور عقبیٰ میں اللہ تعالیٰ کے روبرو اپنے کام کی سچی حقیقت ظاہر کر دیں اس واسطے انبیاء سے یہ عہد لیا گیا ہے اوپر ذکر تھا کہ رشتہ داروں کے حق دار ہونے کا حال لوح محفوظ میں لکھا جا چکا ہے اس ذکر کو پورا کرنے کے لیے فرمایا کہ جس طرح رشتہ داروں کا حق دار ہونا لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے اسی طرح انبیاءؑ کا عہد بھی لکھا گیا ہے۔

۹ تا ۱۷۔ یہ خندق کی لڑائی کا قصہ ہے جو لڑائی ۵ھ ہجری میں ہوئی اس میں کافر قریب دس ہزار کے چڑھ آئے تھے ابو سفیان اس کا سپہ سالار تھا اسی وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو خندق کے کھودنے کا حکم کیا مسلمانوں نے بڑی محنت کی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی خندق سے مٹی نکلنے میں اور کھودنے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ شامل رہے ایک مہینہ دشمن مدینہ کو گھیرے پڑے رہے پھر ایک رات اللہ تعالیٰ نے پروا ہوا بھیجی جس کے سبب سے کافروں کا تمام لشکر تباہ ہو گیا کافر ناچار ہو کر الٹے چلے گئے اس لڑائی کو جنگ احزاب بھی کہتے ہیں اسی کو اللہ فرماتا ہے کہ اے ایمان والو یاد کرو تم نعمت اور احسان اللہ تعالیٰ کا جب آئے تمہاری بستی پر لشکر کافروں کے اور بھیجا ہم نے ان پر ہوا کو اور لشکر فرشتوں کا جن کو تم نے نہیں دیکھا اور دشمنوں کے دلوں پر ڈر اور خوف ڈال دیا یہ احزاب کا قصہ سورۃ البقرہ میں بھی گزر چکا ہے، وکان اللہ بما تعملون بصیرا اس کا مطلب یہ ہے کہ ایماندار لوگوں نے ثابت قدمی سے خندق کے کھودنے کی جاڑہ اور بھوک کی اس لڑائی میں جو جو تکلیفیں اٹھائی ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہیں پھر فرمایا مدینہ کے مشرق کی جانب اونچی بستیاں جو ہیں ادھر سے قبیلہ غطفان بنی قریظہ وغیرہ کی فوج اور مدینہ کے مغرب کی پست جانب مکہ سے قریش جب یہ سب دشمن مشرک تمہارے اوپر چڑھ آئے اس وقت کو یاد کرو کہ آنکھیں ڈگنے لگیں اور دل گلوں تک پہنچ گئے غرض اس وقت ایمان والوں کا امتحان لیا گیا اور ان کو بہت ہی جھڑ جھڑایا یہاں تک کہ گمان کرنے لگے تم کہ اس مرتبہ ہم نہیں بچیں گے اور کہنے لگے منافق کہ جو وعدہ کیا فتح کا ہم سے اللہ نے اور اس کے رسول نے

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ⑫ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ

ہم کو اللہ نے اور اس کے رسول نے سب فریب تھا۔ اور جب کہنے لگے ایک لوگ ان میں اے یثرب والو تم کو ٹھکانا نہیں

فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ

سو پھر چلو اور رخصت مانگنے لگے ایک لوگ ان میں نبی سے کہنے لگے ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں اور وہ کھلے

بِعَوْرَةٍ ۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ⑬ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا

نہیں پڑے غرض اور نہیں مگر بھاگنا اور اگر شہر میں کوئی پیٹھ آوے کناروں سے پھر ان سے چاہے

الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ⑭ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ

دین سے بچلنا تو لیں اور ڈھیل نہ کریں اس میں مگر تھوڑے اور اقرار کر چکے تھے اللہ سے آگے کو

لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ⑮ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ

نہ پھیریں گے پیٹھ اور اللہ کے قرار کی پوچھ ہوتی ہے تو کہہ کام نہ آوے گا تم کو بھاگنا اگر بھاگو گے

مع

وہ دھوکے کا وعدہ تھا بعضے منافقوں نے یہ بھی کہا اے مدینہ والو نہیں تمہارے لئے ٹھکانا سو پھر چلو مدینہ کو مطلب یہ ہے کہ مدینہ کے باہر لشکر میں ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے اپنے اپنے گھر کو چلو اور ایک فریق ان میں سے رخصت مانگنے لگا کہ ہمارے گھر خالی پڑے ہیں اس کہنے سے ان کی غرض گھروں کو بھاگنے کی تھی پھر فرمایا یہ بہانہ کرنے والے لوگ اس حالت میں ہیں کہ اگر مدینہ کے ہر طرف سے دشمن آجاویں اور ان کو گھیر لیں پھر ان سے شرک میں داخل ہونے کا سوال کریں تو ضرور یہ لوگ مشرک بنجاویں ڈر کے سبب سے ایمان کو چھوڑ دیں اور پہلے وہ اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ لڑائی سے پیٹھ نہ پھیریں گے اب بدعہدی کے وبال کا ان کو کچھ خوف نہیں ان سے کہہ دیا جائے کہ فائدہ نہ دے گا تم کو موت سے بھاگنا کیوں کہ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے اگر اس چند روزہ زندگی میں اللہ تم پر کوئی آفت ڈالے تو وہ کون ہے کہ بچا دے تم کو اللہ کی آفت سے بلکہ اس وقت نہ پا دیں گے یہ لوگ اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مدد کرنے والا اور اللہ تعالیٰ ان پر نظر رحمت رکھے تو کوئی ان کو کسی طرح کی آفت میں نہیں ڈال سکتا اگرچہ امام بخاریؒ کے کلام سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ خندق کی لڑائی سنہ ۴ھ ہجری میں ہوئی ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری[1] میں یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ چار برس کے اوپر جو مہینے ہیں ان کو حساب میں لگانے سے معتبر قول یہی ہے کہ یہ لڑائی سنہ ۵ھ ہجری میں ہوئی ہے، اصل بات یہ ہے کہ ہجری سنہ تو عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شروع ہوا ہے اس لیے اس سے پہلے کا سنہ ہجری کا جو حوالہ ہے وہ اندازہ کے طور پر ہے، صحیح بخاری میں سلیمانؓ بن صرد خزاعی سے اور مسند بزار میں معتبر سند کی جابرؓ سے جو روایتیں[2] ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ اس خندق کی چڑھائی کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا اس چڑھائی کے بعد مخالف لوگ کبھی تم پر چڑھ کر نہ آویں گے بلکہ تم ہی ان پر چڑھ کر جاؤ گے، اس حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے رسول ہونے کا بڑا ثبوت ہے کیونکہ اس لڑائی کے ایک سال کے بعد حدیبیہ کی صلح ہوئی اور قریش نے اس صلح میں فتور ڈالا اس لیے سنہ ۸ھ ہجری میں مکہ پر

[1] صفحہ ۸۰ ج ۴ طبع دہلی۔ [2] صحیح بخاری مع فتح الباری ص ۶۴ ج ۴ باب غزوۃ الخندق الخ

مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ

مرنے سے یا مارے جانے سے اور پھر بھی پھل نہ پاؤ گے مگر تھوڑے دنوں۔ تو کہہ کون ہے کہ تم کو بچاوے

مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اللہ سے اگر چاہے تم پر برائی یا چاہے تم پر بھلائی اور نہ پاویں گے اپنے واسطے اللہ کے سوائے

وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ

کوئی حمایتی نہ مددگار اللہ کو معلوم ہے جو اٹکاتے ہیں تم میں اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو

هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ

چلے آؤ طرف ہماری اور لڑائی میں نہیں آتے مگر تھوڑے دریغ رکھتے ہیں تمہاری طرف سے پھر جب آوے ڈر کا وقت

چڑھائی ہوکر مکہ فتح ہوگیا۔ صحیح بخاری[1] میں انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ خندق کی لڑائی کے وقت کچھ تھوڑے سے جو جوش کر لیے جاتے تھے اور اس میں کچھ زیتون کا تیل ڈال کر سب وہی کھاتے اور بھوک کے سبب سے تکلیف میں رہتے تھے اس لڑائی میں مسلمانوں پر کھانے پینے کی جو کشش تھی اس کی تفصیل اس حدیث سے معلوم ہوسکتی ہے اس واسطے اس لڑائی کے آیتوں کی تفسیر میں اس حدیث کو بڑا دخل ہے اس خندق کے کھودنے کے وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دو معجزے جو ظہور میں آئے ان کا ذکر سورۃ البقرہ میں گذر چکا ہے۔ خندق کی زمین میں گھنکر کے نکلنے اور اس کو پھاوڑے سے توڑنے کی روایت مختصر طور پر جابرؓ سے صحیح بخاری میں اور معتبر سند سے مسند امام احمد اور نسائی میں براء بن عازبؓ سے ہے اور تھوڑے سے کھانے میں مسلمانوں کے تمام لشکر کا پیٹ بھر جانے کی روایت صحیح بخاری میں جابرؓ سے ہے۔ بدر کی لڑائی میں کچھ لوگ شریک نہیں ہوسکے اور پھر اس لڑائی کا نتیجہ اچھا دیکھ کر انہوں نے عہد کیا تھا کہ اب ہم سب لڑائیوں میں شریک ہوکر پوری تندہی کریں گے اسی طرح احد کی لڑائی میں بعضے لوگوں نے میدان جنگ سے واپسی کا ارادہ کر کے پھر اس ارادہ کو بدلا اور عہد کیا کہ آئندہ ہر ایک لڑائی میں ثابت قدم رہیں گے اس عہد کے بعد جن لوگوں نے گھروں کی واپسی کی اجازت چاہی ان کو پہلے کا ان کا عہد یاد دلایا۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ روایت[2] ہے کہ مدینہ کا نام یثرب تھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نام بدل کر مدینہ نام رکھا۔

۱۸ تا ۲۲۔ اوپر ذکر تھا کہ جنگ احزاب کے وقت جب مسلمانوں کا مقام مدینہ منورہ کے باہر تھا مسلمان اس وقت بڑی تکلیف میں تھے جاڑے کا موسم ٹھنڈی ہوائیں میدان کا رہنا خندق کا کھودنا بھوک کی عدا تکلیف ایسی حالت میں یہود نے تو بڑے خیر خواہ بن کر عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھی ان منافقوں نے جو ظاہر میں مسلمان اور آنحضرتؐ کے لشکر میں تھے در پردہ یہ پیغام کہلا بھیجا کہ تم آنحضرت کے ساتھ ہوکر ہرگز نہ لڑو ان تھوڑے سے مسلمانوں کی کسی طرح یہ قدرت نہیں ہے کہ ابوسفیان قریش کے سردار کا مقابلہ کر سکیں اور منافقوں نے بڑے خیر خواہ بن کر اس طرح بہکانے کی باتیں مسلمانوں سے خفیہ کہنی شروع کر دیں کہ لشکر میں رہنے کا اب موقع نہیں چلو اپنے اپنے گھروں کو پلٹ[3] چلیں ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کا حال اپنے رسول اور مسلمانوں کو ظاہر کر دیا اور فرمایا کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے اپنی جان اپنا مال بچانے کے لیے یہ لوگ تھوڑی

[1] صحیح بخاری مع فتح ص ۵۹ ج ۴۔ [2] ایضاً ص ۶۰ ج ۴۔ [3] فتح البیان ص ۵۹۹ ج ۳

رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَإِذَا

تو تو دیکھے تکتے ہیں تیری طرف مکر مکر کرتی ہیں آنکھیں ان کی جیسے کسی پر آوے بیہوشی موت کی پھر جب

ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا

جاتا رہے خوف کا وقت چڑھ چڑھ بولیں تم پہ تیز تیز زبانوں سے ڈھے پڑتے ہیں مال پہ وہ لوگ یقین نہیں لاتے

فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٩﴾ يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ

پھر اکارت کر ڈالے اللہ نے ان کے کئے اور یہ ہے اللہ پر آسان جانتے ہیں فوجیں نہیں

يَذْهَبُوا ۖ وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُمْ بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ

گئیں اور اگر آجاویں فوجیں تو آرزو کریں کسی طرح باہر گئے ہوں گاؤں میں پوچھا کریں

سی دیر کے لیے لڑائی میں شریک ہوتے ہیں اس لئے یہ خود بھی لشکر اسلام کے ساتھ دینے میں دریغ کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی طرح طرح سے بہکا رہے ہیں اور رسول کا ساتھ دینے سے ان کی ہمت پست کر رہے ہیں اللہ تعالےٰ عالم الغیب ہے اس کو یہ سب حال معلوم ہے پھر مسلمانوں کو منافقوں کی نشانی تبلادی کہ جو لڑائی کے وقت ایسی نامردی کی باتیں کریں کہ ان کے چہروں پہ مردنی چھا گئی ہے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی پتھرا کر رہ گئیں اور پھر اس تکلیف کے جانے کے بعد لوٹ کا مال تقسیم ہونے کے وقت بہت بڑھ بڑھ کر باتیں کرتے اور اپنی بہادری جتلاتے ہیں وہی منافق ہیں کیوں کہ جو لوگ خالص مسلمان ہیں اور محض آخرت کے اجر کی غرض سے لڑتے ہیں نہ وہ دشمن کے غلبہ کے وقت گھبرا کر اس طرح نامردی کی باتیں کرتے ہیں نہ ان کو لوٹ کے مال کی کچھ پرواہ ہے نہ وہ دنیا میں کسی کو اپنی بہادری جتلانا چاہتے ہیں ان کا تو جو معاملہ ہے خالص اللہ کے ساتھ ہے ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ آخرت میں اجر دے گا یہ اوپری دل سے جو لوگ مسلمانوں کے ساتھ ہیں ان کو اللہ کی درگاہ سے اجر کی توقع نہیں رکھنا چاہیے ایسا اوپرے دل کے سب کام اللہ تعالیٰ کے ہاں اکارت ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کے دلوں کا حال معلوم ہے اس لئے اوپرے دل کے عملوں کا حال جان لینا اور ان کو بلا اجر ٹھہرا دینا اس کے نزدیک کچھ مشکل نہیں البتہ انسان کے نزدیک یہ بات مشکل اور اس کے اختیار سے خارج ہے پھر فرمایا کہ جو فوجیں مدینہ پر چڑھ کر آئی تھیں اگرچہ وہ پلٹ کر چلی گئیں لیکن ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں بلکہ یہ جانتے ہیں کہ وہ پھر آجائیں گی پھر فرمایا کہ اگر وہ فوجیں پھر کر آجائیں تو یہ لوگ آرزو کرتے کہ ہم اس وقت مسلمانوں کے لشکر میں نہ ہوتے بلکہ کہیں اوپرے گاؤں میں ہوتے اور دور سے ہی اس لڑائی کی خبر سن لیتے تو اچھا ہوتا پھر فرمایا اگر فوجیں پھر کر آجاویں اور لڑائی کا موقع پیش آجائے تو لشکر اسلام کو ایسے لوگوں کے موجود ہونے کے کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا کیوں کہ ان لوگوں کے دل میں عقبیٰ کے اجر کا یقین نہیں ہے اس واسطے یہ لوگ برائے نام لشکر اسلام کا کچھ ساتھ دے کر لڑائی میں زیادہ دیر تک ہرگز نہ ٹھہر سکتے جو لوگ اس لڑائی میں شریک نہیں ہوئے تھے بلکہ مدینہ میں رہ گئے تھے اب آگے ان کو نصیحت فرمائی کہ جن لوگوں کو عقبیٰ کے اجر کی توقع ہے انہیں ہر حال میں اللہ کے رسول کا ساتھ دینا اور اللہ تعالےٰ کو یاد رکھنا چاہئے آگے کی آیت میں مسلمانوں کی ثابت قدمی اور اللہ تعالےٰ کے وعدہ کو سچا جاننے کا جو ذکر ہے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے قول کے موافق یہ وعدہ وہی ہے جو سورہ بقرہ کی آیت ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یاتکم

عَنْ اَنْبَآئِكُمْ ؕ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ

تمہاری خبریں اور اگر ہو ویں تم میں لڑائی نہ کریں مگر تھوڑے تم کو بھلی تھی سیکھنی رسول

اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا

کی چال اس کے لیے جو کوئی امید رکھتا ہے اللہ کی اور پچھلے دن کی اور یاد کرتا ہے اللہ کو بہت سا اور جب

رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ

دیکھیں مسلمانوں نے فوجیں بولے یہ وہی ہے جو وعدہ دیا تھا ہم کو اللہ نے اور اس کے رسول نے اور سچ کہا اللہ نے اور

وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا

اس کے رسول نے اور ان کو اور بڑھا یقین و اطاعت ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ سچ کر دکھایا جس پر

مثل الذین خلوا من قبلکم میں گزرا کہ کس قدر آزمائش کے بعد ثابت قدم مسلمانوں کا انجام دونوں جہان میں اچھا ہوگا دنیا میں ان کو مدد الٰہی سے فتح مندی حاصل ہوگی اور آزمائش کے وقت صبر کرنے کے اجر میں انہیں عقبیٰ میں جنت ملے گی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس قول کے موافق اس آیت کی تفسیر کا حال یہ ہے کہ ایماندار لوگ فوجوں کو دیکھ کر کچھ گھبرائے نہیں بلکہ انہوں نے یہی کہا کہ اللہ کے وعدہ میں جس آزمائش کا ذکر تھا یہ وہی آزمائش ہے یہ کہہ کر انہوں نے اپنے انجام کو اللہ پر سونپ دیا اور آخر کار فتح اسلام کے وعدہ پر ان کا یقین اور بڑھ گیا اور وہ سمجھ گئے کہ وعدہ کے ایک ٹکڑے کا جب ظہور ہو گیا تو اب دوسرے ٹکڑے کا ظہور بھی ہوگا اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے اس آیت کے تین برس کے بعد مکہ فتح ہو گیا اور وہ قریش جو مکہ سے مدینہ پر چڑھ کر آئے تھے خود مکہ میں بھی اسلام کے فرمانبردار بن گئے وہ ابو سفیان جو جنگ احزاب میں مشرکوں کے لشکر کا سردار تھا فتح مکہ پر اسلام لاتے ہی پھر ان کا گھر دارالامن ٹھہر گیا کہ عام امن سے پہلے جو کوئی ان کے گھر میں چلا گیا اس کو امن مل گیا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے موافق لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کتنے آدمی دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل کام کریں گے اور کتنے جنت میں داخل ہونے کے قابل اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ علم الٰہی میں بد ٹھہر چکے تھے اس لڑائی میں ان سے مرضی الٰہی کے مخالف کام ظہور میں آئے اور جو لوگ علم الٰہی میں نیک قرار پا چکے تھے ان سے مرضی الٰہی کے موافق کام ظہور میں آئے اشحۃ علیکم کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ لشکر اسلام کی مدد میں خود بھی تنگدل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی یہی سکھاتے ہیں اشحۃ علی الخیر اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی دوسرے مستحق کو لوٹ کے مال میں سے حصہ دیا جاوے تو اپنی تنگ دلی سے یہ لوگ چاہتے ہیں کہ سارا مال یہی سمیٹ لیویں اور کسی کو کچھ نہ دیا جاوے، شاہ صاحب نے 'ڈھے پڑتے ہیں مال پر' جو ترجمہ کیا ہے اس کا یہی مطلب ہے۔

۲۳، ۲۲۔ مسلمانوں کا دل بڑھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مختصر طور پر حضرت انس بن نضر کے قصہ کا ذکر فرمایا ہے جنگ احد کے ذکر میں اس قصہ کا تذکرہ گزر چکا ہے صحیح بخاری کی انس بن مالکؓ سے جو اس قصہ کی روایت سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے[1] اس کا

[1] نیز دیکھئے تفسیر ابن کثیر زیر تفسیر ہذا۔

عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا
قول کیا تھا اللہ سے پھر کوئی ہے ان میں کہ پورا کر چکا اپنا ذمہ اور کوئی ہے ان میں راہ دیکھتا اور بدلا نہیں
تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ
ایک ذرہ تا بدلا دے اللہ سچوں کو ان کے سچ کا اور عذاب کرے منافقوں کو اگر چاہے
اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ ۚ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ
یا توبہ ڈالے ان کے دل پر بے شک ہے اللہ بخشتا مہربان اور پھیر دیا اللہ نے منکروں کو اپنے غصے میں

ماحصل یہ ہے کہ انس بن مالکؓ کے چچا انسؓ بن نضر کسی ضرورت کے سبب سے بدر کی لڑائی میں شریک نہیں ہو سکے تھے اس واسطے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اگر بدر کی لڑائی کے بعد پھر آنحضرتؐ کو کسی لڑائی کا موقع پیش آوے گا تو یہ بڑی جانبازی سے خوب دل کھول کر لڑیں گے جنگ بدر کے بعد جب احد کی لڑائی کا موقع پیش آیا تو انس بن نضرؓ مسلمانوں کے لشکر میں موجود تھے اور مسلمانوں کی شکست کے وقت اللہ تعالیٰ سے انہوں نے سب مسلمانوں کی طرف سے عذر خواہی کی اور اپنا عہد پورا کرنے کو تلوار لے کر دشمن کے لشکر کی طرف بڑھے اور سعد بن معاذؓ ان کو راستہ میں ملے تو انہوں نے سعدؓ سے کہا کہ احد پہاڑ کی جانب سے مجھ کو جنت کی خوشبو آتی ہے اور نہایت جوانمردی کر کے دشمنوں سے لڑے اور کچھ اوپر اسی زخم کھا کر شہید ہوئے اس قصہ کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے یاد دلایا ہے کہ سب مسلمانوں نے جس طرح اللہ کے رسول سے دین کی لڑائی میں جان بازی کرنے کا عہد کیا ہے انس بن نضرؓ کی طرح ان کو اس اپنے عہد پر قائم رہنا چاہیے اور منافقوں کے بہکانے میں ہرگز نہیں آنا چاہیے مجاہد کے قول کے موافق نحب کے معنے عہد کے ہیں، جو لوگ انس بن نضر کی طرح احد کی لڑائی میں شہید تو نہیں ہوئے مگر اس خندق کی لڑائی میں ثابت قدم رہے ان کی یہ تعریف فرمائی کہ وہ بھی اپنی جانبازی کے عہد پر قائم اور عہد کے پورا کرنے کے منتظر تھے اس لیے اس لڑائی میں انہوں نے منافقوں کی طرح اپنے عہد کو نہیں بدلا آخر آیت میں عہد کو سچا کرنے والوں کا اور بدعہدی کرنے والوں کا نتیجہ ذکر فرمایا کہ عہد کو سچا کرنے والوں کے لیے عقبیٰ میں اجر ہے اور بدعہدی کرنے والوں کے لیے عذاب، بدعہدی کرنے والوں میں بعضے لوگ اللہ کے علم میں توبہ کرنے والے بھی تھے اس لیے فرمایا ان میں سے جن کو اللہ چاہے گا آئندہ بدعہدی سے توبہ کرنے کی ان کو توفیق دے گا اور یہ بھی فرمایا کہ توبہ سے پہلے کے گناہوں کے معاف کر دینے میں اللہ بڑا مہربان ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ غفور رحیمی کی صفت اللہ تعالیٰ کو ایسی پیاری ہے کہ اگر دنیا کے موجودہ لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ بجائے ان کے اور ایسے لوگوں کو پیدا کرتا کہ وہ گناہ کر کے توبہ استغفار کرتے اور اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو بخش دیتا۔ یہ حدیث ان اللہ کان غفورا رحیما کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر یہ منافق آئندہ اپنی عادتوں سے توبہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے پچھلے گناہوں کو ضرور معاف کر دے گا۔

(۲۵ تا ۲۷) پہلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا زبردست ہے کہ اپنے مخالفوں کے اتنے بڑے لشکر کو فقط ہوا سے پریشان کر کے ان کے غصہ میں اس طرح انہیں الٹا پھیرا کہ نہ پہنچے وہ کسی بھلائی کو اس کا مطلب یہ ہے کہ فتح مال غنیمت وغیرہ کچھ ان کے ہاتھ نہ لگا اور کافی ہوا اللہ ایمان والوں کو لڑائی سے مطلب یہ کہ مسلمانوں کو دشمنوں کے ساتھ لڑنے کی ضرورت نہیں پڑی فقط

لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا ؕ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ وَاَنْزَلَ

پھر ہاتھ نہ لگی کچھ بھلائی اور آپ اٹھالی اللہ نے مسلمانوں کی لڑائی اور ہے اللہ زور آور زبردست اور اتار دیا

الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ

ان کو جو ان کے رفیق ہوئے تھے کتاب والے ان کی گڑھیوں سے اور ڈالی ان کے دل میں

الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ

دھاک کتنوں کو تم جان سے مارنے لگے اور کتنوں کو بندی کیا اور تم کو ملائی ان کی زمین اور ان کے

اللہ ہی کافی ہوا جو اُس نے کافروں پر ہوا بھیج کر ان کو پریشان کر دیا پھر فرمایا "اتارا ان لوگوں کو جنہوں نے مشرکین مکہ کو مدد دی تھی ان کی گڑھیوں سے اور ڈالی ان کے دلوں میں وحشت ایک فریق کو تم نے قتل کیا اور ایک کو قید"، کتاب والے اس لیے فرمایا کہ یہ لوگ یہودی تھے بنو قریظہ مدینہ کے پاس رہتے تھے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح رکھتے تھے جنگ خندق کے وقت وہ بھی پھر گئے تھے صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت[1] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ خندق سے فارغ ہوئے تو جبرئیل حکم لائے اور لشکر اسلام نے بنی قریظہ کو جا گھیرا بنو قریظہ مدینہ سے چند میل کے فاصلہ پر رہتے تھے، صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت[1] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ظہر کی نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چڑھائی کا حکم اس طرح پر دیا کہ تم لوگ عصر کی نماز بنو قریظہ ہی میں جا پڑھو صحابہؓ کو نماز کا وقت راستہ میں ہو گیا بعض نے راستے میں نماز پڑھی اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض اس حکم سے سفر میں جلدی کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھی اور بعض نے کہا کہ ہم تو بنو قریظہ میں پہنچ کر نماز پڑھیں گے یہ حال سن کر دونوں طریق میں سے کسی کو اللہ کے رسول نے برا نہیں کہا اور خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے روانہ ہوئے[2] مدینہ پر عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو خلیفہ[3] کر کے حضرت علیؓ کو نشان مرحمت کیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کو پچیس روز تک گھیرے رکھا[4] اس کے بعد وہ لوگ سعد بن معاذؓ کے فیصلہ پر رضامند ہوئے اس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ سے بلا بھیجا سعد رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ بنو قریظہ میں سے وہ آدمی مارے جائیں جو لڑائی کر سکتے ہیں اور ان کی اولاد قید کی جاوے اور ان کا مال لوٹا جاوے اس وقت پیغمبر صلعم نے فرمایا جو حکم خدا تعالیٰ نے ساتویں آسمان پر سے دیا تھا تم نے بھی اسی کے مطابق فیصلہ کیا پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھاٹیاں کھودنے کا حکم دیا اور ان کی مشکیں باندھ کر لائے اور ان کی گردنیں ماری گئیں وہ سات سو سے آٹھ سو تک تھے معتبر سند سے ترمذی میں جابرؓ سے روایت[5] ہے کہ ان میں لڑنے کے قابل چار سو تھے غرض جو لڑنے کے قابل تھے وہ قتل کئے گئے اور باقی عورتوں کے ساتھ قید کئے گئے اور ان کے مال لوٹ لیے گئے پھر فرمایا وارث کیا اللہ تعالیٰ نے تم کو ان کی زمین اور گھر اور مال کا اور اس زمین کا کہ جس پر تم نے قدم نہیں رکھے تھے اس زمین میں سلف کا اختلاف ہے کہ جس زمین پر بنی قریظہ کے قصہ تک اللہ کے

[1] صفحہ ۵۹۰/۵۹۱-۲ باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب ومخرجہ الی بنی قریظہ الخ۔ [2] تفسیر معالم التنزیل للبغوی زیر تفسیر آیت ہذا۔ [3] سیرت ابن ہشام ص ۲۳۴ ج ۳ طبع جدید ۱۳۷۵ھ ۱۹۵۵ء دالقاہرہ۔ [4] تفسیر معالم حوالہ مذکور والدر المنثور [5] فتح الباری ص ۶۹ ج ۴ طبع دہلی۔ [6] تفسیر ابن کثیر ص ۴۷۸ ج ۳

وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿٢٧﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ

مال اور ایک زمین کا جس پر نہیں پھیرے تھے اپنے قدم اور ہے اللہ سب چیز کر سکتا اے نبی

قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ

کہہ دے اپنی عورتوں کو اگر تم ہو چاہتیاں دنیا کا جینا اور یہاں کی رونق تو آؤ کچھ فائدہ دوں

رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے فتح کے طور پر عمل دخل نہیں کیا تھا وہ کونسی زمین ہے، حافظ ابوجعفر ابن جریرؒ[1] نے اس اختلاف کا یہ فیصلہ کیا ہے کہ بنو قریظہ کے قصہ کے بعد مکہ خیبر یمن فارس روم جتنے مقامات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمت کے زمانہ میں فتح ہوئے وہ سب اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ میں داخل ہیں، مسند امام احمد اور نسائی کے حوالہ سے براء بن عازبؓ کی معتبر روایت ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں خندق کھودتے وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مقامات کے فتح ہونے کی خوشخبری صحابہ کو سنائی جو مقامات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فتح ہوئے اس حدیث سے حافظ ابوجعفر ابن جریر کے فیصلہ کی پوری تائید ہوتی ہے، صحیح بخاری کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرؓ کی روایت اوپر گذر رہی اس میں تو یہی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو یہ حکم دیا کہ عصر کی نماز بنی قریظہ کے مقام پر پہنچ کر پڑھیں لیکن صحیح مسلم کی روایت میں بجائے عصر کے ظہر کا نام ہے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں صحیح بخاری کی روایت کو ترجیح دی ہے[2] جو اصول حدیث کے قاعدہ کے موافق ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ صحت روایت کے لحاظ سے صحیح بخاری صحیح مسلم پر مقدم ہے حافظ ابن قیمؒ نے اس نماز کے باب میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ جن صحابہؓ نے بنی قریظہ کے راستہ میں وقت پر نماز پڑھی اور پھر جلدی سے بنی قریظہ کے مقام پر پہنچ گئے ان کو نماز پڑھ لینے کا اجر زیادہ ملے گا کیونکہ انہوں نے وقت پر نماز پڑھنے کے حکم اور بنی قریظہ کے مقام پر جلد پہنچنے کے حکم ان دونوں حکموں کی تعمیل کی، وکان اللہ علیٰ کل شئی قدیرا اس کا مطلب یہ ہے کہ بنی قریظہ پر فتح دینے کے علاوہ اور بہت سی فتوحات بھی اللہ کی قدرت سے باہر نہیں ہیں، مسند امام احمد و نسائی کے حوالہ سے براء بن عازبؓ کی معتبر حدیث جو اوپر گذر چکی، وہ آیت کے اس ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے کیونکہ اس حدیث سے آیت کے اس وعدہ کا ظہور اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔

٢٨ تا ٣٤۔ بنو قریظہ کے قصہ کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بیوں کا ذکر اس سبب سے آیا کہ بنو قریظہ کا اکثر مال اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کو دے دیا تھا جس کے سبب سے مہاجرین کو کسی قدر آسودگی ہوگئی تھی۔ مہاجرین کی یہ آسودگی دیکھ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بیوں کو بھی آسودگی کا خیال ہوا اور انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نان نفقہ کی مقدار میں کچھ زیادتی کر دینے کی خواہش پیش کی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواہش کے پورا کر دینے کو اپنا اختیار سے باہر دیکھا اس لیے ان کی خواہش کو سن کر آپ کو ایک طرح کا رنج ہوا اسی رنج کے سبب سے آپ نے مہینہ بھر تک گھر میں نہ آنے کی قسم کھائی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے اس رنج کے فیصلہ کے طور پر یہ آیتیں نازل فرمائیں، یہ شان نزول جابر بن عبداللہؓ کی روایت سے صحیح مسلم[3] میں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بی بیوں کے نان نفقہ کے معاملہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ

[1] تفسیر ابن جریر ص ١٥٥ ج ٢١۔ [2] فتح الباری ص ٤٧ ج ٤ [3] مشکوٰۃ ص ٢٨١ باب عشرۃ النساء الخ

وَ اُسَرِّحۡكُنَّ سَرَاحًا جَمِيۡلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنۡ كُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَالدَّارَ الۡاٰخِرَةَ فَاِنَّ

تم کو اور رخصت کردوں بھلی طرح ـــــ اور اگر تم ہو چاہتیاں اللہ کو اور اس کے رسول اور پچھلے گھر کو تو

اللّٰهَ اَعَدَّ لِلۡمُحۡسِنٰتِ مِنۡكُنَّ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۲۹﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِىِّ مَنۡ يَّاۡتِ مِنۡكُنَّ

اللہ نے رکھ چھوڑا ہے ان کو جو تم میں نیکی پر ہیں نیگ بڑا ـــــ اے نبی کی عورتو جو کوئی لاوے تم میں کام

بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفۡ لَهَا الۡعَذَابُ ضِعۡفَيۡنِ‌ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرًا ﴿۳۰﴾

بے حیائی کا صریح ـــــ دونی ہو اس کو مار دوہری ـــــ اور یہ ہے اللہ پر آسان

علیہ وسلم نے یہ قسم کھائی تھی کہ مہینہ بھر تک آپ گھر میں نہ آویں گے صحیح بخاری[1] و مسلم میں حضرت عمرؓ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی جو روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حفصہؓ کے معاملہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ قسم کھائی تھی کہ مہینہ بھر تک آپ گھر میں نہ آویں گے اور اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اس بات میں تو ان دونوں حدیثوں کا مضمون ایک ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قسم کھائی تھی اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں مگر قسم کھانے کا سبب دونوں روایتوں میں الگ الگ ہے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری[2] میں اس اختلاف کے بیان کو یوں رفع کر دیا ہے کہ دونوں سببوں کے مجموعہ پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ قسم کھائی اور آپ کی قسم کے فیصلہ کے طور پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اس تفسیر میں ایک جگہ گزر چکا ہے کہ چند باتوں کے مجموعہ پر اکثر آیتیں نازل ہوئی ہیں حضرت حفصہؓ کے قصہ کی پوری تفصیل تو سورۃ التحریم میں آوے گی مگر صحیح بخاری و مسلم کی حضرت عائشہؓ کی روایت[3] کے موافق اس قصہ کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر حضرت زینبؓ کے حجرہ میں جا کر بیٹھا کرتے تھے اور بارہا حضرت زینب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر داری کے طور پر شہد آپ کے سامنے رکھا کرتی تھیں اور آپ وہ شہد چاٹا کرتے تھے حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ کو یہ امر ناگوار ہوا اس لیے ان دونوں نے آپس میں صلاح کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ آپ کے منہ میں سے بری بو آتی ہے یہ بات سن کر آپ نے حضرت زینبؓ کے حجرہ میں زیادہ بیٹھنے اور شہد کے چاٹنے کی قسم کھائی اور حضرت حفصہؓ کو منع کیا کہ اس قسم کے کھانے کا تذکرہ کسی سے نہ کرنا اس ممانعت سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ اس کا چرچہ ہو کر حضرت زینبؓ کو اس کا رنج ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حجرہ میں زیادہ بیٹھنا چھوڑ دیا حضرت عمرؓ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث جو اوپر گزری اس میں یہ ہے کہ حضرت حفصہؓ نے اس ممانعت کی پابندی نہیں کی اور اسی پر خفا ہو کر مہینہ بھر تک گھر میں نہ آنے کی قسم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کھائی تھی، حاصل مطلب ان آیتوں کا وہی ہے جو ترجمہ میں ہے کہ اے نبی اللہ کے تم اپنی بی بیوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی رونق چاہتی ہو تو آؤ فائدہ دوں میں تم کو اور رخصت کردوں تم کو رخصت کرنا اچھا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی رونق کی خواہش رسول کے گھر میں پوری نہیں ہو سکتی اس لئے آؤ تم کو کچھ دے کر طلاق دے دی جاوے پھر فرمایا اگر تم اللہ اور اس کے رسول کو اور آخرت کی بہبودی کو چاہتی ہو تو اللہ تعالیٰ نے رکھ چھوڑا ہے واسطے نیکی کرنے والیوں کی تم

[1] صفحہ ۷۸۱ ج ۲ باب موعظۃ الرجل ابنتہ لحال زوجہا۔ [2] صفحہ ۲۹۹ ج ۴ طبع دہلی۔
[3] مشکوۃ ص ۲۸۳ باب الخلع والطلاق۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ

اور جو کوئی تم میں اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور کرے کام نیک دیں ہم اس کو اس کا نیگ دو بار

وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ

اور رکھی ہے اس کے واسطے روزی عزت کی اے نبی کی عورتو تم نہیں ہو جیسے ہر کوئی عورتیں اگر تم ڈر رکھو

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾

سو تم دب کر نہ کہو بات پھر لالچ کرے کوئی جس کے دل میں روگ ہے اور کہو بات معقول

میں سے اجر بڑا ان دونوں آمریں ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے اللہ کو اور اس کے رسول کی رضامندی کو اختیار کیا اور دنیا کی زندگی پر آخرت کے گھر کو ترجیح دی بعد اس کے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دنیا کی خوبی اور آخرت کے ثواب کو جمع کر دیا صحیح بخاری[1] میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلعم کو ازواج مطہرات کے دنیا یا آخرت کو پسند کرنے کا اختیار دیا تو اللہ کے رسول پہلے پہل میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا میں تم کو ایک بات بتاتا ہوں مگر تم اپنے ماں باپ کے مشورہ بغیر اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا اس کے بعد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کو مجھے سنایا میں نے عرض کیا میں تو اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہوں دوسری روایت[2] میں بخاری نے اس قدر اور زیادہ بیان کیا ہے کہ اس کے بعد آپ کی سب ازواج نے ایسا ہی کیا جیسے میں نے کیا پھر فرمایا" اے نبی کی عورتو جو لاوے تم میں سے کوئی بے حیائی ظاہر دوچند ہو اس کو عذاب اور ہے یہ اللہ پر آسان اور جو کوئی تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرے اور کام بھی اچھے کرے دیں ہم اس کو اجر دو بارہ اور تیار کی ہم نے اس کے واسطے روزی عزت کی۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو جنہوں نے خدا اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو پسند کیا خاص حکم فرمایا وہ یہ ہی ہے کہ ان میں سے جو کھلی بے حیائی کرے گی اس کے واسطے دوچند عذاب ہے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول[3] ہے کہ یہاں بےحیائی سے مراد نافرمانی[4] ہے غرضکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بیاں بڑے مرتبہ والیاں تھیں تو بھی مناسب تھا کہ ان کے قصور کو بھی سخت ٹھہرایا جاوے کیوں کہ ان کی حفاظت اسی میں ہے مجاہدؒ کا قول ہے کہ دوچند عذاب سے مقصود دنیا اور آخرت کا عذاب ہے اب آگے فرمایا اے نبی کی بی بیو اگر تم اللہ سے ڈر کر نیک کام کرتی رہو گی تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا مرتبہ امت کی نیک عورتوں سے دنیا اور عقبیٰ میں بڑھ کر ہے کیوں کہ دنیا میں امت کے ہر مرد کو حکم ہے کہ وہ اپنی ماں کے برابر تمہاری عزت کرے اور عقبیٰ میں اللہ کے رسول کے ساتھ جنت کے اعلیٰ درجہ میں تمہارا مقام ہوگا اور جب امت کے ہر مرد کو حکم ہے کہ وہ اپنی ماں کے برابر تمہاری عزت کرے کسی بدکار مرد سے تم ایسی دبی ہوئی عورتوں کی سی بات نہ کرو جس سے اس بدکار شخص کے دل میں کوئی برا خیال پیدا ہو اور اسلام سے پہلے جس طرح عورتیں اپنا بناؤ سنگار اجنبی مردوں کو دکھاتی پھرتی تھیں اس طرح کی عادت بھی تم میں نہیں ہونی چاہئے بلکہ تم تو

[1] صفحہ ۷۰۱، جلد ۲ باب من خیر لنساء الخ۔ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۴۸۰ ج ۳۔ [3] تفسیر ابن کثیر ص ۴۸۱ ج ۳۔
[4] یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بحیثیت خاوند، عدم اطاعت (ع، ح)

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ

اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور نہ دکھاتی نہ پھرو جیسا دکھانا دستور تھا پہلے وقت نادانی کے اور کھڑی رکھو نماز اور دیتی رہو زکوٰۃ

وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ

اور اطاعت میں رہو اللہ کی اور اس کے رسول کی اللہ یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں اس گھر والوں سے

اپنے گھروں میں بیٹھ کر نماز زکوٰۃ اور اسی طرح کے اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کے کاموں میں لگی رہو۔ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے کہ اللہ کے بندوں میں سب سے بڑا مرتبہ انبیاء کا ہے ان کے بعد صدیقوں کا ان کے بعد شہیدوں کا اور پھر عام نیک لوگوں کا۔ صدیق وہ ہیں جن میں وحی کی صداقت کا مادہ زیادہ ہو صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی وہ حدیث بھی ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو اللہ تعالیٰ نے سب انبیاء پر فضیلت دی ہے سورۃ النور میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ اچھے لوگوں کے نکاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے اچھی عورتوں کو منتخب کیا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ جب انبیاء سب بندوں میں اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیاء میں افضل ہیں تو جن بی بیوں کو اللہ تعالیٰ نے افضل الانبیاء کے نکاح کے لئے منتخب کیا ہے ان کی فضیلت کا کیا ٹھکانا ہے اسی واسطے فرمایا ان کی فضیلت کے موافق ان کا اجر بھی دوگنا ہے اور اس فضیلت میں بٹہ لگانے کی صورت میں سزا بھی دوگنی ہے اور اللہ کی قدرت کے آگے نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویوں کی طرح کسی نبی کی نافرمان بیوی کو سزا میں پکڑ لینا کچھ مشکل نہیں وقلن قولا معروفا اس کا مطلب یہ ہے کہ غیر مرد سے بات کرنے میں شریعت کی پابندی کا لحاظ رکھو وقرن فی بیوتکن میں بعضے سلف نے قَرْنَ کو وقار سے لیا ہے اور بعضوں نے قرار سے پہلی صورت میں یہ معنے ہیں کہ اے نبی کی بیویو تم اپنے گھروں میں عزت اور وقار سے بیٹھی رہو کوئی بات اپنے رتبہ کے برخلاف نہ کرو دوسری صورت میں یہ معنے ہیں کہ بلا ضرورت گھروں کے باہر نہ نکلو، اس سورہ میں آگے پردہ کا حکم ہے اس لیے آیت میں یہ ٹکڑا گویا پردہ کی پیش بندی ہے صحیح بخاری ومسلم میں ابوہریرہؓ سے اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ اسلام سے پہلے جس طرح بت پرستی دنیا میں پھیلی ہوئی تھی قیامت کے قریب دنیا میں وہی حال پھر ہو جاوے گا اسلام سے پہلے کی حالت کو الجاھلیۃ الاولیٰ جو فرمایا اس کا مطلب ان روایتوں سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے قریب دوسری دفعہ نادانی کا زمانہ پھر آنے والا ہے۔

۳۳، ۳۴۔ اوپر سے ازواج مطہراتؓ کا ذکر چلا آتا ہے اس واسطے بعضے علماء نے تو یہ کہا ہے کہ یہ آیت خاص کر ازواج کی ہی شان میں نازل ہوئی اور اکثر حدیثوں میں یہ جو آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ اور حضرت امام حسنؓ امام حسینؓ کو ایک کپڑے کی آڑ اور اوجھل میں کیا اور یہ دعا مانگی کہ یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں ان کو پاک فرما دے ان حدیثوں کے سبب سے بعضے علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت خاص کر حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ اور حضرت حسینؓ کی ہی شان میں ہے ازواج مطہرات اس آیت کے حکم میں داخل نہیں ہیں لیکن جب کہ قرآن شریف کی عبارت کا ڈھنگ ایسا ہے کہ اوپر سے ازواج مطہرات کا ذکر چلا آتا ہے اور اس آیت کے بعد بھی ازواج مطہرات کا ذکر ہے اور جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ حضرت

[1] مشکوٰۃ ص ۴۸۱ باب لا تقوم الساعۃ الا علی شرار الناس۔ [2] تفسیر فتح البیان ص ۲۱۹ ج ۷ (مطبع بھوپال) میں یہ روایات مذکور ہیں۔

وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ

اور ستھرا کر دے تم کو ایک ستھرائی سے اور یاد کرو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھر میں اللہ کی باتیں اور عقلمندی کی مقرر اللہ ہے

كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ﴿۳۴﴾

بھید جانتا خبردار

فاطمہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو کپڑے کی آڑ میں لیا تو ترمذی کی ام سلمہ کی معتبر روایت[۱] میں یہ بھی صراحت آچکی ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ کیا حضرت میں آپ کے اہل بیت میں داخل نہیں ہوں اس پر آپ نے کچھ انکار نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا کہ تم اللہ کے رسول کی بی بی ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے رسول کی بی بی کی شان میں تو یہ آیتیں نازل ہی ہوئی ہیں پھر باوجود اس کے یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ ازواج مطہرات اس آیت کے حکم میں داخل نہ ہوں اسی طرح جب بہت سی صاف و صریح روایتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ اور حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو ایک جگہ کرنا اور ان کو کپڑا اوڑھنا اور ساص کر ان کے لیے اس آیت کے صادق آنے کی دعا فرمانا آچکا ہے تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اس آیت کے حکم میں ان کو داخل نہ سمجھا جائے اس واسطے اس باب میں شاہ صاحب نے موضح القرآن میں جو فیصلہ کیا ہے کہ آیت کے حکم میں ازواج اور آنحضرت کے گھر والے دونو شریک ہیں یہی فیصلہ ٹھیک ہے کیوں کہ یہ فیصلہ صحیح مسلم کی زید بن ارقمؓ کی روایت[۲] کے موافق ہے جس روایت کا حاصل یہ ہے کہ زید بن ارقمؓ سے کسی شخص نے اہل بیت کے معنے پوچھے تو انہوں نے کہا اہل بیت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اور گھر والے سب داخل ہیں صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے اور معتبر سند سے مستدرک حاکم بیہقی وغیرہ میں واثلہ بن الاسقع سے جو روایتیں ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ حضرت حسنؓ اور ایک حضرت حسینؓ کو ایک کپڑے کی آڑ میں لیا اور یہ کہا کہ یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں مطلب یہ ہے کہ ازواج مطہراتؓ کی طرح یہ بھی میرے اہل بیت[۳] ہیں حاصل یہ ہے کہ اس آیت کے موافق ان روایتوں کے مضمون میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں بھی داخل ہیں یہ زید بن ارقم انصاریؓ قبیلہ خزرج میں کے وہی مشہور صحابی ہیں جن کے سچے ہونے کی صداقت خود اللہ تعالیٰ نے سورہ منافقون میں نازل فرمائی ہے جس کا قصہ ترمذی اور مستدرک حاکم کی صحیح روایتوں میں ہے اس قصہ کی تفصیل سورہ منافقون میں آوے گی حاصل کلام یہ ہے جس طرح کہ سورہ توبہ کا آیت کا ٹکڑا لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مسجد نبوی اور مسجد قبا دونوں مسجدوں کے باب میں ہے اسی طرح یہ آیت ازواج مطہرات حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ حضرت حسنؓ حسینؓ سب کے باب میں ہے حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کے گھر والوں کو بے شرع باتوں سے پاک صاف رکھنا چاہتا ہے اس لئے نبی کی بی بیوں کو چاہئے کہ دینی نصیحت کی آیتیں جو ان کے گھروں میں نازل ہوا کرتی ہیں اس نصیحت کو دل سے یاد رکھیں اور یہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید کو خوب جانتا ہے مطلب یہ ہے کہ قرآن کی نصیحت کے موافق جو

[۱] فتح البیان [۲] ایضاً ص ۷ ۱۶ ج ۳۔

[۳] فتح البیان ص ۷ ۱۶ ج ۳ و نیز ان روایات کی تفصیل تفسیر ابن کثیر ص ۸۲ ۴ ۔ ۸۷ ۴ ج ۳ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ (ع ح)

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ

تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں اور بندگی کرنے والے مرد اور بندگی کرنے والی عورتیں

وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ

اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور محنت سہنے والے مرد اور محنت سہنے والی عورتیں اور دبے رہنے والے مرد اور دبی رہنے

وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ

والی عورتیں اور خیرات دینے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور تھامنے والے مرد اپنی شہوت

کام کیا جاوے وہ دل کے ارادہ سے ہونا چاہئے اوپری دل کا کوئی کام درگاہ الٰہی میں مقبول نہیں ہے۔

۳۵۔ مسند امام احمد نسائی اور طبرانی میں ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت[1] ہے کہ انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا سبب ہے کہ میں قرآن شریف میں مردوں کا ذکر سنتی ہوں اور عورتوں کا قرآن میں کوئی ذکر نہیں ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اسی مضمون کی ایک حدیث ترمذی میں ام عمارہ انصاریہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بھی ہے جس کو ترمذی نے حسن کہا ہے اسی طرح معتبر سند سے طبرانی[2] میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عورتوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والے مردوں کو تو قرآن شریف میں یاد فرماتا ہے اور ایمان والی عورتوں کا ذکر تک نہیں اس پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی جس طرح زبان سے آدمی دین کی باتوں کا اقرار کرے اگر اس کے دل میں بھی ان باتوں کی پوری صداقت اسی طرح ہے تو ایسے شخص کو ایماندار کہتے ہیں اور جو شخص ایسا ہے کہ زبان سے تو دین کی باتوں کا پورا اقرار کرتا ہے لیکن تکلیف کے وقت دل سے ان باتوں پر پورا قائم نہیں رہتا تو اس کو مسلمان کہتے ہیں اسی واسطے مسلمان اور ایماندار دو لفظ فرمائے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت[3] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ صدقہ و خیرات کے مال کی تقسیم کے وقت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو ایماندار کہا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو مسلمان کہا اور یہ بھی فرمایا کہ بعضے لوگوں کو یہ مال میں اس لئے دیتا ہوں کہ اگر ان کو کچھ نہ دیا جائے تو وہ ظاہری اسلام کو چھوڑ کر دوزخیوں کے کام کرنے لگیں مسلمان اور ایماندار کا فرق اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے، زیادہ تفصیل اس کی سورۃ الحجرات میں آوے گی آرام کے وقت عبادت کرنے کو قنوت کہتے ہیں جیسا کہ اور کئی آیتوں میں قانت کا لفظ عبادت کے معنوں میں آتا ہے پھر فرمایا کہ سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں سچ ایمان کی ایسی علامت ہے جیسا جھوٹ نفاق کی اس لئے سچ کو لازم پکڑنا چاہئے کیوں کہ وہ نیکی کا رہنما ہے اور نیکی جنت کا رستہ بتاتی ہے اور جھوٹ بدکاری کا رہبر ہے اور بدکاری کا ثمرہ دوزخ ہے سچ بولنے والا خدا کے نزدیک صدیق لکھا جاتا ہے اور جھوٹا کذاب جیسا کہ صحیح حدیثوں[4] میں اس کا ذکر تفصیل سے آیا ہے جو انسان سچ بولتا ہے تو لوگ اس کے مخالف ہو کر درپے ایذا ہوتے ہیں اس واسطے فرمایا کہ تکلیف کے وقت صبر کرنیوالے

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۸۰ ج ۳۔ [2] تفسیر الدر المنثور ص ۲۰۰ ج ۵، [3] مشکوٰۃ ص ۳۵۲ باب قسمۃ الغنائم والغلول فیہا فصل تیسری
[4] مشکوٰۃ ص ۴۱۲ باب حفظ اللسان الخ۔

فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ

کی جگہ اور تھامنے والی عورتیں اور یاد کرنے والے مرد اللہ کو بہت اور یاد کرنے والی عورتیں رکھی ہے اللہ نے ان کے واسطے معافی

اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ

اور نیگ بڑا اور کام نہیں کسی ایماندار مرد کا نہ عورت کا جب ٹھہرا دے اللہ اور اس کا رسول کچھ کام کہ ان کو رہے

مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، لیکن صبر لائق اعتبار وہی ہے جو پہلے ہی صدمہ پہ کیا جاوے پھر تو صبر آسان ہو جاتا ہے بعد صبر کے خشوع کا مرتبہ پیدا ہو جاتا ہے جس میں طبیعت پر خدا کا خوف چھا جاتا ہے اس وقت اس کے سامنے حال کچھ حقیقت نہیں رکھتا اس لئے وہ اللہ کی راہ میں ضعیف مسکینوں کو خیر خیرات کرتا ہے اس واسطے فرمایا کہ خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں خیرات اور روزہ کی فضیلت میں بہت صحیح حدیثیں آئی ہیں جب کہ روزہ خواہش نفسانی سے روکنے میں بڑا مددگار ہے جیسا کہ حدیث[1] میں ہے اے جوانو تم میں سے جو نکاح کی طاقت رکھتا ہے اس کو نکاح کر لینا چاہئے اس لئے کہ نکاح حرام چیزوں کے دیکھنے سے آنکھوں کو روکنے والا اور شرمگاہ کا نگہبان ہے اور جس کو نکاح کی طاقت نہ ہو تو اسے اپنے آپ پر روزہ لازم کرنا چاہئے، پھر فرمایا کہ اپنے شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور بہت یاد کرنے والی عورتیں ان اوصاف کے مرد اور عورتوں کا انجام یہ ہے کہ تیار کر رکھی ہے اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور رکھا ہے ثواب بڑا حاصل مطلب یہ ہے کہ جو باتیں اس آیت میں ذکر کی گئیں ہیں جس مرد یا عورت میں یہ باتیں ہوں گی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے مرد اور ایسی عورتوں کو بڑا اجر عنایت فرمائیگا کہ وہ ہمیشہ کے لیے جنت میں رہ کر طرح طرح کی راحت پا دیں گے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت کی حدیث قدسی کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا جنت کی نعمتوں کو نہ کسی نے آنکھوں سے دیکھا نہ کانوں سے سنا نہ کسی کے دل میں اس کا خیال گزر سکتا ہے اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے کہ جس اجر کو اللہ تعالیٰ نے بڑا فرمایا ہے وہ جنت کی ایسی نعمتیں ہیں جن کی تفسیر انسان کی طاقت سے باہر ہے کیوں کہ جو چیز ایسی ہے کہ نہ انسان آنکھوں سے اس کو دیکھ سکتا ہے نہ کانوں سے سن سکتا ہے نہ دل میں اس کا تصور گزر سکتا ہے تو ایسی چیز کی تفسیر انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔

۳۶ تا ۴۰۔ تفسیر سدی تفسیر ابن جریر[2] اور تفسیر ابن مردویہ وغیرہ میں جو شان نزول ان آیتوں کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے بیان کی گئی ہے اس کا حاصل وہی ہے جو شاہ صاحب نے موضح القرآن میں بیان کیا ہے کہ حضرت زینبؓ اور ان کے رشتہ دار پہلے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر بھی حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت زید بن حارثہؓ کے ساتھ کرنے پر راضی نہیں تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی مختصر طور پر یہ شان نزول صحیح بخاری[3] میں بھی انس بن مالکؓ کی روایت سے ہے اب اس زینبؓ کے قصہ میں اللہ تعالیٰ نے خفگی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جو فرمایا ہے کہ اے نبی جس چیز کو اللہ دنیا میں ظاہر کرنا چاہتا ہے اس کو تم اپنے دل ہی دل میں کیوں چھپاتے ہو اگرچہ مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے

[1] مشکوٰۃ کتاب النکاح۔ [2] تفسیر الدر المنثور ص ۲۰۱، ۲۰۳ ج ۵۔ [3] صفحہ ۷۰۶ ج ۲ کتاب التفسیر۔

لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ﴿۳۶﴾

اختیار اپنے کام کا اور جو کوئی بے حکم چلا اللہ کے اور اس کے رسول کے سو راہ بھولا صریح چوک کر

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ

اور جب تو کہنے لگا اس شخص کو جس پر اللہ نے احسان کیا اور تو نے احسان ریہنے دے اپنے پاس اپنی جورو اور ڈر

اس قول کے طرح طرح کے معنے بیان کئے ہیں اور کچھ آثار بھی اپنے معنوں کی تائید میں ذکر کئے ہیں مگر حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری[۱] میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی روایت اور نہ کوئی معنے صحیح نہیں ہیں جو تفسیر سدی اور تفسیر ابن ابی حاتم میں بیان کئے گئے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ اور حضرت زینبؓ کا نکاح کیا اسی وقت اللہ تعالے نے وحی خفی کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ زمانہ جاہلیت کی یہ رسم اب آئندہ قائم نہ رہنے کی کہ متبنی بیٹا اور اصلی بیٹا شریعت میں برابر گنا جاوے اور متبنی کی بیوی متبنی لینے والے کو حلال نہ ہو اور اس رسم کو اللہ تعالیٰ زیدؓ اور زینبؓ کے نکاح کے برس ہی دن کے بعد یوں موقوف فرمادیوے گا کہ زیدؓ اور زینبؓ کے مزاج کی موافقت نہ ہوگی اور زیدؓ زینبؓ کو طلاق دیویں گے اور اللہ کے حکم سے آخر اسے نبی زینبؓ تمہارے نکاح میں آدیں گی لیکن یہ رسم عرب میں ایک بڑی قدیمی رسم تھی اس واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وحی خفی کی بات کو صریح آیت کے نازل ہونے سے پہلے اس خیال سے لوگوں پر ظاہر نہیں فرمایا کہ ایک قدیم رسم کے ٹوٹنے سے لوگوں میں ایک کھل بلی مچ جاوے گی اسی پر اللہ تعالیٰ کی خفگی ہوئی اس کے سوا جو کچھ مفسروں نے لکھا ہے اس سب کو حافظ[۲] ابن کثیرؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے ضعیف[۳] ٹھہرایا ہے اور خود قرآن شریف سے بھی اس تفسیر کی پوری تائید ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے وعدہ فرمایا کہ اے نبیؐ جو بات تمہارے دل میں ہے اللہ تعالےٰ اس کو ظاہر کرنے والا ہے پھر آگے اللہ تعالیٰ نے جو ظاہر فرمایا وہ یہی ہے کہ جاہلیت کی رسم موقوف اور متبنی کی بی بی کا نکاح متبنی لینے والے کو جائز ہے اگر اس کے سوا کوئی اور بات آنحضرتؐ کے دل میں ہوتی مثلاً نکاح سے پہلے حضرت زینبؓ کے نکاح کی خواہش یا ان کی الفت یا ان کی خوبصورتی کی عظمت تو اللہ تعالےٰ اپنے وعدے کے موافق ضرور اس کا ذکر قرآن شریف میں فرماتا، زینبؓ کی ماں کا نام امیمہؓ بنت عبدالمطلب اور زینبؓ کے بھائی کا نام عبداللہ بن جحش ہے جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے یہ درخواست کی کہ زینبؓ کا نکاح زیدؓ بن حارثہ سے کر دیا جاوے تو ان لوگوں نے اس درخواست کے منظور کرنے سے انکار کیا اس پر اللہ تعالےٰ نے پہلی آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ امیمہؓ بنت عبدالمطلب اور عبداللہ بن جحش یا کسی ایماندار مرد اور عورت کو جائز نہیں کہ اللہ کی مرضی کے موافق اللہ کے رسول کسی کام کا کر ناٹھہرادیں تو یہ لوگ اس کام کے پورا ہونے میں خلل ڈالیں کیوں کہ یہ خلل گناہ ہے اور جو شخص ایسا گناہ کرے گا وہ دین کے سیدھے راستے سے دور جا پڑے گا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد زینبؓ کے رشتہ دار زینبؓ کا نکاح زید بن حارثہؓ کے ساتھ کر دینے کو راضی ہو گئے اور نکاح ہو گیا اور پھر اس نکاح کے بعد

[۱] صفحہ ۴۰۰ ج ۴ کتاب التفسیر۔ [۲] تفسیر ابن کثیر ص ۴۹۱ ج ۳۔ [۳] فتح الباری ص ۴۰۰ ج ۴۔

اللّٰهُ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ

اللہ سے اور تو چھپاتا تھا اپنے دل میں ایک چیز جو اللہ اس کو کھولا چاہتا ہے اور تو ڈرتا تھا لوگوں سے اور اللہ سے زیادہ چاہیے ڈرنا تجھ کو

فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي

پھر جب زید تمام کر چکا اس عورت سے اپنی غرض ہم نے وہ تیرے نکاح میں دی تا نہ رہے سب مسلمانوں پر گناہ

زیدؓ اور زینبؓ کی جب موافقت نہ ہوئی اور زیدؓ نے زینبؓ کی بدزبانی کی شکایت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش کر کے زینبؓ کو چھوڑ دینا چاہا تو اللہ کے رسول نے یہ خیال کیا کہ اس نکاح میں میرا قدم درمیان میں ہے اسی خیال سے آپ نے زیدؓ کو وہ نصیحت کی جس کا ذکر آگے کی آیت میں ہے کہ اے رسول اللہ کے تم اپنا قدم درمیان میں ہونے کے سبب سے لوگوں کی بدگوئی سے ڈرتے ہو اور زیدؓ کو یہ نصیحت کرتے ہو کہ وہ زینبؓ کو نہ چھوڑے اور وحی خفی کے طور پر جو بات اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل میں ڈال دی ہے اسی اندیشہ سے اس کو زبان پر نہیں لاتے کہ لے پالک کی بیوی سے نکاح کروں گا تو طرح طرح کی بدگوئی سنی پڑے گی لیکن اللہ تعالیٰ کو زمانہ شرک کی اس رسم کو اسی طرح مٹانا منظور ہے جس طرح اس نے ساتھ کے ساتھ دو بہنوں کے نکاح میں رکھنے کی رسم کو مٹایا پھر فرمایا زیدؓ نے جب کہ زینبؓ کو چھوڑ دیا ہے اور عدت کی مدت بھی گزر چکی ہے تو اللہ تعالیٰ نے زینبؓ کو تمہارے نکاح میں اس لیے دیا کہ مسلمان لوگ لے پالک کو اصلی بیٹا سمجھ کر اس کی بیوی سے نکاح کرنے کو گناہ نہ خیال کریں پھر فرمایا اللہ کا جو ارادہ ہے وہ پورا ہو کر رہتا ہے اس کے ارادہ کو کوئی روک نہیں سکتا پھر فرمایا جو بات اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے ٹھہرادی اے نبی نہ تم کو اس کے کرنے میں کسی کی بدگوئی کا کچھ اندیشہ کرنا چاہیے نہ تم سے پہلے کے نبی ایسی باتوں میں کسی کی بدگوئی کا اندیشہ کیا کرتے تھے پھر فرمایا نیکوں کی فرمانبرداری اور بدوں کی بدگوئی کے حساب و کتاب کے لیے اللہ کا علم کافی ہے ایک دن ان سب باتوں کا حساب و کتاب ہو کر جزا و سزا کا فیصلہ ہو جاوے گا پھر فرمایا لوگوں کے زید بن محمد کہنے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم غیر کی اولاد کے باپ نہیں ہو سکتے وہ تو غیروں کے حق میں اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں پھر فرمایا اللہ کا علم بہت وسیع ہے اس نے ہر بات اپنے علم کے موافق ٹھہرائی ہے اس میں کسی کو کچھ دخل نہیں دینا چاہیے زینبؓ کے اس نکاح پر بعضے عیسائیوں نے اور ان کے دیکھا دیکھی بعضے آریوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں طرح طرح کی بدگوئی جو کی ہے واللہ احق ان تخشاہ سے اس بدگوئی کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ نے یہ کر دیا ہے کہ اے رسول اللہ کے تم کو لوگوں کی بدگوئی سے کچھ نہ ڈرنا چاہئے بلکہ تم اللہ سے ڈرو اور جس طرح اللہ کو منظور ہے کہ شرک کے زمانہ کی ایک رسم آئندہ قائم نہ رہے اس کے موافق تم کو بلا تامل عمل کرنا چاہئے

قصہ زیدؓ آریوں اور عیسائیوں کے جوابات، اس فیصلہ قرآنی کے بعد اگرچہ مسلمانوں کو کسی بدگو کی بدگوئی کا کچھ اندیشہ نہیں لیکن مخالفوں کے قائل کرنے کے لئے بعضے مسلمانوں نے اس بدگوئی کا جو جواب دیا ہے اس کا خلاصہ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) ملت ابراہیمی میں ساتھ کے ساتھ دو بہنوں سے نکاح کرنا جائز تھا اس لیے یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں لیا اور

أَزْوَاجِ أَدْعِيَآئِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُولًا ۝۳۷ مَا كَانَ

نکاح کرنا جورو میں اپنے لے پالکوں کی جب وہ تمام کریں ان سے اپنی غرض اور ہے اللہ کا حکم کرنا نبی پر کچھ مضائقہ

عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهُ ۖ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ

نہیں اس بات میں جو ٹھہرا دیا اللہ نے اس کے واسطے دستور رہا ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو گزرے پہلے

راحیل یہ دو بہنیں ساتھ کے ساتھ موجود تھیں جس کا ذکر تورات کے حصہ سفر التکوین باب ۲۹ میں ہے، شریعت موسوی میں ملت ابراہیمی کا یہ مسئلہ منسوخ ہو گیا جس کا ذکر توراۃ کے حصہ سفر الاحبار کے باب ۱۸ میں ہے۔

(۲) صحیح بخاری کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اوپر گزر چکی ہے کہ لے پالک کو اصل بیٹا قرار دینے کا طریقہ زمانہ شرک کا ایک طریقہ تھا پہلی کسی شریعت میں اس کا کوئی حکم نہیں ہے۔

(۳) لے پالک کو اصلی بیٹا قرار دینے کا طریقہ اگر پہلے کی شریعت کے حکم سے ہوتا اور قرآن سے وہ حکم منسوخ ہو جاتا تو اس صورت میں بھی عیسائی لوگ اسلام پر کچھ اعتراض نہیں کر سکتے تھے کیوں کہ مسلمان لوگ عیسائیوں کو یوں قائل کر دیتے کہ جس طرح تورات نے ملت ابراہیمی کے ایک مسئلہ کو منسوخ کیا اسی طرح قرآن نے بھی پہلے کی شریعت کے ایک مسئلہ کو منسوخ کر دیا یہاں تو عیسائی لوگوں کی یہ ہٹ دھرمی ہے کہ زمانہ شرک کی ایک رسم کو قرآن نے مٹایا ہے جس سے قرآن ان کے نزدیک قابل اعتراض ہے اگرچہ اس ہٹ دھرمی کے جواب میں مسلمانوں نے بارہا تحریری اور تقریری مناظرے کر کے عیسائیوں کو یہ جتلایا کہ اگر کسی آسمانی کتاب میں اس اعتراض کی تائید کا کوئی مسئلہ ہو تو پیش کیا جائے لیکن سوا قدیمی بدگوئی کے آج تک مسلمانوں کو کوئی جواب نہیں ملا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ زمانہ شرک کی ایک رسم کے مٹا دینے کا الزام عیسائیوں کی طرف سے اگر نبی آخر الزمان اور قرآن پر قائم ہو سکتا ہے تو اس سے بڑھ کر یہ الزام مسلمانوں کی طرف سے حضرت موسےٰ اور تورات پر قائم ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور تورات نے ملت ابراہیمی کے ایک مسئلہ کو مٹا دیا۔

فرقہ آریہ کی بدگوئی کا جو جواب اہل اسلام نے دیا ہے اس کا خلاصہ بھی ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق واوحی الی ھذا القرآن سے یہ جتلایا ہے کہ قرآن وہ الہامی کتاب ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور الہام کے نازل ہوئی ہے اس طرح رشیوں نے کسی وید میں یہ نہیں جتلایا کہ وید الہام کے ذریعہ رشیوں پر نازل ہوئے ہیں پھر جو فرقہ اپنی کتاب کو آسمانی کتاب نہیں ثابت کر سکتا اس کو آسمانی کتاب پر بدگوئی کا حق کیوں کر حاصل ہو سکتا ہے۔

(۲) عیسائیوں سے تو آج تک یہ نہیں ہو سکا کہ وہ اپنی بدگوئی کی بنیاد پر کسی آسمانی کتاب سے کوئی سند قائم کرتے آریہ لوگ اس بدگوئی میں اگر عیسائیوں کے مددگار بنے ہیں تو جو کام عیسائیوں سے پورا نہ ہو سکا اس کو آریہ لوگ ہی پورا کر کے دکھا دیں۔

(۳) اہل اسلام کی بعض ضعیف روایتوں کے بھروسہ پر یہ جو کہا جاتا ہے کہ نکاح سے پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے زینبؓ کو دیکھا جس سے زینبؓ کی الفت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں پیدا ہو گئی اس لئے باطن میں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ

وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ﴿٣٨﴾ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا

اور ہے حکم اللہ کا مقرر ٹھہر چکا وہ جو پہنچاتے ہیں پیغام اللہ کے اور ڈرتے ہیں اس سے

يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللّٰهَ ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيبًا ﴿٣٩﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن

اور نہیں ڈرتے کسی سے سوائے اللہ کے اور بس ہے کفایت کرنے والا محمدؐ باپ نہیں کسی کا تمہارے

چاہتے تھے کہ زیدؓ زینبؓ کو طلاق دے دلویں تو خود زینبؓ سے نکاح کرلیں اور ظاہر میں زیدؓ کو دلی ارادہ کے برخلاف نصیحت کرتے تھے حالانکہ دل میں کچھ اور زبان پر کچھ یہ بات نبوت کی شان سے بہت بعید ہے اس کا جواب اوپر گزر چکا کہ معتبر علماء اسلام کے نزدیک یہ روایتیں صحت کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی ہیں عیسائی فرقوں میں جس طرح مثلاً پروٹسٹنٹ فرقہ باقی عیسائیوں کی روایتوں کو ضعیف ٹھہرا کر نہیں مانتے اسی طرح باقی کے فرقوں کے لوگ اس فرقہ کو نہیں مانتے یا مثلاً آریہ وید کی تفسیروں میں سوائے دیانند کی تفسیر کے اور قدیم مفسروں کی تفسیروں کو نہیں مانتے اسی طرح اہل اسلام میں صحیح روایتوں کے پابند مسلمان ان ضعیف روایتوں کو نہیں مانتے پھر یہ کیا زبردستی ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہبوں میں تو صحیح اور ضعیف روایتوں میں فرق پیدا کرتے ہیں اور مسلمانوں کو ضعیف روایتوں کے حوالہ سے قائل کرنا چاہتے ہیں ان لوگوں کو چاہئے کہ مسلمانوں کے قواعد کے موافق پہلے ان ضعیف روایتوں کی صحت کو ثابت کرکے یہ بحث کریں

(۴) یہ جو کہا جاتا ہے کہ بغیر شرائط نکاح کے زینبؓ کا یہ نکاح شرعی نکاح کیونکر ہو سکتا ہے اس کا جواب اہل اسلام نے یہ دیا ہے کہ آدم اور بنی آدم سب اللہ تعالیٰ کے لونڈی غلام ہیں اور شرع محمدی کا یہ ایک مسئلہ ہے کہ عورت کے رشتہ داروں میں سے کوئی رشتہ دار کسی عورت کو یا لونڈی کے مالکوں میں سے کوئی مالک اپنی لونڈی کو زوجنا کہہ کر کسی مرد کو سونپ دلوے تو یہ نکاح ایسا صحیح ہو جاتا ہے کہ پھر نکاح کی شرطوں میں سے کسی شرط کی ضرورت باقی نہیں رہتی چنانچہ سہل بن سعد کی حدیث کے موافق صحیح بخاری میں اس مسئلہ کا خاص ایک باب[1] ٹھہرا کر امام بخاری نے اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ دنیا کے مالکوں کی زبان سے جس لفظ کے نکلنے سے شرعی نکاح صحیح ہو جاتا ہے تو اس مالک حقیقی نے وہی لفظ زوجنا کہا اور بالکل آدم اور حوا کے نکاح کی طرح یہ نکاح قائم کر دیا اور جتنے مسلمانوں کے روبرو یہ آیت نازل ہوئی یا جتنے مسلمان اس نکاح کے ولیمہ میں شریک ہوئے جس کا ذکر انس بن مالکؓ کی صحیح بخاری ومسلم کی روایت[2] میں ہے یہ سب اس نکاح کے اعلان کے گواہ ٹھہرے تو اب اس کے بعد کسی عیسائی یا آریہ کو مسلمانوں کو الزام دینے کے لیے شرع محمدی کے موافق تو کسی بحث کی گنجائش ہرگز باقی نہیں رہی اور عقلی بحث کا ہر مسلمان یہ جواب دے سکتا ہے کہ دینی بحث اگر محض عقل سے طے ہو سکتی ہے تو عیسائی لوگ تورات وانجیل پر اور آریہ لوگ اپنے ویدوں پر اپنی مذہبی باتوں کا دارومدار کیوں رکھتے ہیں۔

(۵) یہ جو کہا جاتا ہے کہ اسلام میں اس بدگوئی کے قابل نکاح کی ضرورت ہی کیا تھی اس کا جواب اوپر گزر چکا ہے کہ جس طرح

[1] باب اذا قال الخاطب للولی زوجنی فلانة فقال قد زوجتک بکذا وکذا جاز النکاح الخ۔

[2] صحیح بخاری تفسیر سورہ الاحزاب باب قوله لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن الخ۔

رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿٤٠﴾

مردوں میں لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب نبیوں پر اور ہے اللہ سب چیز جانتا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿٤١﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿٤٢﴾

اے ایمان والو یاد کرو اللہ کو بہت سی یاد اور پاکی بولو اس کی صبح اور شام

توریت انجیل قرآن شرک کی رسمیں مٹانے کی ضرورت سے نازل ہوئے اسی طرح زمانہ شرک کی ایک رسم مٹانے کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں جس میں اس نکاح کی تاکید ہے جو عیسائی اس ضرورت کا قائل نہ ہوگا اس سے پوچھا جاوے گا توراۃ و انجیل کس ضرورت سے نازل ہوئیں اسی طرح فرقہ آریہ کے لوگ اگر مذہبی ضرورتوں کے قائل نہ ہوں گے تو ان کے وید بلا ضرورت قرار پاویں گے اگرچہ آریوں کے گرو سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش میں لکھا ہے کہ خاندان کا سلسلہ جاری رکھنے کے لئے آریہ لوگ اپنی ذات والے کا لڑکا گود میں لے کر لے پالک بنا سکتے ہیں، اب یہ تو ظاہر ہے کہ مثلاً ایک فقیر اپنے آپکو بادشاہ کہے تو قانون قدرت کے موافق وہ بادشاہ نہیں ہو سکتا اسی طرح قانون قدرت کے موافق خاندان کا سلسلہ تو اسی شخص کا جاری رہے گا جس کے نطفہ سے وہ لے پالک لڑکا پیدا ہوا ہے لیکن آریہ مذہب میں یہ لے پالک کا مسئلہ ایک خیالی مسئلہ ہے جو جاری ہے اور تعجب یہ ہے کہ باوجود اس خیالی مسئلہ کی پابندی کے اس آریہ فرقہ کا دعویٰ اکثر بحثوں میں یہ ہے کہ جو مسئلہ قانون قدرت کے خلاف ہو وہ غلط ہے، یہ بات بھی غور طلب ہے کہ جب بے اولاد آریوں کے خاندان کا سلسلہ لے پالک سے جاری رہ سکتا ہے تو پھر نیوگ[1] کے مسئلہ کی کیا ضرورت ہے۔ نیوگ کے مسئلہ کا ذکر سورہ طلاق آوے گا۔

۴۲تا۴۴۔ اس آیت کے اوپر کے ٹکڑے میں اللہ تعالیٰ کی یاد کثرت سے کرنے کا اور تسبیح و تہلیل کا ذکر تھا اس لیے اس کے ساتھ ہی آیت کے دوسرے ٹکڑے میں یاد الٰہی کے فائدہ کا ذکر فرمایا بڑا فائدہ ذکر الٰہی کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاذکرونی اذکرکم صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی روایت[2] سے حدیث قدسی ہے جس میں اس آیت کی تفسیر یوں آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص مجھ کو تنہائی میں یاد کرے گا تو میں بھی اس کو تنہائی میں یاد کروں گا اور جو شخص مجھ کو آدمیوں کی جماعت میں یاد کرے گا تو میں اس کو فرشتوں کی جماعت میں یاد کروں گا جو آدمیوں کی جماعت سے بہتر ہے اسی طرح یاد الٰہی کی فضیلت میں اور بہت سی حدیثیں آئی ہیں علمائے اسلام نے یاد الٰہی کی فضیلت کو اور یاد الٰہی کی روایتوں کو ایک جگہ کرنے کی غرض سے اس باب میں خاص کتابیں تصنیف کی ہیں شیخ محی الدین یحیی بن شرف نووی کی ایک کتاب جس کا نام "اذکار" ہے اس باب میں بہت لاجواب اور بے مثل ہے۔ اب آقا کا اپنے غلام کو یاد رکھنا یہی ہے کہ آقا کی نظر عنایت غلام پر رہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے آیت کے اس ٹکڑے میں فرمایا ہے کہ جو لوگ اللہ کی یاد میں لگے رہتے ہیں ان پر اللہ کی رحمت اترتی ہے اور قاعدہ کی بات ہے کہ جس غلام پر خود بادشاہ مہربان ہوتا ہے اس پر بادشاہ کے سب دربار کے لوگ بھی مہربان ہو جاتے ہیں اسی واسطے فرمایا ہے کہ یاد الٰہی میں مصروف رہنے والے لوگوں پر اللہ کی مہربانی کی نگاہ دیکھ کر فرشتے بھی ایسے لوگوں کی

[1] آریوں کا ایک مشہور مسئلہ (ع، ح) [2] مشکوۃ ۱۹۶ باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب الیہ۔

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓىِٕكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ كَانَ
وہی ہے جو رحمت بھیجتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے کہ نکالے تم کو اندھیروں سے اجالے میں اور ہے
بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا ﴿۴۳﴾ تَحِیَّتُهُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۖۚ وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِیْمًا ﴿۴۴﴾
ایمان والوں پر مہربان دعا اُن کی جس دن اس سے ملیں گے سلام ہے اور رکھا ہے ان کے واسطے نیگ عزت کا

مغفرت کی دعا مانگتے رہتے ہیں جس طرح فرشتوں کو رات دن سوا ذکر اللہ و عبادالٰہی کے اور کچھ کام نہیں ہے اسی طرح انسانوں میں سے جو لوگ ہر وقت یادالٰہی میں مصروف رہتے ہیں ان کو بھی فرشتوں کے ساتھ ایک طرح کی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اس لیے فرشتے ایسے لوگوں کے حق میں دعا خیر کرتے رہتے ہیں جس دعا کا پورا مضمون[عہ] حٰمٓ عٓسٓقٓ میں آوے گا مسند امام احمد ترمذی ترمذی اور ابن ماجہ میں ابودرداؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو یادالٰہی کا مشغلہ ہے وہ صدقہ دینے والوں اور جہاد کرنے والوں سب سے افضل مشغلہ میں ہے صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے[۱] جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی لڑائی میں کچھ قیدی آئے تھے ان میں ایک عورت بھی تھی اس عورت کا بچہ اس سے بچھڑ گیا تھا کچھ دیر کے بعد اس عورت نے اپنے بچہ کو دیکھ لیا۔ دیکھتے ہی اس بچہ کو اس عورت نے بہت پیار کیا اور دودھ پلایا یہ معاملہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ کیا یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈالنے پر راضی ہوگی صحابہؓ نے عرض کیا کہ نہیں آپ نے فرمایا جس قدر یہ عورت اپنے بچہ سے مہربانی اور الفت سے پیش آتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے اس حدیث کے موافق جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس قدر مہربان ہے تو جن لوگوں سے خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے مہربانی اور رحمت کا وعدہ فرمایا ہے اس کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کس سلوک سے پیش آنے گا حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ اے ایماندار لوگو اپنے دل زبان ہاتھ پیر وغیرہ سے ذکرالٰہی میں لگے رہو اور نمازوں میں سے صبح اور عصر کی نماز کا بڑا دھیان رکھو کہ صبح کی نماز کا وقت غفلت کا ہے اور عصر کی نماز کا وقت کام کاج کا ہے بکرۃ واصیلا کی تفسیر قتادہ نے یہی کی ہے جو بیان کی گئی کہ آیت کا ٹکڑا صبح اور عصر کی نماز کی تاکید میں ہے، صحیح بخاری میں ابوموسیٰ اشعریؓ سے اور فقط مسلم میں عمارہ بن رویبہ سے جو صبح اور عصر کی نماز کی فضیلت کی روایتیں[۲] ہیں ان سے قتادہؒ کی تفسیر کی پوری تائید ہوتی ہے اب آگے فرمایا کہ جو لوگ ذکرالٰہی اور نماز صبح اور عصر کے پابند ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فرشتوں کی دعا خیر کی برکت سے وہ گمراہی کے اندھیروں سے راہ راست کے اجالے میں رہیں گے کیوں کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر مہربان ہے وہ ہمیشہ ایسے لوگوں کو دنیا میں راہ راست پر رکھے گا اور عقبیٰ میں اس کے اجر میں ان کو جنت میں داخل کرے گا جہاں یہ لوگ خوشی سے آپس میں سلام علیک کریں گے جس سلام علیک کا مطلب گویا یہ مبارک باد ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو دوزخ کے عذاب سے بچا کر امن امان سے جنت میں داخل کیا۔ ابن ماجہ مسند بزار تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں جابرؓ بن

[۱] مشکوٰۃ ص ۱۹۸، باب ایضاً فصل دوسری، [۲] مشکوۃ ص ۲۰۷ باب رسعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ، فصل اول و تفسیر ابن کثیر
[۳] مشکوۃ ص ۶۲ باب فضائل الصلوٰۃ۔ [عہ] دعا کے الفاظ حٰم المؤمن میں مذکور ہوتے ہیں۔ (ع ح)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ

اے نبی ہم نے تجھ کو بھیجا بتانے والا اور خوشی سنانے والا اور ڈرانیوالا اور بلانے والا اللہ کی طرف اس کے

وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ وَ

حکم سے اور چراغ چمکتا اور خوشی سنا ایمان والوں کو کہ ان کو ہے خدا کی طرف سے بڑی بزرگی اور

لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ

کہا نہ مان کافروں کا اور دغا بازوں کا اور چھوڑ دے ان کو ستانا اور بھروسہ کر اللہ پر اور اللہ بس ہے

عبداللہ سے روایت[۱] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت کو اللہ تعالیٰ کا سلام بھی پہنچا کرے گا، اس حدیث کی سند میں ایک راوی فضل بن عیسےٰ رقاشی کو اگرچہ اکثر علماء نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن سورہ یٰسین میں آوے گا سلام قولا من رب رحیم جس سے اس روایت کی پوری تائید ہوتی ہے علاوہ اس کے صحیح بخاری ومسلم میں ابوہریرہؓ کی روایت[۲] ہے جس میں یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام حضرت خدیجہؓ کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچایا کرتے تھے اس حدیث سے بھی جابر بن عبداللہؓ کی روایت کی تائید ہوتی ہے کیونکہ جن لوگوں کا دنیا میں یہ رتبہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچتا ہے تو جنت میں ان کا رتبہ وہی رہے گا اسی واسطے امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول بھی جابر بن عبداللہؓ کی روایت کے موافق ہے۔

۴۵ تا ۵۰۔ مسند امام احمد اور صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت[۳] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو صفتیں نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پہلی آیت میں ہیں وہی صفتیں آپ کی تورات میں ہیں مسند امام احمد صحیح بخاری ترمذی وغیرہ کی روایتوں سے سورۂ بقرہ میں گزر چکا[۴] ہے کہ سوائے امت محمدیہ کے اور نبیوں کی امتیں اپنے انبیا کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے روبرو جھٹلا دیں گے اور یہ کہیں گے کہ ہم کو کسی نبی نے اللہ کا حکم نہیں پہنچایا آخر قرآن کے حوالہ سے نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی پر یہ معاملہ طے ہوگا اور سب اللہ کے رسول سچے ٹھہریں گے اسی کو فرمایا کہ اے نبی تم کو اللہ نے دنیا میں گواہ بنا کر بھیجا ہے مبشرا ونذیرا کے معنے فرمانبرداروں کو جنت کی خوشخبری سنانا اور نافرمانوں کو دوزخ کے عذاب سے ڈرانا اور جو ڈر کر راہ راست پر آجاویں ان کو اللہ کے فضل اور مہربانی کا امیدوار کرنا، پھر فرمایا جو کافر اور منافق تمہارے رسالت کے کام میں فتور ڈالیں تو اے رسول اللہ کے ان کا کہنا نہ سنو اور ان کی جہالت کی باتوں پر صبر کر کے اپنے کام کے پورا کرنے میں اللہ پر بھروسہ رکھو اللہ تمہارا کام بنانے والا ہے داعیا الی اللہ باذنہ کا یہ مطلب ہے کہ تم اللہ کے حکم سے لوگوں کو نیک راستہ سکھاتے ہو، سراجا منیرا کا یہ مطلب ہے کہ جو تمہاری نصیحت پر عمل کرے گا اس کا دل نور ایمان سے روشن ہو جاوے گا، پھر فرمایا اے ایمان والو جب تم نکاح کرو ایمان والیوں کو پھر طلاق دو ان کو پہلے اس سے کہ تم ان سے صحبت کرو تو ان پر تمہارا کچھ حق عدت کے پورا کرنے کا نہیں ہے ان کو فائدہ پہنچا کر اچھی طرح رخصت کرو مطلب یہ ہے کہ صحبت سے

[۱] الترغیب ص ۵۵۳ ج ۴ بروایت ابن ماجہ [۲] مشکوۃ ص ۵۷۳ باب مناقب ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم [۳] تفسیر ابن کثیر ص ۴۹۷ ج ۳ [۴] صفحہ ۱۲۸ جلد اول تفسیر ہذا۔

وَكِيلًا ﴿٤٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ

کام بنانے والا اے ایمان والو جب تم نکاح کرو مسلمان عورتوں کو پھر ان کو چھوڑ دو پہلے اس سے

أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا ۖ فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ

کہ ہاتھ لگاؤ سو ان پر حق نہیں تمہارا عدت میں بیٹھنا کہ گنتی پوری کرواؤ سو اُن کو دو کچھ فائدہ اور رخصت کرو

سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿٤٩﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ

بھلی طرح سے اے نبی ہم نے حلال رکھیں تجھ کو تیری عورتیں جن کے مہر

أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ

تو دے چکا اور جو مال ہو تیرے ہاتھ کا جو ہاتھ لگا دے تجھ کو اللہ اور تیرے چچا کی بیٹیاں اور پھوپھی کی بیٹیاں

پیشتر جب تم طلاق دو تو پھر عورتوں کو عدت میں بٹھانے کا کچھ حق نہیں کہ تم ان سے عدت کے دنوں کی گنتی پوری کراؤ یہ مسئلہ اتفاقی ہے کسی کا اس میں خلاف نہیں کہ صحبت سے پیشتر طلاق دی جاوے تو عورت کو اختیار ہے کہ فی الفور جس سے چاہے نکاح کرے لیکن ایسی عورت کو کچھ فائدہ اپنی حیثیت کے موافق دے کر اچھی طرح رخصت کردو صحیح بخاری[1] میں ہے کہ پیغمبر صلعم نے امیمہ بنت شراحیل سے نکاح کیا جب آپ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس کو یہ بات ناپسند ہوئی اس پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابواُسید سے فرمایا کہ اس کو کچھ کپڑے دے دو علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے[2] کہ اگر عورت کا مہر مقرر ہو چکا ہے تو اس کو صحبت سے پہلے طلاق دینے کی صورت میں آدھا مہر بھی دیا جاوے اور اگر مہر مقرر نہیں ہوا تو آدمی پر اپنی حیثیت کے موافق فائدہ دینا ضرور ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس قول سے یہ بات صاف ہوگئی کہ نصف مہر کے حکم کی سورہ بقرہ کی آیت سے یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ مہر کے مقرر ہو جانے کی صورت میں سورہ بقرہ کی آیت کے موافق عمل ہوگا اور اگر مہر مقرر نہیں ہوا تو اس آیت کے موافق عمل ہوگا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مخاطب ٹھہرا کر فرمایا کہ تم جن بیویوں کو مہر دے چکے ہو وہ اللہ نے تم پر حلال کر دی ہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بیوں کا مہر پانچ سو درہم تھا مگر اس حکم سے تین بی بیاں مستثنیٰ ہیں ایک تو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کہ ان کا مہر نجاشی بادشاہ حبشہ نے چار سو دینار دیا دوسری صفیہ رضی اللہ عنہا کہ ان کو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے قیدیوں میں سے پسند کر کے ان کا مہر انہیں آزاد کرنے کو ٹھہرایا، تیسری جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کہ حضرت نے ان کو کچھ مال دے کر ان سے عقد کر لیا پھر فرمایا اے نبی اللہ نے تم کو وہ عورتیں بھی جائز کر دی ہیں جو تم نے غنیمت کے مال سے لی ہیں اور چچا اور پھوپھیاں اور خالہ اور ماموں کی بیٹیاں جنہوں نے ہجرت کی وہ بھی حلال کر دیں نصاریٰ جب تک عورت مرد کے درمیان سات پشت یا زیادہ کا فاصلہ نہ ہوتا تو نکاح درست نہ جانتے تھے اور یہود بھانجی بھتیجی کو بھی حلال سمجھتے تھے اس شریعت محمدیہ میں یہ بات قائم نہ رہی پھر فرمایا اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر کوئی ایماندار عورت اپنے آپ کو تمہیں بخش دیوے اور تم چاہتے ہو اس سے نکاح کرنا تو تم کو اس سے بغیر مہر کے نکاح کرنا درست ہے یہ بات خاص تمہارے لئے ہے اور ایمان والوں کے لئے نہیں ہے امام احمد امام بخاری مسلم

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۸ ۹ ۴ ج ۳۔ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۴۹۹ ج ۳۔

عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً

اور تیرے ماموں کی بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں جنھوں نے وطن چھوڑا تیرے ساتھ اور کوئی عورت ہو مسلمان

اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۤ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ

اگر بخشے اپنی جان نبی کو اگر نبی چاہے کہ اس کو نکاح میں رکھے یہ نری ہے تجھی کو سوائے

الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ

سب مسلمانوں کے ہم کو معلوم ہے جو ٹھہرا دیا ہے ہم نے ان پر ان کی عورتوں میں اور ان کے ہاتھ کے مال میں تاکہ نہ رہے

لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۰﴾

تجھ پر تنگی اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

ترمذی نسائی اور ابوداؤد نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت نے عرض کیا کہ میں نے اپنی جان آپ کو بخش دی پھر دیر تک کھڑی رہی اس کے بعد ایک شخص نے اٹھ کر عرض کیا یارسول اللہ اگر آپ کو اس کی حاجت نہیں تو اس کا نکاح مجھ سے کر دیجئے آپ نے فرمایا کیا تیرے پاس مہر کے واسطے کوئی چیز ہے اس نے عرض کیا میرے پاس تو یہی تہبند ہے آپ نے فرمایا اگر تو نے اس کو اپنی چادر دے دی تو تو بے چادر بیٹھا رہے گا کوئی چیز تلاش کر کے لے آ اس نے عرض کیا مجھے کچھ بھی نہیں ملتا آپ نے فرمایا کچھ ڈھونڈ کر لے آ اور کچھ نہیں تو لوہے کی ایک انگوٹھی ہی سہی پھر اس نے ڈھونڈا مگر اسے کچھ بھی نہیں ملا تو حضرتؐ نے اس سے دریافت کیا کہ تجھے کچھ قرآن بھی یاد ہے اس نے کئی سورتیں بتائیں یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قدر تجھے قرآن یاد ہے اس کے بدلے میں نے اس عورت کا نکاح تجھ سے کر دیا یہ حدیث خالصۃ لک من دون المومنین کی گویا تفسیر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے آپ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ میں سونپ کر بغیر مہر کے نکاح پر راضی ہو اور اللہ کے رسول اس عورت کا نکاح کسی دوسرے شخص سے کرنا چاہیں تو اس نکاح میں مہر کی ضرورت ہے قرآن کی آیتوں کو مہر ٹھہرا کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ نکاح پڑھایا اس میں ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا اختلاف ہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے، اب آگے فرمایا اے رسول اللہ کے تمہارے نکاح کے حکموں کے علاوہ امت کے مسلمانوں کے نکاحوں کے احکام جو اللہ تعالےٰ نے نازل فرمائے ہیں وہ بھی اللہ کے علم کے موافق ہیں کہ کسی مسلمان کو چار عورتوں سے زیادہ نکاح میں رکھنے کی اجازت نہیں ہے اور ان کے ہر ایک نکاح میں عورت کے وارث کی اجازت اور گواہوں کی گواہی ضرور ہے اور لونڈیوں کو صحبت میں رکھنے کی ان کو اجازت ہے پھر فرمایا اللہ تعالےٰ نے یہ نکاح کے احکام اس واسطے تفصیل وار نازل فرمائے ہیں کہ اے نبی تم کو اور تمہاری امت کے مسلمان لوگوں کو اس باب میں کچھ تنگی نہ رہے اور ان احکام کے نازل ہونے سے پہلے یہ لوگ جو بے احتیاطی کر چکے اس کو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔

تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ ۖ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا

پیچھے رکھ دے تو جس کو چاہے ان میں اور جگہ دے اپنے پاس جس کو چاہے اور جس کو جی چاہے تیرا ان میں سے جو کنارے کر دی

جُنَاحَ عَلَيْكَ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ تَقَرَّ أَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْتَهُنَّ

نہیں تو کچھ گناہ نہیں تجھ پر اس میں لگتا ہے کہ ٹھنڈی رہیں آنکھیں ان کی اور نہ غم کھاویں اور راضی رہیں اس پر جو تو نے دیا

كُلُّهُنَّ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَلِيمًا ⑤

ساریاں اور اللہ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اور ہے اللہ سب جانتا تحمل والا

۵۱۔ اس آیت کی تفسیر میں علمائے مفسرین کے تین قول ہیں پہلا یہ کہ اس آیت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اجازت دی ہے کہ ازواج مطہرات میں سے جس کو چاہیں حسب دستور اپنے نکاح میں رکھیں جس کو چاہیں طلاق دے دیں دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں فقط اس بات کی اجازت ہے کہ ازواج مطہرات کے پاس رہنے کی باری برابر یا کمتی بڑھتی جس طرح آپ کا جی چاہے مقرر کریں تیسرا قول یہ ہے کہ بلا مہر کے جو عورتیں آنحضرتؐ کی خدمت میں نذر کے طور پر اپنے آپ کو پیش کرتی ہیں یا رشتہ داروں میں جن عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے یہ آیت ان عورتوں کے حکم میں ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر آنحضرتؐ کو یہ اجازت دی ہے کہ ان میں سے جس عورت کو آپ چاہیں اپنی خدمت میں رکھیں جس کو چاہیں نہ رکھیں، امام بخاری نے صحیح بخاری[1] میں حضرت عائشہؓ کی دو روایتیں جو اس آیت کی تفسیر میں کی ہیں ان سے فقط دوسرے اور تیسرے قول کی تائید ہوتی ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ کی پہلی روایت کا حاصل یہ ہے کہ جو عورتیں اپنے آپ کو نذر کے طور پیش کیا کرتی تھیں اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے مجھ کو ان عورتوں کے حال پر کچھ غیرت اور شرم آیا کرتی تھی جب یہ آیت نازل ہوئی تو مجھ کو معلوم ہوا کہ یہ بات اللہ کی مرضی کے موافق ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر طرح کی خاطرداری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منظور ہے دوسری روایت کا حاصل یہ ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرتؐ ایسا بھی کیا کرتے تھے کہ آپ کی بیویوں میں سے جس کسی کی باری ہو اس بی بی سے اجازت لے کر دوسری بی بی کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے حافظ ابوجعفر ابن جریرؒ نے ان دونوں قولوں میں[2] آیت کی شان نزول کو شامل اور عام ٹھہرایا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی فتح الباری میں اس شان نزول کو ترجیح دی ہے[3] حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے رسول اللہ کے اللہ تعالیٰ نے تم کو اختیار دیا ہے کہ تم اپنی بیویوں میں باری کی قید رکھو یا نہ رکھو اسی طرح جن عورتوں سے نکاح کرنے کی تم کو اجازت دی گئی ہے ان سے تم نکاح کرو یا نہ کرو اسی طرح بیویوں کو باری میں پیچھے رکھ دیا یا جن عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت تھی ان سے نکاح نہیں کیا تو اس کے ردوبدل میں بھی گناہ نہیں پھر فرمایا کہ جب تمہاری بیویاں یہ حال جان لیں گی کہ اللہ کی طرف سے تم پر باری کی قید نہیں۔ پھر اس کے بعد بھی باری میں جو رعایت رکھی جاتی ہے وہ تمہاری طرف سے ہے تو پھر ان کو کچھ شکایت باری کی نہ رہے گی۔ دیکھو ... نان نفقہ میں بھی یہ ... حاصل کلام یہ ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے بیویوں کی باری اللہ کے رسول پر واجب تھی اس آیت کے بعد واجب نہیں رہی پھر فرمایا چند بیویوں

[1] صحیح ص ۷۰۶ ج ۲ کتاب التفسیر۔ [2] دیکھئے تفسیر ابن جریر زیر آیت مذ[کور] [3] فتح الباری ص ... ج ...

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ

حلال نہیں تجھ کو عورتیں اس پیچھے اور نہ یہ کہ ان کے بدلے اور کرے عورتیں اگرچہ خوش لگیں تجھ کو

میں سے مرد کے دل میں جن بیویوں کی محبت زیادہ ہوتی ہے یہ حال اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے موافق یہ حکم دیا ہے تاکہ باری کے نباہنے کی شکایت اٹھ جاوے اور اللہ تعالیٰ بردبار ہے اس واسطے بعض بیویوں کی محبت دل میں زیادہ رکھنے پر اس نے کچھ مواخذہ نہیں کیا۔

۵۲۔ اس آیت کی تفسیر میں صحابہؓ اور تابعینؒ کے دو قول ہیں ایک تو یہ کہ اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے جن عورتوں کی تفصیل بتلائی ہے کہ یا قریشی عورت مہاجر ہو تو مہر کے بعد اس سے نکاح حلال ہے یا نذر کے طور پر جو عورت اپنے آپ کو پیش کرے تو بلا مہر اس سے نکاح حلال ہے اب اس آیت کی رو سے سوائے اُن دو قسموں کے اور کسی قسم کی عورت سے نکاح حلال نہیں دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت جو بی بیاں آنحضرتؐ کے نکاح میں موجود تھیں ان کے سوائے کسی عورت سے آنحضرتؐ کو نکاح کرنا جائز نہیں پہلے قول کی روایت ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے صحیح ہو چکی ہے[1] اور تفسیر کے باب میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول مقدم گنا جاتا ہے اس لیے یہی تفسیر صحیح ہے اور اس تفسیر کے صحیح ہو جانے کے بعد دوسرے قول کے لحاظ سے بعضے مفسروں نے اس آیت سے عورتوں کی تفصیل والی آیت کو منسوخ جو کہا ہے اس کی بھی ضرورت نہیں رہی اور آیت ترجی من تشاء سے اس آیت کو بعضے مفسروں نے منسوخ جو کہا ہے وہ قول بھی ضعیف ہے غرض ان تینوں آیتوں میں سے کوئی آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ آیت لایحل لک النساء آیت یاایھا النبی انا احللنالک کے بیان میں ہے اور صحیح بخاری کی حضرت عائشہؓ کی ایک روایت جو گزر چکی جس میں ترجی من تشاء کی تفسیر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت لایحل لک النساء اور آیت ترجی من تشاء میں کچھ باہمی مخالفت نہیں ہے کیوں کہ ترجی من تشاء میں یا باری کا حکم ہے یا جن عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے اس اجازت کے عمل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار پر چھوڑا ہے پھر اس طرح کی آیت سے دوسری آیت کو منسوخ کیوں کر کہا جا سکتا ہے اور شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے اگرچہ اپنے فارسی کے فائدے میں اس آیت کو ناسخ اور پہلی آیت کو منسوخ قرار دیا ہے لیکن الفوز الکبیر میں بڑی بحث کے بعد شاہ صاحب نے پانچ آیتیں تمام قرآن شریف میں جو منسوخ چھانٹی ہیں ان میں یہ آیت داخل نہیں ہے حاصل کلام یہ ہے کہ سلف میں سے جن علماء نے آیت کا یہ مطلب ٹھہرایا ہے کہ بیویوں کے سوا نساور عورتوں سے نکاح کرنا آیت سے حرام ہوا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ موجودہ بیویوں کے سوا آیت یاایھا النبی انا احللنالک میں جن عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت تھی اس آیت لایحل سے وہ منسوخ ہو گئی اور جن علماء نے اس آیت کا یہ مطلب قرار دیا ہے کہ آیت انا احللنالک میں عورتوں کی جو تفصیل بتلائی گئی ہے اس تفصیل کے باہر کی کسی عورت سے نکاح جائز نہیں ہے وہ علماء اس آیت لایحل کو انا احللنالک کا بیان کہتے ہیں۔ حافظ ابو جعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس اختلاف کا یہی فیصلہ کیا ہے کہ ایسی اختلافی اور شکی حالت میں کسی آیت قرآنی کو منسوخ نہیں کہا جا سکتا، اس صورت میں معنے آیت کے یہی ہیں کہ آیت انا احللنالک میں جن عورتوں کی تفصیل بتلائی گئی ہے اس تفصیل

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۰۲ ج ۳۔

حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿٥٢﴾

تجھ کو ان کی صورت مگر جو مال ہو تیرے ہاتھ کا اور ہے اللہ ہر چیز پر نگہبان

کے علاوہ کسی عورت سے نکاح جائز نہیں خواہ یہ نکاح پہلی بیوی کو طلاق دے کر ہو یا یوں ہی نئی عورت کی خوبصورتی کے خیال سے ہاں لونڈیاں اس حکم سے علیحدہ ہیں، پھر فرمایا جو حکم اللہ تعالیٰ نے دیا اس کی نگہبانی پر وہ قادر ہے کیوں کہ کوئی چیز اس کی نگہبانی سے باہر نہیں ہے، حضرت عائشہؓ کی یہ روایت جس کا حوالہ شاہ صاحب نے اپنے فائدہ میں لکھا ہے یہ صحیح سند سے مسند امام احمد ترمذی نسائی اور مستدرک حاکم[1] میں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے آیت ترجی من تشاء سے لا یحل لک النساء کا حکم منسوخ ہو گیا، حضرت علیؓ ام سلمہؓ اور بعضے سلف کا یہی قول ہے لیکن صحیح بخاری کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی دو روایتیں جو اوپر ترجی من تشاء کی تفسیر میں گزر چکی ہیں ان سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ ترجی من تشاء یا تو ان عورتوں کے باب میں ہے جو نذر کے طور پر اللہ کے رسول کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کیا کرتی تھیں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کی باری کے باب میں ہے اس صورت میں ان صحیح روایتوں کے موافق آیت ترجی من تشاء میں ایسا کوئی عام حکم کہاں ہے جس سے انا احللنا لک کی تفصیل اور اس تفصیل کی پابندی کی وہ تاکید جو لا یحل لک النساء میں ہے ان دونوں کو منسوخ ٹھہرایا جاوے اسی واسطے امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول یہی ہے کہ انا احللنا لک کی تفصیل اور لا یحل لک النساء کی تاکید یہ دونوں منسوخ نہیں ہیں غرض اصول حدیث کے موافق حاصل کلام یہی ٹھہرتا ہے کہ صحیح بخاری کی حضرت عائشہؓ کی روایتوں کو ترمذی نسائی وغیرہ کی روایتوں پر ترجیح دی جا کر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کو صحیح ٹھہرایا جاوے اور آیت ترجی من تشاء سے کسی آیت کو منسوخ نہ کہا جاوے بعضے مفسروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حدیث سے آیت لا یحل لک النساء منسوخ ہے لیکن اول تو ان مفسروں نے اس حدیث کو معین طور پر نہیں بتلایا جس سے آیت کو منسوخ کہا جاوے دوسرے اس مسئلہ پر بھی علمائے امت کا اتفاق نہیں ہے کہ حدیث سے قرآن کی کوئی آیت منسوخ ہو سکتی ہے اور یہ اوپر گزر چکا ہے کہ ایسی اختلافی حالت میں کسی آیت کو منسوخ نہیں کہا جا سکتا۔

حدیث سے کسی آیت کے منسوخ ہونے کا مطلب

حدیث سے آیت کے منسوخ ہونے نہ ہونے میں جو اختلاف ہے اس کا سبب یہ ہے کہ علمائے متقدمین نے ناسخ منسوخ میں لغت کے معنوں کو اختیار کیا ہے اس لئے ان کے نزدیک ناسخ منسوخ کی یہ ایک ہی صورت ہے کہ ایک حکم سے دوسرا حکم بالکل اٹھ جاوے جیسے مثلاً سورہ بقر کی آیت کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت میں بیمار شخص کو وارثوں کے حق میں وصیت کرنے کا حکم تھا پھر جب سورۃ النساء کی آیت یوصیکم اللہ میں وارثوں کے حصے ٹھہر گئے تو وہ وصیت کا حکم بالکل اٹھ گیا اب علمائے متقدمین کے نزدیک تمام صحیح حدیثوں میں کوئی صحیح حدیث ایسی نہیں ہے کہ جس سے قرآن کی کسی آیت کا حکم بالکل اٹھ جاوے اس واسطے وہ حدیث سے قرآن کی آیت کے منسوخ ہونے کے قائل نہیں ہیں اسی لئے ان کے نزدیک کسی حدیث سے انا احللنا لک کا حکم منسوخ نہیں ہو سکتا۔ علمائے متاخرین نے ایک اصطلاح ٹھہرا کر ناسخ منسوخ کی بحث کی ہے اس لئے ان کے نزدیک ناسخ منسوخ کی بہت سی

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۲۱۲ ج ۵

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ

اے ایمان والو مت جاؤ گھروں میں نبی کے مگر جو تم کو حکم ہو کھانے کے واسطے نہ

نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ

دیکھتے اس کے پکنے کی لیکن جب بلائے تب جاؤ پھر جب کھا چکو آپ آپ کو چلے جاؤ اور نہ آپس میں جی لگا کر

صورتیں ہیں جن کی تفصیل اصول فقہ کی کتابوں میں ہے نتیجہ اس اختلاف کا یہ ہے کہ مثلاً آیت کا اصلی حکم باقی رہ کر حدیث سے اس اصلی حکم میں کچھ زیادتی ہو جاوے تو اصلی حکم کے باقی رہنے کے سبب سے متقدمین اس صورت کو ناسخ منسوخ نہیں کہتے اور متاخرین کی اصطلاحی صورتوں میں یہ صورت ناسخ منسوخ کہلاتی ہے مثال اس کی یہ ہے کہ سورۃ النساء کی آیت حرمت علیکم امھاتکم میں عورت اور اس کی پھوپی کے ساتھ نکاح کرنے کی مناہی نہیں تھی ابوہریرہؓ کی صحیح بخاری و مسلم کی حدیث سے آیت کے اصلی حکم میں یہ مناہی اور بڑھ گئی تو متقدمین کے نزدیک یہ صورت ناسخ منسوخ کی نہیں ہے اور متاخرین کے نزدیک یہ صورت ناسخ منسوخ کی صورتوں میں داخل ہے

۵۳۔ یہ آیت پردہ کی ہے اور اس کے اندر کئی حکم اور آداب ہیں اور یہ آیت بھی ان آیتوں میں سے ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے موافق نازل ہوئی ہیں صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے جس میں حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تین باتوں میں موافق ہوا ایک یہ کہ میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کاش ابراہیم علیہ السلام کے مقام کو آپ مصلے بناویں تو اللہ نے آیت واتخذوا من مقام ابراھیم مصلے اتاری دوسرے پردہ کے بارہ میں میں نے عرض کیا اللہ نے آیت حجاب بھیجی تیسرے جب نان نفقہ کی زیادتی کی خواہش میں سب بی بیاں آپ کے پاس اکٹھی ہوئیں تو میں نے ان سے کہا عسیٰ ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجا خیرا منکن پھر قرآن شریف میں بھی اسی طرح کا حکم اترا اور مسلم کی روایت میں بدر کے قیدیوں کا بھی ذکر ہے کہ ان کو فدیہ لے کر نہ چھوڑا جائے پھر اسی کے موافق حکم نازل ہوا حضرت عمرؓ کی رائے اور قرآن کی موافقت کا یہ چوتھا مقام ہے امام بخاری نے انس رضی اللہ عنہ سے[1] روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ کے پاس اچھے برے لوگ سب آتے جاتے ہیں کیا اچھا ہو اگر آپ ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم دیں اس پر اللہ تعالیٰ نے پردہ کی آیت اتاری ام المؤمنین حضرت زینبؓ بنت جحش رضی اللہ عنہا کی شادی کے روز آیت حجاب خدا نے نازل فرمائی امام بخاری و مسلم رحمہ اللہ نے انسؓ سے روایت کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ سے عقد کیا تو لوگوں کی ولیمہ کی دعوت کی اور وہ کھانا کھا کر باتوں میں لگے بیٹھے رہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھنے لگے لیکن وہ لوگ نہ اٹھے جب آپ اٹھ کھڑے ہوئے تو اٹھنے والے چلے گئے لیکن تین آدمی بیٹھے رہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے تو بھی وہ تینوں شخص بیٹھے تھے آپ الٹے پھر گئے جب وہ چلے گئے تو میں نے یا شاید کسی اور شخص نے ان تینوں شخصوں کے چلے جانے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی پھر آپ اندر آئے اور میں بھی اندر جانے لگا آپ نے میرے اور اپنے درمیان میں پردہ ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی نسائی نے بھی اس حدیث کو [illegible] نقل [illegible]

[1] تفسیر ابن کثیر ص [illegible]

الْحَدِيْثِ ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۡ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ

باتوں میں اس بات سے تمہاری تکلیف تھی پیغمبر کو پھر تم سے شرم کرتا اور اللہ شرماتا نہیں ہے ٹھیک

الْحَقِّ ۭ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔــلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاۗءِ حِجَابٍ ۭ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ

بتانے میں اور جب مانگنے جاؤ بیبیوں سے کچھ چیز کام کی تو مانگ لو پردے کے باہر سے اس میں خوب ستھرائی ہے

ہے کہ حضرت ام سلیمؓ نے حضرت انسؓ کے ہاتھ تھوڑا مالیدہ بھیجا تھا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کر دی قریب تین سو آدمی کے کھانا کھا گئے اور وہ مالیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور ہاتھ کے رکھنے کے سبب سے اتنے کا اتنا ہی تھا کچھ کم نہیں ہوا انس بن مالکؓ کی روایت صحیح مسلم ترمذی اور نسائی میں ہے[۱] حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے ایماندار لوگو بغیر کھانے کی دعوت کے تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں نہ جایا کرو اور کھانے کی دعوت کے وقت بھی کھانا پک جانے کے انتظار میں پہلے سے نہ جا بیٹھا کرو بلکہ کھانا پک جانے کے بعد جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھانے کے لیے تم کو بلاویں تو جایا کرو اور کھانا کھاتے ہی اپنے گھر کو چلے آیا کرو کھانے کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتوں میں نہ لگ جایا کرو کہ اس سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورتوں میں حرج ہو کر اللہ کے رسولؐ کو تکلیف ہوتی ہے اور وہ لحاظ کے سبب سے کچھ کہہ نہیں سکتے مگر حق بات کی نصیحت میں اللہ تعالیٰ کو کسی کے لحاظ کی کچھ ضرورت نہیں۔ غیر ناظرین اناہ کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کھانا پکنے کے انتظار کی فرمائی ہے

۴۵۔ حضرت عمرؓ کی یہ حدیث جو اوپر گزری کہ مقام ابراہیم کے مصلیٰ ٹھہرانے کی آیت اور یہ پردہ کی آیت اور چند آیتیں حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق نازل ہوئی ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے پردہ کی صلاح دی تھی پھر حضرت زینبؓ کے ولیمہ والے دن یہ آیت نازل ہوئی اور صحیح بخاری وغیرہ کی حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث جو مشہور ہے کہ حضرت سودہؓ ایک رات چادر اوڑھ کر حاجت بشری کے لیے گھر سے باہر نکلیں اور حضرت عمرؓ نے ان کو دھمکایا یہ قصہ پردہ کی آیت کے بعد کا ہے اور حضرت عمرؓ کا اس دھمکانے سے یہ مطلب تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بیاں رات کو چادر اوڑھ کر بھی نہ نکلا کریں لیکن یہ رائے حضرت عمرؓ کی اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں ہوئی چنانچہ اس کی صراحت صحیح بخاری کی حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے یہ جو ایک شبہ مشہور ہے کہ بعض روایتوں میں یہ ہے کہ حضرت زینبؓ کا ولیمہ روٹی سالن کا ہوا اور بعض روایتوں میں مالیدہ کا ذکر ہے حافظ ابن حجرؒ نے اس شبہ کو فتح الباری میں رفع کر دیا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روٹی سالن اس ولیمہ میں پکوایا تھا اور حضرت ام سلیمؓ نے مالیدہ بنا کر اس ولیمہ کے لیے آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجا تھا اس لیے بعض روایتوں میں ایک چیز کا ذکر ہے اور بعض روایتوں میں دوسری چیز کا۔ ام سلیمؓ انس بن مالکؓ کی ماں کی کنیت ہے ان کا نام سہلہ ہے یہ مشہور صحابیات میں سے تھیں حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ان کا انتقال ہوا معتبر سند سے مسند امام احمد ابوداؤد ترمذی نسائی اور صحیح ابن حبان میں ام سلمہؓ سے

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۵۰۳ ج ۳ [۲] تفسیر ابن کثیر ص ۵۰۵ ج ۳

لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ

تمہارے دل کو اور ان کے دل کو اور تم کو نہیں پہنچتا تکلیف دو اللہ کے رسول کو اور نہ یہ کہ نکاح کرو اس کے

مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ

پیچھے اس کی عورتوں کو کبھی البتہ یہ بات تمہاری اللہ کے ہاں بڑا گناہ ہے اگر کھول کر کہو تم کسی چیز کو یا چھپاؤ تو

روایت[۱] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس پردہ کی آیت کے نازل ہونے کے بعد ایک دن عبداللہ بن ام مکتوم حضرت کی بیوی ام سلمہؓ کے گھر میں آئی اس وقت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں موجود تھے آپ نے ام سلمہؓ کو عبداللہؓ سے پردہ کرنے کا حکم دیا اس ام سلمہؓ نے کہا کہ حضرت عبداللہ تو نابینا ہیں یہ سن آپ نے فرمایا کہ وہ نابینا ہیں تو آخر تمہاری تو آنکھیں ہیں مسند امام احمد ابوداؤد و نسائی اور مختصر طور پر صحیح مسلم میں فاطمہ بنت قیسؓ کی بڑی روایت[۲] ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہؓ بنت قیس کو انہیں عبداللہ بن ام مکتوم کے گھر میں عدت کے دن گزارنے کا حکم دیا ہے ابو داؤد منذریؒ، حافظ ابن حجرؒ اور اور علمائے اس قسم کی مختلف حدیثوں کی مطابقت میں وہی بات بیان کی ہے جو بات شاہ صاحب نے اپنے فائدہ میں لکھی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں پر پردہ کا حکم واجب تھا اور مسلمانوں کی عورتوں پر مستحب ہے مستحب شریعت میں وہ چیز ہے جس کا کرنا بہتر ہو اور نہ کرنے میں کچھ گناہ نہ ہو جیسے مثلاً جمعہ کے دن اچھے کپڑوں کا پہننا مستحب پر اس وقت تک عمل کرنا جائز ہے کہ اس سے کسی ممانعت کے کام میں پڑ جانے کا خوف نہ ہو اور جس مستحب کے عمل سے ممانعت کے کام میں پڑ جانے کا خوف ہو تو خدا سے ڈرنے والے مرد عورت کو ایسے مستحب پر عمل کرنا جائز نہیں ہے چنانچہ معتبر سند سے ترمذی میں عطیہؓ سعدی سے روایت[۳] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص متقی نہیں ہو سکتا جب تک وہ جائز چیز کو ناجائز کے خوف سے نہ چھوڑ دے حاصل کلام یہ ہے کہ اس پردہ کے مستحب پر عمل کرنے میں صحابہؓ کو جب تک کسی بدنیتی اور ناجائز نتیجہ کا خوف نہیں تھا تو صحابہؓ کا اس مسئلہ پر اتفاق تھا جب یہ بات باقی نہیں رہی تو صحابہؓ میں اختلاف پیدا ہو گیا چنانچہ صحیح بخاری و مسلم[۴] میں حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ جس طرح اب عورتیں اچھے کپڑے پہن کر اور عطر مل کر مسجد میں نماز کو جاتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس طرح جاتیں تو ان کو مسجد میں جانے کی اجازت نہ ہوتی۔ حضرت عائشہؓ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ جن روایتوں میں عورتوں کے مسجد میں جانے کی اجازت ہے ان میں سے بعض روایتوں[۵] میں یہ بھی ہے کہ خوشبو لگا کر کوئی عورت مسجد میں نہ آوے اب عورتوں نے اس اجازت کو تو پکڑ لیا ہے اور اس کی شرطوں کو چھوڑ دیا ہے جس سے ناجائز نتیجوں کا اندیشہ ہے اس لئے اگر یہ حالت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتوں کی ہو جاتی تو یہ اجازت ہرگز قائم نہ رہتی اب بھی زمانہ کا ڈھنگ دیکھ کر جو نیک لوگ عورتوں کے پردہ کے باب میں سخت رائے رکھتے ہیں وہ بالکل حضرت عائشہؓ کے ہم قول ہیں اور عطیہ سعدی کی روایت ان کی تائید کے لیے کافی ہے، مسند بزار اور طبرانی میں حضرت علیؓ سے

[۱] مشکوٰۃ ص ۲۶۹ باب النظر الی المخطوبۃ وبیان العورات [۲] مشکوٰۃ ۲۸۸ باب العدۃ۔ [۳] مشکوٰۃ ص ۲۴۲ باب الکسب وطلب الحلال
[۴] صحیح بخاری باب خروج النساء الی المساجد واللیل [۵] دیکھئے مشکوٰۃ باب الجماعۃ وفضل فصل اول و ثانی۔

فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٥٤﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا

اللہ ہے سب جانتا ۔ گناہ نہیں ان عورتوں کو سامنے ہونے کا اپنے باپوں سے اور نہ

إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءِ إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءِ أَخَوَاتِهِنَّ وَلَا نِسَائِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ

اپنے بیٹوں سے اور نہ اپنے بھائیوں سے اور نہ اپنے بھائی کے بیٹوں سے اور نہ اپنی بہن کے بیٹوں سے اور نہ اپنی عورتوں سے اور نہ اپنے

أَيْمَانُهُنَّ وَاتَّقِينَ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿٥٥﴾

ہاتھ کے مال سے اور ڈرتیاں رہو اللہ سے بے شک اللہ کے سامنے ہے ہر چیز

صحیح روایت[1] کہ اجنبی مرد اور عورت جہاں ایک جگہ ہوں تو ان کے بہکانے کے لیے وہاں ان دونوں میں تیسرا شیطان آن موجود ہوتا ہے۔ یہ حدیث ذلکم اطہر لقلوبکم وقلوبہن کی گویا تفسیر ہے سنن بیہقی تفسیر سدی تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں آیت کے آگے کے ٹکڑے کی شان نزول حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت[2] سے جو بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب پردہ کا حکم نازل ہوا اور اس عمل جاری ہوگیا تو صحابیوں میں سے ایک شخص طلحہ بن عبیداللہؓ کو یہ ایک نئی بات معلوم ہوئی اس واسطے طلحہؓ نے یہ کہا کہ اب تو یہ حکم ہے لیکن اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات میرے سامنے ہوئی تو عائشہؓ یا ام سلمہؓ سے میں ضرور نکاح کروں گا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کا یہ ٹکڑا نازل فرما کر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو امت کے لوگوں کی ماں ٹھہرا دیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی سے امت میں کا کوئی شخص کبھی نکاح نہیں کرسکتا پھر یہ لوگ ایسی باتیں منہ سے کیوں نکالتے ہیں جن کے سننے سے اللہ کے رسول کو رنج ہوتا ہے اور اس رنج سے ایذا پہنچتی ہے تمہارے نزدیک اس طرح کی بات ایک معمولی بات ہے لیکن اللہ کے نزدیک اللہ کے رسول کو ایذا پہنچانے کی بات بڑے وبال کی چیز ہے پھر فرمایا ایسی باتیں تم لوگ زبان پہ لاؤ یا دل میں رکھو یہ سب اللہ کو خوب معلوم ہیں کیونکہ اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے اس لیے ایسی باتوں کے دل میں خیال رکھنے اور زبان پر لانے سے بچنا چاہیے۔

۵۵۔ جب اللہ نے اجنبی آدمیوں سے پردہ کا حکم کردیا تو فرمایا کہ ان رشتہ داروں سے پردہ واجب نہیں ہے جس طرح سورۂ نور میں گذر چکا حاصل یہ ہے کہ عورتوں کو اپنے باپ بیٹے بھائی بھتیجے بھانجے مسلمانوں کی عورتوں اور غلام سے پردہ نہیں ہے اسورۂ نور میں پردہ کی تفصیل زیادہ ہے پھر فرمایا اللہ کے رسول کی بیویوں کو ان حکموں کی پابندی میں ظاہر اور باطن میں اللہ سے ڈرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ظاہر اور باطن کا سب حال معلوم ہے۔ ابوداؤد بیہقی اور تفسیر ابن مردویہ میں انس بن مالکؓ سے روایت[3] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام حضرت فاطمہؓ کو ہبہ کیا تھا جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس غلام کو حضرت فاطمہؓ کے پاس لائے تو حضرت فاطمہ اس سبب سے شرمانے لگیں کہ ان کے اوڑھنے کی چادر چھوٹی تھی اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت یہاں تمہارے باپ یا غلام دو ہی شخص ہیں

[1] نیل الاوطار ص ۱۴۱ ج ۲ نیز دیکھئے مشکوۃ باب النظر الی المخطوبۃ الخ بروایت حضرت عمرؓ در المنثور ص ۴ ج ۵۔ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۵۰۵ ج ۳

[3] نیل الاوطار ص ۵۴ ج ۲ نیز دیکھئے مشکوۃ باب النظر الی المخطوبۃ و بیان العورات فصل دوسری۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَ

اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر اے ایمان والو رحمت بھیجو اس پر اور

سَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾

سلام بھیجو سلام کہہ کر

شرمانے کی کوئی بات نہیں ہے اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابو جمع سالم بن دینار ہے جن کو بعضے علماء نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن ابن معینؒ سالم بن دینار کو ثقہ قرار دیا ہے، یہ یحییٰ بن معینؒ امام احمدؒ بخاریؒ مسلمؒ اور ابو داؤدؒ کے استاد ہیں امام احمدؒ کہا کرتے تھے کہ ان یحییٰ بن معین کو راویوں کی شناخت میں بڑا دخل ہے حاصل کلام یہ ہے کہ ان کے قول کا راویوں کے باب میں بڑا اعتبار ہے اس واسطے یہ روایت معتبر ہے اس حدیث اور اسی مضمون کی اور حدیثوں کے موافق حضرت عائشہؓ سعید بن مسیب امام شافعی اور ایک قول میں امام احمدؒ کا یہ مذہب ہے کہ غلام سے پردہ نہیں ہے لیکن اکثر سلف غلام سے پردہ کرنے کے قائل ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ جن حدیثوں میں غلاموں سے پردہ نہ کرنے کا ذکر ہے وہ چھوٹی عمر کے غلام تھے بالغ نہیں تھے ان لوگوں کے نزدیک ما ملکت ایمانکم کی تفسیر میں بھی وہی چھوٹی عمر کے غلام لئے گئے ہیں زیادہ تفصیل اس مسئلہ کی بڑی کتابوں میں ہے۔

۵۶۔ صحیح حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کے بعد نماز کے قعدہ آخر میں اور جنازہ کی نماز میں درود شریف پڑھنے کی بڑی تاکید ہے یہاں تک کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک قعدہ آخر میں درود شریف کا پڑھنا فرض[1] ہے اور اس کے علاوہ بھی درود شریف پڑھنے کی بڑی فضیلت صحیح حدیثوں میں آئی ہے چنانچہ مسند امام احمد وغیرہ میں حضرت انسؓ سے روایت[3] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے اللہ اس شخص پر دس دفعہ رحمت بھیجتا ہے ترمذی مسند امام احمد وغیرہ میں روایتیں[4] ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ درود پڑھنے سے غافل ہیں قیامت کے دن درود پڑھنے والوں کا ثواب دیکھ کر ان غافل لوگوں کو بڑی حسرت آوے گی بعض[5] حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خاص جمعہ کے دن درود شریف کے پڑھنے کا بڑا ثواب ہے کچھ روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ جو شخص درود شریف پڑھنا بھول گیا وہ گویا جنت کا رستہ بھول گیا صحیح بخاری مسلم وغیرہ میں کعبؓ بن عجرہ سے روایت[6] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم لوگ آپ پر کن لفظوں سے درود اور سلام بھیجا کریں تو آپ نے وہی لفظ فرمائے جو سب لوگ التحیات میں پڑھتے ہیں۔ اگرچہ دوسری حدیثوں میں درود کے بہت سے لفظ آئے ہیں لیکن اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لفظ اکثر مرد و عورت کی زبان پر ہیں ان کے پڑھ لینے سے اللہ کے حکم کی تعمیل ہو سکتی ہے۔

۱؎ مثلاً نیل الاوطار ص ۲۴۵ ج ۶، ۲؎ سبل السلام ص ۲۶۴ جلد اول طبع منیریہ مصر

۳؎ الترغیب والترہیب ص ۴۹۴ ج ۲، ۴؎ ترغیب ص ۴۰۹، ۴۱۰ ج ۲ باب الترہیب من ان یجلس الانسان مجلساً الخ

۵؎ الترغیب والترہیب ص ۵۰۹ و ۵۰۳ ج ۲ ۶؎ [illegible] ۷؎ مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ

جو لوگ ستاتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو ان کو پھٹکارا اللہ نے دنیا میں اور آخرت میں اور رکھی ہے ان کے واسطے

عَذَابًا مُّهِينًا ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا

ذلت کی مار اور جو تہمت لگاتے ہیں مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو بن کئے کام کے

فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿٥٨﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَ

تو اٹھایا انہوں نے بوجھ جھوٹ کا اور صریح گناہ اے نبی کہہ دے اپنی عورتوں کو اور اپنی بیٹیوں کو اور

ع ۷

۵۸،۵۷۔ یہ آیتیں ان لوگوں کے حق میں اتری ہیں جو پیٹھ پیچھے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو برا کہتے تھے اور جنہوں نے اللہ کے رسول کی بی بی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر طوفان لگایا جس کا قصہ سورہ نور میں گزر چکا ہے صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت[1] سے حدیث قدسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا لوگ زمانہ کو برا کہہ کر مجھ کو ایذا دیتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جاہلیت میں لوگ کہا کرتے تھے زمانہ کا برا ہو کہ ہمارے ساتھ اس نے ایسا اور ایسا کیا اس میں یہ لوگ دنیا کے کاموں کو زمانہ کی طرف نسبت کر کے اس کو برا کہتے تھے اور حقیقت میں ان کاموں کا کرنے والا اللہ ہے اس لیے وہ ناسمجھی سے گویا اللہ کو برا کہتے تھے، اگرچہ سارا جہان اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے عاجز اور لاچار ہے کسی کی کیا طاقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچا سکے لیکن سورۃ الزمر میں آوے گا کہ نافرمانی کے کام اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اسی ناپسندی کو ان آیتوں اور حدیث قدسی میں ایذا فرمایا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جاوے کہ اللہ کے رسولؐ کو ایذا گویا اللہ تعالیٰ کی ایذا کے برابر ہے معتبر سند سے مسند امام احمد اور ترمذی میں عبداللہؓ بن معقل سے روایت[2] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میرے صحابہؓ کو ایذا دی اس نے مجھ کو ایذا دی اور جس نے مجھ کو ایذا دی اس نے گویا اللہ تعالیٰ کو ایذا دی، اوپر کی حدیث قدسی اور اس حدیث کو ملا کر ان آیتوں کی تفسیر کا حاصل یہ ٹھہرا کہ جس کسی نے ناسمجھی سے اللہ تعالیٰ کی ناپسندی کی کوئی بات منہ سے نکالی یا اللہ کے رسول یا آپؐ کے صحابہؓ کے ایذا کی کوئی بات کی یا مسلمانوں پر کوئی جھوٹا بہتان لگایا تو ایسا شخص اللہ کی رحمت سے دور قرار پا کر بڑا گناہ گار اور سخت عذاب میں گرفتار ہوگا۔ صحیح مسلم ابوداؤد ترمذی اور نسائی میں ابوہریرہؓ سے روایت[3] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی شخص میں کوئی بات پائی جاوے تو پیٹھ پیچھے ایسی بات کی مذمت کو غیبت کہتے ہیں اور اگر اس شخص میں وہ بات نہ پائی جاوے تو اس کو بہتان کہتے ہیں، ان آیتوں میں بہتان کا جو ذکر ہے یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے۔

۵۹ تا ۶۲۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت[4] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ پردہ کی آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت سودہؓ ایک رات چادر اوڑھ کر نکلیں اور حضرت عمرؓ نے ان کو دھمکایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ دیا کہ جس طرح پردہ کا حکم اترا ہے اسی طرح یہ حکم بھی دیا جائے کہ چادر اوڑھ کر بھی مستورات گھر کے باہر نہ نکلا کریں طبقات ابن سعد میں

[1] مشکوۃ کتاب الایمان فصل اول، [2] مشکوۃ باب مناقب الصحابہؓ فصل دوسری، [3] مشکوۃ باب حفظ اللسان والغیبۃ والشتم فصل اول، [4]

نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا

مسلمانوں کی عورتوں کو نیچے لٹکالیں اپنے اوپر تھوڑی سی چادریں اس میں لگتا ہے کہ پہچانی پڑیں تو

يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ

کوئی نہ ستائے اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان کبھی باز نہ آئے منافق ، اور جن کے دل میں

مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ

روگ ہے اور جھوٹ اڑانے والے مدینے میں تو ہم لگادیں گے تجھ کو ان کے پیچھے پھر نہ رہنے پاویں گے تیرے ساتھ اس شہر میں

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ

مگر تھوڑے دنوں پھٹکارے ہوئے جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور مارے گئے جان سے دستور پڑا ہوا ہے اللہ کا

فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾

ان لوگوں میں جو آگے ہو چکے ہیں اور تو نہ دیکھے گا اللہ کی چال بدلتی۔

محمد بن کعب حسن بصری اور ابو مالک کی روایتوں[۵] سے حضرت عمرؓ کے اس مشورہ کے دینے کا سبب یہ تبلایا ہے کہ مسلمان عورتیں جب چادر اوڑھ کر باہر نکلا کرتی تھیں تو مدینہ میں بعضے منافق لوگ ایسے ناہموار تھے کہ عورتوں کو راستہ میں چھیڑا کرتے تھے اور جب ان ناہمواروں کو دھمکایا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا کہ شریف مسلمان عورتوں کو تم کیوں چھیڑا کرتے ہو تو کہتے تھے کہ ہم نے ان کو شریف جان کر نہیں چھیڑا بلکہ لونڈی جان کر چھیڑا تھا اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرما کر دونوں باتوں کا حکم فرما دیا حضرت عمرؓ کے مشورے کے باب میں تو یہ حکم ہوا کہ عورتوں کے لیے پردہ جو حکم نازل ہو چکا ہے وہی کافی ہے جماعت کی نماز کے لیے یا اور کسی ضرورت سے چادر یا برقعوں میں منہ چھپا کر عورتوں کے باہر نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے دوسری بات کا یہ حکم ہوا کہ بی بی اور باندی کی پوشاک میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرق کر دیا ہے کہ شریف عورتیں باہر نکلتے وقت گھونگٹ کے طور پر چادر اوڑھا کریں، پھر فرمایا اگر وہ ناہموار لوگ اس فرق کے بعد بھی باز نہ آویں گے تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے مشرکوں سے لڑنے کا حکم اپنے رسول کو دے دیا ہے اسی طرح ان منافقوں کے قتل کا حکم دے دیا جاوے گا قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم شرط لگا کر دیا تھا کہ اگر آئندہ منافق لوگ اپنی ناہمواری سے باز نہ آویں گے تو ان کے قتل کا حکم دیا جاوے گا اس شرط کو سن کر اس آیت کے نازل ہونے کے بعد پھر ان منافقوں نے وہ اپنی ناہمواری چھوڑ دی اسی لیے قرآن شریف میں ان کے قتل کا حکم نازل نہیں ہوا اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا ہے کہ عادت الٰہی میں یہ بات داخل ہے کہ جو برا کام کرتا ہے وہی پکڑا جاتا ہے کسی برے کام کے کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کسی کو نہیں پکڑتا یہ ابو مالک تابعین میں مشہور عالم ہیں شعبی کے بعد کوفہ کے قاضی بھی تھے نسائی وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا ہے اور محمد بن کعب بھی ثقہ ہیں۔

محمد بن سعدؒ اور ان کی کتاب طبقات

محمد بن سعد امام احمدؒ کے ہم عصر بصرہ کے مشہور اور معتبر علماء میں ہیں صحابہؓ اور تابعینؒ کے احوال میں ان طبقات کبیر طبقات صغیر

[۵] تفسیر الدر المنثور ص ۲۲۱ ج ۵۔

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ

لوگ پوچھتے ہیں تجھ سے قیامت کو تو کہہ اس کی خبر ہے اللہ ہی پاس اور تو کیا جانے شاید وہ

السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿۶۴﴾ خٰلِدِيْنَ

گھڑی پاس ہی ہو بے شک اللہ نے پھٹکارا ہے منکروں کو اور رکھی ہے واسطے ان کے دھکتی آگ رہا کریں اس میں

فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۶۵﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ

ہمیشہ نہ پاویں کوئی حمایتی نہ مددگار جس دن اوندھے ڈالے جاویں گے ان کے منہ آگ میں

اور تاریخ کی کتابیں مشہور ہیں تقریب میں ان کو معتبر لکھا ہے صحابہؓ کے طبقوں میں پہلے خلفائے اربعہ ہیں پھر درجہ بدرجہ اور صحابہؓ ہیں اسی طرح سب بلادہ طبقے میں آخر طبقہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے نوعمری میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے یہی حال تابعین اور تبع تابعین کے طبقوں کا ہے حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ جب ناہموار لوگ شریف عورتوں کو راستہ میں چھیڑتے ہیں اور دھمکانے کے وقت یہ کہتے ہیں کہ شریف عورتوں کے اور لونڈیوں کے لباس میں کچھ فرق نہیں تھا اس لیے لونڈیوں کے شبہ میں ہم نے ان شریف عورتوں کو چھیڑا تو ان ناہمواروں کو قائل کرنے کے لیے اے نبی تم اپنی بیویوں بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ باہر نکلنے کے وقت وہ معمولی دوپٹہ کے اوپر ایک چادر اوڑھ کر گونگھٹ نکال لیا کریں تاکہ ان ناہمواروں کا پہلا عذر باقی نہ رہے پھر اس پر بھی یہ ناہموار اپنی ناہمواری سے باز نہ آویں گے تو ہمیشہ سے یہ عادت الٰہی جاری ہے کہ مہلت کے زمانہ میں جو نافرمان لوگ اپنی نافرمانی سے باز نہیں آتے تو پھر اپنے جرم کی سزا میں پکڑے جاتے ہیں، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو پہلے مہلت دیتا ہے جب مہلت کے زمانہ میں وہ لوگ اپنی نافرمانی سے باز نہیں آتے تو ان کو ایسے سخت عذاب میں پکڑ لیتا ہے جس سے وہ ہلاک ہو جاتے ہیں، یہ حدیث آخری آیت کی گویا تفسیر ہے ارجاف کے معنے جھوٹی خبر کے اڑانے کے ہیں، مدینہ میں کچھ منافق ایسے بھی تھے جو مسلمانوں کو پریشان کرنے کے سوائے مخالفوں کی چڑھائی کر کے آنے کی جھوٹی خبریں اڑایا کرتے تھے ان ہی کو والمرجفون فی المدینہ فرمایا۔

۶۳ تا ۶۷۔ ان آیتوں میں ارشاد ہے کہ اے رسول اللہ کے تمہیں ستانے کو جو لوگ گھڑی گھڑی تم سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کب ہوگی تم ان کو جواب دو کہ اس کا علم خدا کو ہے اور تم کو کیا خبر شائد قریب ہو جیسا اور جگہ فرمایا اقترب للناس حسابهم وهم فی غفلة معرضون جس کا مطلب یہ ہے کہ نزدیک آیا لوگوں کے حساب کا وقت اور وہ غفلت میں ہیں پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے کافروں کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا ہے اور تیار کر رکھا ہے ان کے لیے دھکتی آگ کو ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اس میں اور نہ پاویں گے کافر کسی کو اپنا دوست اور مددگار جو عذاب سے ان کو چھوڑا دے پھر فرمایا جس دن وہ آگ میں اوندھے منہ ڈالے جاویں گے کہیں گے کاش ہم دنیا میں اللہ کی اور اللہ کے رسول کی تابعداری کرتے، طاؤس کا قول ہے کہ سادتنا سے مراد اشراف لوگ ہیں اور کبرائنا سے علماء مراد ہیں ان کے پیرو لوگ کہیں گے اے پروردگار ہمارے ہم نے تابعداری کی اپنے امیروں اور بڑے علماؤں کی اور تیرے رسول کا کہنا نہ مانا اس لیے دنیا میں ہم گمراہ رہے اے پروردگار دوگنا عذاب اور لعنت کر ان کو۔ حشر اور قیامت کے منکر لوگ مسخراپن کے طور پر قیامت کی جلدی جو کرتے تھے ان کو ڈرایا کہ قیامت کے دن ایسے لوگوں کا یہ برا انجام ہوگا، یہ طاؤس بن کیسان حسن بصری کے رتبے کے ثقہ تابعیوں میں ہیں اور حدیث کی سب کتابوں میں ان سے روایتیں ہیں۔

يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا (٦٦) وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا

کہیں گے کس طرح ہم نے کہا مانا ہوتا اللہ کا اور کہا مانا ہوتا رسول کا   اور کہیں گے اے رب ہم نے کہا مانا اپنے

وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا (٦٧) رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا

سرداروں کا اور بڑوں کا پھر انہوں نے چوکایا ہم سے راہ   اے رب ان کو دے دوہری مار   اور پھٹکار ان کو بڑی

كَبِيرًا (٦٨) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا

پھٹکار   اے ایمان والو تم مت ہو ویسے جنہوں نے ستایا موسیٰ کو   پھر بے عیب دکھایا اس کو اللہ نے ان کے

قَالُوا ۚ وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا (٦٩) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا

کہنے سے اور تھا اللہ کے یہاں آبرو والا   اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور کہو بات

ع ۵

پھر فرمایا اے ایمان والو نہ ہو تم مثل ان لوگوں کے جنہوں نے ایذا دی موسیٰ علیہ السلام کو پھر بری کیا موسیٰ کو اللہ نے اس عیب سے جو لوگوں نے لگایا تھا، اور تھے موسیٰ علیہ السلام خدا کے نزدیک بڑے آبرو والے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بڑے حیادار اور بڑے پردہ کرنے والے تھے تمام بدن ڈھکا رکھنے کے سبب سے ان کا بدن بنی اسرائیل میں سے کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا اس سبب سے بنی اسرائیل میں سے کچھ موذی لوگوں نے ان کو ستایا اور کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے بدن کے کسی عیب کے سبب سے اس قدر پردہ کرتے ہیں اس پر خدا تعالیٰ نے ان کو اس عیب سے یوں بری کیا کہ ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اکیلے جاکر اپنے کپڑے اتارے اور ایک پتھر پر رکھ دیے اور نہانے لگے جب نہا چکے اور اپنے کپڑے لینے کے لیے آگے کو بڑھے تو وہ پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی لاٹھی لے کر پتھر کے پیچھے دوڑے اور فرمانے لگے او پتھر میرے کپڑے دے دے او پتھر میرے کپڑے دے دے یہاں تک کہ وہ پتھر بنی اسرائیل میں جا پہنچا اور ٹھہر گیا ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کا تمام جسم نہایت صاف اور بے عیب ملاحظہ کر لیا گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی باتوں سے بری فرمایا تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہ السلام ایک پہاڑ پر گئے وہیں حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال ہو گیا بنی اسرائیل کہنے لگے کہ اے موسیٰ تم نے ہی ان کو مار ڈالا ہے اس پر خدائے تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا اور وہ حضرت ہارون علیہ السلام کا جنازہ اٹھا کر بنی اسرائیل کے روبرو لائے اور جنازے میں سے آواز آئی کہ میں اپنی موت سے مرا ہوں اس صورت میں ان دونوں قصوں کا مجموعہ آیت کی شان نزول ہے پھر فرمایا اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور کہو منہ سے بات سیدھی سنوارے گا اللہ تمہارے کام اور بخشے گا تمہارے گناہ اور جس نے اللہ رسول کی اطاعت کی تو وہ شخص بڑی مراد کو پہنچا اور بڑی مراد کو پہنچنا یہی ہے کہ اللہ اس کو آگ کے عذاب سے بچا دے گا اور جنت میں داخل کرے گا جہاں ہر طرح سے ہمیشہ کا عیش و آرام ہے صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا کی عمر کو ایک دن ٹھہرا کر یہ فرمایا ہے کہ صبح سے عصر تک کا حصہ اس دن کا تو میرے نبی

لہ تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۰ ج ۳ نیز دیکھئے مشکوٰۃ باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء علیہم السلام فصل اول۔ ۲ مشکوٰۃ باب ثواب ہذہ الامۃ فصل اول۔

سَدِيۡدًا ۙ﴿۷۰﴾ يُّصۡلِحۡ لَـكُمۡ اَعۡمَالَـكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَـكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ‌ؕ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ
سیدھی کہ سنوار دے تم کو تمہارے کام اور بخشے تم کو تمہارے گناہ اور جو کوئی کہے پر چلا اللہ کے اور

رَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِيۡمًا ﴿۷۱﴾ اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ
اس کے رسول کے اس نے پائی بڑی مراد ہم نے دکھائی امانت آسمان کو اور زمین کو

ہونے سے پہلے گذر چکا اب فقط عصر سے مغرب تک کا حصہ باقی ہے اس حدیث سے قیامت کے قریب ہونے کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے اور یہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے کہ اس عصر سے مغرب تک کے حصہ میں سے بھی تیرہ صدیاں گزر چکیں، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابی ہریرہؓ کی حدیثؓ ایک جگہ گذر چکی ہے کہ دوزخ کی آگ میں دنیا کی آگ سے تیزی ۶۹ حصے زیادہ ہے اس حدیث سے دوزخ کی آگ کو دھکتی آگ فرمانے کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے، صحیح بخاری و مسلم میں انس بن مالکؓ سے روایتؓ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن نافرمان لوگ منہ کے بل گھسیٹے جا کر دوزخ میں ڈالے جاویں گے یہ حدیث یوم تقلب وجوھهم فی النار کی گویا تفسیر ہے۔

۷۲. اگرچہ اس آیت کی تفسیر میں علمائے مفسرین نے بہت سے طرح طرح کے قول لکھے ہیں لیکن صحیح تفسیر قرآن شریف کی یا تو خود قرآن سے ہو سکتی ہے کہ ایک آیت کی تفسیر دوسری آیت سے کی جاوے اور اگر یہ موقع حاصل نہ ہو سکے تو پھر صحیح حدیث سے قرآن کی تفسیر ہو سکتی ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس لئے نازل فرمایا ہے۔ کہ آپ قرآن شریف کو اللہ تعالیٰ کے پیغام کے طور پر امت کے لوگوں کو سمجھا دیویں اسی واسطے اللہ تعالیٰ کے کلام کو جس طرح تائید غیبی کی مدد سے آپ نے صحیح صحیح اور اللہ تعالیٰ کی مراد کے موافق سمجھا ہے اس طرح کسی دوسرے کو قرآن شریف کا سمجھنا میسر نہیں ہو سکتا پھر اگر یہ موقع بھی کسی آیت کی تفسیر میں حاصل نہ ہو سکے کہ صحیح حدیث سے اس آیت کی تفسیر کی جا سکے تو صحابہ کے قول سے قرآن شریف کی تفسیر کی جاتی ہے کیوں کہ صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن شریف کا مطلب بڑی محنت سے سیکھا ہے اور آنحضرتؐ سے انہوں نے سن لیا ہے کہ قرآن شریف کی تفسیر میں عقل کو دخل دینا بڑا گناہ ہے اس لئے جو کچھ وہ قرآن شریف کی تفسیر کے باب میں کہتے ہیں وہ بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے کے نہیں کہتے اسی واسطے حاکم نے مستدرک[۳] میں روایت کی ہے کہ صحابیؓ کا قول تفسیر کے باب میں حدیث نبوی کے برابر ہے اور تابعینؒ صحابہؓ سے روایت کے طور پر بیان کرتے ہیں غرض اس آیت کی تفسیر میں جو اس طرح کے قول تھے جن کی تائید نہ کسی آیت قرآن سے ہو سکتی تھی نہ صحیح حدیث سے نہ قول صحابہ و تابعین سے ان قولوں کا ذکر کرنا تو بالکل بے فائدہ ہے اب یہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ تفسیر کے باب میں بہ نسبت اور صحابہؓ کے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کا بڑا اعتبار ہے اور یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے تفسیر کی روایتیں مختلف سندوں سے ہیں ان سب سندوں میں سے زیادہ معتبر وہی علی بن ابی طلحہ کی روایت کا طریقہ ہے جس کو امام بخاری نے اپنی کتاب بخاری کی کتاب التفسیر میں اختیار کیا ہے اس لیے اسی علی بن ابی طلحہ کی سند سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا جو قول اس آیت کی تفسیر میں ہے وہ بیان کیا جاتا ہے تاکہ اس قول کے ذکر کرنے کے بعد کسی دوسرے قول کے ذکر کرنے کی حاجت باقی نہ رہے۔

---

[۱] بحوالہ مشکوۃ باب صفۃ النار واہلہا فصل اول۔ [۲] مشکوۃ باب الحشر فصل اول [۳]

[۴] اب چودہ صدیاں بھی پوری ہو گئیں (ع، ح)

وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿۷۲﴾

اور پہاڑوں کو پھر سب نے قبول نہ کیا اس کو اٹھاویں اور اس سے ڈر گئے اور اٹھا لیا اس کو انسان نے یہ ہے بڑا بے ترس نادان

علی بن طلحہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ اس آیت میں امانت کا جو ذکر ہے اس سے مراد وہ باتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے انسان پر فرض کیا ہے جن کے ادا کرنے سے انسان کی نجات ہو سکتی ہے نہیں تو انسان کے لیے بڑی خرابی ہے حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے صحیح قول کے موافق امانت کے لفظ میں وہ سب حقوق داخل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ذمہ کئے ہیں مثلاً توحید عبادت اور اس لفظ میں وہ حقوق بھی داخل ہیں جو بندوں پر شریعت نے لگائے ہیں مثلاً امانت کی چیز یا مانگی ہوئی چیز کا نیک نیتی سے واپس کرنا ان سب حقوق کو امانت داری سے ادا کرنے کی امانت کو اللہ تعالیٰ نے آسمان زمین اور پہاڑوں کے روبرو پیش کیا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر اس امانت کو تم پورے طور پر ادا کرو گے تو تم کو بڑا اجر ملے گا اور اگر تم اس امانت کو پورے طور پر ادا نہ کر سکو گے تو تم کو سخت عذاب بھگتنا پڑے گا اس شرط سے وہ سب ڈر گئے اور اس امانت کو انہوں نے قبول نہیں کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اس امانت کو حضرت آدم علیہ السلام کے روبرو پیش کیا انہوں نے اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے اس امانت کو قبول کر لیا اللہ تعالیٰ کو اپنے علم ازلی سے یہ بات معلوم تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام کی بہت سی اولاد اس امانت میں خیانت کرے گی اور اس امانت کو پوری طرح سے ادا نہ کر سکے گی اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان بڑا نادان ہے بغیر انجام کے سوچے اتنا بڑا بوجھ اپنے سر پر لے لیا اور پھر انسان کی تسکین کے لئے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اس امانت میں کسی طرح کی خیانت کرنے کے بعد توبہ استغفار کرے گا تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ہاں جو شخص مرتے دم تک اسی خیانت میں شرک اور نفاق کے سبب سے گرفتار رہے گا تو وہ بلاشک عذاب آخرت میں پکڑا جاوے گا۔ ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے شداد بن اوس کی معتبر روایت اوپر ایک جگہ گزر چکی ہے کہ جو شخص عمر بھر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کاموں میں لگا رہیگا اور موت سے پہلے موت کے بعد کا کچھ سامان نہ کرے گا وہ بڑا نادان ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ دنیا کے انتظام کو دیکھ کر ہر صاحب عقل شخص سمجھ سکتا ہے کہ اتنا بڑا انتظام کھیل تماشے کے طور پر نہیں ہے بلکہ اس انتظام کا انجام وہی ہے جس کے سمجھانے کے لیے آسمانی کتابیں لے کر اللہ کے رسول دنیا میں آئے ہیں کہ دنیا کے ختم ہو جانے کے بعد پھر دوبارہ پیدا ہونا اور نیک و بد کی جزا و سزا ضروری ہے تاکہ دنیا کا پیدا ہونا ٹھکانے سے لگ جائے جو شخص سمجھانے کے بعد بھی اس انجام کا منکر یا اس سے غافل ہے وہ بڑا نادان ہے یہ حدیث ظلوما جہولا کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ اپنی پیدائش کے انجام سے بے خبر ہیں وہ بڑے نادان ہیں۔

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۲ ج ۳ و تفسیر الدر المنثور ص ۲۲۴ ج ۵

[۲] بحوالہ مشکوۃ باب استحباب المال والعمر للطاعۃ فصل دوسری۔

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى

تا عذاب کرے اللہ منافق مردوں کو اور عورتوں کو اور شرک والے مردوں کو اور عورتوں کو اور معاف کرے اللہ

الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۷۳

ایماندار مردوں کو اور عورتوں کو اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

۷۳۔ اس آیت سے پہلی آیت میں امانت کا ذکر تھا آیت کے پہلے ٹکڑے میں جس امانت کا ذکر تھا آیت کے اس آخری ٹکڑے میں اس امانت کا یہ نتیجہ بیان فرمایا کہ جو منافق اور مشرک لوگ اس امانت میں خیانت کریں گے ان پر عذاب ہوگا اور جو ایماندار لوگ اس امانت کی شرط کو پورا کریں گے وہ اللہ کی رحمت کے قابل ٹھہریں گے منافق وہ تھے جو ظاہر میں اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور باطن میں اسلام کے بدخواہ تھے مشرک وہ جو ظاہر اور باطن میں کھلم کھلا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے پر اور اس کے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے پر ہر وقت آمادہ وتیار رہتے تھے صحیح بخاری ومسلم کے حوالہ سے معاذ بن جبلؓ کی حدیثؐ ایک جگہ گذر چکی ہے جس میں اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں پھر اس حق کے ادا ہونے کے بعد بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہوگا کہ وہ اپنے ایسے بندوں کی مغفرت فرماوے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے آیت میں کے لفظ امانت کی جو تفسیر فرمائی ہے اس صحیح حدیث سے اس تفسیر کی پوری تائید ہوتی ہے کیوں کہ شرک اور نفاق کی خیانت سے بچنے کی جو شرط حق الٰہی کے ساتھ حدیث میں ہے وہی ہر طرح کی خیانت سے بچنے کی شرط امانت میں ہوا کرتی ہے اس حدیث اور آیت کو ملانے کے بعد پوری آیت کی تفسیر کا حاصل وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ جو شخص بشریت کے تقاضے سے حق الٰہی کی امانت میں کچھ خیانت کر بیٹھے گا اور پھر خالص دل سے توبہ کر کے امانتداری کی حالت پر جم جاوے گا تو اللہ غفور رحیم ہے وہ اس کی مغفرت فرماوے گا ہاں جو شخص مرتے دم تک شرک ونفاق کی خیانت حق الٰہی میں کرے گا وہ آخرت کے عذاب میں پکڑا جاوے گا کس لئے کہ انتظام الٰہی کے موافق دنیا کے پیدا ہونے کی بنیاد اس جزا وسزا کے فیصلہ پر قائم ہوئی ہے یہی انتظام آسمان زمین اور پہاڑوں کو جتلایا گیا تھا جب انہوں نے ذمہ داری سے ڈر کر اس انتظام کو اپنے ذمہ نہیں لیا اور سب بنی آدم کے باپ آدمؑ نے اس انتظام کو اپنے ذمہ لیا تو سب بنی آدم کو اس عہد پر قائم رہنا چاہئے کیوں کہ الست بربکم کے جواب میں سب بنی آدم ہوتے بھی عہد کا اقرار کیا ہے جس کا ذکر سورۃ الاعراف میں گذر چکا۔

تمت سورة الاحزاب

(۱) دیکھو مشکوٰۃ کتاب الایمان فصل اول۔

آیاتہا ۵۴ (۳۴) سُوْرَةُ السَّبَا مَكِّيَّةٌ (۵۸) رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ وَهُوَ

سب خوبی اللہ کی ہے جس کا ہے جو کچھ ہے آسمان و زمین میں اور اسی کی تعریف ہے آخرت میں اور وہی ہے

الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ① يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ

حکمتوں والا سب جانتا جانتا ہے جو پیٹھتا ہے زمین میں اور جو نکلتا ہے اس سے اور جو اترتا ہے

السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ②

آسمان سے اور جو چڑھتا ہے اور وہی ہے رحم والا بخشتا

۱-۲۔ ان آیتوں میں ارشاد ہے کہ دنیا اور آخرت میں سب تعریف اللہ ہی کو زیبا ہے کیوں کہ انعام کرنے والا دنیا اور آخرت کے لوگوں پر وہی ہے اور وہی سب کا مالک ہے اور سب کے اوپر اسی کا حکم جاری ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد کیا وھو اللہ لا الٰہ الا ھو لہ الحمد فی الاولی والآخرۃ ولہ الحکم والیہ ترجعون جس کا حاصل یہ ہے کہ سوائے اللہ کے اور کوئی معبود نہیں اس لئے اسی کے لئے تعریف ہے دنیا اور آخرت میں اور اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم پھیرے جاؤ گے، پھر فرمایا وہی اپنے ہر کام میں بڑی حکمت والا ہے اور بڑا خبردار ہے جس پر کوئی چیز چھپی نہیں رہتی ہے پھر فرمایا پانی کی بوندیں جس قدر زمین میں جانے والی ہیں اور جس قدر دانے زمین کے اندر بوئے ہوئے اور چھپے ہوئے ہیں ان سب کی گنتی وہ جانتا ہے اور جو کچھ زمین سے نکلتا ہے اس کی کیفیت اور شمار کو بھی جانتا ہے اور اسی طرح جس قدر قطرے اور روزی آسمان سے اترتی ہے اور جو نیک عمل اور روحیں آسمان پر چڑھتے ہیں ان سب کو بھی خوب جانتا ہے اور وہی اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے جو ان کی نافرمانیوں کے سبب سے ان پر جلدی عذاب نہیں بھیجتا اور جو اس کے بندے اس کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں ان کی خطاؤں سے بڑا درگزر کرنے والا اور بخشنے والا ہے ان آیتوں میں مشرکوں کو یوں قائل کیا گیا ہے کہ جب انسان اور آسمان و زمین میں سب انسان کی ضرورت کی چیزیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی اور اس کے اختیار اور علم میں ہیں نہ ان مشرکوں کے بتوں نے ان میں سے کوئی چیز پیدا کی نہ کسی چیز پر ان کا کچھ اختیار چلتا ہے نہ ان بتوں کو کسی ضرورت کی چیز کا کچھ حال معلوم ہے کہ کون سی چیز کی اس وقت ضرورت ہے تو پھر ان بتوں کو اللہ کی تعظیم میں شریک ٹھہرانے کا کیا حق ہے اب تو دنیا میں شیطان کے بہکانے سے یہ مشرک لوگ اپنے بتوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں مگر مرنے کے بعد ان کو معلوم ہو جاوے گا کہ دنیا میں یہ لوگ غلطی پر تھے دونوں جہان کی تعظیم اور تعریف اللہ کو ہی زیبا ہے شرک سے توبہ کر کے اللہ کی وحدانیت کا جو شخص قائل ہو جائے تو اس کے زمانہ شرک کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں چنانچہ صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ عمرو بن العاص کی روایت[1] ایک جگہ گزر چکی ہے کہ شرک سے توبہ کرتے ہی زمانہ شرک کے

[1] بحوالہ مشکوۃ کتاب الایمان فصل اول۔

عہ حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کے موافق سورت مکی ہے (از مصنف)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ ۖ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ ۖ لَا

اور کہنے لگے منکر نہ آوے گی ہم پر وہ گھڑی تو کہہ کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی البتہ آوے گی تم پر اس چھپے جاننے والے

يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ

غائب نہیں ہو سکتا اس سے کچھ ذرہ بھر آسمانوں میں نہ زمین میں اور کوئی چیز نہیں اس سے چھوٹی نہ اس سے بڑی نہیں ہے

سب گناہوں کی جڑ بنیاد بالکل ڈھے جاتی ہے اسی مطلب کے ادا کرنے کے لئے ان آیتوں کو وھوالرحیم الغفور پر ختم فرمایا تاکہ مشرکوں کے دل میں شرک سے توبہ کرنے کی ایک طرح کی رغبت پیدا ہو جاوے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث ایک جگہ گزر[1] چکی ہے کہ لوگوں کے رات کے عمل دن سے پہلے اور دن کے عمل رات سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ملاحظہ میں پہنچ جاتے ہیں، مسند امام احمد اور ابوداؤد کے حوالہ سے براء بن عازبؓ[2] کی صحیح حدیث بھی ایک جگہ گزر چکی ہے کہ قبض روح کے بعد نیک لوگوں کی روحوں کو فرشتے اللہ تعالیٰ کے روبرو لے جاتے ہیں ان حدیثوں سے عملوں کا اور نیک روحوں کا آسمان پر چڑھنا معلوم ہوتا ہے اس لئے ان حدیثوں کو وما یعرج فیھا کی تفسیر میں بڑا دخل ہے۔

۳/۴۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے جگہ جگہ قیامت کے آنے پر قسم کھانے کو فرمایا ہے چنانچہ سورہ یونس میں فرمایا قل ای وربی اور یہاں اس سورہ میں فرمایا قل بلیٰ وربی اور سورہ تغابن میں فرمایا قل بلیٰ وربی لتبعثن جگہ جگہ اس تاکید سے قیامت کا ذکر فرمانے سے ایک تو بڑی تاکید سے ان منکر لوگوں کا جواب دینا مقصود ہے جو قیامت کے منکر تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب قیامت کا ذکر فرماتے تھے تو یہ لوگ بڑا تعجب کرتے تھے اور اللہ کے رسول کو دیوانہ بتلاتے تھے دوسرا مقصود یہ ہے کہ قیامت کے ساتھ اس دن حساب کتاب عملوں کا تولنا جنت اور دوزخ میں داخل ہونا جن جن باتوں کا ذکر ہے ان باتوں پر مسلمانوں کا ایمان خوب مضبوط ہو جاوے کیوں کہ جب تک ان باتوں پر ایمان مضبوط نہ ہوگا تو ثواب آخرت کی نیت سے نیک کام نہ کیا جائے گا اور دنیا کے دکھاوے کا کام شریعت میں مقبول نہیں ہے قرآن شریف اور حدیث شریف میں قیامت کا نام یوم آخر جو آیا ہے اس کا سبب علماء نے بھی لکھا ہے کہ پہلا دن تو ہر انسان کے لئے وہ ہے جس دن وہ بالکل نیست سے ہست ہو کر دنیا میں پیدا ہوا اور دوسرا دن وہ ہوگا کہ دنیا فنا ہو کر پھر دوبارہ انسان نیست سے ہست ہو جاوے گا غرض پہلی دفعہ کی نیستی اور ہستی میں اور دوسری دفعہ کی نیستی اور ہستی میں کچھ فرق نہیں ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے آگے افلم یروا الی ما بین ایدیھم وما خلفھم من السماء والارض فرمایا آسمان اور زمین اور تمام مخلوقات کو پیدا کرنا یاد دلا کر منکروں کو قائل کیا ہے کہ جس طرح پہلی دفعہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ بالکل نیست سے ہست کیا ہے اسی طرح قیامت کے دن ہوگا اور جس طرح پہلی دفعہ اللہ تعالیٰ کے علم اور حکمت سے کوئی چیز باہر نہ تھی دوسری دفعہ بھی باہر نہیں ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث کئی[3] جگہ گزر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے وہ سب لوح محفوظ میں اپنے علم غیب کے موافق اللہ تعالیٰ نے لکھ لیا ہے، آیت میں ہر ایک چھوٹی بڑی چیز کے کتاب مبین میں لکھے جانے کا جو ذکر ہے یہ حدیث گویا اس کی تفسیر ہے جس سے یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ کتاب مبین سے مقصود لوح محفوظ ہے جس میں ہر ایک چھوٹی

[1] بحوالہ مشکوۃ باب الایمان بالقدر فصل اول [2] بحوالہ مشکوۃ باب اثبات عذاب القبر فصل ثانی [3] بحوالہ مشکوۃ باب الایمان بالقدر فصل اول

اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳﴾ لِّیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِکَ لَهُمْ

کھلی کتاب میں تا بدلا دے ان کو جو یقین لائے اور کئے بھلے کام وہ جو ہیں ان کو

مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

ہے معافی اور روزی عزت کی اور جو لوگ دوڑے ہماری آیتوں کے ہلانے کو ان کو

بڑی چیز دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے لکھی جا چکی ہے یہ منکر قیامت جو اس کو جھٹلاتے ہیں تو ان کے جھٹلانے سے نہ اللہ تعالیٰ کا علم غیب بدل سکتا ہے نہ لوح محفوظ کا لکھا ان کے منکر ہونے کے سبب سے مٹ سکتا ہے، جہاں لوح محفوظ میں اور سب کچھ لکھا گیا ہے وہاں یہ بھی ہے کہ دنیا کا اتنا بڑا کارخانہ بے فائدہ اور بے ٹھکانہ نہیں پیدا کیا گیا بلکہ دنیا کے ختم ہو جانے کے بعد دوسرا جہان قائم ہوگا اور نیک و بد کا فیصلہ کیا جاوے گا یہ لوگ اپنے آپ کو ملتِ ابراہیمی پر بتلاتے ہیں اور ان کو اتنی بھی خبر نہیں کہ قیامت کی صداقت کی تاکید جس طرح اس آخری شریعت میں ہے اسی طرح ملتِ ابراہیمی میں ہے اس واسطے ان لوگوں کے پاس کوئی نقلی سند تو ایسی نہیں ہے جس کو اپنے انکار کی تائید میں یہ لوگ پیش کر سکیں رہی ان کی یہ عقلی حجت کہ مرنے کے بعد جب ان کی خاک رواں دواں ہو جاوے گی تو پھر وہ خاک کیوں کر جمع ہو جاوے گی اس کا جواب بھی ان کو سمجھا دیا گیا ہے کہ ان کی خاک رواں دواں ہو کر جہاں کہیں جاوے گی اس کا پتہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اس پتے کے موافق وہ خاک جمع کی جاوے گی اور اس کا پتلا بنایا جا کر اس پتلے میں روح پھونک دی جاوے گی جس سے یہ دوبارہ زندہ ہو جاویں گے صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت[1] سے حدیث قدسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر ایک نیکی کا بدلہ دس سے لے کر سات سو تک اور بعض نیکیوں کا بدلہ اس سے بھی زیادہ قیامت کے دن ایماندار لوگوں کو دیا جائے گا، یہ حدیث لیجزی الذین امنو وعملوا الصالحات کی گویا تفسیر ہے، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت سے حدیث قدسی ایک جگہ گزر چکی ہے[2] جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا جنت میں جو نعمتیں ایماندار جنتی لوگوں کو ملیں گی وہ نہ کسی نے آنکھ سے دیکھیں نہ کانوں سے سنیں نہ کسی کے دل میں ان کا خیال گزر سکتا ہے، یہ حدیث رزق کریم کی گویا تفسیر ہے۔

۵، ۶۔ اوپر نیک لوگوں کا اور ان کی نیکیوں کی جزا کا ذکر فرما کر اب بد لوگوں کا اور ان کی سزا کا ذکر فرمایا کہ لوح محفوظ میں جس طرح نیکیوں کی جزا کا حال لکھا ہوا ہے اسی طرح یہ بھی ہے کہ جن لوگوں نے قرآن کی آیتوں کے جھٹلانے کی کوشش کی اور ان کو شعر اور جادو کہا تا کہ ان آیتوں سے لوگوں کو روکیں اور اسی طرح رسول کو شاعر اور جادوگر کہہ کر جھٹلایا ان بدبختوں کے واسطے بلا کی مار ہے دکھ دینے والی رجز کے معنی بری طرح کے عذاب کے ہیں، اب آگے فرمایا لوح محفوظ میں قیامت کا آنا جہاں لکھا ہے اور نیک و بد کی جزا و سزا کا حال لکھا ہے وہاں قیامت کے آنے کا یہ فائدہ بھی لکھا ہے کہ علم الٰہی کے موافق جن لوگوں نے قرآن کی نصیحت سے عقبےٰ کی بہبودی کی سمجھ حاصل کر لی ہے وہ اس قرآن کی نصیحت سے روکنے والوں کا کہنا نہیں مانیں گے جس کا نتیجہ ان کے حق میں یہ ہوگا کہ قیامت کے دن وہ قرآن کی ہدایت اور جزا و سزا کی صداقت کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے، اور دنیا میں قرآن کی نصیحت پر جو انہوں نے عمل کیا تھا وہاں عقبےٰ میں وہ لوگ اس کی قدر کریں گے، حاصل کلام یہ ہے

[1] نیز مشکوۃ باب ۳ باب الاستغفار والتوبۃ فصل اول [2] مشکوۃ باب صفۃ الجنۃ واہلہا فصل اول۔

عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿۵﴾ وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ

بلا کی مار ہے دکھ والی اور دیکھ لیں جن کو ملی ہے سمجھ کہ جو تجھ پر اترا تیرے رب سے

هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ

وہی ٹھیک ہے اور سوجھاتا ہے راہ اس زبردست خوبیوں والے کی اور کہنے لگے منکر ہم

کہ جو لوگ دنیا میں قرآن کی نصیحت پر چلنے سے روکنے والوں کے کہنے میں نہیں آئے تو وہ اپنی ثابت قدمی کا نتیجہ قیامت کے دن آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور سورہ والصفت میں آوے گا کہ بعضے جنتی اپنے دنیا کے بہکانے والوں کو دوزخ میں دیکھ کر اپنی دنیا کی ثابت قدمی اور ... بہکانے میں نہ آنے پر اللہ کا شکر ادا کریں گے والصافات کی وہ آیتیں گویا اس آخری آیت کی تفسیر ہیں، سورہ حمٰ سجدہ میں آوے گا کہ مشرکین مکہ قرآن کی نصیحت کے وقت پکار پکار کر باتیں کرتے تھے اور کبھی شعر خوانی شروع کر دیتے تھے تاکہ قرآن کی نصیحت نہ سنیں اس قصہ سے معاجزین کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے گمان میں قرآن کی نصیحت کے پھیلانے میں پورا خلل ڈالتے ہیں، صحیح بخاری ومسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پہلے اپنے علم غیب کے موافق اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کون شخص جنت میں جانے کے قابل کام کرے گا اور کون دوزخ میں جانے کے قابل اسی طرح صحیح بخاری کے حوالہ سے عمران بن حصینؓ کی حدیث کئی[1] جگہ گزر چکی ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے علم غیب کے موافق جو شخص دوزخ میں جانے کے قابل ہے وہ اپنی نافرمانی سے کسی طرح باز نہ آوے گا ان حدیثوں کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ تفسیر قرار پائی کہ اللہ سچا ہے اللہ کا علم غیب سچا ہے دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اپنے علم غیب کے موافق جو نیک و بد کا نتیجہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھا تھا دنیا کے پیدا ہونے کے بعد اس کا ظہور ہو رہا ہے کہ کوئی بہکانے والوں کے بہکانے سے نہیں بہکتا اور کوئی خود بھی بہکا ہوا ہے اور دوسروں کے بہکانے میں بھی کوشش کرتا ہے اب اسی طرح قیامت کے دن کا ہر شخص کا انجام بھی علم الٰہی کے موافق سب کی آنکھوں کے سامنے آجاوے گا العزیز الحمید، اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن ایسے معبود کی وحدانیت کا راستہ بتلاتا ہے جو نافرمانوں سے بدلا لینے میں زبردست اور فرمانبرداروں کے ساتھ احسان کرنے میں لائق تعریف ہے۔

۷،۸۔ اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے آنے کا حق ہونا قسم کھا کر فرمایا تھا اور عقلی طور پر منکرین قیامت کو یہ بھی سمجھایا تھا کہ جس طرح دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے کچھ بھی نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے سب کچھ پیدا کر دیا جو سب کی آنکھوں کے سامنے ہے اسی طرح دنیا کی نابودی کے بعد قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے سب کچھ پیدا کر دے گا ان منکرین حشر کی عقل نے دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے کی نابودی اور دنیا کے فنا ہونے کی بعد کی نابودی میں کیا فرق نکالا ہے جس فرق کے سبب سے ان کو حشر کا انکار ہے اور حشر کو یہ لوگ اللہ کی قدرت سے باہر گنتے ہیں اس آیت میں منکرین حشر کی نادانی بیان فرمائی ہے کہ ان نادانوں کے پاس اور کوئی دلیل عقلی تو حشر کے ناممکن ہونے کی نہیں ہے فقط یہی ایک نادانی کا تعجب ان کے دل میں بسا ہوا ہے کہ

[1] بحوالہ مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر۔

نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۚ ﴿۷﴾

بتادیں تم کو ایک مرد کہ تم کو خبر دیتا ہے جب تم پھٹ کر ہو جاؤ ٹکڑے ٹکڑے تم کو پھر نیا بننا ہے

اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ

کیا بنا لیا ہے اللہ پر جھوٹ یا اس کو سودا ہے کوئی نہیں پر جو یقین نہیں رکھتے آخرت کا آفت میں ہیں

وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ﴿۸﴾ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ

اور دور پڑے غلطی میں کیا دیکھتے نہیں جو کچھ ان کے آگے ہے اور پیچھے ہے آسمان

ان کا گوشت پوست ہڈیاں سب کچھ گل گھل کر جب خاک ہو جاوے گا تو پھر یہ دوبارہ کیوں کر پیدا ہوں گے اور منکرین حشر کی اس نادانی کا جواب اللہ تعالیٰ جگہ جگہ قرآن شریف میں بھی دیا ہے کہ آخر ان کا گوشت پوست ہڈیاں گل گھل کر ایسی ہی خاک ہو جاویں گی جس طرح دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے کی خاک تھی جس خاک سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کا وہ پتلا بنایا جس پتلے سے سلسلہ بہ سلسلہ کروڑہا پتلے پیدا ہوتے چلے آتے ہیں پھر ایسے قادر مطلق کو اسی خاک سے دوبارہ ہر ایک پتلا کو علیحدہ علیحدہ بنا دینا کیا مشکل ہے معتبر سند سے بیہقی اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت[1] کی ہے جس کا حاصل یہ ہے۔ عاص بن وائل ایک شخص مشرک ایک روز ایک بوسیدہ ہڈی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا اور اس ہڈی کی راکھ کو مل کر ہوا میں اڑاتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کیا یہی راکھ پھر دوبارہ زندہ ہو گی اللہ تعالیٰ نے سورہ یٰسین میں اس کا بھی جواب دیا جو ان آیتوں میں دیا ہے کہ جس اللہ نے پہلی دفعہ خاک سے انسان کو بنایا ہے وہی دوسری دفعہ بھی بنا دے گا۔ حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ مشرکین مکہ کے نزدیک مر کر دوبارہ زندہ ہونا ایک تعجب کی بات تھی اس لئے یہ لوگ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تھے تو آپس میں یہی باتیں کرتے تھے کہ جس شخص کو ہم دیکھ رہے ہیں یہ وہی ہیں جو مرنے اور ہڈیوں کے بوسیدہ ہو جانے کے بعد پھر دوبارہ زندہ ہونے کی خبر سناتے ہیں پھر یہ بھی کہتے تھے کہ یا تو اس شخص نے اللہ کے حکم کے نام سے ایک جھوٹی بات بنائی ہے یا اس شخص کو سودا ہو گیا ہے جو ایسی خلاف عقل بات منہ سے نکالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یہ دیا کہ ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں بلکہ علم الٰہی میں یہ لوگ گمراہ اور عقبیٰ کے عذاب کے قابل ٹھہر چکے ہیں اس واسطے ایسی باتیں کرتے ہیں ورنہ جو کام ایک دفعہ ہو چکا پھر دوبارہ اس کام کا ہونا کسی عقلمند کے نزدیک خلاف عقل نہیں ہو سکتا صحیح بخاری کے حوالہ سے عمرانؓ بن حصین کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ کے علم غیب کے موافق جو لوگ دوزخ میں جانے کے قابل ٹھہر چکے ہیں وہ اپنی گمراہی کی باتوں سے کبھی باز نہ آویں گے، اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ جو لوگ اللہ کے علم غیب کے موافق دوزخ میں جانے کے قابل ٹھہر چکے وہ ایسی باتیں کرتے ہیں جیسی باتوں کا ذکر ان آیتوں میں ہے

۹۔ اس آیت میں انہی قیامت کے منکر لوگوں کو یوں سمجھایا گیا ہے کہ یہ لوگ کیا آنکھوں سے دیکھتے نہیں کہ ان کے آگے اور پیچھے آسمان اور زمین ہے کہ جہاں کہیں آتے جاتے ہیں آسمان ان کے سروں پہ ہے اور زمین ان کے نیچے ہے مطلب یہ ہے کہ آسمان اور زمین ان کو گھیرے ہوئے ہیں آگے پیچھے وہی دکھائی دیتے ہیں کیا وہ اندھے ہو گئے ہیں جو اتنا نہیں دیکھتے کہ یہ دونوں اللہ کی قدرت کی کتنی بڑی

[1] سورۂ یٰسین کی تفسیر میں آ رہی ہے انشاء اللہ

وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَیْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ

اور زمین میں اگر ہم چاہیں دھنسا دیں ان کو زمین میں یا گرا دیں ان پر ٹکڑا آسمان سے

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ﴿۹﴾ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ یٰجِبَالُ

تحقیق اس میں پتہ ہے ہر بندے کو جو رجوع رکھتا ہے اور ہم نے دی ہے داؤد کو اپنی طرف سے بڑائی اے پہاڑو

نشانیاں ہیں جب ان کے پیدا کرنے کی ہم میں پہلی دفعہ کی قدرت دیکھتے ہیں تو کیا ہم ان کو دوسری بار پیدا نہیں کر سکتے یا یہ سبب ان کے کفر اور جھٹلانے کے ان کے اوپر عذاب نازل نہیں کر سکتے اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا گرا دیں ان پر آسمان سے ایک ٹکڑا لیکن ہم نے اپنی بردباری کے سبب سے ان کو مہلت دے رکھی ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ سرکش لوگوں کو جب تک چاہتا ہے مہلت دیتا ہے مہلت کے زمانہ میں اگر وہ لوگ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو پھر ان کو بالکل ہلاک کر دیتا ہے اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مکہ کے بڑے بڑے سرکش لوگوں کو بدر کی لڑائی کے زمانہ تک مہلت دی گئی تھی اس مہلت میں جب یہ لوگ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو آخر ہلاک ہو گئے صحیح بخاری و مسلم کی انس بن مالکؓ کی روایت سے بدر کی لڑائی کا قصہ اوپر گزر چکا ہے، منیب کے معنے اللہ کی طرف رجوع ہونے والا مطلب یہ ہے کہ پچھلی امتوں کے قصے جو ان لوگوں کو سنائے گئے ہیں ان میں سرکشی سے باز آنے والے اور اللہ کی طرف رجوع ہونے والے کے لئے عبرت پکڑنے کی بڑی نشانی ہے۔

۱۰، ۱۱۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس انعام اور فضل کا حال بیان فرمایا ہے جو اس نے حضرت داؤد علیہ السلام پر کیا کہ نبوت اور سلطنت ان کو دی اور بہت سا لشکر اور ساماں دیا اور اس طرح کی آواز ان کو عطا کی کہ جب وہ تسبیح کرتے تو ان کے ساتھ اونچے اونچے پہاڑ بھی تسبیح کرتے اور پرندے اڑنے والے بھی ٹھہر جاتے اور طرح طرح کی آوازوں سے ان کا ساتھ دیتے معتبر سند سے طبرانی میں سلمہ بن قیس کوفی سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی آواز سنی جب کہ وہ رات کے وقت قرآن پڑھتے تھے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ٹھہر گئے اور ان کی قرأت سنی پھر آپ نے ان کی آواز کو داؤد علیہ السلام کی آواز سے تشبیہ دی مسند امام احمد ابن ماجہ مسند ابویعلیٰ وغیرہ میں اس مضمون کی اور بھی روایتیں ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ خوش آوازی میں داؤد علیہ السلام مشہور ہیں اوبی معہ کے معنے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور مجاہد کے قول کے موافق سبحی معہ کے ہیں مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو حکم دیا تھا کہ وہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح کریں والنا لہ الحدید کی تفسیر میں حسن بصریؒ اور قتادہ کا قول ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو آگ میں لوہا تپانے کی ضرورت نہ ہوتی تھی نہ متوڑے کی بلکہ وہ تو اس کو تاگے کی طرح ہاتھ سے بٹتے تھے ان اعمل سابغات وقدر فی السرد کی تفسیر میں قتادہ کا قول ہے کہ سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام نے کڑیوں سے زرہیں بنائی ہیں ان سے پہلے چوڑے چوڑے پترے لوہے کے بدن پر لگاتے تھے مطلب یہ ہے کہ قد آدم اچھی فراخ زرہ بنائی جاوے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرد سے مراد حلقے ہیں حاصل مطلب یہ ہے کہ زرہ کی کیلوں کو اس کے حلقوں میں اس طرح مضبوطی سے ٹھوکا جاوے کہ زرہ خوب ٹھوکی

[1] بحوالہ مشکوٰۃ باب الظلم فصل اول۔ [2] ملاحظہ ہو صفحہ ۳۵۲ ج ۲ تفسیر سورۃ الانفال۔ [3] تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۶ ج ۳ بحوالہ صحیح بخاری باب حسن الصوت بالقراءۃ بروایت ابوہریرہؓ۔ [4] فتح الباری ص ۴۰۲ ج ۵ باب حسن الصوت بالقرات۔

اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَالطَّیْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ ﴿۱۰﴾ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِی السَّرْدِ
رجوع سے پڑھو اس کے ساتھ اور اڑتے جانور اور نرم کردیا ہم اس کے آگے لوہا۔ کہ بنا کشادہ زرہیں اور اندازے سے جوڑ کڑیاں

وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱﴾ وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ
اور کرو تم سب کام بھلا جو کرتے ہو میں دیکھتا ہوں اور سلیمان کے آگے باد صبح کی منزل اس کی ایک مہینے کی راہ

ہوئی مضبوط بنے ڈھیلی نہ رہے۔ واعملوا صالحا یہ حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو حکم کیا۔ جیسا کہ فرمایا اعملوا آل داؤد شکرا۔ شکر کرو داؤد کے گھر والو حق مان کر کہ یہ نعمتیں ہم نے تم کو دیں۔ انی بما تعملون بصیر اس کا مطلب یہ ہے کہ بیشک میں تمہارے عملوں کو دیکھتا ہوں مجھ پر کوئی کام تمہارا چھپا نہیں ہے۔ صحیح سند سے مسند امام احمد ترمذی مستدرک حاکم میں ابوہریرہؓ سے روایت[1] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عالم ارواح میں جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے روحوں کو نکالا تو آدم علیہ السلام نے ایک روح کی پیشانی کو نورانی دیکھ کر پوچھا یا اللہ یہ کون ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ داؤدؑ ہیں اس کے بعد اس حدیث میں وہی مشہور قصہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنی عمر میں سے چالیس برس داؤد علیہ السلام کو دئے اور پھر بھول گئے۔ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے کہ بنی اسرائیل میں طرح طرح کی نافرمانی پھیل گئی تو اس کی سزا میں ملک شام کے اکثر شہر قوم عمالقہ کے بادشاہ جالوت نے بنی اسرائیل سے چھین لئے اس کے بعد بنی اسرائیل کے پیغمبر شمویل علیہ السلام نے طالوت کو بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر کیا اور جالوت اور طالوت کی لڑائی میں داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا اور حضرت شمویل کی وفات کے بعد نبوت اور طالوت کی وفات کے بعد بادشاہت یہ کچھ داؤد علیہ السلام کے خاندان میں آگیا۔ ابوہریرہؓ کی اس حدیث اور سورۂ بقر کے اس قصہ کو ولقد آتینا داؤد منا فضلا کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیوں کہ اس حدیث اور قصہ سے داؤد علیہ السلام کی عالم ارواح اور دنیوی فضیلت اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ سے روایت[2] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا داؤد علیہ السلام اپنی دستکاری کی آمدنی سے گزر کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت[3] ہے کہ داؤد علیہ السلام ایک دن بیچ دے کر روزہ رکھا کرتے تھے۔ اس حدیث سے بھی داؤد علیہ السلام کی فضیلت سمجھ میں آسکتی ہے کہ باوجود بادشاہ ہونے کے ایک دن کھانا کھاتے تھے اور دوسرے دن روزہ رکھتے تھے۔

۱۲۔ اللہ تعالیٰ نے جو انعام حضرت داؤد علیہ السلام پر کیا تھا اس کے ذکر کے بعد اب اس انعام کا ذکر فرمایا جو ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام پر کیا وہ یہ کہ تابع کردیا جس سے صبح کی منزل میں ایک مہینہ کی راہ اور شام کی منزل میں ایک مہینہ کی راہ اسی طرح ایک روز میں دو مہینہ کا راستہ طے ہو جاتا تھا موضح القرآن میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک تخت تھا جس پر سب لشکر چلتا تھا ہوا اس کو لئے چلتی تھی ملک شام سے یمن اور یمن سے شام ایک اور پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ اللہ نے نکالا تھا جنات اس کو سانچوں میں ڈھال کر باسن بناتے بہت بڑے لشکر کے موافق ان میں کھانا پکتا اور بٹتا۔ موضح القرآن کی یہ روایت تفسیر ابن جریر[4] میں عبدالرحمن بن زید کے حوالہ سے ہے۔ ان عبدالرحمن بن زید کو اگرچہ بعضے علماء نے ضعیف قرار دیا

[1] مشکوٰۃ مع تنقیح الرواۃ باب الایمان بالقدر۔ [2] مشکوٰۃ باب بدء الخلق وذکر الانبیاء علیہم السلام فصل اول [3] مشکوٰۃ باب صیام التطوع فصل اول [4] تفسیر ابن جریر ص ۶۹ ج ۲۲ طبع جدید۔

وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۖ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ

اور شام کی منزل ایک مہینہ اور بہا دیا ہم نے اس کے واسطے چشمہ پگھلے تانبے کا اور جنوں میں سے رکھے لوگ جو محنت کرتے اس کے سامنے

بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۖ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾

اس کے رب کے حکم سے اور جو کوئی پھرے ان میں ہمارے حکم سے چکھاویں ہم اس کو آگ کی مار

ہے لیکن سورہ صٓ کی تفسیر میں اور روایتیں بھی اسی مضمون کی آویں گی اس واسطے اس روایت کو بے اصل نہیں کہا جا سکتا حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور مجاہد اور عکرمہ وغیرہ نے کہا کہ قطر تانبے کو کہتے ہیں قتادہ نے کہا کہ وہ تانبے کا چشمہ یمن میں تھا ومن الجن من یعمل بین یدیہ باذن ربہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جن بھی مسخر اور تابعدار کر دیئے تھے ہر طرح کا کام کرتے تھے حضرت سلیمان علیہ السلام کی تابعداری میں جنات اس طرح بے بسی سے جو رہا کرتے تھے یہ سلیمان علیہ السلام کا ایک معجزہ تھا چنانچہ صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ سے روایت[1] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سرکش جن رات کو میری نماز میں خلل ڈالنا چاہتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس پر غالب کر دیا یہاں تک کہ میں نے اس کو پکڑ لیا اور یہ چاہا کہ اس کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دوں تاکہ صبح کو لوگ اسے دیکھیں مگر مجھ کو سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آگئی اس لئے میں نے اس کو چھوڑ دیا سلیمان علیہ السلام کی جس دعا کا ذکر اس حدیث میں ہے وہ دعا سورہ صٓ میں آوے گی جس کا حاصل یہ ہے کہ معجزہ کے طور پر ایک زبردست بادشاہت کے عطا ہونے کی دعا سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں کی تھی اور ان کی وہ دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرما کر ہوا اور سرکش جنات کو معجزہ کے طور پر سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا وہی ذکر آیت کے اس ٹکڑے میں ہے اور ابوہریرہؓ کی یہ حدیث آیت کے ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہوا اور جنات کا بے بسی سے سلیمان علیہ السلام کی تابعداری میں رہنے کا ذکر جو آیت کے ٹکڑے میں ہے وہ سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا جو ان کی دعا سے خاص طور پر انہیں عطا ہوا تھا اسی خیال سے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سرکش جن کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھ کر ایک نبی کی خصوصیت میں دخل دینا مناسب نہ سمجھا۔

اگرچہ تفسیر سدی میں اس آیت کی تفسیر یوں کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی فرمانبرداری کا حکم دیا تھا اور ایک فرشتہ اس لئے مقرر کیا تھا کہ جو جن کسی طرح کی نافرمانی کرتا تھا تو وہ فرشتہ ایک آگ کا کوڑا اس جن کے مارتا تھا جس سے وہ جن جل کر بالکل خاک ہو جاتا تھا لیکن یہ روایت اہل کتاب کی معلوم ہوتی ہے کیونکہ کسی حدیث سے اس قصہ کی تائید نہیں نکل سکتی اسی واسطے اکثر مفسروں نے یہی کہا ہے کہ جس عذاب کا ذکر آیت میں ہے اس عذاب سے مراد عذاب دوزخ ہے

جنوں کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ

اکثر فلسفی اور زندیق اور قدریہ لوگوں نے جنات کے دنیا میں موجود ہونے کا انکار کیا ہے لیکن اہل سنت نے بہت سی آیات قرآنی اور حدیثوں سے جنات کا دنیا میں موجود ہونا اور پابند شریعت ہونا ثابت کیا ہے سورہ جن کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت جو صحیح بخاری میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد ابلیس میں دو قسمیں ہیں ایک منکر شریعت اور کافر گروہ ہے اس کو شیاطین کہتے ہیں اور دوسرا گروہ پابند شریعت ہے

[1] مشکوۃ باب ما لا یجوز من العمل فی الصلوۃ وما یباح منہ

يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِن مَّحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ

بناتے اس کے واسطے جو چاہتا قلعے اور تصوریں اور لگن جیسے تالاب اور دیگیں

اس کو جن کہتے ہیں ناقابل اعتراض سند سے مسند امام احمد اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے[1] جس کا حاصل یہ ہے کہ فتح خیبر کے بعد ایک شخص خیبر سے چل کر مدینہ کو آرہا تھا راستہ میں دو شخص اس کے پیچھے لگے اور ان دو شخصوں کے پیچھے ایک شخص اور تھا جو ان دونو شخصوں سے کہہ رہا تھا کہ الٹے پھر جاؤ آخر جب وہ دونوں شخص الٹے پھر گئے تو پھر تیسرا شخص اس خیبر سے سفر کرنے والے صحابی سے آن کر ملا اور کہا جن دونوں شخصوں کو میں نے الٹا پھیر دیا یہ دونو شیاطین تھے اور یہ بھی کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا سلام کہنا اور یہ عرض کرنا کہ ہم لوگ زکوٰۃ کا مال جمع کر رہے ہیں جب یہ زکوٰۃ کا مال بھیج دینے قابل جمع ہو جاوے گا تو آپ کی خدمت میں روانہ کریں گے مدینہ میں آن کر جب اس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قصہ بیان کیا تو آپ نے اکیلے سفر کرنے سے لوگوں کو منع فرمایا اس حدیث سے بھی جنات کی دو قسمیں معلوم ہوتی ہیں کیوں کہ وہ دو شیاطین تھے اور ایک جن مسلمان تھا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام اور پیغام کہلا بھیجا اس بات پر علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ شرع محمدی کی توحید اور ارکان اسلام کے مسائل جس طرح انسانوں میں جاری ہیں اسی طرح جنات میں بھی جاری ہیں صرف کھانے پینے کی کچھ چیزیں ایسی ہیں جو خاص جنات کی خوراک ہیں چنانچہ صحیح بخاری کی ابوہریرہؓ کی حدیث میں اس کا ذکر تفصیل سے ہے۔ تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں بعضی موقوف روایتیں[2] ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ جب اہل جنت انسان جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو مسلمان جنات کو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم خاک ہو جاؤ وہ فوراً خاک ہو جائیں گے ان موقوف روایتوں کے سبب سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور اور بعضے علما کہتے ہیں کہ نیک جن جنت میں نہیں جائیں گے مگر آیت لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان کے مضمون کے موافق باقی علماء کا مذہب یہ ہے کہ نیک جن جنت میں جاویں گے بعضے لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ جنات تو آتشی ہیں ان کو دوزخ کی آگ سے کیا صدمہ پہنچے گا حافظ ابن حجر نے فتح الباری[3] میں اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جس طرح انسان خاکی کہلاتا ہے اور مٹی کی دیوار کے نیچے دب جانے سے صدمہ اٹھاتا ہے اسی طرح جنات دوزخ کی آگ سے صدمہ اٹھائیں گے اس سے زیادہ جنات کے متعلق کچھ تفصیل سورہ جن میں آوے گی۔

۱۳ مطلب یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے حکم سے عمدہ عمدہ مکان اور مسجدیں اور تصویریں اور لگن مانند تالاب کے اور دیگیں جو بڑی ہونے کی سبب سے جنبش نہیں کرتی تھیں چولہے پر جمی ہوئی رکھی رہتی تھیں جن کے اٹھانے رکھنے کی حاجت نہیں تھی وہ جنات یہ سب چیزیں بناتے تھے اعملوا آل داؤد شکرا اس کا مطلب یہ ہے کہ اے داؤد کی اولاد جو نعمتیں اللہ نے تم کو دی ہیں ان کا شکر ادا کرو صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے[4] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ پیاری نماز اللہ تعالیٰ کو داؤد کی ہے نصف رات سوتے تھے اور تہائی رات نماز پڑھتے تھے اور پھر چھٹا حصہ رات کا سوتے تھے

[1] فتح الباری ص ۱۱۲ ج ۳ و مجمع الزوائد ص ۱۰۴ ج ۸ و مسند امام احمد ص ۱۷۵ ج ۴ طبع المعارف مصر۔ [2] فتح الباری ص ۲۱۲ ج ۳۔
[3] مشکوٰۃ باب التحریض علی قیام اللیل فصل اول۔

وَرَاسِيٰتٍ ؕ اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكۡرًا ؕ وَقَلِيۡلٌ مِّنۡ عِبَادِىَ الشَّكُوۡرُ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا قَضَيۡنَا

چولہوں پر جمی کام کرو داؤد کے گھر والو حق مان کر اور تھوڑے ہیں میرے بندوں میں حق ماننے والے پھر جب تقدیر کی ہم نے

عَلَيۡهِ الۡمَوۡتَ مَا دَلَّهُمۡ عَلٰى مَوۡتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الۡاَرۡضِ تَاۡكُلُ مِنۡسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ

اس پر موت نہ جتایا ان کو اس کا مرنا مگر کیڑے نے گھن کے کھاتا رہا اس کا عصا پھر جب وہ

اس حدیث کا ایک ٹکڑا اوپر گزر چکا ہے کہ داؤد علیہ السلام ایک دن بیچ کر کے روزہ رکھا کرتے تھے سورہ صٓ میں آیتیں آویں گی جن میں اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی عبادت کی تعریف فرمائی ہے حاصل کلام یہ ہے کہ اس آیت میں شکر گزاری کا جو حکم تھا داؤد علیہ السلام کی شکر گزاری کا حال اس حدیث سے اور سلیمان علیہ السلام کی شکر گزاری کا حال سورہ صٓ کی آیتوں سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔ صحیح بخاری مسلم وغیرہ میں حضرت عائشہؓ مغیرہ بن شعبہ اور ابوہریرہؓ سے جو روایتیں[۱] ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں اس قدر کھڑے رہتے تھے کہ آپ کے پاؤں سوج جایا کرتے تھے یہ حال دیکھ کر بعضے صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضرت آپ کے اگلے پچھلے گناہ تو اللہ تعالیٰ نے سب معاف کر دئیے ہیں پھر آپ عبادت میں اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں آپ نے جواب دیا کہ کیا میں اپنے آپ کو اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بناؤں، ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اللہ کی عبادت میں لگے رہنا ہی اللہ کی نعمتوں کی شکر گزاری ہے لیکن بہت سے صاحب نعمت لوگوں میں یہ حالت پائی نہیں جاتی اسی واسطے فرمایا کہ اللہ کے شکر گزار بندے دنیا میں تھوڑے ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت[۲] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تندرستی اور فارغ البالی یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمتیں ہیں جن سے فائدہ اٹھانے کی جگہ اکثر لوگ نقصان اٹھاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ مثلاً جو شخص فقط تندرست ہو اور وہ اس نعمت کی شکر گزاری کے طور پر عبادت الٰہی میں کوتاہی کرے تو ایسا شخص فکر معاش سے فرصت نہ ملنے کا عذر کر سکتا ہے اسی طرح جو شخص فارغ البال اور بیمار ہو تو وہ بیماری کا عذر پیش کر سکتا ہے لیکن جس شخص میں یہ دونوں نعمتیں جمع ہوں وہ کاہل سے عبادت الٰہی میں کوتاہی کرے اور دس سے لے کر سات سو تک اور بعض عبادتوں کا اس سے بھی زیادہ ثواب نہ کما دے تو وہ قیامت کے دن اجر کے حساب سے بڑے ٹوٹے میں رہے گا حاصل کلام یہ ہے کہ آیت میں قلیل کا لفظ اور حدیث میں کثیر کا لفظ جو فرمایا گیا ہے اس سے یہ حدیث گویا آیت کی تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بہت سے تندرست فارغ البال لوگ ان دونوں نعمتوں کی شکر گزاری کے طور پر عبادت الٰہی کی پروا نہیں کرتے اس لئے اللہ کے شکر گزار بندوں کی تعداد دنیا میں گھٹی ہوئی ہے۔

۱۴؎ اس آیت میں سلیمان علیہ السلام کی وفات کا حال ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں جنات اور انسان ملے رہتے تھے اس ملنے جلنے میں جنات نے اکثر لوگوں کے دل میں یہ بات جما رکھی تھی کہ جنات کو غیب کی خبریں معلوم ہوتی رہتی ہیں اس خیال کے غلط ٹھہرانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے دنیا سے اٹھنے کی یہ صورت نکالی کہ ایک سال کے قریب وفات کے بعد بھی سلیمان علیہ السلام اپنے عبادت خانہ میں اپنا عصا ٹیکے ہوئے کھڑے رہے اور جنات سلیمان علیہ السلام کو

[۱]؎ مشکوٰۃ ایضاً۔ [۲]؎ مشکوٰۃ کتاب الرقاق فصل اول۔

تَبَیَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ الْغَیْبَ مَا لَبِثُوْا فِی الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ (۱۴)

کہ پتا معلوم کیا جنوں نے کہ اگر خبر رکھتے ہوتے غیب کی نہ رہتے ذلت کی تکلیف میں

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ اٰیَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّ شِمَالٍ ۬ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ

قوم سبا کو تھی ان کی بستی میں نشانی دو باغ داہنے اور بائیں کھاؤ روزی

رَبِّكُمْ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَیِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ (۱۵) فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا

اپنے رب کی اور اس کا شکر کرو دیس ہے پاکیزہ اور رب ہے گناہ بخشتا پھر دھیان میں نہ لائے پھر چھوڑ دیا

عَلَیْهِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ وَ بَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَیْهِمْ جَنَّتَیْنِ ذَوَاتَیْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ

ہم نے ان پر نالا زور کا اور دیئے ان کو بدلے ان دو باغوں کے دو اور باغ جس میں کچھ میوہ کسیلا اور جھاؤ

زندہ سمجھ کر اپنے کاموں میں لگے رہے پھر جب گھن کا کیڑا اس عصا کو کھا گیا تو وہ عصا اور سلیمان علیہ السلام دونوں زمین پر گر پڑے جس سے سب لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ جنات کا یہ خیال کہ انہیں غیب کی خبریں معلوم ہوتی رہتی ہیں بالکل ایک غلط خیال ہے کیونکہ اگر جنات کو غیب کی خبریں معلوم ہوجایا کرتیں تو برس دن تک وہ سلیمان علیہ السلام کی وفات سے بے خبر رہ کر سخت سخت کاموں میں کیوں لگے رہتے یہ مضمون ایک حدیث نبوی میں بھی ہے لیکن اس کی سند صحیح نہیں[1] ہے معتبر سند سے ترمذی نسائی مسند امام احمد وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت[2] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے پہلے جنات آسمان پر کچھ خبریں چوری سے سن آیا کرتے تھے جب نزول قرآن کا زمانہ آیا تو آسمان کی خبروں کے روکنے کا انتظام زیادہ ہو گیا جنات کا یہ جو خیال تھا کہ ان کو غیب کی خبریں کچھ معلوم ہوتی رہتی ہیں اس کا سبب اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔

۱۵، ۱۶۔ قوم سبا بلقیس کی قوم کا نام ہے اس قوم کے بادشاہ جو تبع کہلاتے تھے وہ اپنے وطن کو خوب آباد کر گئے تھے جس سے سبا کے لوگ بڑی نعمت اور عیش و آرام میں تھے کیونکہ اس ملک میں زراعت اور میوے بہت تھے بہت مزے سے گزارہ ہوتا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اپنے رسول بھیجے کہ ان کو ہدایت کریں کہ خدا کا دیا ہوا رزق کھائیں اور اس کی بندگی کر کے اس کا شکر کریں جب ان لوگوں نے نافرمانی کی ان کو اس طرح عذاب کیا گیا کہ ان پر پانی کا نالہ بھیج دیا گیا جس کے سبب سے وہ قوم برباد ہو کر جدا جدا شہروں میں چلی گئی انصار کے قبیلے اوس اور خزرج بھی اس بربادی کے وقت یمن سے نکل کر مدینہ میں آباد ہوئے تھے وہ عذاب کا پانی سرخ تھا جس زمین پر پھر گیا وہ نکمی ہو گئی باغ خشک ہو گئے قریش کی عبرت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا کہ قوم سبا کے لئے ان کی بستی میں یہ نشانی اللہ کی قدرت کی تھی کہ وہ دو باغ داہنے اور بائیں طرف رکھتے تھے یہ باغ ایسے سرسبز تھے اور اس قدر کثرت سے ان میں میوے کی پیداوار تھی کہ کوئی عورت ٹوکرا سر کے اوپر رکھ کر درختوں کے نیچے سے گزرتی تو خود بخود وہ ٹوکرا میوے سے بھر جاتا اس لئے فرمایا کلوا من رزق ربکم واشکروا لہ کھاؤ اپنے رب کی روزی سے اور حق مانو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ان لوگوں نے اللہ کی نصیحت کو نہ مانا اور بت پرستی نہ چھوڑی تو ان کو

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۹ ج ۳۔ [2] تفسیر الدر المنثور سورۃ الجن ص ۲۷۳ ج ۱۔

وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾

کچھ بیر تھوڑے سے یہ بدلا دیا ہم نے ان کو اس پر کہ ناشکری کی اور ہم بدلا اسی کو دیتے ہیں جو ناشکر ہو

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ۭ

اور رکھی تھیں ہم نے ان میں اور ان بستیوں میں جہاں ہم نے برکت رکھی ہے بستیاں راہ پر نظر آتیں اور منزلیں ٹھہرادیں ہم نے بیچ انکے آنے

سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا

ان میں چلنے کی پھرو ان میں راتوں اور دنوں امن سے پھر کہنے لگے اے رب فرق ڈال ہمارے سفر میں اور اپنا برا کیا

اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

پھر کر ڈالا ہم نے ان کو کہانیاں اور چیر کر کر ڈالا ٹکڑے اس میں پتے ہیں

یہ آفت آئی کہ قوم سبا کے بادشاہوں نے دو پہاڑوں کے بیچ میں ایک بڑا مضبوط بند جو بنا دیا تھا پہاڑوں کا اور جنگلوں کا اور مینہ کا پانی جہاں جمع ہوا کرتا تھا ان پہاڑوں کے کنارے درخت لگا دئے تھے وہ بہت سرسبز اور میوے دار ہوئے بند کی مضبوطی کے سبب سے ان کی خاطر جمع تھی لیکن ان لوگوں کی نافرمانی کی سزا میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے گھونس نے اس بند میں سوراخ کر کے اس کو توڑ ڈالا اور اس کثرت سے پانی آیا جس نے سب میوے کے درختوں کو کھیتی اور بستی کے مکانات کو برباد کر دیا اور ان میوہ دار دو باغوں کی جگہ پر کچھ جھاؤ پیلو اور بیری کے درخت پیدا ہو گئے، صحیح مسلم وغیرہ کے حوالہ سے ابو ذرؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم اپنی ذات پاک پر حرام کر لیا ہے اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم سبا کو پانی کے ریلہ سے جو برباد کیا یہ اس قوم کی نافرمانی اور ناشکری کی سزا تھی کیونکہ بغیر جرم کے ظلم کے طور پر کسی قوم کو برباد کر دینا اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک پر حرام ٹھہرا رکھا ہے۔

۱۸ تا ۲۰۔ ان آیتوں میں قوم سبا کی باقی حالت کا ذکر ہے کہ یہ لوگ یمن سے ملک شام کو اکثر جایا کرتے تھے اس راستہ میں گاؤں ایسے پاس پاس تھے کہ مسافر کو کھانا پینا اور سفر کا سامان لادنے کی حاجت نہیں ہوتی تھی جس جگہ کا ارادہ کیا بے تکلف وہاں چل دیا جہاں ٹھہرا پانی اور میوہ تیار پایا ایک گاؤں میں دوپہر کو سوتا دوسرے گاؤں میں رات کو جا رہتا لیکن جب وہ لوگ بہت نعمت کے سبب سے اترا گئے تو انہوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی اور شکر کے بدلے ناشکری کی اور کہنے لگے اے رب ہمارے دوری کر دے ہمارے سفروں میں غرض انہوں نے ایسے جنگل اور بیابان کو پسند کیا جن کے طے کرنے میں سواری اور کھانے پینے کی ضرورت ہو اور گرم ہوا لگے اور خوفناک مقاموں میں سفر کرنے کی ہوس ان لوگوں کے دل میں یہاں تک پیدا ہوئی کہ انہوں نے اس آرام کے ملک کے سفر کو برا جان کر اپنے حق میں برا کیا کہ سختی کے سفر کی اللہ سے دعا کی جو حقیقت میں ایک بددعا تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ بددعا قبول کر لی اور پانی کے ریلہ کا عذاب بھیج کر ملک یمن سے ان کو بالکل اجاڑ دیا جس سے ان میں کے کچھ لوگ ملک شام کو کچھ مدینہ اور عمان وغیرہ کو چلے گئے اور ملک یمن کی راحت پھر ان کو خواب میں بھی نظر نہ آئی اور ان کی یمن کی راحت کی حالت اور اس راحت کے بعد تکلیف کی حالت اس وقت کے لوگوں میں ایک کہانی کی طرح مشہور ہو گئی، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ مصیبت کے وقت صبر اور راحت کے

لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿١٩﴾ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا

ہر ٹھہرنے والے کو اور سچ کر دکھائی ان پر ابلیس نے اپنی اٹکل پھر اسی کے راہ چلے مگر تھوڑے سے

مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٠﴾ وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ

ایماندار اور اس کا ان پر کچھ زور نہ تھا مگر اتنے واسطے تا معلوم کریں ہم کون یقین لاتا ہے آخرت پر

مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ ۗ وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٢١﴾ ع ۲

الگ اس سے جو رہتا ہے اس کی طرف سے دھوکے میں اور تیرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے

وقت شکر کرنا ایمانداروں کا کام ہے اس حدیث کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ ایسے قصے مصیبت کے وقت صبر اور راحت کے وقت شکر کرنے والوں کے حق میں عبرت کی نشانیاں ہیں اور یہ عبرت ایمان کی نشانی ہے اس لئے تھوڑے سے ایمانداروں کے سوا اکثر لوگ مصیبت کے وقت گھبرا کر اور راحت کے وقت اترا کر بے صبری اور ناشکری میں شیطان کے پیرو بن جاتے ہیں اور شیطان نے آسمان سے نکالے جانے کے وقت یہ جو کہا تھا کہ بنی آدم کو ہر طرح سے بہکاؤں گا اس کو سچا کر دیتے ہیں شیطان کا یہ قول سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے سورۃ الاعراف کی آیتوں کو اس سورت کی ان آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب قرار پایا کہ شیطان نے بنی آدم کے دنیا میں پیدا ہونے سے پہلے جو کچھ اٹکل سے کہا تھا بنی آدم نے دنیا میں پیدا ہونے کے بعد شیطان کی اس اٹکل کو سچا کر کے دکھا دیا۔

۲۱۔ دنیا کے پیدا ہونے سے اور دنیا میں نیک و بد کے پیدا ہونے سے اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں کوئی نئی بات نہیں پیدا ہوتی دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اور نیک و بد کے پیدا ہونے سے پہلے جو کچھ دنیا کے پیدا ہونے کے وقت سے اب تک ہوا اور جو کچھ قیامت تک ہوگا وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں انصاف ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس علم ازلی پر جزا اور سزا کی بنیاد نہیں رکھی ہے بلکہ دنیا میں اللہ کے اس علم ازلی کے موافق جو ظہور قیامت تک ہوگا اسی کے موافق قیامت کے دن جزا اور سزا ہوگی اسی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ شیطان کا وسوسہ انسان کے پیچھے لگانا اس لئے ہے کہ اللہ کے علم ازلی میں یہ بات قرار پا چکی ہے کہ خواہش نفسانی اور اس خواہش نفسانی کا ابھارنے والا شیطان دنیا میں انسان کے ساتھ پیدا ہوگا تو کچھ انسان شیطان کے بہکاوے میں آن کر اپنی عمر برے کاموں میں گزار دیں گے اور کچھ انسان اللہ کے رسول کی نصیحت مان کر شیطان کے بہکاوے میں نہ آدیں گے بلکہ شیطان کے وسوسہ سے ان کو اور یہ فائدہ ہوگا جب شیطان ان کے دل میں کسی برے کام کا وسوسہ ڈالے گا اور وہ خوف عقبیٰ سے اس وسوسہ کو ٹال دیں گے اور اس وسوسے کے موافق برا کام کرنے کی جرأت نہ کریں گے تو اس برے خیال کو چھوڑنے کے عوض میں ایک نیکی ان کے نامہ اعمال میں لکھی جاوے گی صحیحین وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کی حدیث[۱] قدسی اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کی اور روایتیں[۱] ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جب لوح محفوظ میں جزا سزا کا حال لکھا تو یہ بھی لکھ لیا ہے کہ جس شخص کے دل میں برے کام کا وسوسہ گزرے

[۱] ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ص ۳۰۹ جلد اول بحوالہ صحیحین وغیرہ

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ

تو کہہ پکارو ان کو جن کو گمان کرتے ہو سوائے اللہ کے وہ نہیں مالک ایک ذرہ بھر کے آسمانوں میں

وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾

نہ زمین میں اور نہ ان کا ان دونوں میں ساجھا اور نہ ان میں کوئی اس کا مددگار

اور خدا کے خوف سے وہ شخص اُس بُرے کام کو نہ کرے تو پوری ایک نیکی ایسی شخص کی لکھی جاوے گی اور جو کوئی شخص نیکی کا فقط ارادہ کرے تو ایک نیکی نیک ارادہ کے عوض میں لکھی جاوے گی اور جب اُس نیک ارادہ کے موافق وہ شخص نیک کام بھی کرے گا تو ایک نیکی کا دس حصہ سے لے کر سات سو حصہ تک اور کبھی اس سے بھی زیادہ جس قدر خالص نیت ہوگی اسی قدر ثواب ملے گا اوپر صحیح مسلم کی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے یہ بھی گزر چکا ہے کہ جس طرح وسوسہ ڈالنے کے لئے ہر ایک شخص کے ساتھ ایک شیطان لگا ہوا ہے اسی طرح ہر ایک شخص کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے ایک فرشتہ نیک کام کی صلاح ہر وقت دینے کو مقرر کر دیا ہے اور توبہ کی بحث میں صحیح مسلم کی روایت سے یہ بھی گزر چکا ہے کہ اللہ تعالےٰ کو دنیا میں توبہ اور استغفار ایسی پیاری چیز ہے کہ جو مخلوق دنیا میں ہے اگر یہ لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالےٰ اپنی رحمت کی صفت ظاہر کرنے کے لئے ایسی مخلوقات کو دنیا میں پیدا کرتا جو لوگ گناہ کر کے توبہ استغفار کرتے اور اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرتا غرض خواہش نفسانی اور شیطان کو اللہ تعالیٰ نے خاص اس حکمت کے لئے دنیا میں پیدا کیا ہے کہ خواہش نفسانی کو روک کر شیطان کے بہکاوے سے بچ کر جو کوئی نیک کام کرے تو اس کا رتبہ اللہ کے نزدیک بڑا ہے اور اس حکمت کے ساتھ ہی یہ حکمت ہے کہ جہاں شیطان کا بہکاوا ہے وہاں ایک فرشتہ بھی اس بہکاوے کو روکنے کے لیے موجود ہے پھر اگر شیطان کے بہکاوے سے سالہا سال برے کام کسی نے کئے تو ایک دم کی خالص توبہ و استغفار میں بالکل سب نیست و نابود ہو گئے اسی واسطے اس آیت میں فرمایا ہے کہ اس قدر انتقام الٰہی کے بعد کسی طرح کا شیطان کا غلبہ انسان پہ باقی نہیں رہا ہے جو کوئی اس انتقام سے غافل رہے گا وہ عقبےٰ کا منکر اور قابل سزا قرار پاوے گا جو کوئی شیطان کے پھندے سے بچنے کے انتظام الٰہی کو کام میں لاوے گا اس کے لئے ایک نیکی کا سات سو تک یا اس سے بھی زیادہ بدلا ہے اور شیطان ایسے لوگوں کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا کیوں کہ ایسے لوگوں کی نگہبانی اللہ کے ہاتھ ہے اور اس کی نگہبانی ہر چیز کے لئے کافی ہے۔

۲۲۔ اوپر ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام پر طرح طرح کے احسانات کئے اور نافرمانی کے سبب سے قوم سبا کو اجاڑ دیا، صحیح بخاری وغیرہ کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ قریش نے جب اللہ کے رسول سے بہت مخالفت شروع کی تو آپؐ نے قریش کے حق میں بددعا کی اور آپؐ کی بددعا کے اثر سے مکہ میں سخت قحط پڑا۔ اس قحط کے زمانہ میں مشرکین مکہ نے اپنے بتوں سے مینہ برسنے کی بہت کچھ التجا کی لیکن ایک بوند پانی کی نہیں پڑی آخر اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوسفیان نے مینہ برسنے کی دعا کی التجا کی اور آپ کی

لہ مشکوٰۃ باب فی الوسوسہ۔

وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا

اور کام نہیں آتی سفارش اس کے پاس مگر اس کو جس کے واسطے حکم کر دیا تھا یہاں تک کہ جب گھبراہٹ اٹھائی جاوے ان کے دل سے کہیں

دعا سے مینہ برسا۔ اسی طرح کی بتوں کی بے اختیاری جتلانے کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام اور قوم سبا کا قصہ ذکر کر کے فرمایا اے رسول اللہ کے ان مشرکوں سے کہہ دو کہ اللہ کی قدرت کے مقابلہ میں ان جھوٹے معبودوں کا کوئی اختیار اس لئے نہیں چل سکتا کہ آسمان و زمین میں نہ ایک ذرہ کے یہ مالک ہیں نہ آسمان کے پیدا کرنے میں ان کا کچھ ساجھا ہے نہ کسی چیز کے پیدا کرنے میں اللہ نے ان سے کچھ مدد چاہی ہے اس لئے نہ داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام جیسی بادشاہت یہ کسی کو دے سکتے ہیں نہ قوم سبا جیسی کسی قوم کو یہ اجاڑ سکتے ہیں، حاصل کلام یہ ہے کہ مشرکین مکہ جس طرح دنیا میں اپنے بتوں سے نفع کی امید رکھتے تھے جس امید کے غلط ہونے کا حال مکہ کے قحط کے وقت ان کو اچھی طرح کھل گیا اسی طرح شیطان کے بہکانے سے ان لوگوں کا یہ اعتقاد بھی تھا کہ جن فرشتوں اور نیک لوگوں کی مورتوں کی ہم پوجا کرتے ہیں وہ عقبیٰ میں ہماری شفاعت کر کے دوزخ کے عذاب سے ہم کو بچالیں گے نیک لوگوں کی شفاعت کا حال تو سورہ یونس میں گزر چکا کہ بجائے شفاعت کے وہ نیک لوگ اپنی مورتوں کی پوجا کرنے والوں سے دور بھاگیں گے اور اللہ تعالیٰ کو گواہ قرار دے کر یہ کہویں گے کہ ہم ان لوگوں کے شرک سے بالکل بے خبر تھے فرشتوں کی شفاعت کا حال اسی سورہ میں آگے آتا ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ فرشتوں سے خفگی کے طور پر یہ دریافت فرماوے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری مورتوں کی دنیا میں پوجا کرتے تھے تو اللہ کے فرشتے بہت ڈریں گے اور صاف کہیں گے کہ شیطان کے بہکانے سے یہ لوگ شیطان کی پوجا کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے دل میں شیطان نے ہمارے نام کی مورتوں کی پوجا کا وسوسہ ڈال دیا تھا ہماری مرضی کا اس میں ہرگز کچھ دخل نہیں تھا زیادہ تفصیل اس شفاعت کی آگے کی آیت میں آتی ہے۔

۲۳۔ مکہ کے مشرکوں نے ملت ابراہیمی کو بدل کر جس طرح اور باتیں اپنے دل سے ٹھہرائی تھیں اسی طرح یہ بھی ایک بات انہوں نے ٹھہرالی تھی کہ بتوں کی پرستش کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کو بت پرستی سے منع کرتے اور آخرت کے عذاب سے ڈراتے تو کہتے تھے کہ اول تو ہم مر کر جینے کے نہیں اور اگر جئے اور حساب و کتاب اور عذاب کا موقع پیش آیا تو وہ فرشتے اور نیک لوگ جن کی مورتوں کی ہم پرستش کرتے ہیں اللہ کی درگاہ میں ضرور ہماری شفاعت کر کے ہم کو عذاب سے نجات دلوا دیں گے چنانچہ سورہ یونس کی آیت ویقولون ھٰؤلاء شفعاؤنا عند اللہ کی تفسیر میں یہ ذکر گزر چکا ہے قوم نوح کے زمانہ سے نیک لوگوں کی مورتوں کا پوجنا جس طرح شروع ہوا صحیح بخاری کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کے حوالہ سے اس کا قصہ ایک جگہ گزر چکا ہے اور سورہ نوح کی تفسیر میں اس کی تفصیل زیادہ آوے گی فرشتوں کے پوجا کی نسبت امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ مشرکین مکہ میں ایک بڑا گروہ ایسا تھا جو فرشتوں کی مورتوں کی پرستش کرتا تھا اور ان فرشتوں کو اپنا شفاعت کرنے والا جانتا تھا قرآن شریف سے بھی امام فخرالدین رازی کے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے چنانچہ اس سورہ میں آگے آتا ہے ثم یقول للملائکۃ اھٰؤلاء ایاکم کانوا یعبدون غرض اوپر کی آیت کو اور اس سورہ یونس کی آیتوں کو

مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٢٣﴾ قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ

کیا فرمایا تمہارے رب نے وہ کہیں جو واجبی ہے اور وہی ہے سب سے اوپر بڑا تو کہہ کون روزی دیتا ہے تم کو

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٤﴾

آسمان سے اور زمین سے بتا کہ اللہ اور یا ہم یا تم بے شک سوجھ پر ہیں یا پڑے بھٹکاوے میں صریح۔

ملا کر حاصل مطلب یہ ہے کہ جن مورتوں کو یہ پوجتے ہیں نہ خدا کی خدائی میں ان کو کچھ اختیار ہے کہ اپنے اختیار سے وہ اپنے عبادت کرنے والوں کو عذاب سے بچا سکتے ہیں نہ بغیر مرضی خدا کے اس کی درگاہ میں زبردستی ان کی شفاعت کا کچھ اثر ہو سکتا ہے کیونکہ اپنے نزدیک بڑا صاحب اختیار سمجھ کر جن فرشتوں کی مورتیں ان مشرک لوگوں نے پرستش کے لئے بنا رکھی ہیں اور بغیر مرضی اللہ تعالیٰ کے ان کی شفاعت پر ان لوگوں کا بھروسہ ہے ان فرشتوں کا تو خدا کے خوف کے سبب سے یہ حال ہے کہ جس وقت خدا کی درگاہ سے کسی طرح کا کوئی حکم ہوتا ہے تو وہ مارے خوف کے بدحواس ہو جاتے ہیں جب تک وہ یہ نہیں سن لیتے کہ اللہ کا کوئی خفگی کا حکم نہیں ہے بلکہ معمولی انتظام دنیا میں کے حکموں کا ایک حکم اب بھی ہوا ہے اس وقت تک ان کے ہوش ٹھکانے نہیں آتے پھر اُن کی کیا طاقت ہے کہ بے مرضی اللہ کے ان مشرکوں کی وہ سفارش کریں گے بلکہ قیامت کے دن جب فرشتوں سے اور نیک لوگوں سے اس شرک کا حال خفگی کے طور پر پوچھا جاوے گا تو وہ اس شرک سے اپنی نہایت درجہ کی بیزاری ظاہر کریں گے جس کا ذکر اوپر کی آیت کی تفسیر میں گزر چکا متأخرین مفسروں نے اگرچہ اس آیت کے اور کچھ کچھ معنے بیان کئے ہیں لیکن صحیح بخاری مسلم ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور چند صحابہؓ سے جو روایتیں[1] ہیں ان کی رو سے یہی معنے صحیح ہیں جو اوپر بیان کئے گئے

شفاعت دو طرح ہوگی

اور یہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ شفاعت دو طرح کی ہوگی ایک محشر کے میدان میں گرمی اور پسینے سے تمام اہل محشر گھبرا کر جب اس بات کی شفاعت چاہیں گے کہ ان کا حساب و کتاب جلدی سے شروع ہو جاوے اور اس شفاعت کے لئے اہل محشر حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سب انبیاؑ کے پاس جاویں گے مگر سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس شفاعت پر کوئی نبی مستعد نہ ہوگا اسی واسطے یہ شفاعت خاص آنحضرتؐ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے اور اہل قبلہ میں سے کوئی فرقہ اس شفاعت کا منکر نہیں ہے دوسری شفاعت گنہگاروں کو دوزخ میں سے نکال کر جنت میں داخل کرانے کی ہوگی اس شفاعت میں ملائکہ اور سب انبیاء اور صلحاء شریک ہیں جس طرح کی یہ آیت ہے اسی طرح کی آیتوں کا مطلب سمجھنے میں غلطی کر کے فرقہ خارجیہ اور فرقہ معتزلہ نے اسی دوسری قسم کی شفاعت کا انکار کیا ہے اور اہل سنت نے بہت سی آیتوں اور حدیثوں سے اس شفاعت کو ثابت کیا ہے اور فرقہ خارجیہ اور معتزلہ کے انکار کا جواب دیا ہے کہ انکار شفاعت کی آیتیں مشرک لوگوں کے حق میں ہیں کلمہ گو لوگوں کے حق میں نہیں اہل محشر کے حساب کتاب کی شفاعت کا ذکر صحیح بخاری مسلم کی ابوہریرہؓ کی روایت[1] میں ہے اور گنہگاروں کو دوزخ سے نکالنے کی شفاعت کا ذکر صحیح بخاری و مسلم کی ابوسعید خدری کی روایت میں ہے تفصیل سے ۲۴ تا ۳۰۔ اوپر گزرا کہ اہل مکہ کی سرکشی کے سبب سے مکہ میں سخت قحط پڑا اور اس قحط کی بلا کے دفع کرنے میں اہل مکہ کے بت کچھ کام نہ آئے

[1] دیکھئے تفسیر ابن کثیر ص ۵۳۷، ج ۳، [2] ملاحظہ فرمائیے مشکوۃ باب الحوض والشفاعۃ۔

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا

تو کہہ تم سے نہ پوچھیں گے جو ہم نے گناہ کیا اور ہم سے نہ پوچھیں گے جو تم کرتے ہو۔ تو کہہ جمع کرے گا ہم سب کو

رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ

رب ہمارا پھر فیصلہ کرے گا ہم میں انصاف کا اور وہی ہے نیاؤ چکانے والا سب جانتا تو کہہ مجھ کو دکھاؤ تو جن کو اس سے ملاتے ہو

بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ

ساجھی ٹھہرا کر کوئی نہیں وہی اللہ ہے زبردست حکمت والا اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو سارے لوگوں کے واسطے

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ

خوشی اور ڈر سنانے کو لیکن بہت لوگ نہیں جانتے اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ

آخر اللہ تعالیٰ نے ہی جب اپنے فضل سے مینہ برسایا تو وہ قحط کی بلا دفع ہو گئی اسی واسطے ان مشرکوں کے قائل کرنے کے لیے فرمایا اے رسول اللہ کے تم ان بت پرستوں سے یہ تو پوچھو کہ آسمان سے مینہ برسا کر اور زمین میں ہر طرح کی پیداوار کی تاثیر پیدا کر کے تم لوگوں کے رزق کا سامان کون کرتا ہے مکہ کے قحط کے تجربہ کے بعد اس سوال کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ یہ کام اللہ کا ہے اس جواب کے بعد ان مشرکوں سے یہ بھی کہہ دیا جاوے کہ مکہ کے قحط کے تجربہ سے یہ سمجھ لو کہ ہم میں اور تم میں حق پر کون ہے قل لا تسئلون الآیۃ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم تم کو خدا کی توحید کی طرف بلاتے ہیں کہ فقط اللہ کی عبادت کرو اگر تم اس کو مانو تم ہمارے اور ہم تمہارے نہیں تو تمہارے عمل تمہارے ساتھ اور ہمارے عمل ہمارے ساتھ پھر فرمایا ان سے کہہ دیا جاوے جو نصیحت تم کو کی جاتی ہے اگر تم لوگ اس کو نہ مانو گے تو ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ ہمیں تمہیں سب کو اللہ کے روبرو کھڑا ہونا پڑے گا اس دن حق و ناحق سب کھل جائے گا کیوں کہ حق و ناحق اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے اور وہ اپنے علم غیب کے موافق بڑے انصاف سے فیصلہ کرنے والا ہے پھر فرمایا مکہ کے قحط سے اللہ کی شان تو ان لوگوں نے آنکھوں سے دیکھ لی اس پر بھی جن بتوں کو یہ لوگ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں ان میں اللہ کی قدرت جیسی کوئی بات یہ لوگ دکھا سکتے ہوں تو دکھلاویں لیکن اللہ کی قدرت اور حکمت ایسی زبردست ہے کہ اس کی قدرت اور حکمت جیسی کوئی بات مخلوق میں ہرگز نہیں پائی جا سکتی اب آگے اپنے رسول کی تسکین کے لئے فرمایا اے رسول اللہ کے یہ تمہاری قوم کے لوگ تمہاری نصیحت کو نہیں مانتے تو اس کا کچھ رنج نہ کرنا چاہئے کیوں کہ اور رسولوں کی طرح تم کو اللہ نے کسی خاص قوم کا رسول بنا کر نہیں بھیجا ہے تمہاری نبوت ایسی عام ہے کہ تمہارے قوم کے نیک لوگوں کے موافق قوموں کے بہت سے لوگ تمہارے پیرو ہو جائیں گے جن کا مقابلہ اہل مکہ کو مشکل ہو گا اور آخر کو مکہ فتح ہو جاوے گا لیکن تمہاری قوم کے اکثر لوگ اس سے بے خبر ہیں اس لئے سرکشی کی باتیں کرتے ہیں اور اسی سرکشی کے سبب سے قیامت کی باتیں جن کو یہ لوگ ہنو کہتے ہیں کہ آخر ان باتوں کا ظہور کب ہو گا اس کے جواب میں ان لوگوں سے کہہ دیا جاوے کہ جب ان باتوں کے ظہور کا وقت آ گیا تو پھر گھڑی بھر کی بھی دیر سویر نہ ہو گی، مسند امام احمد کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحیح حدیث[1] ایک جگہ گزر چکی ہے کہ قبر میں دفن کئے جانے اور منکر نکیر کے سوال و جواب ہو جانے

[1] الترغیب والترہیب ص ۶۵ ج ۴ فصل من کتاب الجنائز

إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٩﴾ قُل لَّكُم مِّيعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَلَا

اگر تم سچے ہو تو کہہ تم کو وعدہ ہے ایک دن کا دیر کرو گے اس سے ایک گھڑی

تَسْتَقْدِمُونَ ﴿٣٠﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن نُّؤْمِنَ بِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي

نہ شتابی اور کہنے لگے منکر ہم ہرگز نہ مانیں گے یہ قرآن اور نہ اس سے

بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِندَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ

اگلا اور کبھی تو دیکھے جب گنہگار کھڑے کئے گئے ہیں اپنے رب کے پاس ایک دوسرے پر ڈالتا ہے

إِلَىٰ بَعْضٍ الْقَوْلَ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا أَنتُمْ

بات کہتے ہیں جن کو کمزور سمجھا تھا بڑائی کرنے والوں کو اگر تم نہ ہوتے

لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ﴿٣١﴾ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا أَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ

تو ہم ایماندار ہوتے کہنے لگے بڑائی کرنے والے کمزور گنے گئوں کو کیا ہم نے روک رکھا تم کو

عَنِ الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُم ۖ بَلْ كُنتُم مُّجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾ وَقَالَ الَّذِينَ

سوجھ کی بات سے تمہارے پاس پہنچے پیچھے نہیں تھے گنہگار اور کہنے لگے کمزور گنے گئے

کے بعد نیک شخص کو اس کا جنت کا ٹھکانا اور بد شخص کو اس کا دوزخ کا ٹھکانا اللہ کے فرشتے دکھا کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ قیامت کے دن ان ٹھکانوں میں جانے اور رہنے کے لئے تم کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا، اس حدیث کا ظہور قیامت کے دن یوں ہوگا کہ جنت میں جانے والوں کے نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے اور دوزخ میں جانے والوں کے بائیں ہاتھ میں، اس کی زیادہ تفصیل سورۃ الواقعہ اور سورۃ الحاقہ میں آئے گی، اس حدیث اور واقعہ اور الحاقہ کی آیتوں کے موافق لاتستاخرون ساعۃ ولاتستقدمون کی تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ جنت و دوزخ کا ٹھکانا دکھانے اور جنت و دوزخ میں جانے کا جب وقت آجائے گا تو پھر اس میں گھڑی بھر کی دیر سویر نہ ہوگی صحیح بخاری و مسلم میں جابر بن عبداللہ سے روایت[1] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے پہلے کے نبی، خاص اپنی قوم کی ہدایت کے لئے آئے اور مجھ کو اللہ تعالیٰ نے سب قوموں کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے یہ حدیث وما ارسلناک الا کافۃ للناس کی گویا تفسیر ہے۔

۳۳ تا ۳۳۔ اوپر مشرکین مکہ کی اس سرکشی کا ذکر تھا کہ وہ قیامت کے آنے کا وقت گھڑی گھڑی سرکشی اور مسخراپن سے پوچھتے تھے ان آیتوں میں ذکر ہے کہ جب ان مشرکوں کو یہ جواب دیا گیا کہ وہ وقت آجاوے گا تو گھڑی بھر کی دیر سویر نہ ہوگی تو ان سرکشوں نے یہ کہا کہ قرآن پاک یا اس سے پہلے کی جن کتابوں میں قیامت کا ذکر ہے ان میں سے ایک کتاب کو بھی ہم نہیں مانتے پھر فرمایا اب تو اپنی سرداری کے گھمنڈ سے یہ سردار لوگ اور عام لوگ ان سرداروں کے بہکانے کے سبب سے یہ سرکشی کی باتیں کرتے ہیں لیکن قیامت کے دن جب اس سرکشی کی سزا کا موقع آوے گا تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کا دشمن ہو جائے گا سردار لوگ اپنے تابع لوگوں کو گمراہ ہونے کا اور تابع لوگ سرداروں کو رات دن کے بہکانے کا الزام لگائیں گے، پھر فرمایا اللہ کی

[1] مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَنْ نَّكْفُرَ
بڑائی کرنے والوں کو کوئی نہیں پر فریب سے رات دن کے جب تم ہم کو حکم کرتے کہ ہم نہ مانیں

بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ
اللہ کو اور ٹھہرائیں اس کے ساتھ برابر کے اور چھپے چھپے پچتانے لگے جب دیکھا عذاب اور ہم نے ڈالے ہیں طوق

فِیْۤ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا
گردنوں میں منکروں کی وہی بدلا پاتے ہیں جو کرتے تھے۔ اور نہیں بھیجا ہم نے

فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾
کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا مگر کہنے لگے ہیں وہاں کے آسودہ لوگ جو تمہارے ہاتھ بھیجا ہم نہیں مانتے

درگاہ میں انصاف ہے وہاں بے قصور کسی کو سزا نہیں دی جاتی اس لئے سرداروں اور ان کے پیرؤں میں سے جیسا جس کا قصور ہوگا ویسی اس کو سزا دی جاوے گی، صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث[1] ایک جگہ گزر چکی ہے کہ دنیا میں جو شخص کسی کو بہکا دے گا اس کو دوہری سزا دی جائے گی خود بہکنے کی جدا اور دوسروں کو بہکانے کی جدا، صحیح مسلم وغیرہ کے حوالہ سے ابوذرؓ کی روایت سے حدیث قدسی بھی کئی جگہ گزر چکی ہے کہ ظلم اور ناانصافی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک پر حرام کر لیا ہے ان حدیثوں کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جن کا حاصل یہ ہے کہ ناانصافی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک پر حرام کر لیا ہے اس واسطے یہ نہیں ہوسکتا کہ بہکانے والوں اور بہکنے والوں کی سزا میں کچھ فرق نہ کیا جاوے بلکہ بہکانے والوں کو ان کے جرم کے موافق دوہری سزا دی جاوے گی اور بہکنے والوں کو ان کے جرم کے موافق اکہری، ھل یجزون الا ما کانوا یعملون فرما کر اسی مطلب کو ادا کیا گیا۔

۳۴ تا ۳۹- اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قریش کے سرکش دولتمندوں کا ذکر فرمایا تھا کہ وہ قرآن اور قرآن سے پہلے کی کسی کتاب آسمانی کو نہیں مانتے اور پھر ان مشرکوں کو ڈرایا تھا کہ اب دنیا میں تو یہ لوگ سرکشی کر رہے ہیں میدان حشر میں پچتا دیں گے اور ایک دوسرے کو ملامت کریں گے اب اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکین کے لئے فرمایا ہے کہ قریش پر کچھ موقوف نہیں ہے دولتمند ہمیشہ سے اسی طرح عاقبت سے غافل اور اللہ کے رسولوں کے منکر رہے ہیں مصنف ابن ابی شیبہ تفسیر ابراہیم ابن منذر تفسیر سفیان ثوری اور تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں جو شان نزول اس آیت کی عبدالرحمن بن زید اور عبداللہ ابو رزین کی روایت[2] سے بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ دو شخص تجارت پیشہ ساجھے میں مل کر تجارت کرتے تھے ان میں سے ایک شخص ملک شام کے سفر کو گیا ہوا تھا وہاں اس نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حال سنا تو اپنے ساجھی کو خط لکھ کر آپ کا تفصیلی حال دریافت کیا اس کے ساجھی نے جواب لکھا کہ کچھ غریب تنگ دست لوگ ان رسول کے دین میں آئے ہیں اور سب دولتمند قریش ابھی ان رسول کے منکر ہیں اس شخص نے اس خط کے پڑھتے ہی تجارت چھوڑ دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آن کر مسلمان ہوگیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے پوچھا کہ

[2] تفسیر ابن کثیر ص ۵۴۰ ج ۳ و تفسیر الدر المنثور ص ۲۳۸ ج ۵۔

وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا ۙ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿٣٥﴾ قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ

اور کہنے لگے ہم کو زیادہ ہیں مال اور اولاد اور ہم پر آفت نہیں آنی تو کہہ میرا رب ہے جو پھیلا دیتا

الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٦﴾ وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا

ہے روزی جس کو چاہے اور ماپ کر دیتا ہے لیکن بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے اور تمہارے مال اور تمہاری

أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ

اولاد وہ نہیں کہ نزدیک کر دیں ہمارے پاس تمہارا درجہ مگر کوئی یقین لایا اور بھلا کام کیا سو ان کو ہے

تجھ کو میرا رسول ہونا کیوں کر معلوم ہوا اس نے کہا پچھلے رسولوں کے فرمانبردار ہمیشہ سے غریب لوگ ہوتے ہیں اور آپ کے فرمانبردار لوگ بھی غریب نظر آتے ہیں اس لئے مجھ کو یقین ہوگیا کہ بلاشک آپ سچے رسول ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جب آیت اتری تو آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے کلام کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی ہے یہ عبداللہ ابورزین سفیان ثوری کے ہم رتبہ تابعی ہیں اور ابن حبان نے ان کو ثقہ لوگوں میں لکھا ہے حدیث کی روایت میں اگرچہ ان عبدالرحمن کو ضعیف شمار کیا جاتا ہے لیکن تفسیر کے باب میں ان عبدالرحمن بن زید بن اسلم کو متقدمین مفسروں میں اس لئے شمار کیا جاتا ہے کہ تفسیر کی روایت یہ اپنے باپ زید بن اسلم سے کرتے ہیں علاوہ اس کے عبداللہ ابورزین کی روایت سے یہاں ان عبدالرحمن کی روایت کو تقویت بھی حاصل ہوگئی ہے اس واسطے اس شان نزول کو صحیح کہا جا سکتا ہے

عمرو بن عوف انصاریؓ کی حدیث صحیحین[1] کی روایت سے اوپر گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو اپنی امت کے فقر و فاقہ کا اتنا اندیشہ نہیں ہے جتنا اندیشہ اس بات کا ہے کہ ان کو فارغ البالی ہو کر پچھلی امتوں کی طرح کہیں یہ خرابی میں نہ پڑ جائیں مسند امام احمد میں محمود بن لبیدؓ کی روایت[2] کا ایک ٹکڑا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ تنگ دستی سے گھبراتے ہیں یہ نہیں جانتے کہ جس شخص کے پاس دنیا میں مال کم ہے اس کو قیامت کے دن حساب بھی کم دینا پڑے گا، اگرچہ امام مسلم نے ان محمود بن لبیدؓ کو تابعیوں میں شمار کیا ہے لیکن امام بخاری نے ان محمود کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور ابن عبداللہ نے کہا ہے کہ بہ نسبت مسلم کے امام بخاری کا قول زیادہ صحیح ہے مسند امام احمد میں یہ محمود بن لبید کی حدیث دو سندوں سے آئی ہے جن میں ایک سند صحیح ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ جو دولتمندی دین کے کاموں سے آدمی کو غافل کرے اس کی قرآن شریف اور حدیث میں جگہ جگہ مذمت آئی ہے ہاں جو دولتمندی اس طرح کی ہو کہ حلال طریقہ سے آدمی کمائے اور شریعت کے حکم کے موافق اس کو خرچ کرے تو یہ بڑے رتبہ کی بات ہے چنانچہ ابی کبشہ انماریؓ کی ترمذی میں ایک بڑی حدیث ہے جس کو ترمذی نے صحیح حدیث قرار دیا ہے اس حدیث کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ مال اور علم دونوں چیزیں دیوے اور وہ مال کو شریعت کے موافق خرچ کرے اور علم کے موافق عمل کرے تو ایسے شخص کا بڑا رتبہ ہے جس طرح مشرکوں نے وہ غلط خیال اپنے دل میں جما رکھا تھا جس کا ذکر اوپر کی آیتوں میں گزرا کہ قیامت کے دن اللہ کے

[1] مشکوٰۃ کتاب الرقاق فصل اول [2] مشکوٰۃ باب فضل الفقراء وما کان من عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصل دوسری

[3] مشکوٰۃ باب استحباب المال والعمر للطاعۃ فصل دوسری۔

لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ

بدلا دونا ان کے کئے پر اور وہ جھروکوں میں بیٹھے ہیں خاطر جمع سے اور جو لوگ دوڑتے ہیں

فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ

ہماری آیتوں کے ہرانے کو وہ مار میں پکڑے آتے ہیں۔ تو کہہ میرا رب پھیلاتا ہے روزی جس کو چاہے

مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾

اپنے بندوں میں اور ماپ کر دیتا ہے اس کو اور جو خرچ کرتے ہو کچھ چیز وہ اس کا عوض دیتا ہے اور وہ بہتر ہے روزی دینے والا

فرشتے اور نیک لوگ ان مشرکوں کی شفاعت کر کے ان کو عذاب سے چھوڑالیویں گے اسی طرح ایک غلط خیال یہ بھی انہوں نے اپنے دل میں جمار کھا تھا کہ جب خدا نے دنیا میں ان کو مال اور اولاد سے خوش و آسودہ حال رکھا ہے اور اکثر مسلمان تنگ حال نظر آتے ہیں تو معلوم ہوا کہ بہ نسبت مسلمانوں کے ان مشرکوں پر خدا کی مہربانی اور نظر رحمت زیادہ ہے پھر اگر قیامت قائم ہوئی تو اپنی ایسی مخلوق کو جس پر اس کی نظر عنایت زیادہ ہے خدا تعالیٰ عذاب نہیں کرے گا ان کے اس غلط خیال کا جواب اللہ تعالیٰ نے یوں دیا ہے کہ مال اور اولاد اللہ کے نزدیک کوئی قابل قدر چیز نہیں ہے تاکہ دنیا میں مال اور اولاد اللہ تعالیٰ اسی کو دیوے جس پر اس کی نظر عنایت ہو ان مشرکوں سے پہلے کے لوگوں کو جو کچھ مال اور اولاد کی آسودہ حالی تھی اس کا دسواں حصہ بھی آسودہ حالی ان کو نہیں ہے ان کی آسودہ حالی اگر خدا کی نظر عنایت کے سبب سے ہوتی تو ان پر اس طرح عذاب الٰہی کیوں آتا جس عذاب کا حال انہوں نے اپنے بڑوں سے سنا ہے اور ان کی اجڑی ہوئی بستیاں خود آنکھوں سے دیکھی ہیں بلکہ اللہ کی نظر عنایت کی چیز دنیا میں ہے تو یہی ہے کہ آدمی خدا کو ایک جانے خدا کے رسول کی فرمانبرداری کرے جن کاموں سے اللہ خوش ہوتا ہے وہ کام اللہ کے رسول سے سیکھے اور رات دن ان کاموں میں لگا رہے کس لئے کہ عاقبت کی آسودہ حالی دنیا کی طرح نہیں ہے کہ نیک و بد سب کو حاصل ہو جاوے بلکہ عقبیٰ کی آسودہ حالی تو دنیا کے نیک کاموں کا بدلا ہے جو کرے گا سو پائے گا یہ امر اللہ کے انصاف کے بالکل برخلاف ہے کہ جو لوگ دنیا میں اللہ کی مرضی کے موافق کام کرتے ہیں وہ اور جو خلاف مرضی کام کرتے ہیں وہ جزا اور سزا کے وقت دونو کا ایک حال رکھے رہی دنیا کی خوشحالی اس کی مصلحت ان لوگوں کو معلوم نہیں ہے کبھی اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو دنیا کی تنگ دستی دیتا ہے تاکہ وہ صبر کریں اور اس صبر کے اجر میں ان کا رتبہ بڑھے عاقبت کے حساب و کتاب کا ان کا بوجھ ہلکا ہو جاوے کبھی ایسے بد لوگوں کو دنیا کی خوشحالی دیتا ہے جو بالکل عاقبت سے غافل ہیں تاکہ وہ اپنی آسودہ حالی میں کوئی دنوں غرق رہیں پھر اپنے کئے کو بھگتیں سورہ زخرف میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ گویا اس آیت کی تفسیر ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ دنیا کی تنگ دستی اور خوشحالی کچھ اس سبب سے نہیں ہے کہ خوش حال لوگوں کی اللہ کے نزدیک کچھ عزت اور توقیر تھی اس عزت اور توقیر کے سبب سے دنیا میں ان کو خوشحالی دی گئی یا تنگ دست لوگوں پر اللہ کی نظر عنایت نہیں تھی اس سبب سے ان کو تنگ دستی دی گئی بلکہ دنیا کی تنگدستی اور خوشحالی محض دنیا کا چند روزہ انتظام چلانے کے لئے ہے کہ روپے پیسہ کا کام تنگ دست کا خوشحال سے چل جاوے اور خوشحال لوگوں کی محنت اور مزدوری کی ضرورت تنگ دست لوگوں سے رفع ہو جاوے سب انسان ایک حالت میں ہوتے تو یہ

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ أَهٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿٤٠﴾

اور جس دن جمع کرے گا ان سب کو پھر کہے گا فرشتوں کو کیا یہ لوگ تھے تم کو پوجتے

قَالُوا سُبْحٰنَكَ أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُونِهِمْ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ

وہ بولے پاک ذات ہے تیری ہم تیری طرف ہیں نہ ان کی طرف نہیں پر پوجتے تھے جنوں کو یہ اکثر انہیں پر

بِهِمْ مُؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا وَنَقُولُ

یقین رکھتے ہیں سو آج تم مالک نہیں ایک دوسرے کے بھلے کے نہ برے کے اور کہیں گے ہم

لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿٤٢﴾

ان گنہگاروں کو چکھو تکلیف اس آگ کی جس کو تم جھوٹ بتاتے تھے

انتظام کیوں کر چل سکتا اور بدلوگوں کی خوشحالی دیکھ کر نیک لوگوں کے بہک جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ بدلوگوں کو اتنا کچھ دیتا کہ وہ اپنے گھروں کی چھتیں اور زینہ کی سیڑھیاں اور دروازوں کے کواڑ تک چاندی کے بنا لیتے پھر فرمایا یہ سب کچھ ہوتا بھی تو کیا ہوتا آخر نہ دنیا رہنے والی ہے نہ دنیا کی خوشحالی رہنے والی ہے رہنے والی تو وہی خوشحالی ہے جو اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو عقبیٰ میں دے گا یہ سب مضمون سورہ زخرف کی آیتوں کا ہے، ایک نیکی کا ثواب دس سے لے کر سات سو تک اور کچھ نیکیوں کا اس سے بھی زیادہ جو ملے گا اس کا ذکر صحیح بخاری و مسلم کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث قدسی کے حوالہ سے اوپر گزر چکا ہے وہی حدیث فاولئک لھم جزاء الضعف بما عملوا کی گویا تفسیر ہے، صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی روایت سے حدیث قدسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص نیک راہ میں اپنا مال خرچ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو اور دے گا یہ حدیث وما انفقتم من شیء فھو یخلفہ کی گویا تفسیر ہے انتظام دنیا میں اگرچہ اللہ تعالیٰ نے بعضے لوگوں کا رزق بعضوں کے ذمہ کر دیا ہے لیکن رزق کے سارے اسباب اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں اس لئے وھو خیر الرازقین فرمایا۔

۴۰ تا ۴۲۔ اوپر گزر چکا ہے کہ مکہ کے مشرک لوگوں میں کا ایک گروہ فرشتوں کی مورتوں کی پوجا اس اعتقاد سے کیا کرتا تھا کہ اگر قیامت قائم ہوئی تو وہ فرشتے اپنی پوجا کرنے والوں کی شفاعت بارگاہ الٰہی میں کر کے انہیں عذاب دوزخ سے بچالیں گے اس کے جواب میں فرمایا کہ جس دن ان فرشتہ پرستوں کو سب مخلوقات کے ساتھ دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو ان کے قائل کرنے کے لئے فرشتوں سے خفگی کے طور پر اللہ تعالیٰ یہ دریافت فرمائے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری مورتوں کی دنیا میں پوجا کیا کرتے تھے اللہ کے فرشتے یہ بات سن کر عرض کریں گے یا اللہ تو اس سے پاک ہے کہ تیرے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہو تو ہمارا کارساز ہے اور ہم تیرے بندے ہیں تو خوب جانتا ہے کہ ان لوگوں کے دل میں شیطان نے ہمارے نزدیک کو پوجنے کا وسوسہ ڈال دیا تھا ہماری مرضی کا اس میں کچھ دخل نہیں ہے، فرشتوں کے اس سچے جواب کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان فرشتہ پرستوں کو فرشتوں کی شفاعت سے ناامید کرنے کے لئے فرمائے گا کہ آج کے دن کا نفع نقصان عذاب و ثواب سب

لہ مشکوۃ باب الانفاق وکراہیۃ الامساک۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا رَجُلٌ يُرِيدُ أَن يَصُدَّكُمْ

اور جب پڑھی جاویں ان پاس ہماری آیتیں کھلی کہیں اور نہیں مگر یہ ایک مرد ہے چاہتا ہے کہ روک دے تم کو

عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُكُمْ وَقَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا إِفْكٌ مُّفْتَرًى ۚ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا

ان سے جن کو پوجتے رہے تمہارے باپ دادے اور کہیں اور نہیں یہ جھوٹ ہے ہی باندھ لیا اور کہتے ہیں منکر

لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿٤٣﴾ وَمَا آتَيْنَاهُم مِّن كُتُبٍ

ٹھیک بات کو جب پہنچے ان تک اور نہیں یہ جادو ہے صریح اور ہم نے دیں نہیں ان کو کچھ کتابیں

يَدْرُسُونَهَا ۖ وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِن نَّذِيرٍ ﴿٤٤﴾ وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِن

جن کو پڑھتے ہیں اور بھیجا نہیں ان پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا اور جھٹلایا ہے ان سے اگلوں نے

اسی کے ہاتھ ہے اس کے سوا کوئی کسی کو نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا اس ارشاد کے بعد سزا و جزا کے جھٹلانے والوں کو دوزخ کے عذاب کا مزہ چکھنے کا حکم ہو جائے گا، صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ سے روایت[1] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک کاموں کے سبب سے جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت ہوتی ہے تو اللہ کے حکم سے جبرئیل علیہ السلام سب آسمانوں کے فرشتوں کو اس کی خبر کر دیتے ہیں جس سے آسمان کے فرشتے ایسے لوگوں کی محبت کا دم بھرنے لگتے ہیں اور ان کے لئے دعا خیر کیا کرتے ہیں یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے اس میں یہ بات زیادہ ہے کہ برے کاموں کے سبب سے جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے غصہ کی نظر ہوتی ہے اس کی اطلاع بھی سب فرشتوں کو ہو جاتی ہے جس سے سب فرشتے ایسے لوگوں سے بیزار رہتے ہیں، اس حدیث کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب قرار پایا کہ قیامت کے دن جس سوال و جواب کا ذکر آیتوں میں ہے اگرچہ اس سوال و جواب سے پہلے اللہ کے فرشتے ان فرشتہ پرست لوگوں سے بیزار اور ان کو برا جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کو بھی فرشتوں کی یہ بیزاری خوب معلوم تھی لیکن فقط اس فرشتہ پرست فرقے کے ذلیل کرنے کے لئے یہ سوال جواب اس دن ہوگا تاکہ اس فرشتہ پرست فرقہ کو معلوم ہو جائے کہ جن فرشتوں کی مورتوں کو یہ لوگ پوجا کرتے وہ فرشتے اللہ کو اپنا کارساز اور اپنے آپ کو اللہ کا بندہ جانتے اور اس شرک سے نہایت درجہ بیزار تھے یہ سوال و جواب ایسا ہی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ اس دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھے گا کہ کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ وہ تم کو اور تمہاری ماں کو معبود ٹھہرا دیں اور حضرتؑ اس سوال کا وہ جواب دیں گے جس کا ذکر سورہ مائدہ میں گزرا۔

۴۳ تا ۴۵۔ حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف سے پہلے نہ کوئی کتاب عرب پر اتاری اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر کوئی رسول ان کی طرف بھیجا گیا عرب کے لوگ پہلے بہت چاہتے تھے اور کہتے تھے اگر کوئی ڈرانے والا ہمارے پاس آتا یا کوئی کتاب ہم پر نازل کی جاتی تو ہم اور قوموں کی بہ نسبت زیادہ ہدایت پر ہوتے پھر جب خدا تعالیٰ نے رسول بھیجا اور کتاب بھیجی تو بغیر کسی سند کے اللہ کے رسول کو جھوٹا کہنا اور کتاب آسمانی کو جادو بتلانا ان لوگوں کی نادانی ہے

[1] مشکوٰۃ باب الحب فی اللہ ومن اللہ فصل اول۔

قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَا آتَيْنَاهُمْ فَكَذَّبُوا رُسُلِي فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ (۴۵)

اور یہ نہیں پہنچے دسویں حصے کو جو ہم نے ان کو دیا تھا پھر جھٹلایا میرے بھیجوں کو تو کیسا ہوا انکار میرا

قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُم بِوَاحِدَةٍ أَن تَقُومُوا لِلَّهِ مَثْنَىٰ وَفُرَادَىٰ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا مَا

تو کہہ میں تو ایک ہی نصیحت کرتا ہوں تم کو کہ اٹھ کھڑے ہو اللہ کے نام پر دو دو اور ایک ایک پھر دھیان کرو اس

بِصَاحِبِكُم مِّن جِنَّةٍ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُم بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ (۴۶)

تمہارے رفیق کو کچھ سودا نہیں یہ تو ایک ڈرانے والا ہے تم کو آگے آگے ایک بڑی آفت کے۔

پھر فرمایا ان سے پہلے ایسی قوموں نے رسولوں کو جھٹلایا ہے کہ دولت اور قوت کے حساب سے یہ لوگ ان پہلی قوموں کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے جب اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا اور ان کی دولت وقوت نے ان کو کچھ نفع نہ دیا تو یہ لوگ جو کہ ان سے ہر بات میں کم ہیں رسول کے جھٹلانے کے بعد عذاب الٰہی سے کیوں کر بچ سکتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ پہلی قوموں کے قدم بقدم چلیں گے تو یہی انجام انکا ہوگا جو ان کا ہوا اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے قریش میں کے بڑے بڑے قرآن اور اللہ کے رسول کے جھٹلانے والوں کا جو انجام بدر کی لڑائی میں ہوا صحیح بخاری ومسلم کی انسؓ بن مالک کی روایت کے حوالہ سے اس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے کہ دنیا میں بڑی ذلت سے یہ لوگ مارے گئے اور مرتے ہی عقبیٰ کے عذاب میں گرفتار ہو گئے جس عذاب کے جتانے کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی لاشوں پہ کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ تعالےٰ کے وعدہ کو سچا پا لیا۔

۴۶-اوپر کی آیتوں میں یہ ذکر تھا کہ مشرکین مکہ قرآن شریف کی آیتیں سن کر کبھی یہ کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام اپنی طرف سے بنالیا ہے اللہ کا کلام یہ نہیں ہے اور یہ بھی کہتے کہ غرض ان کی اس کلام کے بنانے سے یہ ہے کہ ہمارے باپ دادا کے دین سے ہم کو روکنا چاہتے ہیں اور کبھی یہ لوگ آنحضرتؐ کا معجزہ دیکھ کر جادو بتلاتے تھے اور کبھی حشر کی باتیں اور قیامت کی باتیں آپ سے سن کر آپ کو دیوانہ بتلاتے تھے اللہ تعالےٰ نے ان سب بیہودہ باتوں کا دو طرح جواب دیا ایک تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بنی اسمٰعیل میں نہ کوئی نبی آیا نہ کوئی آسمانی کتاب اتری پھر جب ان کی یہ بیہودہ باتیں کسی نبی کے بیان اور کتاب آسمانی کی سند سے نہیں ہیں تو یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ گویا محض ان کی عقل اور تجربہ کی رو سے ہے جس کا جواب یہ ہے کہ نبوت سے پہلے ان میں یہ بات مشہور تھی کہ ان میں کے چھوٹے بڑے ان اللہ کے رسول کو سچا جانتے تھے نبوت کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے معجزوں سے بھی اپنے رسول کی تائید کی تو پھر کس عقل اور کون سے تجربہ سے یہ لوگ اللہ کے رسول کو جھٹلاتے ہیں اے اللہ کے رسول تم ان سے کہہ دو کہ بہت سے آدمیوں کے ہجوم میں بات اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتی ان میں کے ایک ایک دو دو شخص اللہ کی راہ کو سوچنے کے لیے مستعد اور قائم ہو جاویں گے تو خود بخود ان کی سمجھ میں آجاوے گا کہ ان کا تجربہ پہلے سے اللہ کے رسول کے باب میں کیا تھا اور اب یہ لوگ اپنے تجربہ کے خلاف اللہ کے رسول کی شان میں کیا کہہ رہے ہیں صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی وہ حدیث جو مشہور ہے جس میں ہرقل

(۱) صحیح بخاری باب بدء الوحی۔

قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِّنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٤٧﴾ قُلْ إِنَّ رَبِّي يَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿٤٨﴾ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ﴿٤٩﴾

تو کہہ جو میں نے تم سے مانگا تھا کچھ نیگ سو تمہیں کو پہنچے میرا نیگ ہے اسی اللہ پر اور اس کے سامنے ہے ہر چیز تو کہہ میرا رب پھینکتا جاتا ہے سچا دین اور وہ جاننے والا چھپی چیزیں تو کہہ آیا دین سچا اور جھوٹ کسی چیز کو پیدا نہیں کرتا اور نہ پھیرتا۔

بادشاہ اور ابوسفیان کی باتوں کا ذکر ہے اس میں یہ بھی ہے کہ ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا جو شخص اپنے آپ کو اللہ کا رسول کہتا ہے کیا رسول ہونے کا دعویٰ کرنے سے پہلے کبھی تم لوگوں نے ان کو جھوٹ بولتے ہوئے بھی سنا ہے ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں اس پر ہرقل نے کہا کہ جو شخص لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ اللہ سے کیوں کر یہ جھوٹ بولے گا کہ بغیر اللہ کے رسول ہونے کے کہہ دے گا کہ میں اللہ کا رسول ہوں غرض اس صحیح روایت اور اور صحیح روایتوں سے یہ بات ثابت ہے کہ نبوت سے پہلے تمام مکہ کے مشرک آنحضرتؐ کے سچے ... کو مانتے تھے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان لوگوں کو الزام دیا ہے کہ جب ان لوگوں کے پاس کسی پہلے نبی کا مقولہ نہیں کوئی کتاب آسمانی نہیں خود ان کا تجربہ ان کے قول کے مخالف موجود ہے تو پھر اس طرح کی بیہودہ اور بے ٹھکانے باتیں یہ لوگ کیوں زبان پر لاتے ہیں اور اوپر کی آیتوں میں یہ ڈراوا بھی دیا تھا کہ اگر یہ لوگ ہر طرح کی فہمائش کے بعد بھی اللہ کے رسولؐ کے جھٹلانے سے باز نہ آویں گے تو ان سے پہلے اللہ کے رسولوں کے جھٹلانے والی امتوں کا جو حال ہو چکا ہے وہی حال ان کا ہوگا، اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے اہل مکہ کے بڑے بڑے سرکشوں کے حق میں بدر کی لڑائی کے وقت جو کچھ اس وعدہ کا ظہور ہوا اس کا ذکر صحیح بخاری و مسلم کی انس بن مالکؓ کی روایت کے حوالہ سے اوپر گزر چکا ہے، صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایتؓ ایک جگہ گزر چکی ہے کہ کم سے کم دوزخ کا عذاب یہ ہوگا کہ دوزخی شخص کو آگ کی جوتیاں پہنا دی جائیں گی جس سے اس کا بھیجا کھول جائے گا، اس آیت میں دوزخ کے جس عذاب کو اللہ تعالیٰ نے بڑی آفت فرمایا ہے اس کی تفسیر بیان سے باہر ہے۔

۴۷ تا ۴۹۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتا ہے کہ مشرکوں سے اس طرح کہیں کہ میں جو تم کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتا ہوں اور خدا کی عبادت کا تم کو حکم کرتا ہوں اس کے اوپر میں تم سے کچھ اجرت نہیں طلب کرتا نہ کچھ انعام چاہتا ہوں تم اپنا اجر اپنے پاس رہنے دو کیوں کہ میں تو اللہ سے اس کا ثواب چاہتا ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے میری حالت بھی اور تمہاری کو بھی سب چیز اس کے سامنے ہے کچھ اس سے پوشیدہ نہیں اسے خوب معلوم ہے کہ میں تم سے کچھ اجر نہیں چاہتا قرآن شریف حضرت جبرئیل علیہ السلام کی معرفت آسمان سے زمین پر آیا تھا اس لئے اس کی مثال اوپر سے نیچے پھینکنے کی فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ قرآن اللہ غیب دان کا کلام ہے اس واسطے اس میں غیب کی خبریں ہیں فرمایا اس قرآن کے ذریعہ سے اب وہ دین حق آ گیا جس کے سبب سے نہ آئندہ شرک کی نئی رسمیں پیدا ہو سکتی ہیں نہ مٹی ہوئی رسمیں پھر رواج پکڑ سکتی ہیں مسند امام

ؒ مشکوٰۃ باب صفۃ النار و اہلہا فصل اول۔

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِیْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْۤ اِلَیَّ رَبِّیْ ؕ

تو کہہ اگر میں بہکا ہوں تو یہی کہ بہکوں گا اپنے برے کو اور اگر میں سوجھا ہوں تو اس سبب سے کہ وحی بھیجتا ہے مجھ کو میرا

اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ ﴿۵۰﴾

رب وہ سنتا ہے نزدیک

حمد کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی معتبر روایت[۱] ایک جگہ گزر چکی ہے کہ فتح مکہ کے وقت شیطان یہ کہہ کر بہت رویا کہ آج سے شرک کی جڑ امت محمدیہ میں سے اٹھ گئی یہ حدیث وما یبدئ الباطل وما یعید کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آیت کے اس ٹکڑے میں شرک مٹ جانے کی جو پیشین گوئی تھی اس کا ظہور فتح مکہ کے وقت ایسا ہوا کہ جزیرہ عرب میں سے شرک کی قدیم اور جدید رسموں کے مٹ جانے پر شیطان کو رونا آگیا، صحیح مسلم کے حوالہ سے جابر بن عبداللہ کی حدیث[۲] ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جزیرہ عرب کی بت پرستی سے اب شیطان ناامید ہوگیا۔ اس حدیث سے حضرت عبداللہ عباسؓ کی روایت کو پوری تقویت ہو جاتی ہے۔

۵۰۔ سعد بن ابی وقاص کے بیٹے عمر بن سعدؒ کہا کرتے تھے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ہے جو مشرکین مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہا کرتے تھے کہ محمدؐ نے خود بھی اپنے باپ دادا کا دین چھوڑا ہم سے بھی باپ دادا کا دین چھوڑانا چاہتے ہیں اوپر کی آیتوں میں مشرکین مکہ کا یہ قول جو گذرا کہ ما ھذا الا رجل یرید ان یصدکم عما کان یعبد آباؤکم اس سے عمر بن سعد کے اس قول کی تصدیق بھی ہوتی ہے، یہ عمر بن سعد ثقہ تابعیوں میں ہیں لیکن یزید کی طرف سے جو لشکر حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کوفہ پر لڑا اس لشکر کے یہ عمر بن سعد سردار تھے اس واسطے اسماء الرجال اور تاریخ کی کتابوں میں ان عمر بن سعدؒ پر لوگ طعن کرتے ہیں لیکن ان کی روایت میں کچھ طعن نہیں ہے اسماء الرجال کی بعض کتابوں میں ان عمر بن سعد کو صحابیوں میں جو شریک کر دیا ہے وہ غلط ہے کیوں کہ ابن معینؒ نے اس بات کی صراحت کر دی ہے کہ ان عمر بن سعد کی پیدائش اور حضرت عمرؓ کی وفات ایک ہی دن ہے پھر عمر بن سعد صحابی کیوں کر ہو سکتے ہیں، غرض اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مشرکین مکہ کے جس قول کا جواب دیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ تم لوگوں کے کہنے کے موافق باپ دادا کا دین اگر حق تھا جس کے چھوڑ دینے سے میں بے راہ ہو گیا ہوں تو اس کا وبال خدا مجھ پر ڈالے گا اور اگر جس طرح میں کہتا ہوں کہ میری جو کچھ نصیحت ہے وہ اللہ کے حکم کے موافق ہے اور تم لوگ اس نصیحت کی مخالفت کرتے ہو تو اس مخالفت کا سخت عذاب اللہ تعالیٰ کی جانب سے تم کو بھگتنا پڑے گا اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے قول و فعل سنتا اور دیکھتا ہے جس طرح کا قول و فعل جس کسی کا ہوگا اسی طرح کا بدلہ اللہ تعالیٰ اس کو دے گا اب آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دنیا میں تو یہ لوگ اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں جس دن ان کے قول و فعل کا وبال ان لوگوں پر پڑے گا اس دن ان لوگوں کی پریشانی کا حال دیکھنے کے قابل ہوگا کہ اپنے قول و فعل پر پچھتاویں گے اور دنیا میں پھر آنے اور نیک کام کرنے اور اس طرح قول و فعل سے باز آنے کا اقرار کریں گے مگر جب وقت ہاتھ سے نکل جائے گا تو پھر پچھتانے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا صحیح بخاری و مسلم میں انس بن مالکؓ سے روایت[۳] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ

[۱] [۲] مشکوۃ باب فی الوسوسہ فصل اول۔ [۳] مشکوۃ باب صفۃ النار داہلہا فصل اول۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۵۱﴾ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ

اور کبھی تو دیکھے جب یہ گھبرائے پھر بھاگے نہیں بچتے اور پکڑے آئے نزدیک جگہ سے اور کہنے لگے ہم نے اس کو یقین

وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ

اور اب کہاں ان کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے دور جگہ سے اور اس سے منکر ہو رہے آگے سے اور پھینکتے رہے

علیہ وسلم نے فرمایا ایک ادنیٰ درجہ کے عذاب والے اہل دوزخ سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پوچھے گا کہ تمام دنیا کا مال ومتاع دے کر تیرا چھٹکارا ہو سکتا ہو تو اس قدر معاوضہ دینا اور عذاب دوزخ سے نجات حاصل کرنا تجھ کو منظور ہے وہ شخص کہے گا کہ ہاں مجھ کو منظور ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے شخص جب تو دنیا میں پیدا بھی نہیں ہوا تھا اسی وقت میں نے تجھ سے ایک ذرا سی بات چاہی تھی کہ تو خدا کا شریک کسی کو نہ ٹھہرائیو مگر تو نے نہ مانا اب تمام دنیا کا مال ومتاع دے کر بھی چھٹکارا نہیں ہو سکتا ہے اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی روایت بیہقیؒ وغیرہ کے حوالہ سے اوپر گذر چکی ہے جس کے ایک ٹکڑہ کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ سے بچنے اور جنت کے حاصل کرنے کی جو باتیں تھیں وہ سب میں نے لوگوں کو بتلا دیں ہیں کوئی بات اٹھا نہیں رکھی غرض آج کے روز دنیا میں بہت سے لوگوں کو توحید اور فرمانبرداری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر نہیں کل قیامت کے دن لوگوں کو قدر معلوم ہو گی کہ توحید اور فرمانبرداری ایسی قابل قدر چیز ہے کہ تمام دنیا جس کی قیمت قرار نہ پا سکے گی۔

۵۱ تا ۵۴۔ اوپر ذکر تھا کہ مشرکین مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی سے کہا کرتے تھے کہ محمدؐ نے خود بھی اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا اور ہم سے بھی اس کو چھوڑا یا چاہتے ہیں ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی تسلی کے لیے فرمایا کہ اب تو یہ لوگ باپ دادا کی رسموں پر ایسے اڑے ہوئے ہیں لیکن اے رسول اللہ کے جس دن ان رسموں کی پابندی کا وبال ان لوگوں پر پڑے گا تو اس دن ان لوگوں کا حال دیکھنے کے قابل ہو گا کہ یہ لوگ پھر دوبارہ دنیا میں آنے اور ان بد رسموں سے بچنے کی کس طرح آرزو کریں گے مگر اس بے وقت کی آرزو سے ان کو کچھ فائدہ نہ ہو گا کیوں کہ جب دنیا میں ان لوگوں کو عقبیٰ کے عذاب سے ڈرایا جاتا تھا تو یہ لوگ بن دیکھے عذاب کو جھٹلاتے اور اللہ کے رسول کو دیوانہ بتلاتے تھے اب عذاب کو آنکھوں سے دیکھنے کے بعد ان کی اور ان سے پہلے کے منکروں کی یہ آرزو پوری ہونی ناممکن ہے اگرچہ ان آیتوں کی تفسیر میں مفسروں نے سلف کے اور قول بھی لکھے ہیں لیکن اوپر جو تفسیر بیان کی گئی وہ امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس قول کے موافق ہے جو علی بن طلحہ کی روایت سے ہے، اس تفسیر میں یہ کئی جگہ بیان ہو چکا ہے کہ تفسیر کے باب میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا جو قول علی بن طلحہ کی روایت سے آتا ہے وہ نہایت صحیح ہوتا ہے علاوہ اس کے سورۃ الانعام میں گذر چکا ہے کہ مشرک لوگ دوزخ کے عذاب کو دیکھ کر دنیا میں دوبارہ آنے اور فرمانبرداری سے زندگی گذارنے کی آرزو کریں گے اور ان کی وہ آرزو منظور نہ ہو گی ان سورۃ الانعام کی آیتوں سے بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کی پوری تائید ہوتی ہے مسند امام احمد اور ابوداؤد کے حوالہ[1] سے براء بن عازب کی صحیح حدیث ایک جگہ گذر چکی ہے کہ نافرمان لوگوں پر موت کے وقت

[1] مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر فصل دوسری۔

بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿٥٣﴾ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ
بن دیکھے نشانی پر دور جگہ سے اور اٹکاؤ پڑ گیا ان میں اور جو ان کا جی چاہے اس میں جیسا کیا گیا ہے

بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿٥٤﴾
ان کی راہ والوں سے پہلے وہ لوگ تھے دھوکے میں جو چین نہ لینے دیتا۔

سے ہی عذاب کی سختی شروع ہو جاتی ہے، یہ حدیث واخذوا من مکان قریب کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نسبت عقبیٰ کے دنیا جو انسان کے لئے قریب کی جگہ ہے اپنے بداعمالوں کے سبب سے یہ لوگ وہیں سے عذاب میں پکڑے آئے پھر اب عقبیٰ میں ان کی کیا نجات ہو سکتی ہے۔ وانی لھم التناوش من مکان بعید اس کا مطلب یہ ہے کہ عقبیٰ میں .... پہنچ جانے کے بعد دنیا انسان کے لئے ایک دور جگہ ہے پھر جو آرزو دنیا میں آن کر آرزو اتنے دور بیٹھے بیٹھے کیونکر پوری ہو سکتی ہے ویقذفون بالغیب من مکان بعید اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح دور سے ایک شخص دوسرے شخص کو اوپر کے اٹکل سے کوئی چیز پھینکتا ہے اسی طرح قرآن اور اللہ کے رسول کی شان میں یہ لوگ اٹکل سے باتیں بناتے رہیں صحیح مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ شہید لوگ دنیا میں دوبارہ آنے اور شہید ہونے کی آرزو کریں گے لیکن ان کی وہ آرزو منظور نہ ہوگی اس حدیث کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ جب شہدائے بدر جیسے فرمانبردار بندوں کی دنیا میں دوبارہ آنے کی آرزو منظور نہیں ہوئی تو ان نافرمان لوگوں کی یہ آرزو کیوں کر منظور ہو سکتی تھی کیوں کہ یہ بات علم الٰہی میں ٹھہر چکی تھی کہ یہ لوگ دنیا میں دوبارہ آن کر اسی نافرمانی میں اپنی عمر گزارتے جس طرح پہلی دفعہ گزاری چنانچہ اس کا ذکر سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے، مریب کے معنے شک میں ڈالنے والی چیز کے ہیں مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے اعتقاد میں مرتے دم تک کفر و شرک کی باتیں اس طرح جم رہی ہیں جن باتوں نے ان کے دل کو قرآن کی نصیحت کی طرف مائل نہیں ہونے دیا جس سے تمام عمر یہ لوگ عقبیٰ کی باتوں میں شک کرتے رہے شاہ صاحبؒ نے شک مریب کا ترجمہ چین نہ لینے والے دھوکے کا جو کیا ہے اس کا یہی مطلب ہے، حدیث کی سب کتابوں میں ابوہریرہؓ سے یہ جو روایتؓ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دل کے وسوسہ کو معاف کر دیا ہے یہ ان لوگوں کی شان میں ہے جو اسلامی اعتقاد اور عملوں میں تو پکے ہیں مگر کبھی کبھی ان کے دل میں شیطان کوئی وسوسہ ڈال دیتا ہے اور ان کا اعتقاد اس وسوسہ پر نہیں جمتا اس لئے وہ فوراً اس وسوسہ کو رفع دفع کر دیتے ہیں اور اس وسوسہ پر عمل نہیں کرتے ان آیتوں میں ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو عمر بھر اس طرح کے شیطانی وسوسوں میں گرفتار رہے کہ ان وسوسوں کے مقابلہ میں شریعت الٰہی کو جھٹلاتے اور ان وسوسوں کو اپنا اعتقاد ٹھہرا کر مرتے دم تک اس اعتقاد کے موافق کفر اور شرک کی باتوں پر عمل کرتے رہے اس تفسیر سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ آیت اور حدیث میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔

ؒ مشکوٰۃ کتاب الجہاد فصل اول، ؒ مشکوٰۃ باب فی الوسوسہ فصل اول۔

آیاتہا ۴۵ (۳۵) سُوْرَۃُ فَاطِرٍ مَکِّیَّۃٌ (۴۳) رکوعاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ

سب خوبی اللہ کو ہے جس نے بنایا ہے آسمان و زمین جس نے ٹھہرائے فرشتے پیغام لانے والے جن کے پر ہیں

مَّثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱﴾

دو دو اور تین تین اور چار چار بڑھاتا ہے پیدائش میں جو چاہے بے شک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے

۱۔ فاطر کے معنے خالق کے ہیں حاصل معنے یہ ہیں کہ سب تعریف اللہ کو ہے جو پیدا کرنے والا ہے آسمان اور زمین کا مطلب اس سے یہ ہے کہ جو ایسی بڑی چیز کے پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے تو وہ دوسری بار بھی سب کچھ پیدا کر سکتا ہے خدا تعالیٰ نے جو اس صفت کے ساتھ اپنی ذات پاک کی تعریف کی ہے مقصود اس سے خالص اللہ کی تعظیم ہے اور بندوں کو یہ تعلیم بھی ہے کہ وہ اس طرح خدا کی ثنا کیا کریں اور اللہ کی تعظیم اور عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں پھر فرمایا وہ اللہ جو ٹھہرانے والا ہے فرشتوں کو رسولوں کے پاس پیغام پہنچانے والا جن فرشتوں کے دو دو اور تین تین اور چار چار پر ہیں جن سے وہ اڑتے ہیں اور خدا کا حکم لے کر رسولوں کے پاس جلد پہنچ جاتے ہیں، موضح القرآن میں یہ جو لکھا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے چھ سو پر ہیں یہ حدیث صحیح بخاری میں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے آئی ہے[۱] اور یہی حدیث یزید فی الخلق ما یشاء کی گویا تفسیر ہے طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے[۲] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے ان کے اور میکائیل علیہ السلام اور عزرائیل علیہ السلام کے تعیناتی کے کام پوچھے تو جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں ہوا اور لشکروں کے فتح شکست کے کام پر مامور ہوں اور میکائیل علیہ السلام مینہ اور زمین کی پیداوار کے کام پر اور عزرائیل علیہ السلام قبض ارواح کے کام پر مامور ہیں۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ[۳] کو اگرچہ بعضے علماء نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن اکثر علماء نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کو معتبر کہا ہے، حاصل کلام ہے کہ مشرکین مکہ اس بات کے منکر تھے کہ قرآن شریف کلام الٰہی ہے اور جبرئیل علیہ السلام اس کو پیغام کے طور پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لاتے ہیں اس لئے آیت میں فرشتوں کے پیغام پہنچانے کا ذکر فرمایا لیکن حدیث سے آیت کی یہ تفسیر ہو سکتی ہے کہ سوا وحی کا پیغام لانے کے جبرئیل علیہ السلام کو زمین پر آنے کے اور کام بھی سپرد ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس کی اس روایت میں اسرافیل کا ذکر نہیں ہے لیکن طبرانی میں معتبر سند سے حضرت عائشہ کی حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوح محفوظ میں سے ہر طرح کے احکام کے نقل کرنے اور صور پھونکے جانے کی خدمت اسرافیل علیہ السلام کے سپرد ہے ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان

[۱] مشکوٰۃ ص ۵۰۱ باب رؤیۃ اللہ تعالےٰ۔ [۲] فتح الباری ص ۴۲۹ ج ۳ باب ذکر الملائکہ۔ [۳] فتح الباری میں اس راوی کا نام محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہے اور لکھا ہے وقد ضعف لسوء حفظہ ولم یترک (سوء حفظ کی وجہ سے اس کو ضعیف کہا گیا ہے تاہم بالکل متروک نہیں) ح، ع، ک

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ

جو کھول دے اللہ لوگوں پر کچھ مہر تو کوئی نہیں اس کو روکنے والا اور جو روک رکھے تو کوئی اس کو نہیں بھیجنے والا اس

مِنْ بَعْدِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ

کے سوائے اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا اے لوگو یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ۖ

کوئی ہے بنانے والا اللہ کے سوائے روزی دیتا تم کو آسمان سے اور زمین سے کوئی حاکم نہیں مگر وہ ہے

فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ

کہاں سے الٹے جاتے ہو اور اگر تجھ کو جھٹلا دیں تو جھٹلائے گئے کتنے رسول تجھ سے پہلے اور اللہ تک پہنچتے

تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٚ

ہیں سب کام اے لوگو بے شک وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے سو نہ بہکا دے تم کو دنیا کا جینا

میں ابوہریرہؓ سے روایت[1] ہے کہ قبض روح کے وقت اللہ کے فرشتے اچھے لوگوں کو رحمت الٰہی کا اور برے لوگوں کو غضب الٰہی کا پیغام پہنچاتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ وحی کے پیغام کے علاوہ اور پیغام بھی اللہ کے فرشتوں کے سپرد ہیں اسی واسطے آیت میں پیغام لانے والوں کو جمع کے لفظوں میں فرمایا۔

۲- صحیح سند سے مسند امام احمد اور ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت[2] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کو طرح طرح کی نصیحت فرمائی ہے اس حدیث کا ٹکڑا گویا اس آیت کی تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے فرمایا اگر تمام روئے زمین کی مخلوقات جمع ہو کر تم کو کچھ فائدہ پہنچانا چاہے تو بدوں حکم خدا کے کوئی فائدہ کسی طرح کا ہرگز تم کو نہ پہنچا سکیں گے۔ اسی طرح تمام دنیا کے لوگ ضرر پہنچانے پر آمادہ ہو جاویں تو بدوں حکم خدا کے کبھی کوئی شخص کچھ ضرر ہرگز تم کو نہ پہنچا سکے گا اس واسطے پنجگانہ نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے[3] اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطى لما منعت۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی کوئی چیز کوئی چھین نہیں سکتا اور بغیر حکم اللہ کے کوئی کسی کو کچھ دے نہیں سکتا صحیح مسلم میں مغیرہؓ بن شعبہ سے جو روایت ہے اس میں اس دعا کا ذکر ہے وھو العزیز الحکیم اس کا مطلب یہ ہے وہ ایسا زبردست ہے کہ اس کے حکم کو کوئی روک نہیں سکتا صاحب حکمت ایسا ہے کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

۳ تا ۸- ان آیتوں میں ارشاد ہے کہ جس طرح پیدا کرنا اور روزی کا دینا فقط اسی کا کام ہے نہ کسی اور کا ایسے ہی سوائے اس کے اور کسی کو پوجنا نہیں چاہئے مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرایا جائے اور جب اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو پھر تم بعد اس کے ان کھلی ہوئی باتوں سے کہاں سے الٹے جاتے ہو اور بتوں کو پوجتے ہو اور اگر اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مشرک لوگ تم کو جھٹلا دیں اور توحید کو نہ مانیں تو تمہیں پہلے رسولوں کی چال چلنی چاہئے کیوں کہ وہ بھی اپنی قوموں کے پاس کھلی ہوئی

[1] مشکوٰۃ باب ما یقال عند من حضرہ الموت فصل تیسری۔ [2] مشکوٰۃ باب التوکل والصبر فصل دوسری۔ [3] ایضاً باب الذکر بعد الصلوٰۃ فصل اول۔

وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ۝ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۚ إِنَّمَا يَدْعُوا

اور نہ دغا دے تم کو اللہ کے نام سے دغا باز تحقیق شیطان تمہارا دشمن ہے سو تم سمجھ رکھو اس کو دشمن وہ تو بلاتا ہے

حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝ الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۝

اپنے گروہ کو اسی واسطے کہ ہوویں دوزخ والوں میں جو منکر ہوئے ان کو سخت مار ہے

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ أَفَمَن زُيِّنَ لَهُ

اور جو یقین لائے اور کام کئے بھلے ان کو ہے معافی اور نیگ بڑا بھلا ایک شخص کہ بھلی

سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا ۖ فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۖ

سوجھائی اس کو اس کے کام کی برائی پھر دیکھا اس نے اس کو بھلا کیوں کہ اللہ بہکاتا ہے جس کو چاہے اور سوجھاتا ہے جس کو چاہے

نشانیاں لائے تھے لیکن ان لوگوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور مخالفت کی مطلب یہ کہ یہ کچھ نئی بات نہیں ہے اس لئے ان کے جھٹلانے پر اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم صبر کرو جیسا کہ پہلے رسولوں نے صبر کیا پھر فرمایا کہ سب کام اللہ کی طرف رجوع ہوتے ہیں مطلب یہ ہے کہ عنقریب ہر ایک کو موافق اس کے عمل کے پوری پوری سزا وجزا دی جاوے گی پھر فرمایا اے لوگو وعدہ اللہ کا حق ہے وعدہ سے مراد آخرت ہے وہ ضرور ہوگی اور تم دوسری دفعہ جلائے جاؤ گے اس واسطے تم کو یہ دنیا کا جینا دھوکا نہ دے مطلب یہ ہے کہ اس دنیائے فانی کے عیش میں جو بمقابلہ عیش آخرت کے کچھ حقیقت نہیں رکھتا مشغول ہو کر آخرت کے عیش کو نہ بھول جاؤ اور نہ دھوکے میں ڈالے تم کو خدا کی یاد سے وہ دھوکہ باز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے موافق لفظ غرور سے مراد یہاں شیطان ہے حاصل یہ ہے کہ شیطان کہیں تم کو سیدھے راستے سے نہ بہکا دے کیوں کہ وہ بڑا دھوکے باز ہے پھر اللہ تعالیٰ نے شیطان کی دشمنی اولاد آدم علیہ السلام سے بیان کی کہ وہ شیطان بے شک تمہارا کھلا دشمن ہے تم بھی اس کو دشمن سمجھو اور اس کا کہنا نہ مانو وہ بلاتا ہے اپنی پیروی کرنے والوں کو اس لیے کہ وہ دوزخ والوں میں سے ہو جاویں مطلب یہ کہ ان کو بہکا کر اپنے ساتھ دوزخ میں لے جاوے۔ اب آگے شیطان کے بہکاوے میں آنے والوں اور اس بہکاوے سے بچنے والوں کا نتیجہ بیان فرمایا کہ شیطانی گروہ کا ٹھکانا دوزخ ہے اور قرآن کی نصیحت ماننے والے گروہ کا ٹھکانا جنت شیطان نے اللہ تعالیٰ کے روبرو بنی آدم کے بہکانے کی قسم جو کھائی ہے اس کا اور اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر شیطان کو جو جواب دیا ہے اس کا ذکر سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے سورۃ الاعراف کی وہ آیتیں اور ان آیتوں کی تفسیر میں جو حدیثیں نقل کی گئی ہیں وہ شیطان کی دشمنی کی تفسیر ہیں۔

۸۔ تفسیر ضحاک بن مزاحم میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایتؐ سے جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مکہ میں جب کہ اہل اسلام کم تھے اور مشرکوں کا زور تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی تھی کہ یا اللہ عمر بن خطاب یا ابوجہل بن ہشام ان دونوں میں سے کسی کے اسلام لانے سے اسلام کو قوت اور رونق ہو جاوے آنحضرتؐ کی اس دعا سے حضرت عمرؓ تو اسلام لائے اور ابوجہل نے اسلام قبول نہیں کیا اور ابوجہل کے اسلام نہ لانے سے آنحضرتؐ کو رنج ہوا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ اے نبی اللہ کے ایسی باتوں سے تم کو غمگین نہیں ہو جانا چاہئے

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۲۴۵ ج ۵۔

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۸

سو تیرا جی نہ جاتا رہے ان پر پچھتا پچھتا کر اللہ کو معلوم ہے جو کرتے ہیں

تمہارا کام فقط اتنا ہے کہ تم یکساں سب کو خدا کا حکم پہنچا دو پھر ہدایت اللہ کے اختیار رہے جو لوگ علم الٰہی میں بد قرار پا چکے ہیں شیطان کے بہکانے سے ان کو برے کام اچھے نظر آتے ہیں لیکن اللہ کو ان کے سب کاموں کی خبر ہے وقت مقررہ پر وہ اپنے عملوں کی سزا پاویں گے بعضے[1] مفسروں نے جو یہ لکھا ہے کہ یہ آیت بدعتیوں کی شان میں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ بدعتیوں کے حق میں بھی اس آیت کا مضمون صادق آتا ہے کہ جس طرح ابوجہل کفر کی گمراہی میں پھنسا ہوا تھا یہ لوگ بدعت کی گمراہی میں پھنسے ہوئے ہیں ورنہ صحیح شان نزول وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے کیوں کہ لیث بن سلیم۔ ضحاک۔ محمد بن سائب یہ اس قسم کے لوگ ہیں کہ اگرچہ حدیث میں ان کی روایت ضعیف ہے لیکن تفسیر میں ان لوگوں کی روایت مقبول ہے اور بعضے مفسروں نے ضحاک بن مزاحم کی تفسیر کی روایتوں پر یہ جو اعتراض کیا ہے کہ ضحاک بن مزاحم کی روایت حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے منقطع ہے کیوں کہ ضحاک بن مزاحم کی ملاقات حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے نہیں ہوئی اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ ضحاک بن مزاحم کی ملاقات حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے نہیں ہوئی لیکن شعبہ نے عبدالملک بن میسرہ تابعی سے جو روایت کی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ضحاک بن مزاحم کی ملاقات سعید بن جبیر سے ہوئی ہے اور سعید بن جبیر سے ہی ضحاک بن مزاحم نے تفسیر کی روایتیں حاصل کی ہیں اس لئے جس طرح علی بن طلحہ کی روایت تفسیر میں مقبول ہے اسی طرح ضحاک کی بھی روایت مقبول ہے کس لئے کہ علی بن طلحہ کی بھی ملاقات حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے نہیں ہوئی جو کچھ تفسیر کی روایتیں علی بن طلحہ کو پہنچی ہیں وہ مجاہد اور سعید بن جبیر سے پہنچی ہیں اور حافظ ابن حجر ؒ نے فتح الباری ؒ میں فیصلہ کر دیا ہے کہ جب درمیان کا واسطہ معلوم ہو گیا کہ ثقہ شخص کا واسطہ ہے تو روایت منقطع میں جو عیب تھا وہ جاتا رہا، صحیح بخاری کے حوالہ سے حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ کی روایت ایک جگہ گزر چکی ہے کہ قوم نوح میں کے کچھ نیک لوگ مر گئے تھے جن کی جدائی کا رنج قوم کے لوگوں کو بہت تھا شیطان نے قوم کے لوگوں کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ ان لوگوں کی مورتیں بنا کر رکھ لی جاویں تا کہ ان مورتوں کے پیش نظر رہنے سے ان نیک لوگوں کی جدائی کا رنج کچھ ہلکا ہو جاوے شیطان کے اس وسوسہ کے موافق وہ مورتیں بنائی گئیں اور کئی پشت کے بعد پھر رفتہ رفتہ ان مورتوں کی پوجا ہونے لگی آیت میں یہ جو ذکر ہے کہ شیطان برائی کو زیب و زینت دے کر بھلائی کی صورت میں لوگوں کو دکھلاتا ہے اس کی مثال اس حدیث سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ بت پرستی جیسی برائی کو اس ملعون نے کس طرح بھلائی کا لباس پہنایا اصل عبارت یوں تھی افمن زین لہ سوء عملہ فراٰہ حسنا ذھبت نفسک علیھم حسرات، ذھبت نفسک علیھم حسرات کو فلا تذھب نفسک علیھم حسرات کے ذکر کرنے کے بعد ضروری نہیں سمجھا گیا حاصل مطلب یہ ہے کہ جو لوگ علم الٰہی میں گمراہ ٹھہر چکے ہیں ان کی گمراہی کے افسوس میں اے رسول اللہ کے تم اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا چاہتے ہو ایسا نہ کرو اور ان لوگوں کا معاملہ اللہ پر سونپ دو اللہ کو ان لوگوں کے سب کام معلوم ہیں کہ یہ لوگ شیطان کے بہکانے سے برے کاموں کو کہاں تک اچھا جان رہے ہیں۔

---

[1] ایضاً و تفسیر فتح البیان ص ۴۰۷ ج ۳ ۔ ۱۲

وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ

اور اللہ ہے جس نے چلائی ہیں باویں پھر ابھارتیاں ہیں بدلی پھر ہانک لے گئے ہم اس کو ایک مرگئے دیس کو پھر جلائی ہم نے

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۹ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ

اس سے زمین اس کے مرگئے پیچھے اسی طرح ہے جی اٹھنا جس کو چاہیے عزت تو اللہ کی ہے عزت ساری

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ

اس کی طرف چڑھتا ہے کلام ستھرا اور کام نیک اس کو اٹھا لیتا ہے۔

۹۔ مشرکین مکہ کو حشر کا انکار تھا جس کے سبب سے عقبیٰ کی بہبودی کی باتیں ان لوگوں کے دل میں نہیں جمتی تھیں اور اسی سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا تھا اس لئے اکثر جگہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے کھیتی کی مثال دے کر حشر کا حال ان لوگوں کو سمجھایا ہے کہ جس طرح زمین مردہ پڑی ہوتی ہے اس میں گھانس تک نہیں ہوتی پھر جس وقت اللہ تعالیٰ نے مینہ کی ہوا چلائی اور پانی کے بھرے ہوئے بادل بھیجے اور مینہ برسایا تو اس وقت زمین حرکت کر کے ابھرتی ہے اور اس میں ہر طرح کی چیز پیدا ہو جاتی ہے یہی حال جسموں کا ہے جب اللہ ان کو دوبارہ اٹھانا چاہے گا تو عرش کے نیچے سے ایک ایسی بارش بھیجے گا کہ وہ تمام زمین کو پہنچے گی قبروں کے اندر تمام جسم اس طرح بن کر تیار ہو جائیں گے جس طرح اب زمین کی پیداوار کا حال ہے اس بارش کے باب میں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت ایک جگہ گذر چکی ہے[1] پھر فرمایا کہ جو شخص دنیا اور آخرت میں عزت حاصل کرنی چاہے تو اس کو چاہئے کہ اللہ کی بندگی کرے بے شک اس کا مقصد حاصل ہو جائے گا کس واسطے کہ دنیا اور آخرت کا مالک خدا تعالیٰ ہے اور تمام عزت اسی کے اختیار میں ہے یہ لوگ اب تو کہتے ہیں اگر ہم مر کر دوبارہ زندہ ہوئے تو وہ فرشتے اور نیک لوگ جن کی مورتوں کی ہم پوجا کرتے ہیں اللہ کی بارگاہ میں ہماری سفارش کر کے دوزخ کے عذاب کی ذلت سے ہم کو بچا لیویں گے جس سے ہماری عزت میں کچھ فرق نہ آوے گا لیکن قیامت کے دن بجائے سفارش کے اللہ کے فرشتے اور نیک لوگ ان مشرکوں کی صورت سے بیزار ہو جاویں گے اور دوزخ کے عذاب کی جو ذلت ان کو بھگتنی پڑے گی وہ اس دن اس طرح ان کی آنکھوں کے سامنے آ جاوے گی جس طرح مکہ کے قحط کے وقت ان لوگوں نے اپنے بتوں کی بے اختیاری کے سبب سے مردار چیزوں کے کھانے کی ذلت اٹھائی، نیک لوگوں کی بیزاری کا حال سورہ یونس میں اور فرشتوں کی بیزاری کا حال سورہ سبا میں گذر چکا ہے مکہ کے قحط کی عبداللہ بن مسعود کی یہ روایت بھی صحیح بخاریؒ کے حوالہ سے اوپر گذر چکی ہے کہ جب مشرکین مکہ نے بہت سرکشی پہ کمر باندھی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے مکہ میں سخت قحط پڑا جس میں مشرکین مکہ کو یہ ذلت اٹھانی پڑی کہ مصیبت کے وقت ان کے بت کچھ کام نہ آئے آخر اللہ کے رسول کی دعا سے مینہ برسا اسی واسطے فرمایا کہ عزت کا دینا اور ذلت سے بچانا اللہ کے ہاتھ ہے ان بتوں کے اختیار میں نہیں

۱۰۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ مجاہد عکرمہ اور مفسرین متقدمین نے جو اس آیت کے معنے بیان کئے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ عمل نیک سے مراد وہ عمل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پہ فرض کیا ہے جیسے نماز روزہ حج زکوٰۃ اور کلمات پاکیزہ سے مقصود نفلی ذکر الٰہی ہے جیسے تلاوت قرآن تسبیح تہلیل دعا جو شخص فرض عبادت کے ادا کرنے کے بعد

[1] بحوالہ مشکوٰۃ باب النفخ فی الصور

وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَمَكْرُ أُولَٰئِكَ هُوَ يَبُورُ ﴿١٠﴾

اور جو لوگ داؤ میں ہیں برائیوں کے ان کو سخت مار ہے اور ان کا داؤ ہے ٹوٹے کا

یہ نفلی ذکر الٰہی کرے گا اس کے فرض عمل اس کے نفل ذکر الٰہی کو اس رتبہ کو پہنچا دیں گے کہ وہ نفلی ذکر آسمان پر چڑھ جاوے گا اور آسمان پر چڑھنے سے یہ مطلب ہے کہ وہ نفلی ذکر اللہ کی جناب میں قبول ہو جاوے گا اور جو شخص بدون فرض عبادت ادا کرنے کے کوئی نفلی ذکر الٰہی کرے گا اس کا وہ نفلی ذکر ہرگز قبول نہ ہوگا طبرانی بیہقی اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس معنے کو روایت کیا ہے اور حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے[1] اور علی بن ابی طلحہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہی معنے روایت کئے ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایتوں میں علی بن ابی طلحہ کی سند وہی قابل قدر سند ہے جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے کہ امام احمد فرمایا کرتے تھے مدینہ سے مصر تک کے سفر میں اس سند سے ایک روایت بھی جس شخص کے ہاتھ آوے تو گویا اس نے وہ روایت مفت پائی اور یہی سند ہے جس کو امام بخاری نے صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں جگہ جگہ اختیار کیا ہے حاصل یہ ہے کہ بعضے مفسروں نے علاوہ اس معنے کے اور معنے جو اس آیت کے بیان کئے ہیں ان سب معنوں سے یہ معنے زیادہ صحیح ہیں اور نیک عمل کے آسمان پر چڑھنے کی کیفیت اور حالت اسی بیہقی اور حاکم کی روایت[2] میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یوں بیان فرمائی ہے کہ سبحان اللہ یا اور کوئی نیک کلمہ آدمی کے منہ سے نکلے تو فوراً وہ فرشتے جو نیک کلموں کے ثواب کے لکھنے پر مقرر ہیں ان کلموں کو آسمان پر لے جاتے ہیں اور جس آسمان کے فرشتے اس کو دیکھتے ہیں اس نیک شخص کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ کلمات نیک اور عمل نیک اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں پہنچ جاتے ہیں معتبر سند سے مستدرک حاکم اور ابن ماجہ میں نعمان بن بشیرؓ سے جو روایتیں[3] ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جب وہ نیک کلمات اللہ تعالیٰ کی درگاہ تک پہنچتے ہیں تو عرش کے گرد پھرتے ہیں اور شہد کی مکھی کی طرح بھن بھناتے ہیں اور جس شخص کے منہ سے وہ کلمات نکلے ہیں اس کا ذکر خدا تعالیٰ کے دربار میں آتا ہے اس لئے ہر انسان کو شوق چاہئے کہ اس کا ذکر ہمیشہ خدا کے دربار میں آیا کرے یہ تو نیک کلموں اور نیک عملوں کا آسمان پر چڑھنے کا حال ہوا اب رہا ان کا ثواب اس کا حال حضرت ابوہریرہؓ کی صحیحین کی حدیث میں گذر چکا ہے کہ جب آدمی دین میں خوب پکا ہو جاتا ہے تو اس کی ہر نیکی کا ثواب دس گنہ سے لے کر سات سو تک لکھا جاتا ہے صحیح مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث کئی جگہ گذر چکی ہے کہ رات کے لوگوں کے نیک عمل دن سے پہلے اور دن کے رات سے پہلے آسمان پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہو جاتے ہیں یہ حدیث آیت کے ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہمیشہ رات دن کے لوگوں کے عمل آسمان پر چڑھتے اور اللہ تعالیٰ کے روبرو دو وقت پیش ہوتے رہتے ہیں۔

ریاکاری قباحت مجاہد اور سعید بن جبیر کا قول ہے کہ یمکرون سے ریاکار آدمی مراد ہیں جو اپنے عملوں کے ادا کرنے میں یہ مکر کرتے ہیں کہ لوگوں پر تو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ خدا کی عبادت کر رہے ہیں حالانکہ ریا کے سبب سے ان کے کام خدا کے نزدیک بہت ناپسند ہیں

[1] فتح البیان ص ۷۰، ج ۳۔ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۵۴۹ ج ۳۔ [3] تفسیر الدر المنثور ص ۲۴۵ ج ۵، [4] الترغیب والترہیب ص ۲۳۴ ج ۲۔ باب الترغیب فی التسبیح والتہلیل والتحمید الخ۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ

اور اللہ نے تم کو بنایا مٹی سے پھر بوند پانی سے پھر بنایا تم کو جوڑے جوڑے اور نہ پیٹ رہتا ہے کسی

اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ

مادہ کو اور نہ جنتی ہے بن خبر اس کے اور نہ عمر پاتا ہے کوئی بڑی عمر والا اور نہ گھٹتی ہے کسی کی عمر مگر لکھا ہے کتاب میں

اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ (۱۱)

یہ اللہ پر آسان ہے۔

اس واسطے فرمایا کہ ان کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کا مکر عنقریب ظاہر ہو جائے گا کہ دنیا میں سمجھدار ایماندار لوگوں پر ان کا فریب کھل جاوے گا اور اللہ تو عالم الغیب ہے دنیا اور آخرت میں کوئی چیز اس پر پوشیدہ نہیں ہے، اس لئے اس کی بارگاہ میں بدنیتی کے ایسے کھوٹے عملوں کا کچھ اجر نہیں ہے، مسند بزار اور طبرانی کے حوالہ سے انس بن مالکؓ کی صحیح روایت[۱] ایک جگہ گزر چکی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بعضے ایسے نیک عملوں کو نامقبول فرما کر اعمال ناموں میں سے نکال ڈالنے کا حکم دے گا کہ جن عملوں میں نامہ اعمال کے لکھنے والے فرشتوں کو بھی برائی معلوم نہ ہوگی، اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ جن عملوں میں ظاہر کسی شرک یا بدعت کا میل ہو گا ان عملوں کی برائی نامہ اعمال کے لکھنے والے فرشتوں سے چھپی نہیں رہ سکتی اس لئے ایسے عملوں کی برائی صاف صاف نامہ اعمال میں لکھی ہوگی اور ایسے عمل اس دن ضرور نامقبول ٹھہر کر اکارت جائیں گے، حاصل کلام یہ ہے کہ لوگوں کے نیک عمل آسمان پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہوتے ہیں جس کا نتیجہ قیامت کے دن یہ ہوگا کہ جو عمل قواعد شرع کے موافق صحیح اور خالص نیت سے ہوں گے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اوپر کی حدیث کے موافق ان کا اجر دس سے لے کر سات سو درجہ تک دیا جائے گا اور جو عمل ایسے نہ ہوں گے وہ بالکل رائگاں جائیں گے۔

(۱۱) اس آیت میں آدم اور اولاد آدم کی پیدائش کا ذکر فرما کر منکرین حشر کو یوں قائل کیا گیا ہے کہ جو صاحب قدرت پانی جیسی پتلی چیز سے اولاد آدم کا پتلا بنا دینے پر قادر ہے جس قدرت کو رات دن یہ لوگ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں تو پھر حشر کے دن آدم کے پتلے کی طرح مٹی سے تمام اولاد آدم کے پتلے بنا دینا اور ان میں پیٹ کے بچوں کی طرح روحوں کا پھونک دینا اس کی قدرت سے کیوں کر باہر ہو سکتا ہے ابو داؤد ترمذی صحیح ابن حبان کے حوالہ[۲] سے ابو موسیٰ اشعریؓ کی صحیح حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے پتلے کے لئے تمام زمین کی مٹی لی ہے اسی واسطے اولاد آدم میں کوئی گورا ہے کوئی کالا ہے کوئی خوش مزاج کوئی بدمزاج، اس حدیث کو واللہ خلقکم من تراب کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ اب اولاد آدم کی پیدائش نطفہ سے ہے لیکن اس کی پیدائش میں آدم علیہ السلام کے پتلے کی مٹی کا بھی میل ہے صحیح بخاری[۳] و مسلم کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعود کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ نطفہ عورت کے رحم میں جا کر چالیس روز تک نطفہ کی حالت میں رہتا ہے اور پھر جما ہوا خون اور پھر گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے یہ حدیث ثم من نطفة کی گویا تفسیر ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۱۱۰ ج ۳ تفسیر آخری آیت سورۃ الکہف۔ [۲] مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر فصل دوسری مع تنقیح الرواۃ
[۳] ایضاً فصل اول۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ ۖ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۖ وَمِن

اور برابر نہیں دو دریا یہ میٹھا ہے پیاس بجھانا پینے میں رچتا اور یہ کھارا کڑوا اور دونوں میں سے

كُلٍّ تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُونَ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ۖ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاخِرَ

کھاتے ہو گوشت تازہ اور نکالتے ہو گہنا جس کو پہنتے ہو اور تو دیکھے جہاز اس میں چلتے ہیں پھاڑتے

لِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۲﴾

تا تلاش کرو اس کے فضل سے اور شاید تم حق مانو

ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ حوا علیہا السلام آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہوئی ہیں اس لئے پسلی کی ہڈی کی طرح ہر عورت کے مزاج میں ایک کجی ہے یہ حدیث ثم جعلکم ازواجا کی گویا تفسیر ہے جس سے آدم اور حوا کے جوڑے کی پیدائش کا حال اور پھر اس جوڑے سے اور سب جوڑوں کی پیدائش کا حال معلوم ہوتا ہے، صحیح بخاری میں انس بن مالکؓ سے اور صحیح مسلم میں حذیفہ بن اسیدؓ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ نطفہ کی حالت سے لے کر لڑکا یا لڑکی کے پتلا بن جانے کی حالت تک رحم پر جو فرشتہ تعینات ہے وہ ہر حالت کو اللہ تعالیٰ سے پوچھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا جیسا حکم ہوتا ہے اس کے موافق عمل کرتا ہے یہ حدیثیں وما تحمل من انثیٰ ولا تضع الا بعلمہ کی گویا تفسیر ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کی عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہر لڑکے یا لڑکی کی عمر کے لکھے جانے کا بھی ذکر ہے جو بڑی چھوٹی عمر کی گویا تفسیر ہے آخر کو فرمایا کہ انسان کی عقل کے آگے یہ باتیں مشکل معلوم ہوتی ہیں لیکن اللہ کے علم اور قدرت کے آگے یہ سب باتیں آسان ہیں وما یعمر من معمر ولا ینقص من عمرہ اس کا یہ مطلب ہے کہ بعضے لوگوں کی عمر بڑی ہوتی ہے اور بعضوں کی چھوٹی اس کا حساب لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے جو کچھ ہوتا ہے اسی کے موافق ہوتا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے آیت کے اس ٹکڑے کی یہی تفسیر کی ہے جو بیان کی گئی۔

۱۲۔ اوپر ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے آدم اور اولاد آدم کو کیوں کر پیدا کیا اس آیت میں قدرت کی یہ نشانی بیان فرمائی کہ زمین کے اوپر اللہ تعالیٰ نے دو طرح کے دریا پیدا کئے ہیں ایک دریا تو شیریں ہے پیاس کو بجھاتا ہے اور دوسرا دریا نہایت کھاری کڑوا ہے جو حلق کو جلا دیتا ہے اسی طرح زمین کے اندر کا حال ہے کہ کھودنے سے کہیں میٹھا پانی نکلتا ہے کہیں کھاری لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان دونو کے بیچ میں آڑ رکھ دی ہے چنانچہ اس کا ذکر سورۃ الفرقان میں گزرا پھر فرمایا کہ تم دونو دریاؤں میں سے کھاتے ہو تازہ گوشت اس سے مقصود مچھلی ہے اور نکالتے ہو زیور جسے تم پہنتے ہو زیور سے مراد اس سے موتی اور مونگا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو لباس وغیرہ میں عورتوں کی مشابہت کو پسند کرتے ہیں اکثر علماء نے اس حدیث اور اس قسم کی اور حدیثوں کو آیت کے ٹکڑے وتستخرجون حلیۃ تلبسونھا کی تفسیر قرار دے کر یہ کہا ہے کہ مرد کو نرے جواہر کا پہننا وہیں تک جائز ہے جس میں عورتوں کی مشابہت نہ پیدا ہو اب آگے فرمایا کہ سمندر میں جہاز چلتے ہیں اور چھوٹے دریاؤں میں کشتیاں

ے ایضاً باب عشرۃ النساء و ما لکل واحد من الحقوق۔ ے صحیح بخاری ص ۶۹ ج اول طبع اصح المطابع دہلی۔ ے صحیح مسلم ص ۳۳۲ ج ۲ کتاب القدر ے صحیح بخاری ص ۴۶۹ جلد اول باب خلق آدم وذریتہ۔ ے مشکوٰۃ ص ۳۸۰ باب الترجل فصل اول۔

يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِي

رات پیٹھاتا ہے دن میں اور دن پیٹھاتا ہے رات میں اور کام میں لگایا سورج اور چاند ہر ایک چلتا ہے

لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا

ایک ٹھہرے وعدہ پر یہ اللہ ہے تمہارا رب اسی کے لئے بادشاہی ہے اور جن کو تم پکارتے ہو اس کے سوائے

يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿۱۳﴾ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا

مالک نہیں ایک چھلکے کے اگر تم ان کو پکارو سنیں نہیں تمہاری پکار اور اگر سنیں

اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾

پہنچیں نہیں تمہارے کام پر اور دن قیامت کے منکر ہوں گے تمہارے شریک ٹھہرانے سے اور کوئی نہ بتاویگا تجھ کو جیسا بتائے خبر رکھنے والا

چلتی ہیں جس میں تجارت کا مال اُدھر سے اِدھر جا کر بکتا ہے جس کے سبب سے لوگوں کو بڑا فائدہ ہوتا ہے، مجاہد کا قول ہے کہ اللہ کا فضل تلاش کرنے سے مطلب تجارت ہے دریا کے سفر میں اگرچہ سلف کا اختلاف ہے لیکن اس قسم کی آیتوں سے ام حرام کی صحیح بخاری کی حدیث سے اکثر سلف کے نزدیک مرد عورت سب کے لئے ضرورت کے وقت دریا کا سفر جائز ہے، یہ ام حرامؓ کی روایتؓ وہی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے کچھ لوگوں کو خواب میں دریا کا سفر کرتے ہوئے دیکھا ہے، تاریخ بخاریؒ میں معتبر سند سے بعضی روایتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفان کے موسم میں دریا کا سفر خلاف احتیاط ہے امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب میں عورتوں کے لیے دریا کی سفر کی جو منا ہی ہے اس کو اور علماء نے تسلیم نہیں کیا، اوپر گذر چکا ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا شکر یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے مشرکین مکہ کا عمل اس کے برخلاف تھا اس واسطے آخر آیت میں شکر کا ذکر فرما کر مشرکین مکہ کو قائل کیا ہے کہ یہ لوگ بڑے ناشکر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور بتوں کو اپنا معبود ٹھہراتے ہیں۔

۱۳ تا ۱۷۔ یہ ایک اور قدرت کی نشانی بیان فرمائی کہ گرمی کے موسم میں رات کا کچھ حصہ دن میں ملایا جا کر دن کو بڑا کر دیا جاتا ہے اور جاڑے کے موسم میں اسی طرح رات کو بڑھا دیا جاتا ہے پھر فرمایا سورج اور چاند کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے نفع کے لئے کام میں لگا رکھا کہ ہر ایک چلتا ہے مقدار معین کے ساتھ مدت مقرر تک پھر فرمایا یہ ہے اللہ پروردگار ہے تمہارا جس نے یہ سارے کام کئے ہیں اسی کے واسطے بادشاہت ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جن کو تم اس کے سوا پوجتے ہو وہ مالک نہیں ایک قطمیر کے قطمیر چھلکے کو کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد وغیرہ نے کہا ہے کہ قطمیر وہ چھلکا ہے جو کھجور کی گٹھلی پر ہوتا ہے پھر فرمایا کہ اگر تم ان کو پکارو تو نہ سنیں وہ تمہارا پکارنا اس لئے کہ وہ تو پتھر ہیں جن میں جان نہیں ہے اور اگر سنیں تو جو کچھ تم ان سے مانگتے ہو وہ اس میں سے کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے جو تم کو دیں، قیامت کے دن وہ منکر ہوں گے تمہارے شریک ٹھہرانے کے اور تم سے بیزار ہوں گے جن فرشتوں اور نیک لوگوں کی مورتوں کو یہ مشرک لوگ پوجتے ہیں ان فرشتوں اور نیک لوگوں کی قیامت کے دن کی بیزاری کا حال سورہ یونس اور سورۃ سبا میں گذر چکا ہے، یہ قیامت کے دن کا حال سوا اللہ تعالیٰ کے

ؔ صحیح بخاری ص ۴۰۵ جلد اول باب رکوب البحر، ؔ فتح الباری ص ۵۰ ج ۳ باب رکوب البحر۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ أَنتُمُ ٱلْفُقَرَآءُ إِلَى ٱللَّهِ ۖ وَٱللَّهُ هُوَ ٱلْغَنِىُّ ٱلْحَمِيدُ ﴿١٥﴾ إِن يَشَأْ

لوگو تم ہو محتاج اللہ کی طرف اور اللہ وہی ہے بے پروا خوبیوں سراہا اگر چاہے تم کو

يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٦﴾ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ بِعَزِيزٍ ﴿١٧﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ

لے جاوے اور لے آوے ایک نئی خلقت اور یہ اللہ پر مشکل نہیں اور نہ اٹھاوے گا کوئی اٹھانیوالا

أُخْرَىٰ ۚ وَإِن تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَىْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰٓ ۗ

بوجھ دوسرے کا اور اگر پکارے کوئی بوجھوں مرتا اپنا بوجھ بٹانے کو کوئی نہ اٹھائے اس میں سے کچھ اگرچہ ہو ناتے والا

إِنَّمَا تُنذِرُ ٱلَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِٱلْغَيْبِ وَأَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ ۚ وَمَن تَزَكَّىٰ

تو تو ڈر سنا دیتا ہے ان کو جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے اور کھڑی رکھتے ہیں نماز اور جو کوئی سنورے گا

کے کسی کو معلوم نہیں اسی واسطے فرمایا کہ سوا اللہ کے اور کوئی اس حال کو نہیں بتلا سکتا، اور طرح طرح کی قدرت کی نشانیوں کا ذکر فرما کر آگے فرمایا اے لوگو تم اپنی ضرورت کی ہر ایک چیز میں اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تمہاری عبادت کا محتاج نہیں ہے تمہاری ہی عقبیٰ کی بہبودی کے لئے تم کو شرک سے بچنے کا حکم دیا جاتا ہے اور اوپر جن نعمتوں کا ذکر کیا گیا ان کے پیدا کرنے میں کوئی اللہ کا شریک نہیں اس لئے تعریف کے قابل بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے پھر فرمایا اس فہمائش کے بعد بھی اگر تم لوگ نہ مانو گے تو اللہ کی قدرت سے یہ بات کچھ بعید نہیں کہ وہ تم کو ہلاک کر کے تمہاری جگہ کسی فرمانبرداری مخلوقات کو پیدا کر دیوے، سورہ تبت کی تفسیر میں آوے گا کہ ابو لہب کو اللہ تعالیٰ نے طاعون کی بلا میں پکڑ کر ہلاک کر دیا کہ تین دن تک اس کی لاش بغیر دفن کے پڑی رہی، بعد اس کے ابو لہب کے دونوں بیٹوں عتبہ اور معتبہ کو احکام دین کا فرمانبردار بنا دیا، نافرمانبرداروں کو ہلاک کر کے ان کی جگہ فرمانبرداروں کو پیدا کر دینے کا ذکر جو آخر کی آیت میں ہے اس کا مطلب ابو لہب اور اس کے دونوں بیٹوں کے حال سے اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ[1] سے ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی بردباری ہے کہ لوگ شرک کرتے ہیں اور وہ ان کی صحت اور خوشحالی کے انتظام کو قائم رکھتا ہے، نافرمان لوگوں کے جلدی ہلاک نہ ہونے کی یہ گویا تفسیر ہے۔

۱۸ تا ۲۳۔ ترمذی ابوداؤد نسائی اور بیہقی وغیرہ میں ابی رمثہ کی حدیث[2] میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی جو تفسیر فرمائی ہے حاصل اُس کا یہ ہے کہ ابی رمثہ کہتے ہیں میں اپنے باپ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک روز گیا جب آنحضرت پر میری نظر پڑی تو آپ نے میرے باپ سے پوچھا کہ یہ لڑکا تمہارا بیٹا ہے میرے باپ نے جواب دیا کہ ہاں آپ نے فرمایا کہ باپ بیٹے کا تعلق دنیا ہی دنیا کا ہے آخرت میں نہ بیٹا باپ کے کچھ گناہ بٹا سکتا ہے نہ باپ بیٹے کے یہ فرما کر پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اسی طرح آپ کا وہ فرمانا مشہور ہے جو حجۃ الوداع میں آپ نے نصیحت کے طور پر فرمایا تھا جس کی روایت مسند امام احمد ترمذی نسائی اور ابن ماجہ میں عمروؓ بن احوص سے[3] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے فرمایا

[1] مشکوٰۃ باب الظلم فصل اول [2] تفسیر الدر المنثور ص ۲۴۸ ج ۵ [3] ایضاً

فَإِنَّمَا يَتَزَكَّى لِنَفْسِهِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿١٨﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ﴿١٩﴾

تو یہی کہ سنورے گا اپنے بھلے کو اور اللہ کی طرف ہے پھر جانا اور برابر نہیں اندھا اور دیکھتا

وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ ﴿٢٠﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ﴿٢١﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا

اور نہ اندھیرا اور نہ اجالا اور نہ سایا اور نہ لو اور برابر نہیں جیتے اور نہ

الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ ۖ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ ﴿٢٢﴾ إِنْ

مردے اللہ سناتا ہے جس کو چاہے اور تو نہیں سنانے والا قبر میں پڑوں کو تو

أَنتَ إِلَّا نَذِيرٌ ﴿٢٣﴾

تو یہی ہے ڈر کی خبر پہنچانے والا

جو شخص گناہ کرے گا اس گناہ کا وبال خود اسی کی جان پر ہے گناہوں کے بٹانے میں آل اولاد کوئی کام نہ آوے گا اس حدیث کو ترمذی نے صحیح کہا ہے اس حدیث سے ابورمثہؓ کی روایت کو بھی پوری تقویت ہو جاتی ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا قیامت کے روز گناہ گار باپ جب گناہ گار بیٹے کو دیکھے گا تو اس سے کہے گا کہ کچھ بوجھ میرے گناہوں کا بٹالے بیٹا جواب دے گا میرے ہی گناہوں کا بوجھ مجھ کو کافی ہے۔

ایک کا جواب:۔

بعضے مفسروں نے یہاں شبہ پیدا کیا ہے کہ صحیح حدیثوں کی رو سے رشتہ دار لوگ اپنے رشتہ داروں کی شفاعت قیامت کے دن کریں گے پھر ان حدیثوں میں اور ان حدیثوں میں مطابقت کیوں کر ہے حضرت ابوسعید خدریؓ کی صحیحین کی شفاعت کی بہت بڑی حدیث[1] جو ہے اس شبہ کا جواب خود اس حدیث کے لفظوں میں موجود ہے کیوں کہ اس حدیث میں آپ نے فرمایا ہے کہ جب دیندار مسلمانوں کی نجات ہو جاوے گی اور وہ اپنے بھائی اور رشتہ کے مسلمان گناہ گاروں کو دوزخ میں دیکھیں گے تو ان گناہ گاروں کے نماز روزہ کی گواہی اللہ تعالیٰ کے روبرو ادا کر کے اللہ تعالیٰ سے ان گناہ گاروں کی شفاعت کریں گے اس سے معلوم ہو گیا کہ کوئی گناہ گار اپنی نجات سے پہلے کسی دوسرے کے کام نہ آوے گا اور یہی مطلب ان حدیثوں کا ہے جو اوپر بیان ہوئیں اس صورت میں دونوں قسم کی حدیثوں کا مطلب ایک ہے ایک دوسرے کے کچھ مخالف نہیں بعضے مفسروں نے آیت وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ اور حدیث من سن سنۃ سیئۃ فعلیہ وزرھا ووزر من عمل بھا کو اس آیت کے مضمون کے مخالف ہونے کا شبہ کیا ہے کیوں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن ایک کا بوجھ کوئی دوسرا نہ اٹھائے گا اور اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعضے گناہ گاروں کو دوسروں کا بوجھ بھی اٹھانا پڑے گا اس شبہ کا جواب اوپر گزر چکا ہے کہ جن گناہ گاروں نے خود بھی گناہ کیا اور کوئی برا راستہ نکال کر دوسروں کو بھی گمراہ کیا تو ان دونوں گناہوں کا الگ الگ وبال ان پر پڑے گا اور یہ دونوں گناہ ان کی ذات کے ہیں کسی دوسرے کے نہیں اس واسطے دونوں آیتوں اور حدیث کا مطلب ایک ہے آپس میں کچھ مخالف نہیں۔

اب قیامت کا نفسا نفسی اور قرابتداروں کا غیر ہو جانے کا حال ذکر فرما کر فرمایا ہے کہ بغیر دیکھے قیامت کی باتوں کا اور خدا کے

[1] مشکوۃ ص ۴۹۰ باب الحوض والشفاعۃ فصل اول۔

إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ بِٱلْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴿٢٤﴾ وَإِن

ہم نے بھیجا ہے تجھ کو سچا دین دے کر خوشی اور ڈر سناتا اور کوئی فرقہ نہیں جس میں نہیں ہو چکا کوئی ڈرانے والا اور اگر

يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِٱلْبَيِّنَٰتِ وَبِٱلزُّبُرِ

وہ تجھ کو جھٹلا دیں تو آگے جھٹلا چکے ہیں ان سے اگلے پہنچے ان پاس رسول ان کے لے کر کھلی باتیں اور ورق

سامنے کھڑے ہونے کا جن کو خوف ہے ان کو ہی اللہ کے رسول کی نصیحت کچھ کارگر ہوتی ہے دنیا کی محبت میں جو لوگ خدا کے سامنے کھڑے ہونے کو اور قیامت کے حساب و کتاب کو بالکل بھول گئے ہیں ان کے دل پر اس نصیحت کا کچھ اثر نہیں ہوتا پھر اندھے اور آنکھوں والے اور گرمی اور سردی دھوپ اور چھاؤں اور مردہ اور زندہ کی مثال یہ سمجھانے کو ذکر فرمائی ہے کہ جس طرح یہ چیزیں ایک سی نہیں ہیں اسی طرح اللہ اور رسول کے فرمانبردار اور نافرمان بدکار ایک سے نہیں ہیں دنیا میں بھی دونوں فرقے الگ الگ ہیں اور آخرت میں الگ الگ دوزخ اور جنت میں ہوں گے عالم ارواح میں ہی اللہ تعالیٰ نے نیک و بد کو الگ الگ کر دیا معتبر سند سے مسند امام احمد ترمذی وغیرہ میں حضرت عبداللہ عمرو بن العاص سے روایت[1] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے جب مخلوقات کو پیدا کیا تو سب مخلوقات ایک اندھیرے میں تھی پھر اللہ تعالیٰ نے ایک نور پیدا کیا جس نے اس نور کے اثر کو جھیل لیا وہ دنیا میں نیک ہوا اور جس نے اس نور کو نہ جھیلا بد ہوا، یہ حدیث انما انت نذیر کی تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اے رسول اللہ کے تمہارا کام فقط یہ ہے کہ ہر ایک کو عذاب الٰہی سے ڈراؤ پھر جو لوگ عالم ارواح میں نور ہدایت کا حصہ پا چکے ہیں وہ تمہارے ڈرانے سے راہ راست پر آجاویں گے اور جو لوگ وہاں اس نور سے بے بہرہ رہے ہیں وہ علم الٰہی میں بد قرار پا چکے ہیں ان کا راہ راست پر آجانا تمہارے اختیار سے باہر ہے۔

۲۴ تا ۲۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اور انبیاء کے ذکر میں فقط ڈرانیوالا اس واسطے فرمایا کہ صاحب شریعت انبیاء کی ابتدا حضرت نوح علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت شعیب بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک ڈرانے کے طور پر جو کچھ انبیاء نے اپنی امتوں سے کہا تھا اسی کا ظہور زیادہ ہوتا رہا یہ سب عام امتیں عذاب الٰہی سے ہلاک ہوتی رہیں اور بہت تھوڑے لوگ ان میں سے راہ راست پر آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے اکثر لوگ مسلمان ہوئے اور تھوڑے نافرمانی سے غارت ہوئے اس لئے آپ کے ذکر میں آپ کی دونوں صفتوں کا ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسکین فرما دی ہے کہ آپ کی امت کا انجام اور امتوں کی بہ نسبت اچھا ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ کی صحیحین کی حدیث[2] میں آپ نے خود فرمایا ہے کہ مجھ کو اللہ کی ذات سے توقع ہے کہ بہ نسبت اور انبیاء کی امتوں کے میری امت کے فرمانبردار لوگوں کی تعداد قیامت کے دن زیادہ ہو گی اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ہر ایک زمانہ کی امت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نصیحت کرنے والا اور ڈرانیوالا نبی گزرا ہے اس میں بعضے مفسروں نے یہ شبہ پیدا کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین ایک زمانہ ایسا گزرا ہے جس میں کوئی نبی نہیں گزرا اس کا جواب اور مفسروں نے یہ دیا ہے کہ کچھ زمانہ تک تو حضرت عیسیٰ کے بعد حضرت عیسیٰ کی نصیحت کا اثر دنیا میں باقی رہا پھر جب لوگوں نے اس نصیحت میں فتور ڈالنا

[1] مشکوٰۃ ص ۲۲ باب الایمان بالقدر فصل دوسری، [2] مشکوٰۃ ص ۵۱۲ باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٢٦﴾

اور چمکتی کتاب — پھر پکڑا میں نے منکروں کو — تو کیا ہوا انکار میرا

شروع کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالےٰ کی طرف سے نبی ہو گئے اور آپ کی نبوت کا زمانہ قیامت تک رہے گا غرض حضرت نوحؑ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک کوئی زمانہ نبوت کے اثر سے خالی نہیں ہے اس جواب پر پھر بعضے مفسروں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس صورت میں حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین کے زمانہ کے لوگ قابل عذاب ٹھہرتے ہیں حالانکہ آیت وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا کی رو سے ایسے لوگ عذاب کے قابل نہیں ٹھہرتے اس کا جواب یہ ہے کہ مشرکین کی نابالغ اولاد اور مجنوں اور بہرہ شخص اور ایسے شخص کے باب میں جس کو رسول وقت کی نصیحت نہیں پہنچی بہت قدیم زمانہ سے علماء کا اختلاف ہے کہ اس طرح کے لوگوں کو نافرمانی شریعت کا عذاب ہو گا یا یہ لوگ عذاب سے بالکل بری ہیں صحیح مذہب اس اختلاف میں وہی ہے جس کو بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں امتحان کا مذہب ٹھہرا کر صحیح قرار دیا ہے[۱] مسند امام احمد مسند بزار طبرانی[۲] وغیرہ میں اس امتحان کی تفصیل چند روایتوں میں جو آئی ہے[۳] اس کا حاصل یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ امتحان کے طور پر ایک آگ میں کودپڑنے کا حکم دیوے گا جو لوگ اس آگ میں کر پڑیں گے وہ جنتی قرار پاویں گے اور جو اس آگ میں گرنے سے انکار کریں گے ان کو اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ اگر اللہ کے رسولوں کی نصیحت سننے کا موقع ان لوگوں کو ملتا بھی تو علم الٰہی ازلی کے موافق یہ لوگ ضرور نافرمانی کرتے یہ فرما کر ان لوگوں کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم دے گا ان روایتوں میں اکثر روایتیں صحیح ہیں لیکن بعضے علماء نے ان روایتوں پر یہ اعتراض کیا ہے کہ عقبےٰ مقام امتحان کا نہیں ہے بلکہ مقام جزا ہے وہاں امتحان کیسا؟ حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن حجرؒ[۴] نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے کے بعد عقبےٰ میں امتحان نہیں ہے اس سے پہلے حساب و کتاب پل صراط موحدوں اور منافقوں کو سجدہ کرنے کا حکم ہونا اور منافقوں کا سجدہ نہ کر سکنا یہ سب کچھ امتحان نہیں تو کیا ہے، اب آگے اپنے رسول کی تسکین کے لئے فرمایا اے رسول اللہ کے اگر مشرکین مکہ میں کے کچھ لوگ تمہارے جھٹلانے سے باز نہ آدیں تو یہ بات کچھ نہیں ہے ان سے پہلی امتیں بھی اپنے رسولوں کو جھٹلا کر طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک ہو چکی ہیں اگر یہ لوگ ان کے قدم بقدم چلیں گے تو بھی انجام ان کا وہی ہو گا اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے مشرکین مکہ کے بڑے بڑے جھٹلانے والوں کا جو انجام بدر کی لڑائی کے وقت ہوا صحیح بخاری و مسلم کی انس بن مالکؓ کی روایت[۵] کے حوالہ سے اس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے کہ دنیا میں بڑی ذلت سے یہ لوگ مارے گئے اور مرتے ہی آخرت کے عذاب میں گرفتار ہو گئے جس عذاب کے جتانے کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لاشوں پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اب تو اللہ تعالےٰ کے وعدہ کو تم لوگوں نے سچا پالیا۔

۱؎ فتح الباری ج ۲ باب ما قیل فی اولاد المشرکین، ۲؎ ایضاً، ۳؎ مجمع الزوائد ص ۲۱۴ ج ۷، کتاب القدر، ۴؎ ایضاً فتح الباری۔
۵؎ مشکوٰۃ ص ۳۴۵ باب حکم الاسراء۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَمِنَ

تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر ہم نے نکالے اس سے میوے طرح طرح ان کے رنگ اور

الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَ

پہاڑوں میں گھاٹیاں ہیں سفید اور سرخ طرح طرح ان کے رنگ اور بھجنگ کالے اور آدمیوں میں اور

الدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ

کیڑوں میں اور چوپایوں میں کئی رنگ کے ہیں اسی طرح اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

تحقیق اللہ زبردست ہے بخشنے والا

۲۷، ۲۸۔ یہ ایک اور نشانی قدرت کی بیان فرمائی کہ ایک ہی پانی کے اثر سے سب میوے پیدا ہوتے ہیں لیکن جس میوہ کا رنگ اللہ تعالیٰ نے سرخ ٹھہرا دیا ہے اس کو پانی اپنے اثر سے سبز نہیں کر سکتا اور سبز سرخ نہیں ہو سکتا اسی طرح پہاڑوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے رنگ برنگ کا پیدا کیا ہے اور ان میں رنگ برنگ کی گھاٹیاں رکھی ہیں یہی حال انسان چارپایوں اور کیڑے پتنگوں کا ہے پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کی ان قدرتوں کو دیکھ کر وہی لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ جس میں یہ سب قدرتیں ہیں وہ نافرمان لوگوں کی گرفت کر لینے میں بڑا زبردست ہے اور فرمانبرداروں کے گناہوں کے بخش دینے میں بڑا غفور رحیم ہے۔ ایک رنگ کی چیز پر دوسرے رنگ کے کچھ خط پڑے ہوئے ہوں تو ان کو جدد کہتے ہیں اسی واسطے اکثر سلف نے جدد کے معنے پہاڑ کی گھاٹیوں کے کئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی قدرت سے پہاڑوں کا رنگ کچھ اور ہے اور گھاٹیوں کا رنگ کچھ اور ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں سے انسان اللہ تعالیٰ کو تو عقل سے پہچان سکتا ہے لیکن اس کی مرضی نامرضی کے کام بغیر شریعت کے معلوم نہیں ہو سکتے اسی واسطے قرآن شریف میں قدرت کی نشانیوں کا اور احکام شریعت کا ساتھ کے ساتھ تذکرہ فرمایا گیا ہے، تبارک الذی میں آوے گا کہ جب قیامت کے دن لوگوں کی جماعتوں کی جماعتیں دوزخ میں ڈالی جاویں گی تو دوزخ کے دار وغہ فرشتے ان لوگوں سے پوچھیں گے کہ کیا اللہ کے رسولوں نے تم کو آج کے دن کی آفت سے نہیں ڈرایا وہ لوگ جواب دیں گے لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر اس کا مطلب یہی ہے کہ اگر ہم انبیاء کی نصیحت کو کانوں سے سنتے اور قدرت کی نشانیوں کے سمجھنے میں عقل سے کام لیتے تو آج اس آفت میں گرفتار نہ ہوتے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ[۱] سے انس بن مالکؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بہ نسبت امت کے لوگوں کے اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہوں، یہ حدیث انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ انبیاء کا علم دین امت کے لوگوں سے بڑا ہوتا ہے اس لئے ان کے دل میں اللہ کا خوف بھی امت کے لوگوں سے زیادہ ہوتا ہے اب امت کے لوگوں میں سے علم دین میں جیسا جس کا مرتبہ ہو گا اس کے دل میں اتنا ہی اللہ کا خوف ہو گا صحیح مسلم ترمذی وغیرہ میں زید بن ارقمؓ سے روایت[۲] ہے جس میں اللہ کے

[۱] مشکوٰۃ ص ۲۷۔ [۲] مشکوٰۃ ص ۲۱۶-۲۱۷ باب الاستعاذہ۔

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَٰبَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً

جو لوگ پڑھتے ہیں کتاب اللہ کی اور سیدھی کرتے ہیں نماز اور خرچ کرتے ہیں کچھ ہمارا دیا پیچھے اور کھلے

يَرْجُونَ تِجَٰرَةً لَّن تَبُورَ ﴿٢٩﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِۦٓ ۚ إِنَّهُۥ غَفُورٌ

امیدوار ہیں ایک بیوپار کے جو کبھی نہ ٹوٹے تا پورے دے ان کو نیگ ان کے اور بڑھتی دے اپنے فضل سے تحقیق وہ ہے بخشنے والا

شَكُورٌ ﴿٣٠﴾ وَالَّذِىٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

قبول کرتا اور جو ہم نے تجھ پر اتاری کتاب وہی ٹھیک ہے سچا کرتی آپ سے اگلے کو

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان چیزوں سے اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے (۱) وہ علم جس سے دین کا کچھ نفع نہ ہو (۲) وہ دل جس میں اللہ کا خوف نہ ہو (۳) آدمی کے دل کی وہ حرص جو کبھی پوری نہ ہو (۴) وہ دعا جو قبول نہ ہو ۔۔ اس حدیث سے معلوم ہوا جس عالم کے دل میں اللہ کا خوف نہیں اس کا علم کسی کام کا نہیں۔

۲۹، ۳۰۔ اوپر قرآن کے پابند علما کا ذکر تھا ان آیتوں میں فرمایا وہ ایسے لوگ ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں اور جو کچھ اس میں ہے اس پر ایمان لاتے ہیں اور عمل کرتے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں اس چیز میں سے کہ دی ہم نے ان کو چھپے اور کھلے امید رکھتے ہیں ایک سوداگری کی جو کبھی نہ ٹوٹے اور نہ ہلاک ہو مطلب یہ کہ ثواب کی امید رکھتے ہیں اللہ سے اور وہ ضرور ان کو ملے گا جیسا کہ فرمایا لیوفیھم اجورھم تاکہ پورا کر دے ان کو ثواب ان کے کاموں کا اور بڑھائے گا اللہ اس ثواب کو اپنے فضل سے بے شک وہ بخشنے والا ہے ان کے گناہ اور قدردانی کرنے والا ہے ان کے تھوڑے عملوں کی پھر فرمایا یہ قرآن برحق کلام الٰہی ہے اسی واسطے یہ تصدیق کرتا ہے ان کتابوں کی جو آگے اس سے ہیں جیسے توریت اور انجیل وغیرہ اور یہ پہلی کتابوں کی صداقت قرآن میں ایسی ہی ہے جس طرح پہلی کتابیں قرآن کی بزرگی پر اور اس کے خدا کی طرف سے اتارے جانے پر گواہی دیتی ہیں بلاشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حال کی خوب خبر رکھتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کون مستحق فضیلت کا ہے تمام رسولوں کو اس نے سارے آدمیوں پر فضیلت دی ہے اور بعض نبیوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ سب سے زیادہ کیا ہے پھر فرمایا پہلی کتابوں کی صداقت جب کہ اس قرآن میں ہے تو اس قرآن کے ذریعہ سے ان پہلے کتابوں کا ہم نے ان لوگوں کو وارث بنایا جن کو چن لیا ہم نے اپنے بندوں میں سے کہ وہ قائم رکھنے والے ہیں اس کے حکموں کو مراد ان سے یہ امت محمدیؐ ہے۔ قرآن شریف میں جو حکم پہلی کتابوں کے علاوہ ہیں وہ وراثت کے طور پر کسی پہلی امت کے امت محمدیہؐ کو نہیں پہنچے بلکہ پہلی کتابوں کے جو حکم قرآن شریف میں ہیں ان ہی کو یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کے ذریعہ سے پہلی کتابوں کے یہ حکم امت محمدیہؐ کو وراثت کے طور پر پہنچے ہیں اس واسطے حافظ ابو جعفر ابن جریرؒ نے ثم اورثنا الکتاب کی اس تفسیر کو ترجیح دی ہے جو اوپر بیان کی گئی مثلاً توراۃ کے حصہ احبار کے اٹھارویں باب میں حکم ہے کہ ساتھ کے ساتھ دو بہنوں سے نکاح حرام ہے یہی حکم قرآن میں ہے چنانچہ سورۃ النساء میں گزر چکا، صحیح بخاری اور نسائی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت[1] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ ص کا سجدہ کیا اور فرمایا کہ داؤد علیہ السلام نے اپنی توبہ

[1] مشکوۃ باب سجود القرآن۔

إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌۢ بَصِيرٌ ﴿٣١﴾ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا

مقرر اللہ اپنے بندوں کی خبر رکھتا ہے دیکھتا پھر ہم نے وارث کئے کتاب کے وہ جو چنے ہم نے اپنے بندوں میں سے

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ

پھر کوئی ان میں برا کرتا ہے اپنی جان کا اور کوئی ان میں ہے بیچ کی چال پر اور کوئی ان میں سے آگے بڑھ گیا لے کر خوبیاں اللہ کے حکم سے یہی

هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿٣٢﴾

ہے بڑی بزرگی

کے قبول ہونے کے شکریہ میں یہ سجدہ کیا تھا اس لئے ہم بھی یہ سجدہ کرتے ہیں۔ اسی قسم کے مسائل ہیں جو امت محمدیہ میں پہلی شریعتوں سے وراثت کے طور پر قرآن شریف اور حدیث میں ہیں۔

۳۲۔ بعض مفسروں نے سورہ واقعہ میں جو اہل محشر کی تقسیم ہے اس تقسیم کو اور اس آیت کی تقسیم کو ایک قرار دیا ہے اور اپنی جان پر ظلم کرنے والوں سے مراد کافر اور منافق لوگ لئے ہیں مگر یہ تفسیر قرآن شریف کی عبارت کے مخالف ہے کس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تینوں قسم کے لوگوں کا ذکر فرما کر ان کے جنت میں داخل ہونے کا ذکر فرمایا ہے اور اس کے بعد اہل دوزخ کا ذکر جدا فرمایا ہے پھر جن لوگوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے ساتھ فرمایا ہے وہ لوگ کافر اور منافق کیوں کر قرار دئے جا سکتے ہیں اگرچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی ایک روایت اس تفسیر کی تائید میں بعضے مفسروں نے ذکر کی ہے لیکن وہ روایت اس روایت کے مخالف ہے جس کو علی بن طلحہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے اور یہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جس قدر روایتیں تفسیر کے باب میں ہیں ان میں علی بن طلحہ کی سند سب سے بڑھ کر ہے امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں اس سند کو کئی جگہ اختیار کیا ہے پھر اور کوئی سند اس سند کے کیوں کر برابر ہو سکتی ہے صحیح بخاری کی حدیث اور تفسیر کی اور کتابوں پر اسی سبب سے مقدم ہے کہ صحیح بخاری کی سند اور کتابوں سے اچھی ہے یہی قاعدہ علی بن طلحہ کی اس روایت میں اور اور روایتوں میں برتا جاوے گا غرض علی بن طلحہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو روایت کی ہے وہ یہی ہے کہ اپنی جان پر ظلم کرنے والوں سے مراد وہ گناہ گار اہل اسلام ہیں جو آخر کو جنت میں داخل ہوں گے اور مسند امام احمد میں حضرت ابو دردا سے جو روایت[1] ہے اس میں خود صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر فرمادی ہے کہ اپنی جان پر ظلم کرنے والوں سے وہ گناہ گار اہل اسلام مراد ہیں جو اپنے گناہوں کے سبب سے میدان حشر میں دیر تک روکے جاویں گے پھر اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرما کر ان کو جنت میں داخل کرے گا اور اسی مضمون کی اور حدیثیں بھی اس آیت کی تفسیر میں ہیں جس سے بڑی قوت اس تفسیر کو حاصل ہوتی ہے اسی واسطے براء بن عازب قسم کھا کر اس تفسیر کو بیان کیا کرتے تھے[2] اور اسی واسطے جمہور مفسرین نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے تفسیر ابن جریر وغیرہ کی روایتوں[3] سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اس آیت کی تفسیر میں شبہ تھا اسی شبہ کے سبب سے انہوں نے اس آیت کی تفسیر ایک روز کعب سے پوچھی جب کعب احبار نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ نے

لہ تفسیر ابن کثیر ص ۵۵۵ ج ۳ ۔ ۲ تفسیر فتح البیان ص ۷۲ ج ۳ ۔ ۳ تفسیر الدر المنثور ص ۲۵۲ ج ۵۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ۚ وَ لِبَاسُهُمْ
باغ ہیں بسنے کے جن میں جاویں گے وہاں گہنا پہنائے گا ان کو کنگن سونے کے اور موتی اور ان کی پوشاک
فِیْهَا حَرِیْرٌ (۳۳) وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ (۳۴)
وہاں ریشمی ہے اور کہیں گے شکر اللہ کا جن نے دور کیا ہم سے غم بے شک ہمارا رب بخشنے والا قبول کرتا

اس آیت میں اپنی جان پر ظلم کرنے والا جن لوگوں کو فرمایا ہے ان لوگوں کے علاوہ اہل دوزخ کا ذکر جدا فرمایا ہے اس واسطے اس آیت میں جن لوگوں کو اپنی جان پر ظلم کرنے والا فرمایا ہے ضرور وہ گناہ گار اہل اسلام ہیں جو آخر کو جنت میں داخل ہوں گے یہ بات جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کعب سے سنی تو پھر کعب سے زیادہ کچھ بحث نہیں کی اور کعب کی اس بات کو مان لیا اسی واسطے اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دو روایتیں مشہور ہیں اور یہ ابھی گزر چکا ہے کہ ان دونوں روایتوں میں ایک روایت علی بن طلحہ کی ہے جو نہایت معتبر اور سب روایتوں سے زیادہ صحیح ہے اور حدیث نبوی سے بھی اس روایت کی تائید ہوتی ہے مسند امام احمد کی ابو درداؓ کی روایت میں یہ جو شبہ ہے کہ یہ روایت مرسل ہے کیوں کہ علی بن عبداللہ الازدی تابعی نے اس حدیث کو ابو درداؓ صحابی سے نہیں سنا، یہ شبہ یوں رفع ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کو علی بن عبداللہ الازدی نے ایمن بن ثابت سے بھی روایت کیا ہے اور ابو ثابت کا مسجد دمشق میں ابو درداؓ صحابی سے ملنا اور اس حدیث کا سننا ابن جریرؒ کی صحیح روایت سے ثابت ہوتا ہے[1] اس صورت میں یہ حدیث مرسل نہیں ہے کیوں کہ کسی حدیث کو تابعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے تو وہ روایت مرسل کہلاتی ہے اس سلسلہ روایت میں جب کہ ابو درداؓ صحابی کا واسطہ موجود ہے تو پھر یہ روایت مرسل کیوں کر ہو سکتی ہے علاوہ اس کے مسند امام احمد ترمذی بیہقی وغیرہ میں معتبر سند سے[2] ابو سعید خدریؓ کی اسی مضمون کی روایت موجود ہے جس سے علی بن عبداللہ کی مرسل روایت کو تقویت ہو جاتی ہے اور اس طرح کی تقویت کے بعد مرسل روایت کے مقبول ہونے میں علماء کا کچھ اختلاف باقی نہیں رہتا۔ ابو درداؓ کی حدیث کے موافق آیت کے اس ٹکڑے کا مطلب یہ ہے کہ اس امت کے گنہگار لوگ دیر تک میدان محشر میں رو کے جا کر پھر جنت میں جاویں گے بیچ کی چال والوں کا حساب جلدی سے ہو کر اور نیک کاموں میں سبقت اور جستی کرنے والے بلا حساب جنت میں چلے جائیں گے اسی کو بڑی بزرگی فرمایا ہے۔

۳۳ تا ۳۵۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کا وارث کیا یہ ان کا حال ہے کہ وہ قیامت کے دن اللہ کے فضل سے جنت میں داخل ہوں گے اور ان کو سونے اور موتی کے کنگن اور ریشمی کپڑے پہنائے جائیں گے اسی واسطے دنیا میں مردوں پر یہ دونوں چیزیں حرام ہیں چنانچہ معتبر سند سے مسند امام احمد ابو داؤد نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت علیؓ سے روایت[3] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ میں سونا اور دوسرے ہاتھ میں ریشمی کپڑا لے کر یہ فرمایا کہ میری امت کے مردوں پر دنیا میں دونوں چیزیں حرام ہیں، صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عمرؓ سے روایت[4] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۵۵ ج ۳ و تفسیر ابن جریر ص ۱۳۷ ج ۲۲۔ [2] فتح البیان ص ۲۰۷ ج ۳ و تفسیر ابن کثیر ص ۵۵۵ ج ۳۔ [3] مشکوٰۃ ص ۳۷۸ باب الخاتم فصل ۲۔ [4] مشکوٰۃ ص ۳۷۳۔

الَّذِيْۤ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا

جس نے اُتارا ہم کو رہنے کے گھر میں اپنے فضل سے نہ پہنچے اس میں ہم کو مشقت اور نہ پہنچے ہم کو اس میں

لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَ لَا يُخَفَّفُ

تھکنا اور جو منکر ہیں ان کو ہے آگ دوزخ کی نہ ان پر تقدیر پہنچتی ہے کہ مرجائیں اور نہ ان پر ہلکی

دنیا میں ریشمی کپڑا پہنے گا اس کو جنت میں ریشمی لباس نہ ملے گا صحیح بخاری و مسلم میں اسی مضمون کی روایت انس بن مالکؓ سے بھی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عمرؓ سے روایت[1] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار انگل تک کے ریشمی کپڑے کی گوٹ وغیرہ مرد کو جائز ہے تار ریشم اور اون وغیرہ کو ملا کر جو کپڑا بنا جاوے اس کا استعمال صحابہؓ نے جائز رکھا ہے صحیح بخاری وغیرہ میں ابوہریرہؓ سے روایت[2] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی کی مردوں کو ممانعت فرمائی ہے، صحیح بخاری و مسلم میں حذیفہؓ سے روایت[3] ہے جس میں سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی بھی اس لئے دنیا میں مناہی کی ہے، صحیح بخاری و مسلم میں ابوموسیٰ اشعری سے جو روایت[4] ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں کھانے پینے کے برتن سونے چاندی کے ہوں گے۔ دنیا میں آدمی کو معیشت کا جانی اور مالی نقصانات کا خاتمہ بخیر ہونے کا اور عبادت کے قبول ہونے کا اسی طرح طرح طرح کا فکر و غم تھا جنت میں داخل ہونے کے بعد یہ سب غم جاتے رہیں گے اس لئے جنتی لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے اور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے کہ اس نے ہمارے گناہ معاف کر دئے اور وہ بڑا قدردان ہے کہ اس نے ہماری تھوڑی سی عبادت کے بدلہ میں ہم کو جنت جیسا مقام عنایت فرمایا کہ جہاں بے محنت اور مشقت کے ہم ہمیشہ رہیں گے، صحیح بخاری مسلم ترمذی[5] وغیرہ کے حوالہ سے ابوہریرہؓ اور ابوسعید خدریؓ کی روایتیں گزر چکی ہیں کہ جنتیوں کے جنت میں داخل ہوتے ہی فرشتے پکار پکار کر یہ کہیں گے اے جنتیو اب تم ہمیشہ تندرست رہو گے کبھی تم کو کوئی بیماری نہ ہوگی ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی موت کی صورت نہ دیکھو گے کیونکہ موت کو ذبح کر دیا گیا ہمیشہ جوان رہو گے کبھی بڈھے نہ ہو گے ہمیشہ خوش حال رہو گے کبھی کوئی رنج و غم پاس نہ آوے گا۔ فرشتوں سے یہ خوشی کی باتیں سن کر جنتی لوگ اللہ تعالیٰ کا وہ شکر یہ ادا کریں گے جس کا ذکر آخر آیت میں ہے۔

۳۶ ۔ فرمانبردار لوگوں کے انجام کے ذکر کے بعد یہ نافرمان لوگوں کے انجام کا ذکر فرمایا کہ ان کا انجام ہمیشہ کے لئے دوزخ کی آگ میں جلنا ہے دنیا کی آگ کا ایک انگارہ اگر انسان کے جسم پر رکھ دیا جاوے تو اس کی برداشت اس سے نہیں ہوسکتی دوزخ کی آگ تو وہ آگ ہے جس میں دنیا کی آگ سے انہتر حصے تیزی زیادہ ہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم ترمذی وغیرہ کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی حدیث اس باب میں ایک جگہ گزر چکی ہے، دنیا کی تکلیف سے دو طرح چھٹکارہ ہوتا ہے کہ یا تو آدمی تکلیف کی سختی سے مرجاتا ہے جس سے تکلیف کا خاتمہ ہوجاتا ہے یا رفتہ رفتہ تکلیف کچھ کم ہوجاتی ہے دوزخ میں یہ دونوں باتیں نہ ہوں گی تکلیف تو ایسی ہوگی کہ چاروں طرف سے موت نظر آئے گی چنانچہ اس کا ذکر سورہ ابراہیم میں گزر چکا ہے اور صحیح بخاری

[1] مشکوۃ ص ۳۷۴۔ [2] صحیح بخاری ص ۸۷۱ ج ۲ باب خواتیم الذہب [3] ایضاً ص ۸۴۱ ج ۲ باب الشرب فی آنیۃ الذہب۔ [4] مشکوۃ ص ۴۹۶ باب صفۃ الجنۃ۔ [5] ایضاً باب صفۃ الجنۃ واہلہا۔

عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿٣٦﴾ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا

ہوتی ہے وہاں کی کچھ کلفت بھلا سزا دیتے ہیں ہم ہر ناشکر کو اور وہ چلاتے ہیں اس میں اے رب ہم کو نکال

نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ

کہ ہم کچھ بھلا کام کریں وہ نہیں جو کرتے تھے کیا ہم نے عمر نہ دی تھی تم کو جتنے میں سوچ لے جس کو سوچنا ہو

(مسلم وغیرہ کے حوالہ[1] سے ابو سعیدؓ خدری کی یہ حدیث بھی گزر چکی ہے کہ موت کو وہاں ذبح کر دیا جائے گا اس لئے موت کے آنے کا موقع بھی باقی نہ رہے گا صحیح مسلم ترمذی وغیرہ کے حوالہ سے ابو ذرؓ کی حدیث قدسی ایک جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک پر ظلم کو حرام کر لیا ہے اس لئے فرمایا کہ ان لوگوں کو جو کچھ سزا دی جائے گی وہ ان کے اس ناشکری کے جرم پر دی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کی سب ضرورت کی چیزوں کو پیدا کیا لیکن ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی کچھ قدر نہ کی اور ناشکری سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور عبادت میں اوروں کو شریک کیا ترمذی میں ابو درداءؓ سے اور مستدرک حاکم وطبرانی میں عبد اللہ بن عمروؓ بن العاص سے جو معتبر روایتیں[2] ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جب یہ لوگ دوزخ سے نکالے جانے کی خواہش اور آئندہ نیک عمل کرنے کا اقرار کریں گے اور چلائیں گے تو مدت تک تو ان کو کچھ جواب نہ ملے گا پھر ایک مدت کے بعد ان کو کتے کی طرح دھتکار دیا جائے گا کیوں کہ علم الٰہی میں یہ بات قرار پا چکی ہے کہ اگر ان لوگوں کو دوبارہ دنیا میں بھیجا جائے تو یہ لوگ ہرگز نیک عمل نہ کریں گے چنانچہ اس کا ذکر سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے علم الٰہی کے موافق ان لوگوں کا وہ اقرار جھوٹا ٹھہرے گا اس لئے ان کی یہ خواہش منظور نہ ہوگی۔

۳۷۔ اس میں سلف کا اختلاف ہے کہ آیت کے اس ٹکڑے میں عمر کی کس قدر مدت مقصود ہے جس مدت میں نصیحت پکڑنے والا آدمی نصیحت پکڑ سکے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے روبرو یہ عذر پیش نہ کرے کہ دنیا میں اس کو کم عمری کے سبب سے نصیحت کے قبول کرنے کا موقع نہیں ملا یہ تو ایک ظاہر بات ہے کہ دنیا میں اللہ کے رسول محض اس غرض سے آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر ایک طرح کا حکم جو مرضی الٰہی کے موافق ہو وہ لوگوں کو سمجھا دیویں اسی واسطے جن مفسروں نے بغیر سند کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس آیت کی تفسیر کی ہے وہ تو کسی طرح مقبول ہونے کے قابل نہیں ہے کیوں کہ قرآن شریف کی کسی آیت کا وہ مطلب صحیح نہیں ہو سکتا جس کی سند قرآن کا مطلب سمجھانے والے تک نہ پہنچے اسی طرح جن مفسروں نے اپنے نزدیک کسی حدیث کے مضمون کے موافق اس آیت کی تفسیر کی ہے اور اس حدیث کی سند ضعیف ہے تو وہ تفسیر بھی قبول ہونے کے لائق نہیں کس واسطے کہ جس کلام کا سند صحیح سے کلام رسول ہونا نہ ثابت ہو جائے اس کلام سے مراد الٰہی کیوں کر ثابت کی جا سکتی ہے اب چند حدیثوں کے مضمون کے موافق مفسروں کے چار قول ہیں پہلا قول یہ ہے کہ آیت میں ساٹھ برس کی عمر مراد الٰہی ہے یہی قول بہت صحیح ہے کیوں کہ اس قول کی تائید صحیح بخاری کی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت[3] سے ہوتی ہے جس روایت کا حاصل یہ ہے کہ ساٹھ برس کی عمر ہونے کے بعد کسی کا کم عمری کا عذر خدا تعالیٰ کے روبرو قبول نہ ہوگا اگرچہ حافظ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے

[1] صحیح بخاری ص ۶۹۱ ج ۲ کتاب التفسیر۔ [2] الترغیب والترہیب ص ۲۹۳ ج ۴ فصل فی بکائہم وشہیقہم۔

[3] صحیح بخاری ص ۹۵۰ ج ۲ باب من بلغ ستین سنۃ الخ۔

وَجَآءَكُمُ النَّذِيرُ ۖ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّٰلِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ﴿٣٧﴾ إِنَّ اللَّهَ عَٰلِمُ غَيْبِ السَّمَٰوَٰتِ

اور پہنچا تم کو ڈرسنانے والا اب چکھو کہ کوئی نہیں گناہ گاروں کا مددگار اللہ بھید جاننے والا ہے آسمانوں کا

وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُۥ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٣٨﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَٰٓئِفَ فِي الْأَرْضِ ۚ

اور زمین کا اس کو خوب معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں وہی ہے جس نے کیا تم کو قائم مقام زمین میں

کہ چالیس برس کی عمر کی روایت صحیح ہے لیکن حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے[1] کہ حافظ ابن جریر کا یہ قول صحیح نہیں ہے کس لئے کہ صحیح بخاری کی کتاب الرقاق میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ساٹھ برس کی جب کہ موجود ہے تو صحیح بخاری سے بڑھ کر کون سی صحیح روایت کی پھر ضرورت باقی ہے دوسرا قول چھیالیس برس کی عمر کا ہے اس کی روایت تفسیر ابن مردویہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ہے مگر اس میں ایک راوی ابن خثیم ضعیف ہے تیسرا قول ستر برس کا تفسیر ابن مردویہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے ہے اس میں بھی ایک راوی یحییٰ بن میمون ضعیف ہے چوتھا قول چالیس برس کی عمر کا تفسیر ابن جریر وغیرہ میں ہے یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ہے لیکن دوسری روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ساٹھ برس کی بھی تفسیر سفیان ثوری وغیرہ میں موجود ہے اور یہی دوسری روایت عبداللہ بن عباسؓ کی ابوہریرہؓ کی صحیح بخاری کی حدیث کے موافق ہے اس واسطے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اسی روایت کو حافظ ابن کثیر اور اور مفسروں نے صحیح قرار دیا ہے، اس قدر عمر خدا کے پہچاننے اور دین کی باتیں سمجھنے اور نیک عمل کرنے کے لیے کافی تھی اسی واسطے امت محمدیہ کی عمر ساٹھ اور ستر برس کے مابین میں قرار پائی ہے شاذ و نادر آدمی ہیں جن کی عمر اس سے زیادہ ہوتی ہے چنانچہ معتبر سند سے ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت[2] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے لوگوں کی عمر ساٹھ اور ستر برس کے مابین میں ہے بہت کم لوگ ہیں جن کی عمر اس سے زیادہ ہو گی اسی واسطے علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص دنیا میں ساٹھ برس کی عمر کو پہنچ کر بھی توبہ و استغفار اور عبادت الٰہی میں مصروف نہ ہوا اس کے حال پر بڑا افسوس ہے کیوں کہ ایسے شخص کو قیامت کے روز خدا کے روبرو کسی عذر کا موقع بھی باقی نہیں، حاصل کلام یہ ہے کہ جب نافرمان لوگ دوزخ سے نکالے جانے کی خواہش اور آئندہ کے لئے نیک عملوں کا اقرار کریں گے تو ان کو کتوں کی طرح دھتکارا جا کر یہ جواب دیا جاوے گا کہ تم کو راہ راست پہ آنے کے لئے کافی عمر دی گئی اللہ کی مرضی کے کام سمجھانے اور آج کے دن کی آفت سے ڈرانے کے لیے آسمانی کتابیں دے کر رسول بھیجے گئے مگر تم یہی کہتے رہے کہ اول تو مر کر پھر جینا نہیں اور اگر ایسا ہوا بھی تو جن فرشتوں اور نیک لوگوں کی مورتوں کی ہم پوجا کرتے ہیں وہ ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیں گے اب یہ تم نے دیکھ لیا کہ وہ فرشتے اور نیک لوگ تم سے بیزار ہو گئے اس لئے اب تم یہ سزا اپنے جرموں کی بھگتو اور کسی مددگار کی مدد کی امید نہ رکھو۔

۳۸ تا ۴۰۔ اوپر فرمانبردار اور نافرمان لوگوں کا قیامت کے دن کا انجام کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں فرمایا اللہ تعالیٰ غیب دان ہے اس لئے اس نے اپنے علم غیب کے موافق ابھی سے لوگوں کو قیامت کے انجام سے ہوشیار کر دیا اور اس کو دلوں کا بھید تک معلوم ہے

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۵۹ ج ۳۔

[2] ایضاً و تفسیر الدر المنثور ص ۲۵۴ ج ۵۔

فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا ۖ وَلَا يَزِيدُ

پھر جو کوئی ناشکری کرے تو اس پر پڑے اس کی ناشکری اور منکروں کو نہ بڑھے گی ان کے انکار سے انکے رب کے آگے مگر بیزاری

الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ

اور منکروں کو نہ بڑھے گا ان کے انکار سے مگر نقصان تو کہہ بھلا دیکھو تو اپنے شریک جن کو پکارتے ہو اللہ کے

اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا

سوائے دکھاؤ تو مجھ کو کیا بنایا انھوں نے زمین میں یا کچھ ان کا ساجھا ہے آسمانوں میں یا ہم نے دی ہے ان کو کوئی کتاب

فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ إِن يَعِدُ الظَّالِمُونَ بَعْضُهُم بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ﴿۴۰﴾ إِنَّ

سو یہ سند رکھتے ہیں اس کی کوئی نہیں پر جو وعدہ بتاتے ہیں گناہ گار ایک دوسرے کو سب فریب ہے تحقیق

اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ أَن تَزُولَا ۚ

اللہ تھام رہا ہے آسمانوں کو اور زمین کو کہ ٹل نہ جاویں

اس واسطے جزا و سزا کے وقت اس سے دل کا اعتقاد یا ہاتھ پیر کا کام یا منہ کی بھلی بری بات کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی پھر فرمایا پہلے کے نافرمان لوگوں کو طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک کر کے ان لوگوں کو ان کی جگہ پر پیدا کیا اس لئے پہلے کے لوگوں کی اجڑی ہوئی بستیاں دیکھ کر ان لوگوں کو سمجھنا چاہئے کہ شرک سے اللہ تعالیٰ کس قدر بیزار ہے اور شرک کے سبب سے پہلے کے مشرکوں کو کیا نقصان پہنچ چکا ہے، پھر فرمایا اے رسول اللہ کے تم ان مشرکوں سے پوچھو تو سہی کہ ان کے بتوں نے ان کو یا ان کی ضرورت کی کسی چیز کو پیدا کیا ہے یا اللہ تعالیٰ کی بادشاہت میں ان کے بتوں کی کچھ شراکت ہے یا اللہ تعالیٰ نے بتوں کی پوجا کی ان مشرکوں کے پاس کوئی سند بھیجی ہے جب ان باتوں میں سے کسی بات کو یہ لوگ ثابت نہیں کر سکتے تو ان کے بہکانے والوں نے ان کی سفارش کا دعویٰ جو کر رکھا ہے وہ ایک دھوکے کی ٹٹی ہے جس کا حال ان کو قیامت کے دن معلوم ہو جاوے گا پھر فرمایا یہ شرک ایسی چیز ہے جس کے خوف سے آسمان و زمین اپنی جگہ سے ہل جاویں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی بردباری سے ان کو تھام رکھا ہے شرک کے وبال سے آسمان و زمین کے پھٹ جانے اور پہاڑوں کے ہل جانے کا ذکر سورہ مریم میں گزر چکا ہے ان آیتوں کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل وہی ہے جو بیان کیا گیا، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ[1] سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی بردباری سے نافرمان لوگوں کو پہلے تو مہلت دیتا ہے اور مہلت کے زمانہ میں جب یہ لوگ اپنی نافرمانی سے باز نہیں آتے تو ان کو سخت عذاب میں پکڑ لیتا ہے، اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مہلت کے زمانہ میں عقبیٰ کے انجام سے پہلے بتوں کی بے اختیاری سے شرک سے ڈر کر آسمان و زمین کے کانپنے سے شرک کے وبال سے پچھلی قوموں کے برباد ہو جانے کی غرض سے ہر طرح قریش میں کے سرکش لوگوں کو سمجھایا جب یہ لوگ سمجھانے سے باز نہ آئے تو بدر کی لڑائی کے وقت ان کی سب سرکشی خاک میں مل گئی دنیا میں بڑی ذلت سے مارے گئے اور مرتے ہی عقبیٰ کے عذاب میں گرفتار ہو گئے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کی انس بن مالکؓ کی حدیث کے حوالہ سے اس کا قصہ کئی جگہ گزر چکا ہے۔

[1] مشکوۃ باب الظلم۔

وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿٤١﴾

اور اگر ٹل جاویں تو کوئی نہ تھام سکے ان کو اس کے سوائے وہ ہے تحمل والا بخشتا

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ إِحْدَى

اور قسم کھاتے تھے اللہ کی تاکید کی قسمیں اپنی اگر آ دے گا ان پاس کوئی ڈر سنانے والا البتہ بہتر راہ چلیں گے اور کسی ایک

۴۱۔ یہاں ابوہریرہؓ کی روایت سے بعض تفسیروں[۱] میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضرت موسیٰ کے دل میں ایک دفعہ یہ خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ بھی کبھی سوتا ہے یا نہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے دو آئینے حضرت موسیٰ کو سونپے اور حکم دیا کہ ان دونوں آئینوں کو حضرت موسیٰ اپنے ہاتھ میں رکھیں پھر حضرت موسیٰ کے اونگھ جانے سے وہ ایک آئینہ دوسرے پر گرا اور یہ دونوں آئینے ٹوٹ گئے اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو یوں قائل کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ سوتا تو زمین و آسمان کیونکر قائم رہتے حافظ ابن کثیر[۲] اور اور مفسروں نے اس اثر کی صحت پر اعتراض کیا ہے اور اس کو بنی اسرائیل کی روایت قرار دیا ہے لیکن ابو یعلی موصلی نے اپنی مسند میں اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اور دارقطنی اور بیہقی نے اسماء و صفات میں اور خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں چند سند سے موقوف اور مرفوع طور پر اس حدیث کو روایت کیا ہے جس سے اس کی اصل پائی جاتی ہے اسی واسطے بیہقی نے لکھا ہے کہ اس قصہ کی روایت معتبر معلوم ہوتی ہے[۳] آیت کے اس ٹکڑے میں بھی مشرکین مکہ کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ ان لوگوں کے شرک کے سبب سے اگر اللہ تعالیٰ ان پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دیوے یا زمین میں ان کو دھنسا دیوے تو مکہ کے قحط میں انہوں نے اپنے بتوں کی جو بے اختیاری دیکھی ہے ان کی وہی بے اختیاری ہر حال میں موجود ہے لیکن یہ اللہ کی بردباری ہے کہ اس نے باوجود ان لوگوں کے شرک کے دنیا کے ہر طرح کے انتظام کو قائم رکھا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعری کی حدیث ایک[۴] جگہ گزر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی بردباری ہے کہ لوگ شرک کرتے ہیں اور وہ ان کے صحت کے اور رزق کے انتظام میں کچھ خلل ڈالنا نہیں چاہتا۔ یہ حدیث آیت کے اس ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے جس کا حاصل وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔

۴۲-۴۴۔ تفسیر ابن ابی حاتم میں قتادہ کا قول ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کے پہلے سے یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب دیکھ کر حرص کرتے تھے اور قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر ہماری قوم میں اللہ تعالیٰ کسی شخص کو نبی کر کے بھیجے تو ہم خوب راہ راست پر آئیں اور اللہ کے رسول کی پوری فرمانبرداری کریں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوئے اور قریش نے آپ سے طرح طرح کی مخالفت کرنی شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے قریش کے قائل کرنے کو اس مضمون کی چند آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا کہ پہلے تو یہ لوگ قوم عرب میں اللہ کے رسول کے آنے کی آرزو کرتے تھے اور اللہ سے وعدہ کرتے تھے کہ اللہ کا رسول ان کی قوم میں اگر پیدا ہوگا تو یہ لوگ اللہ کی مرضی کے موافق کام کریں گے جب اللہ تعالیٰ نے ان کی آرزو

[۱] تفسیر الدر المنثور ص ۲۵۴ ج ۵ [۲] تفسیر ابن کثیر ص ۵۶۱ ج ۳۔ [۳] امام بیہقی نے ایک قول ذکر کیا ہے جس میں ہے کہ یہ سوال اسرائیلیوں نے حضرت موسیٰؑ سے کیا تھا اس کے بعد "بیہقی لکھتے ہیں ھذا اشبہ ان یکون ھو المحفوظ" (تفسیر الدر المنثور ص ۲۵۵ ج ۵)۔ [۴] مشکوٰۃ ص ۱۳ کتاب الایمان۔ (ع، ح)

الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ۙ (۴۲) اِسْتِكْبَارًا فِى الْاَرْضِ

امت سے پھر جب آیا ان پاس ڈر سنانے والا اور زیادہ ہوا ان کا بدکنا غرور کرنا ملک میں

وَمَكْرَ السَّيِّئِ ؕ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ

اور داؤ کرنا برے کام کا اور برائی کا اور الٹے گا انہیں داؤ والوں پر پھر اب وہی راہ دیکھتے ہیں اگلوں

الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا (۴۳)

کے دستور کی سو تو نہ پائے گا اللہ کا دستور بدلتا اور نہ پائے اللہ کا دستور ٹلتا

پوری کی تو اللہ کے رسول سے انہوں نے مخالفت نکالی کیا ان کو معلوم نہیں کہ اللہ کے رسولوں کی مخالفت کے سبب سے کتنی قومیں ان سے پہلے ہلاک ہو چکی ہیں اگر یہ لوگ اللہ کے رسول کی نافرمانی سے باز نہ آویں گے تو ایک دن وہی انجام ان کا ہونے والا ہے کیونکہ یہ عادت الٰہی ہمیشہ سے جاری ہے کہ حضرت نوح سے لے کر اب تک جن پچھلی امتوں نے اللہ کے رسولوں کی نافرمانی کی ہے ایک دم میں اللہ تعالیٰ نے ان کو نیست و نابود کر دیا، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے انس بن مالکؓ کی روایت[1] اوپر گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بدر کی لڑائی کے وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بڑے مخالف دنیا میں بڑی ذلت سے مارے گئے اور مرتے ہی عذاب آخرت میں گرفتار ہو گئے جس عذاب کے جتلانے کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو سچا پالیا اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیوں کہ اس حدیث سے اس وعدہ الٰہی کا پورا ظہور سمجھ میں آ سکتا ہے جو وعدہ ان آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا دستور بدلنے اور ٹلنے والا نہیں اگر قریش میں کے سرکش لوگ اپنی سرکشی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے داؤ پیچ سے باز نہ آویں گے تو ان کے سب داؤں پیچ ایک دن انہی پر الٹ پڑیں گے اور دستور الٰہی کے موافق پہلے کے نافرمان لوگوں کی طرح ان کی ساری سرکشی خاک میں مل جاوے گی قتادہ کی روایت سے آیت کی جو شان نزول اوپر بیان کی گئی تفسیر ابن ابی حاتم[2] میں یہ روایت ابو ہلال سے بھی ہے ان ابو ہلال کا نام محمد بن سلیم ہے، تابعیوں میں ان کا رتبہ اگرچہ قتادہ سے کم ہے لیکن ان کی روایتیں میں قتادہ سے ہوا کرتی ہیں اس لیے شان نزول کی ان کی روایت بھی صحیح ہے۔

تفسیر صحابہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے:۔

شان نزول کے باب میں صحابہ کا قول جو حدیث نبوی کے برابر گنا جاتا ہے اس کا سبب یہی ہے کہ قرآن شریف کے نازل ہونے کے وقت صحابہ موجود تھے اس لیے شان نزول کے قصوں سے وہ واقف تھے شان نزول کے قصوں میں عقل کو دخل نہیں ہے اس واسطے اس باب میں وہ جو کچھ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا حال دیکھ کر کہتے ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ شان نزول اور نقلی ابواب تفسیر میں صحابہؓ کے قول کو حدیث نبوی کے برابر شمار کرنے کا مسئلہ ایسا ہے کہ جس پر سلف کا اتفاق ہے اسی سبب سے حسن بصری قتادہ اور ان کے زمانہ تک کی اور تفسیریں بہت معتبر کہلاتی ہیں کیوں کہ یہ لوگ تابعی ہیں اور ان کی تفسیروں کا دار و مدار صحابہ کے قول پر ہے، یہ زمانہ سنہ ڈیڑھ سو ہجری تک کا ہے اس کے بعد سفیان بن عیینہ شعبہ کے زمانہ کی تفسیریں ہیں جن میں تابعیوں کے قول بھی ہیں یہ زمانہ

[1] ابھی قریب ہی حوالہ گزرا۔ [2] تفسیر الدر المنثور ص ۲۵۵ ج ۵۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

کیا پھرتے نہیں ملک میں کہ دیکھیں آخر کیسا ہوا ان کا جو ان سے پہلے تھے اور تھے

وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي

ان سے سخت زور میں اور اللہ وہ نہیں جس کو تھکا دے کوئی چیز آسمانوں میں اور نہ

الْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ﴿٤٤﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا

زمین میں وہی ہے سب جانتا کر سکتا اور اگر پکڑ کرے اللہ لوگوں کو ان کی کمائی پر نہ

دو سو ہجری کے قریب تک کا ہے پھر اس کے بعد ابن ماجہ، حاکم، ابن جریر کے زمانہ کی تفسیریں ہیں جن میں تابعی تبع تابعیوں تک کے قول ہیں لیکن اس زمانہ تک حدیث کی کتابوں کی طرح تفسیر کی کتابوں میں راویوں کے نام کے حوالہ سے پوری سند تفسیروں میں لکھی جاتی تھی جس کے سبب سے سلسلہ روایت کا حال معلوم ہو سکتا تھا اس نظر سے اس زمانہ تک کی تفسیریں بھی معتبر کہلاتی ہیں یہ زمانہ تین سو ہجری کے قریب تک کا ہے اس کے بعد بغیر سلسلہ سند کے تفسیروں کی تالیف کا طریقہ شروع ہوا جس سے صحیح ضعیف قول کا پتہ لگنا دشوار ہو گیا۔ یہ تفسیر اگرچہ اردو کی ایک مختصر تفسیر ہے لیکن اس میں معتبر زمانہ کے قولوں کے لینے کی پوری پابندی کی گئی ہے اس قسم کے اصول کی تفسیر کی ضروری باتیں اس تفسیر کے مقدمہ میں بیان کر دی گئی ہیں۔

لیکونن اھدے من احدے الامم اس کا مطلب یہ ہے کہ راہ راست پر آنے کے حساب سے سب امتوں میں جو امت یکتائے زمانہ ہوتی وہ ہمارا ہی گروہ ہوتا یہ بات قریش اس لئے کہتے تھے کہ وہ اور قوموں سے اپنے آپ کو زیادہ عقلمند گنتے تھے اس واسطے وہ یہ کہتے تھے کہ اگر ہم میں کوئی نبی آیا تو ہم اپنی عقلمندی کو کام میں لا کر اور قوموں سے زیادہ راہ راست پر آویں گے۔

۴۴، ۴۵۔ اوپر ذکر تھا کہ اللہ کا دستور بدلنے اور ٹلنے والا نہیں اگر یہ لوگ پہلے کے سرکشوں کے قدم بقدم چلیں گے تو وہی انجام ان کا ہو گا جو ان سے پہلے کے سرکشوں کا ہوا ان آیتوں میں فرمایا کہ یہ لوگ تجارت پیشہ ہیں اکثر شام کے ملک کا سفر کرتے رہتے ہیں کیا ان کو اس راستہ میں پہلے کے سرکشوں کی اجڑی ہوئی بستیاں نظر نہیں آتیں جو ان سے قوت میں مال و اولاد میں ہر طرح بڑھ کر تھے لیکن ان کی سرکشی کے سبب سے جب اللہ تعالیٰ نے ان کو طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک کرنا چاہا تو اللہ کی قدرت کے آگے ان کی قوت مال اولاد کوئی چیز بھی ان کو آفت سے نہ بچا سکی پھر فرمایا باوجود طرح طرح کی سرکشی کے یہ لوگ آفت سے اب تک اس واسطے بچے ہوئے ہیں کہ عادت الٰہی میں ایسے لوگوں کی پکڑ جلدی نہیں ہے کیوں کہ وہ ہر ایک بداعمالی پر لوگوں کو جلدی پکڑے تو زمین پر کوئی جاندار ہلاکت سے نہ بچ سکے کس لئے کہ علم اس کا وسیع ہے جس سے فرمانبردار اور سرکش نافرمان سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں سب کے دلوں تک کا حال اس کو خوب معلوم ہے قدرت اس کی زبردست ہے کہ پہلے کے بڑی بڑی سرکش قوموں کو جس عذاب سے اس نے چاہا ایک دم میں ہلاک کر دیا لیکن اس کے انتظام میں ہر کام کا وقت مقرر ہے اور عادت الٰہی یہ ہے کہ وقت مقررہ سے پہلے وہ نافرمان لوگوں کو مہلت دیتا ہے تاکہ ان نافرمان لوگوں کو مہلت کے زمانہ میں راہ راست پر آنے کا پورا موقع ملے جو سرکش لوگ مہلت کے زمانہ میں اپنی سرکشی اور نافرمانی سے باز نہیں آتے تو وقت مقررہ پر ان کو ایسے سخت عذاب میں پکڑ لیتا ہے جس سے وہ بالکل ہلاک ہو جاتے ہیں صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو موسیٰ

لے مشکوٰۃ باب الظلم۔

تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ
چھوڑے زمین کی پیٹھ پر کوئی ہلنے چلنے والا پر ان کو ڈھیل دیتا ہے ایک ٹھہرے ہوئے وعدے تک پھر جب آیا ان کا وعدہ

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾
تو اللہ کی نگاہ میں ہیں اس کے سب بندے

ع ۱۸

آیاتہا ۸۳ (۳۶) سُوْرَةُ يٰسٓ مَكِّيَّةٌ (۴۱) رکوعاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

يٰسٓ ﴿۱﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳﴾ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴﴾
قسم ہے اس پکے قرآن کی تو تحقیق ہے بھیجے ہوؤں میں سے اوپر سیدھی راہ کے

ایک جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے نافرمان لوگوں کو مہلت دیتا ہے اگر مہلت کے زمانہ میں وہ اپنی نافرمانی سے باز نہ آئے تو پھر ان کو بالکل ہلاک کر دیتا ہے، یہ حدیث آخری آیت کی گویا تفسیر ہے کیوں کہ آیت اور حدیث کے ملانے سے آیت کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جو اوپر بیان کیا گیا صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ[1] سے انس بن مالکؓ کی روایت گزر چکی ہے کہ بدر کی لڑائی کے وقت مشرکین مکہ میں کے بڑے بڑے سرکش دنیا میں نہایت ذلت سے مارے گئے اور مرتے ہی آخرت کے عذاب میں گرفتار ہو گئے جس عذاب کے جھٹلانے کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لاشوں پہ کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو سچا پا لیا، اس حدیث کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب قرار پایا کہ قریش میں کے سرکشوں کو اللہ تعالیٰ نے بارہ تیرہ برس کی مہلت دی اور اس مہلت کے زمانہ میں قرآن کی بہت سی آیتیں ان کی فہمائش کے لئے نازل فرمائیں پہلے سرکشوں کے اُجڑ جانے کی حالت انہیں یاد دلائی لیکن جب یہ لوگ کسی طرح اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو آخر دونوں جہاں کی ذلت اٹھائی۔

سورہ الفاطر ختم ہوئی۔

سورہ یٰسٓ نام۔ حروف مقطعات کا ذکر سورہ بقرہ کے شروع میں گزر چکا ہے، یہ سورہ مکی ہے مکہ کے مشرک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو نہیں مانتے تھے کبھی تو جادوگر بتلاتے تھے اور کبھی شاعر اور کاہن کہتے تھے اور کبھی فقط اتنا ہی کہہ دیتے کہ لست مرسلا جس کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کے رسول نہیں ہو اس لئے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ ان مشرکوں کو یقین دلانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ذکر کیا ہے ان آیتوں میں قریش کی بات کا جواب تھا اس واسطے اللہ تعالیٰ نے خاندان قریش کا ذکر لتنذر قوما ما انذر اباؤھم سے فرمایا ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام مخلوقات کے لئے عام ہے چنانچہ اور آیتوں میں ہے وقل للذین اوتوا الکتاب والامیین اور لانذرکم بہ ومن بلغ اور صحیح حدیثوں میں آپ نے فرمایا ہے کہ میری نبوت عام ہے چنانچہ صحیح مسلم کی ابوہریرہؓ کی روایت[2] میں آپ نے فرمایا کہ جو یہودی یا نصرانی میری نبوت پر ایمان نہ لائے گا وہ دوزخی ٹھہرے گا اور علاوہ تمام مخلوقات انسانی کے آپ کا جنات کی ہدایت کے لئے جنگل میں جانا اور جنات کا آپ کے پاس احکام شریعت

[1] قریب ہی یہ حوالہ بھی گزر چکا ہے۔ [2] مشکوٰۃ ص ۱۲ کتاب الایمان۔

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿٥﴾ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ أُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٦﴾

اتارا زبردست رحم والے کا کہ تو ڈرا دے ایک لوگوں کو کہ ڈر نہیں سنا ان کے باپ دادوں نے سو وہ خبر نہیں رکھتے۔

سکھنے کے لئے آنا یہ بھی صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، چنانچہ صحیح مسلم کی عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت[1] میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنات کی ہدایت کے لئے جانے اور ان کو قرآن شریف سنانے کا تفصیل سے ذکر ہے۔ جس چیز کی قسم کھائی جاتی ہے اس کو مقسم بہ کہتے ہیں اور جس بات کی صداقت کے لئے قسم کھائی جاتی ہے اس کو مقسم علیہ کہتے ہیں، یہاں مقسم بہ قرآن ہے اور مقسم علیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے قرآن شریف میں مقسم بہ اکثر ظاہر چیزیں ہیں جیسے آسمان چاند سورج وغیرہ اگرچہ مشرکین مکہ کے نزدیک قرآن شریف کا کلام الٰہی ہونا ایسا ظاہر نہ تھا جس طرح چاند سورج کو ظاہر میں وہ آنکھوں سے دیکھتے تھے لیکن اللہ کے رسول کا ان پڑھ ہونا اور قرآن شریف میں ایسی باتوں کا پایا جانا ان پڑھ شخص تو درکنار کوئی پڑھا لکھا شخص بھی ایسی باتیں بغیر غیبی مدد کے نہیں کہہ سکتا اس لئے قرآن کی قسم کھا کر مشرکین مکہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ بات جتلائی کہ جس طرح چاند سورج ظاہر چیزیں ہیں اسی طرح یہ بھی ایک ظاہر بات ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور جن پر یہ اللہ کا کلام اترا ہے وہ اللہ کے رسول ہیں اور جس راہ پر وہ لوگوں کو لگاتے ہیں وہ سیدھا راستہ نجات کا ہے۔

صراط مستقیم اور بدعتی فرقے

معتبر سند سے مسند امام احمد نسائی دارمی اور مستدرک حاکم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت[2] ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط کھینچ کر فرمایا کہ یہ راستہ اللہ کا ہے اور پھر اس خط کے دائیں بائیں اور خط کھینچ کر فرمایا ان سب راستوں میں شیطان کا دخل ہے ترمذی ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ابوہریرہؓ اور فقط ترمذی میں عبداللہ بن عمرو بن العاص سے[3] جو روایتیں ہیں ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اختلاف کے سبب سے بنی اسرائیل میں بہتر فرقے ہو گئے ہیں اور میری امت میں تہتر فرقے ہو جائیں گے جن میں ایک فرقہ جنتی اور سیدھی راہ پر ہو گا اور یہی فرقہ ہے جو میرے اور میرے صحابہؓ کے طریقہ پر ہو گا، یہ حدیثیں صراط مستقیم کی گویا تفسیر ہیں، ابوہریرہؓ کی حدیث کو ترمذی نے صحیح اور عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث کو حسن کہا ہے عبداللہ بن عمرو بن العاص کی سند کے ایک راوی عبدالرحمن بن زیاد افریقی کو اگرچہ دارقطنی نے ضعیف کہا ہے لیکن یحییٰ بن سعید القطان نے عبدالرحمن بن زیاد کو ثقہ قرار دیا ہے[4]۔ یحییٰ بن سعید راویوں کی جانچ کے باب میں امام مشہور ہیں اور راویوں کی جانچ میں ان کے قول کا بڑا اعتبار ہے۔ یہ یحییٰ امام احمدؒ کے استادوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ فلسفہ یونانی اسلام میں آن کر اہل قبلہ میں طرح طرح کے فرقے جو پیدا ہو گئے ان حدیثوں میں اس کی پیشین گوئی ہے اسی پیشین گوئی کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں اور اقوال صحابہؓ کو اصول فلسفہ کی طرف کھینچنا اور سلف کے طریقہ کو چھوڑنا شروع ہوا۔ اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کی عظمت جتلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں ہر ایک چیز کی قسم کھائی ہے لیکن مسلمان آدمی کو سوا اللہ تعالیٰ کے نام کے اور چیزوں کی قسم کھانے کی مناہی ہے چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ کی عبداللہ بن عمرؓ کی روایتوں میں اس کا ذکر تفصیل سے آیا[5] ہے

۵ تا ۱۱۔ اوپر قرآن شریف کی قسم کھا کر یہ اس کی تفصیل بیان فرمائی کہ جس قرآن کی قسم کھائی ہے وہ قرآن اللہ کا اتارا ہوا ہے۔

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۲۴ ج ۴۔ [2] مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ فصل دوسری مع تنقیح الرواۃ ص ۴۰ ج ۱۔ [3] ایضاً مع تنقیح الرواۃ ص ۴۱ جلد اول۔ [4] ایضاً تنقیح الرواۃ

[5] مشکوٰۃ ص ۲۹۶ باب الایمان والنذر۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑦ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ

ثابت ہو چکی ہے بات ان بہتوں پر سو وہ نہ مانیں گے ہم نے ڈالے ہیں ان کی گردنوں میں

اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ⑧ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا

طوق سو وہ ہیں ٹھوڑیوں تک پھر ان کے سر اُلل رہے ہیں۔ اور بنائی ہم نے ان کے آگے دیوار

وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ⑨ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ

اور ان کے پیچھے دیوار پھر اوپر سے ڈھانک دیا سو ان کو نہیں سوجھتا اور برابر ہے تو نے ان کو ڈرایا

اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑩ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ

یا نہ ڈرایا یقین نہیں کرتے تو تو ڈر سنا دے اس کو جو چلے سمجھائے پر اور ڈرے رحمٰن سے

جو قرآن کے جھٹلانے والوں کو سزا دینے میں بڑا زبردست اور قرآن کے ماننے والوں کے حق میں بڑا صاحب رحم ہے پھر قرآن کے نازل کرنے کا سبب بیان فرمایا کہ قرآن ایسے لوگوں کو عذاب آخرت سے ڈرانے کے لئے اتارا گیا ہے کہ جن میں بہت مدت سے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا اس واسطے ان میں موروثی غفلت چلی آتی ہے پھر فرمایا دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے جو لوگ اللہ کے علم میں نافرمان ٹھہر چکے ہیں وہ اس قرآن کو نہیں مانیں گے اس لئے اے رسول اللہ کے ایسے لوگوں کے حال پر تم کو کچھ افسوس نہ کرنا چاہئے اب آگے ان نافرمان لوگوں کی مثال بیان فرمائی کہ ان لوگوں کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی کی گردن میں طوق ڈال دیا گیا ہو اور اس کا سر آسمان کی طرف اونچا ہو کر رہ جانے اور اس کو زمین پر کی کوئی چیز نظر نہ آوے، گردن میں طوق اس طرح ڈالا جاتا ہے کہ اس میں دونوں ہاتھ بھی جکڑ دئے جاتے ہیں اس لئے جب طوق مع دونوں ہاتھوں کے ٹھوڑی تک ہوا تو ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے پھنس کر گردن اونچی ہو گئی اور آنکھیں آسمان کو لگ گئیں، اس مطلب کو مقمحون کے لفظ سے ادا فرمایا گیا ہے، اقماح کے معنے سر اونچا کر دینے کے ہیں اونٹ جب پانی پر جا کر گردن اونچی کر لیتا ہے اور پانی نہیں پیتا تو ایسے موقع پر عرب لوگ بعیر قامح بولتے ہیں، ایسے لوگوں کی دوسری مثال یہ بیان فرمائی کہ ان کے آگے پیچھے دیوار اور آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اس لئے یہ لوگ آگے پیچھے کی چیز تو درکنار دیوار پر کی چیز کو بھی نہیں دیکھ سکتے پھر فرمایا کہ ان لوگوں کی گمراہی کا جب یہ حال ہے تو قرآن کی آیتوں میں ان کے بھلے برے کو جو جتلایا گیا ہے اس کو یہ لوگ کسی طرح ماننے والے نہیں اس لئے ان کو عذاب آخرت سے ڈرانا اور نہ ڈرانا یکساں ہے، معتبر سند سے ترمذی اور نسائی کے حوالہ[1] سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ گناہوں کی کثرت سے آدمی کے دل پر سیاہی چھا جاتی ہے جس کے سبب سے اس کے دل پر نیک بات کا اثر نہیں ہوتا، اس حدیث سے وسواء علیهم ءانذرتهم ام لم تنذرهم لا یومنون کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو آخرت کے عذاب سے ڈرانا اور نہ ڈرانا یکساں ہے علم الٰہی میں جن لوگوں کا راہ راست پر آنا قرار پا چکا ہے اب ان کا حال بیان فرمایا کہ اگرچہ انھوں نے بھی عذاب آخرت کو آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن اللہ کے کلام کا یقین ان کے دل میں ایسا جم گیا ہے کہ بن دیکھے عذاب کا خوف بھی ان کو نافرمانی کے کاموں سے روکتا ہے اب اس خوف کا نتیجہ بیان فرمایا کہ ایسے لوگوں کے حق میں گناہوں کی معافی کا

[1] مشکوۃ باب الاستغفار والتوبۃ مع تنقیح الرواۃ ص ۸۲ ج ۲۔ [2] مشکوۃ باب الاستغفار والتوبہ فصل اول۔

بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ (۱۱) إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ (۱۲)

بن دیکھے سو اس کو دے خوشخبری معافی کی اور عزت کے نیگ کی ہم ہیں جو جلاتے ہیں مردے اور لکھتے ہیں جو آگے بھیج چکے اور ان کے پیچھے نشان رہے اور ہر چیز گن لی ہے ہم نے ایک کھلی اصل میں۔

اور تھوڑے سے نیکی کے بڑے اجر کا اللہ کا وعدہ ہے اے رسول اللہ کے تم اللہ کا یہ وعدہ خوشخبری کے طور پر ایسے لوگوں کو سنا دو[۱] صحیح مسلم میں ابوذرؓ کی ایک بڑی حدیث قدسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا توبہ استغفار کرنے والے لوگوں کے گناہ معاف کرنے کو اللہ تعالیٰ ہر وقت موجود ہے، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ کی روایت سے حدیث قدسی اوپر گزر چکی ہے کہ نیک لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت میں وہ نعمتیں رکھی ہیں جو نہ کسی نے دنیا میں آنکھوں سے دیکھیں نہ کانوں سے سنیں نہ کسی کے دل میں ان کا خیال گزر سکتا ہے، یہ حدیثیں فبشرہ بمغفرۃ واجر کریم کی گویا تفسیر ہیں۔

۱۲ صحیح مسلم میں جابر بن عبداللہؓ سے ترمذی اور حاکم میں ابوسعید خدریؓ کی روایت سے اور طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے[۲] جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک قبیلہ بنی سلمہ کے مکانات مسجد نبوی سے فاصلہ پر تھے دور سے نماز کے لئے مسجد نبوی میں آنے کے وقت ان لوگوں کو ذرا تکلیف ہوتی تھی اس واسطے انہوں نے چاہا کہ مسجد نبوی کے پاس اپنے مکانات بنالیویں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس آیت کا مطلب سمجھا کر فرمایا کہ دور سے نماز کے لئے تمہارے ایک ایک قدم کا ثواب لکھا جاتا ہے اس واسطے تم اپنے مکانوں کو دور ہی رکھو حافظ ابن کثیر[۳] اور بعضے مفسروں نے اس شان نزول پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ سورہ بالاتفاق مکی ہے اور یہ قصہ مدینہ کا ہے پھر یہ مدینہ کا قصہ مکی آیت کی شان نزول کیوں کر قرار پا سکتا ہے اس اعتراض کا جواب اور مفسروں نے یہ دیا ہے کہ یہ تمام سورہ بالاتفاق مکی نہیں ہے بیہقی حافظ ابن حجر وغیرہ جن علماء نے مکی سورتوں میں سے مدنی آیتوں کو الگ کیا ہے انہوں نے سورہ یٰسین میں سے اس آیت اور آیت واذا قیل لھم انفقوا کو مدنی قرار دیا ہے غرض جن علماء نے اس شان نزول کو بغیر اعتراض کے قائم رکھا ہے انہوں نے لفظ آثار کی تفسیر نقش قدم سے کی ہے۔

صدقہ جاریہ اور جن علماء نے اس شان نزول پر اعتراض کیا ہے انہوں نے آثار کی تفسیر صدقہ جاریہ سے کی ہے صدقہ جاریہ وہ نیک کام ہے جو آدمی کے مرجانے کے بعد دنیا میں باقی رہے صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کے نیک عمل بند ہو جاتے ہیں مگر کوئی صدقہ جاریہ وہ چھوڑ جاوے تو اس کا ثواب باقی رہتا ہے جس طرح مثلاً کوئی مسجد یا کنواں بنا کر چھوڑ جاوے کوئی علم دین کی ایسی کتاب چھوڑ جاوے جس سے لوگوں کو نفع پہنچے یا ایسی نیک اولاد چھوڑ جاوے جو اس کے حق میں دعا خیر کرے اس آیت کی تفسیر میں علماء کے یہ دو قول ہیں اس واسطے فارسی اور اردو ترجمہ میں بھی اختلاف ہے فارسی ترجمہ میں پہلا قول لیا گیا ہے اور دونوں اردو ترجموں میں پچھلا قول ہے۔ مجاہد کے قول کے موافق امام مبین کے معنے لوح محفوظ کے

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۵۶۵، ۵۶۶ ج ۳ و تفسیر الدر المنثور ص ۲۶۰ ج ۵۔ [۲] تفسیر ابن کثیر ص ۵۶۵ ج ۳۔ [۳] یعنی شاہ ولی اللہ نے فتح الرحمٰن میں نقش اقدام ایشان ترجمہ کیا ہے (ع، ح)

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ

اور بیان کر ان کے واسطے ایک کہاوت اس گاؤں کے لوگوں کی جب آئے اس میں بھیجے ہوئے جب بھیجے ہم نے

اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا

ان کی طرف دو تو ان کو جھٹلایا پھر ہم نے زور دیا تیسرے سے تب کہا ہم تمہاری طرف آئے ہیں بھیجے ہوئے وہ بولے

مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾

تم بھی انسان ہو جیسے ہم اور رحمان نے کچھ نہیں اتارا تم سارے جھوٹ کہتے ہو

قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾

کہا ہمارا رب جانتا ہے ہم بے شک تمہاری طرف بھیجے آئے ہیں اور ہمارا ذمہ یہی ہے پہنچا دینا کھول کر

ہیں جس کی پیروی کی جائے اس کو امام کہتے ہیں۔ لوح محفوظ کے نوشتہ کی پیروی کے طور پر اللہ کے فرشتے سب کام چلاتے ہیں اس لئے لوح محفوظ کو امام مبین فرمایا مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ جینا اور نیک و بد عمل اور ان کی جزا و سزا دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے یہ سب کچھ علم الٰہی کے موافق لوح محفوظ میں لکھا جا چکا ہے، صحیح مسلم کے حوالہ[1] سے عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت اوپر گزر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے اپنے علم الٰہی کے نتیجہ کے طور پر تمام مخلوقات کا حال اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے، یہ حدیث آیت کی گویا تفسیر ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں سب چیزوں کو لوح محفوظ میں لکھے جانے کا جو ذکر ہے وہ دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے لکھا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ علم الٰہی تو قدیمی ہے لیکن اس قدیمی علم کا نتیجہ دنیا کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پہلے لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے۔

۱۳ تا ۱۹۔ اوپر ذکر تھا کہ نصیحت انہی لوگوں کے دل پر اثر کرتی ہے جو علم الٰہی میں نیک قرار پا چکے ہیں جو لوگ علم الٰہی میں بد قرار پا چکے ہیں ان کے دل پر کسی نصیحت کا کچھ اثر نہیں ہوتا اس قصے میں ایک شخص نیک کا اور بستی کے تمام سرکشوں کا حال بیان کر کے اوپر کی بات کی مثال سمجھائی حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک بستی میں دو رسول بھیجے جب بستی کے لوگوں نے ان دونوں رسولوں کو جھٹلایا تو تیسرے رسول کو ان دونوں کی مدد کے لئے بھیجا گیا لیکن بستی کے لوگوں نے ان تینوں رسولوں کو جھٹلایا اور تمام گمراہ قوموں کی طرح یہ کہا کہ اللہ کے رسول انسان نہیں ہو سکتے اس لئے تم تینوں جھوٹے ہو۔ اللہ کے رسولوں نے جواب دیا کہ جس اللہ نے ہم کو رسول بنا کر بھیجا ہے اس کو خوب معلوم ہے کہ ہم اس کے رسول ہیں کیوں کہ اگر ہم اس کا پیغام پہنچانے میں جھوٹ بولتے تو اللہ تعالیٰ ہم کو جھوٹ کی سزا میں پکڑ لیتا تفسیر مقاتل میں ہے کہ جب بستی کے لوگوں نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا تو اس کی سزا کے طور پر اس بستی میں قحط پڑا اسی واسطے بستی کے لوگوں نے اللہ کے رسولوں سے کہا کہ اس بستی میں تمہارا آنا منحوس ہوا جس سے یہ قحط پڑا اب بھی تم اگر ہمارے ٹھاکروں کی مذمت سے باز نہ آؤ گے تو ہم تم کو طرح طرح سے صدمہ پہنچائیں گے اللہ کے رسولوں نے جواب دیا کہ یہ قحط تمہاری ناشکری اور بد اعمالی کے سبب سے پڑا ہے جس اللہ نے تم کو تمہاری ضرورت کی چیزوں کو پیدا کیا ہم تو یہی نصیحت کرتے ہیں کہ ان نعمتوں کے شکریہ میں تم خالص اس کی تعظیم کرو اس کی تعظیم اور عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ ٹھہراؤ ایسی سیدھی باتوں پر تم ہم کو منحوس بتاتے ہو یہ تمہاری حد سے زیادہ گمراہی ہے

[1] مشکوۃ باب الایمان بالقدر۔

قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾

بولے ہم نے نامبارک دیکھا تم کو اگر تم نہ چھوڑ دوگے تو ہم تم کو سنگسار کریں گے اور تم کو لگے گی ہمارے ہاتھ سے دکھ کی مار

قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا

کہنے لگے تمہاری نامبارکی تمہارے ساتھ ہے کیا اس سے کہ تم کو سمجھایا کوئی نہیں پر تم لوگ ہو کہ حد پر نہیں رہتے۔ اور آیا شہر کے پرلے سرے

الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔـلُكُمْ

سے ایک مرد دوڑتا بولا اے قوم چلو راہ پر بھیجے ہوؤں کے چلو راہ پر ایسوں کے جو تم سے

اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾

نیگ نہیں مانگتے اور راہ سوجھے ہیں

تمہارے بتوں میں اگر کچھ قدرت ہے تو ان کی مدد سے اللہ کے بھیجے ہوئے قحط کو ٹال دو ورنہ یہ خوب سمجھ لو کہ اللہ کے خلاف مرضی کاموں کے سبب سے ہمیشہ تم پر ایسی آفتیں آتی رہیں گی، اللہ کے رسولوں کی یہ پیشین گوئی سچی ہوئی کہ آخر کو یہ بستی ایک سخت چنگھاڑ کے عذاب سے ہلاک ہو گئی چنانچہ اس کا ذکر آگے آتا ہے اس بستی کے لوگوں نے یہ جو کہا کہ اللہ کے رسول انسان نہیں ہو سکتے نوح علیہ السلام سے لے کر قریش تک سب گمراہ قوموں نے یہی بات اللہ کے رسولوں سے کہی ہے اور اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے جو دیا ہے وہ سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فرشتے کو اصلی صورت میں دیکھنا انسان کی طاقت سے باہر ہے اس لئے انتظام الٰہی یہی قرار پایا ہے کہ نبی آدم کی ہدایت کے لئے جو رسول اللہ کی طرف سے آوے گا وہ ضرور انسان ہوگا، صحیح بخاری و مسلم[1] میں جبرئیل علیہ السلام کا دحیہ کلبی صحابی کی صورت میں وحی لے کر آنے کا جو قصہ ہے اس میں حضرت ام سلمہؓ قسم کھا کر فرماتی ہیں کہ میں جبرئیل علیہ السلام کو دحیہ کلبی سمجھا کرتی تھی، یہ دحیہ کلبی نہایت خوبصورت شخص تھے یہ وہی صحابی دحیہ بن خلیفہ کلبی ہیں جن کے ہاتھ اللہ کے رسول نے ہرقل بادشاہ روم کے پاس خط بھیجا تھا اس حدیث کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب قرار پایا کہ تمام بنی آدم تو درکنار اللہ کے رسول کے دیکھنے والے اعلیٰ مرتبہ کے بنی آدم بھی جبرئیل علیہ السلام کو اصلی صورت میں نہیں دیکھ سکتے تھے اس واسطے جبرئیل علیہ السلام دحیہ کلبی صحابی کی صورت بن کر وحی لایا کرتے تھے اس بستی کا کیا نام تھا اور تینوں رسول کس زمانہ میں تھے اس کا ذکر آگے آوے گا۔

۲۰ تا ۲۱۔ جس بستی کا اوپر ذکر تھا اسی بستی کے پرے سرے سے یہ نیک شخص دوڑتا ہوا آیا شاہ عبدالقادر صاحب نے اپنے فائدہ[2] میں جس طرح لکھا ہے اسی طرح ابن اسحاق کی روایت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اور کعب احبار اور وہب بن منبہ اور عکرمہ و قتادہ اور زہری وغیرہ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ ان آیتوں میں جس شہر کا ذکر ہے وہ شہر انطاکیہ تھا اور جن رسولوں کا ذکر ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تین حواری تھے مگر حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ[3] نے اس تفسیر پر یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ شہر انطاکیہ اس سبب سے نہیں ہو سکتا کہ اکثر اہل اسلام اور اہل کتاب کی تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ انطاکیہ اور اسکندریہ ان شہروں میں سے ہیں جن کے لوگ سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ہیں پھر انطاکیہ ان شہروں میں کیوں کر ہو سکتا ہے جس کے رہنے والوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور وہ رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اس سبب سے نہیں ہو سکتے کہ یہ شہر

[1] الاصابہ ص ۳، ۴ جلد اول [2] یہ شہر تھا انطاکیہ حضرت عیسیٰؑ کے دو یار وہاں پہنچے شہر والوں نے ٹال دیا پھر تیسرے یار بھی پہنچے یہ تیسرے بڑے یار تھے (موضح القرآن) [3] تفسیر ابن کثیر ص ۵۶۹ ج ۳ امام بخاریؒ کا انداز یہی بتاتا ہے، یہ قصہ حضرت عیسیٰؑ سے تو بہرحال پہلے کا ہے (فتح الباری کتاب الانبیاء) ع، ع

وَمَالِيَ لَآ أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۲﴾ ءَأَتَّخِذُ مِن دُونِهِۦٓ ءَالِهَةً

اور مجھ کو کیا ہے کہ میں بندگی نہ کروں اس کی جس نے مجھ کو بنایا اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے بھلا میں پکڑوں اس کے سوائے اوروں کو پوجنا

إِن يُرِدْنِ الرَّحْمَٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَلَا يُنقِذُونِ ﴿۲۳﴾ إِنِّيٓ

کہ اگر مجھ پر چاہے رحمٰن تکلیف کچھ کام نہ آوے مجھ کو ان کی سفارش اور نہ وہ مجھ کو چھڑاویں گے تو تو میں

قرآن کے مضمون کے موافق ایسا شہر ہے جس کے رہنے والے رسولوں کے جھٹلانے اور حبیب نجار کے شہید کر ڈالنے کے سبب سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی چنگھاڑ سے ہلاک ہوئے ہیں حالانکہ مستدرک حاکم مسند بزار تفسیر ابن ابی حاتم اور تفسیر ابن مردویہ میں حضرت ابو سعید خدری ؓ کی روایت سے مرفوع اور موقوف روایتیں[1] میں جن میں سے مرفوع روایت کو حاکم نے صحیح قرار دیا ہے ان روایتوں کا حاصل یہ ہے کہ سوا اُس نبی اسرائیل کے فرقے کے جو مچھلیوں کے شکار میں نافرمانی کرنے سے بندر ہو گئے توریت کے نازل ہونے کے بعد عام عذاب اور کسی قوم پر آسمان سے نہیں آیا پھر یہ حضرت جبرئیل کے چنگھاڑ کے عذاب کا قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں توریت کے نازل ہونے کے بعد کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے سورۂ قصص کی آیت ولقد آتینا موسیٰ الکتاب من بعد ما اھلکنا القرون الاولیٰ سے ابو سعید خدری ؓ کی اوپر کی حدیث کی تائید ہوتی ہے کیوں کہ آیت اور حدیث کا مطلب قریب قریب ہے غرض اس اعتراض کے بعد حافظ ابن کثیر نے صحیح تفسیر یہی قرار دی ہے کیونکہ توریت کے نازل ہونے سے پہلے تین نبیوں کا کسی شہر کا یہ قصہ ہے جن نبیوں اور شہر کے نام کی صراحت نہ آیت میں ہے نہ کسی صحیح حدیث میں ہے طبرانی میں اگرچہ حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ کی روایت سے ایک حدیث ہے جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ سورۂ یٰسین کا قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا ہے کیوں کہ اُس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ؐ کی امت میں جو رتبہ حضرت علی ؓ کا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت میں وہی رتبہ اس شخص کا ہے جس کا ذکر سورۂ یٰسین میں ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں وہی رتبہ یوشع بن نون کا ہے لیکن اس حدیث کی سند میں ایک راوی حسین بن حسن الاشقر کوفی ایسا ہے جس کو امام بخاری نسائی اور دارقطنی نے ضعیف ٹھہرایا ہے اور جوزجانی نے کہا ہے کہ یہ حسین بن حسن اس طرح کا غالی شیعہ تھا کہ اچھے لوگوں کو گالیاں دیا کرتا تھا یہ جوزجانی ابو اسحاق ابراہیم بن یعقوب دمشقی علماء میں سے ہیں ان کی تالیفات میں کتاب الضعفاء مشہور ہے نسائی اور دارقطنی نے ان جوزجانی کو ثقہ کہا ہے، اگرچہ تنہا ابن حبان نے حسین بن حسن کو ثقہ لوگوں میں شمار کیا ہے لیکن اور علماء نے ابن حبان کی بات کو تسلیم نہیں کیا اس واسطے یہ روایت اس روایت مستدرک حاکم کے مقابلہ میں مقبول نہیں ہو سکتی جس کی صحت حاکم کے حوالہ سے اوپر گذر چکی بعضے مفسروں نے یہ جو لکھا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی چنگھاڑ سے شائد اسی قدر لوگ انطاکیہ کے ہلاک ہوئے ہوں جنہوں نے حبیب نجار کو شہید کیا تھا اس صورت میں انطاکیہ کا عذاب جب کہ عام نہیں تھا تو اس شہر کے انطاکیہ ہونے پر کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا یہ قول قرآن شریف کے مطلب کے مخالف ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس عذاب کے ذکر کے بعد کم اھلکنا من القرون فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اور بستیوں کی طرح اس شہر کا عذاب بھی عام تھا تفسیر ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ ان نیک شخص کا نام حبیب نجار تھا حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ جب

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۶۹ ج ۳ و تفسیر الدر المنثور ص ۲۶۹ ج ۵۔

إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٤﴾ إِنِّي آمَنتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُونِ ﴿٢٥﴾ قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ

بھٹکتا رہوں صریح میں یقین لایا تمہارے رب پر مجھ سے سن لو حکم ہوا کہ چلا جا بہشت میں

قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ﴿٢٧﴾ وَمَا

بولا کسی طرح میری قوم معلوم کریں کہ بخشا مجھ کو میرے رب نے اور رکھا مجھ کو عزت والوں میں اور

بستی کے لوگوں نے اللہ کے رسولوں کے شہید کر ڈالنے کا ارادہ کیا اور حبیب نجار نے یہ خبر سنی تو وہ گھبرا کر دوڑتے ہوئے وہاں آئے جہاں اللہ کے رسول تھے اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ اے قوم کے لوگو جب یہ اللہ کے رسول اپنی نصیحت کا کچھ معاوضہ تم لوگوں سے نہیں چاہتے اور پکی پکی باتیں نصیحت کی کہتے ہیں تو وہ ضرور راہ راست پر معلوم ہوتے ہیں اس لئے تم لوگوں کو ان کا کہنا ماننا چاہئے قوم کے لوگوں نے حبیب نجار کی یہ نصیحت سن کر کہا کہ کیا تم نے اپنا قدیمی دین چھوڑ دیا جو تم ایسی باتیں کرتے ہو۔ حبیب نجار نے قوم کے لوگوں کو جواب دیا کہ کیا مجھ کو اتنی بات سمجھ لینی کچھ مشکل ہے کہ جس نے مجھ کو پیدا کیا ہے اور مجھے اور تمہیں سب کو ایک دن اسے منہ دکھانا ہے تو میں اس کی عبادت نہ کروں اور ایسے بتوں کی پوجا میں لگا رہوں کہ جو نہ خود اللہ تعالےٰ کی دی ہوئی کسی مصیبت کو ٹال سکتے ہیں نہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میری کچھ سفارش کر سکتے ہیں تم بھی سمجھ لو کہ اگر میں ایسی بے اختیار چیز کی پوجا میں لگا رہوں تو یہ کیسی موٹی عقل ہے پھر رسولوں کی طرف متوجہ ہو کر حبیب نجار نے یہ کہا تم گواہ رہو کہ میں تو تمہارے پروردگار کو اپنا معبود مان چکا آگے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی روایتیں آئی ہیں کہ اس کے بعد قوم کے لوگوں نے حبیب نجار کو شہید کر ڈالا اور اللہ تعالیٰ نے حبیب کو جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا، صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پہلے اپنے علم غیب کے موافق اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کون شخص جنت میں داخل ہونے کے قابل کام کرے گا اور کون دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل، صحیح بخاری وغیرہ کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث بھی گزر چکی ہے کہ قریش نے جب بہت سرکشی شروع کی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے مکہ میں سخت قحط پڑا اور آخر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے مینہ برسا جس سے وہ قحط رفع ہوا ان حدیثوں کو آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مکہ کے قحط کے وقت مشرکین مکہ کو اور اس بستی کے قحط کے وقت یہاں کے لوگوں کو اگرچہ بتوں کی بے اختیاری کا حال اچھی طرح سے کھل گیا تھا لیکن ان میں کے جو لوگ علم الٰہی کے موافق دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل قرار پائے تھے وہ مرتے دم تک ان بے مصرف مورتوں کی پوجا میں لگے رہے۔

۲۶ تا ۲۷۔ جس طرح کی تفسیر ابن جریر اور ابن ابی حاتم کے حوالہ سے روایتیں اوپر گزریں اسی طرح حبیب بن شبیب نے اپنی تفسیر میں عکرمہ کی سند سے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے یہ حبیب نجار تھے یہ حبیب بن بشر ترمذی اور ابن ماجہ کے راوی ہیں اور ابن معین نے ان کو ثقہ تابعیوں میں شمار کیا ہے سیرت ابن اسحاق میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اسی بستی کے لوگوں نے اللہ کے ان تینوں رسولوں سے جھگڑا کیا اور ان رسولوں کے شہید کرنے کا قصد کیا تو حبیب نجار دوڑ کر

لہ مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر۔ ۲ہ صحیح بخاری ص ۷۱۴ ج ۲ تفسیر سورۃ الدخان۔ ۳ہ فتح الباری ص ۲۹۱ ج ۳ کتاب الانبیاء ۴ہ تفسیر ابن کثیر ص ۵۶۸ ج ۳

أَنزَلْنَا عَلَىٰ قَوْمِهِ مِن بَعْدِهِ مِن جُندٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنزِلِينَ ﴿۲۸﴾ إِن

اتاری نہیں ہم نے اس کی قوم پر اس کے پیچھے کوئی فوج آسمان سے اور ہم اتارا نہیں کرتے یہی

كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ خَامِدُونَ ﴿۲۹﴾ يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِم

تھی مگر ایک چنگھاڑ پھر تبھی سب بجھ رہے کیا افسوس ہے بندوں پر کوئی

آئے تاکہ جہاں تک ہو سکے اللہ کے رسولوں کی مدد کریں یہ حبیب نجار بڑے نیک شخص تھے جو کچھ کماتے تھے آدھا خیرات کرتے تھے اور آدھا اپنے خرچ میں لاتے تھے قتادہ نے اپنی تفسیر میں لکھا[۱] ہے کہ یہ حبیب پہاڑ کے ایک غار میں ہمیشہ اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے اور جذام کے مرض میں مبتلا تھے سیرۃ ابن اسحاق کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ حبیب نجار نے اپنے قوم کے لوگوں کو نصیحت کرنی شروع کی تو قوم کے لوگوں نے حبیب پر حملہ کیا اور ان کو شہید کر ڈالا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت جو سیرۃ ابن اسحاق میں ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ قوم کے لوگوں نے حبیب نجار کو پیروں سے یہاں تک کچلا کہ حبیب نجار کی انتڑیاں پیٹ کے باہر نکل آئیں امام احمد اور ترمذی نے ان محمد بن اسحاق کی روایتوں کو معتبر قرار دیا ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حبیب نجار اپنی قوم کے خیر خواہ تھے جیتے جی قوم کے لوگوں کو نصیحت کرتے رہے اور با وجود اس کے کہ قوم کے لوگوں نے ان کو اس سختی اور بے رحمی سے شہید کیا اس پر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت نصیب کی تو وہ وہاں بھی قوم کے لوگوں کو یاد کر کے یہی آرزو کرتے رہے کہ قوم کے لوگ بھی نیک راہ پر آ دیں اور جنت میں ان کے شریک حال ہوں اکثر سلف کا قول ہے کہ جب حبیب نجار کی قوم نے حبیب نجار کو شہید کر ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اس قوم کے ہلاک کرنے کا حکم دیا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس بستی کے دروازہ پر آن کر ایک چنگھاڑ ماری جس سے سب بستی کے آدمی کلیجے پھٹ کر فوراً مر گئے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کے ہلاک کرنے کے لئے آسمان سے کسی فوج کے اتارنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ ایک چنگھاڑ ان کے ہلاک کے لئے کافی تھی اس میں قریش کو تنبیہ فرمائی کہ قریش لوگ اللہ کے رسول کو جھٹلا کر عذاب الٰہی کی کیا جلدی کرتے ہیں عذاب الٰہی کے لئے کسی فوج اور لشکر کی ضرورت نہیں اس کا ایک ادنیٰ عذاب بڑے بڑے سرکشوں کے کافی ہے اب آگے اللہ تعالیٰ نے اللہ کے رسولوں کی نافرمانی والے لوگوں کے حال پر افسوس ظاہر فرمایا ہے کہ کیوں یہ لوگ اللہ کے رسولوں کی نافرمانی کر کے دین و دنیا کے عذاب میں گرفتار ہوتے ہیں اگرچہ مفسرین نے یاحسرۃ[۲] علی العباد کے اور معنے بھی بیان کئے ہیں لیکن یہ معنے جو اوپر بیان کئے گئے یہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس قول کے موافق ہیں جو علی بن ابی طلحہ کی روایت سے ہے اور اس تفسیر میں یہ بات کئی جگہ بیان کر دی گئی ہے کہ اس کی سند کی روایت بہت صحیح ہوتی ہے اسی واسطے تینوں[۳] ترجموں میں اس قول کو لیا ہے۔ اسی قول کے موافق یہ آیت متشابہات[۴] میں سے ہے کیونکہ مثلاً اللہ کے غصے اور خوشی کے تفصیلی[۵] معنے جس طرح ہم کو معلوم نہیں وہی حال اللہ تعالیٰ کے افسوس کا ہے، صحیح بخاری

---

[۱] تفسیر الدر المنثور ص ۲۶۱ ج ۵ [۲] اے افسوس والے بر بندگاں (فتح الرحمٰن) اے ارمان اوپر بندوں کے (شاہ رفیع الدین) کیا افسوس ہے بندوں پر (موضح القرآن) ع ح [۳] یعنی کیفیت کے اعتبار سے ورنہ لغوی معنی تو معلوم ہے ع ح [۵] یعنی اللہ تعالیٰ کے غصے خوشی اور افسوس کی کیفیت اس کی وہ ہے جو اس کی ذات کے مناسب ہے البتہ لغت عربی کے لحاظ سے معنی معلوم ہیں۔ یہی سلف کا مذہب ہے (ع ح)

مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ

رسول نہیں آیا ان پاس جس سے ٹھٹھا نہیں کرتے کیا نہیں دیکھتے کتنی کھپا چکے ہم ان سے پہلے

الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾ ع

سنگتیں کہ وہ ان پاس پھر نہیں آتے اور ساروں میں کوئی نہیں جو اکٹھے نہ آ دیں ہمارے پاس پکڑے

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور ایک نشانی ہے ان کو زمین مردہ اس کو ہم نے جلایا اور نکالا اس میں سے اناج سو اس میں سے کھاتے ہیں

و مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ سے روایت[1] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے رسول کی نصیحت کی مثال مینہ کی سی ہے اور لوگوں کی مثال زمین کی سی ہے اب زمین میں دو قسمیں ہیں ایک کھیت اور باغ کی زمین ہے کہ مینہ سے فیض اٹھا کر پھلتی پھولتی ہے دوسری شور زمین ہے کہ مینہ سے اس کو کچھ فیض نہیں اسی طرح بعضے لوگ اللہ کے رسول کی نصیحت سے فیض پاتے ہیں اور بعضے محروم ہیں یہ حدیث گویا اس آیت کی تفسیر ہے کیوں کہ جن لوگوں کی حالت پر اللہ تعالیٰ نے افسوس ظاہر کیا ہے ان لوگوں کا حال حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ وہ ہیں کہ باوجود اس کے کہ مینہ کی طرح اللہ کے رسول کی نصیحت کا فیض عام ہے لیکن وہ لوگ اس فیض عام سے محروم ہیں یہاں ایک یہ خیال گزرتا ہے کہ سب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے پھر جس کو اس نے جیسا پیدا کیا ہے ویسا وہ ہے اللہ اور اللہ کے رسول کے افسوس کا کیا مطلب ہے اس کا جواب اوپر گزر چکا ہے کہ پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نیک و بد سب کی خصلت جان لی ہے پیدا ہونے سے پہلے جن لوگوں میں بری خصلت نظر آئی اسی خصلت پر وہ افسوس ہے اور مجبوری کا ایمان اللہ کی درگاہ میں مقبول نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو اس کی خصلت پر چھوڑ دیا ہے، اب آگے قریش کو تنبیہ فرمائی کہ رسولوں کی نافرمانی کے سبب سے کچھ یہ ایک ہی بستی نہیں اجڑی بلکہ ملک شام کے سفر میں ان کو اس طرح اجڑی ہوئی اور بستیاں دیکھنی چاہیں جو ایک دم میں طرح طرح کے عذابوں سے ایسے اجڑیں کہ ان میں سے کوئی بھی اپنے اجڑے ہوئے گھر بار مال متاع کی خبر گیری کو پھر دنیا میں نہ آیا پھر فرمایا ایسے لوگوں کی فقط یہی سزا نہیں ہے کہ ان پر دنیا کے طرح طرح کے عذاب آئے بلکہ عذاب آخرت کے فیصلہ کے لئے ان سب کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر ہونا پڑے گا ترمذی مسند بزار اور طبرانی کے حوالہ[2] سے ابوبرزہؓ اور معاذ بن جبلؓ کی صحیح روایتیں اوپر گزر چکی ہیں کہ چار باتوں کی جواب دہی کے لئے ہر شخص کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے روبرو ضرور کھڑا ہونا پڑے گا۔ (۱) تمام عمر کس کام میں گزاری (۲) جوانی میں کیا کیا (۳) روپیہ پیسہ کیوں کر کمایا اور کہاں خرچ کیا (۴) دین کی کوئی بات سنی تو اس پر کیا عمل کیا، یہ روایتیں وان کل لما جمیع لدینا محضرون کی گویا تفسیر ہیں کیوں کہ آیت کے اس ٹکڑے میں قیامت کے دن سب مخلوق کے اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر ہونے کا جو ذکر ہے ان روایتوں سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ وہ حاضر ہونا کون سی جواب دہی کے لئے ہوگا۔

۳۳ تا ۳۶۔ اوپر کی آیت انا نحن نحی الموتیٰ میں حشر کا ذکر فرما کر ان آیتوں میں اس کی مثال بیان فرمائی کہ ہر سال حشر کا حال

[1] مشکوٰۃ ۵ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ [2] الترغیب والترہیب ص ۳۹۵، ۳۹۶ ج ۴ فصل فی ذکر الحساب وغیرہ۔

وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيلٍ وَّأَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ﴿۳۴﴾ لِيَأْكُلُوا

اور بنائے ہم نے اس میں باغ کھجور کے اور انگور کے اور بہائے اس میں بعضے چشمے کہ کھاویں

مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ

اس کے میووں سے اور وہ بنایا نہیں ان کے ہاتھوں نے پھر کیوں نہیں شکر کرتے پاک ذات ہے جس نے بنائے جوڑے

كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۶﴾

سب چیز کے اس قسم سے جو اگتا ہے زمین میں اور آپ ان میں اور جن چیزوں میں کہ ان کو خبر نہیں۔

سمجھنے کے لئے وہ مردہ زمین کہ جس میں گھانس تک نہیں ہوتی منکرین حشر کے حق میں ایک نشانی ہے کہ جس وقت ہم نے اس پر مینہ برسایا تو وہ ہلتی، ابھرتی ہے اور ہر قسم کی چیزیں اگاتی ہے گویا بعد مرنے کے جی اٹھتی ہے اس واسطے فرمایا کہ زندہ کیا ہم نے اس کو اور نکالا ہم نے اس سے اناج جو کھاتے ہیں یہ بھی اور ان کے چوپائے بھی پھر فرمایا کہ بنائے ہم نے باغ کھجور اور انگور کے اور بہائے زمین میں چشمے اور ندیاں تاکہ کھائیں اس کے میووں سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اناج کے پیدا کرنے کا احسان مخلوق پر رکھا اس کے بعد میووں کا اور پھلوں کا ذکر کیا کیوں کہ انسان کو بہ نسبت میووں کے اناج کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے اس لئے اناج کا پیدا کرنا ایک بڑی نعمت ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ[۱] سے ابوہریرہؓ کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ دوسرے صور سے پہلے ایک مینہ برسے گا جس کی تاثیر سے آدم علیہ السلام کے پتلے کی طرح قیامت تک کی سب مردہ مخلوقات کے پتلے اسی طرح تیار ہو جائیں گے جس طرح اب ہر سال کے مینہ کی تاثیر سے ہر طرح کا اناج اور میوہ پیدا ہو جاتا ہے قرآن شریف میں جگہ جگہ حشر کی حالت کے سمجھانے کے لئے حشر کے ذکر کے ساتھ اناج اور میووں کی پیداوار کا جو ذکر فرمایا گیا ہے اس حدیث سے اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کس لئے کہ اب جو ہر سال مینہ کی تاثیر سے کام لیا جاتا ہے وہ سب کی آنکھوں کے سامنے بہت بڑا کام ہے کہ ایک اناج کے دانہ سے ہزاروں دانے اور ایک میوہ کی گٹھلی سے ہزاروں میوے پیدا کئے جاتے ہیں حشر کے دن جو مینہ برسے گا اس کی تاثیر سے فقط اتنا ہی کام لیا جائے گا کہ ایک مردہ کی مٹی سے ایک پتلا تیار کر دیا جائے گا پھر اب جس طرح ماں کے پیٹ میں پتلا تیار ہو جاتا ہے اور اس میں روح پھونک دی جاتی ہے اسی طرح حشر کے دن سب پتلوں میں روحیں پھونک دی جاویں گی منکرین حشر کی یہ بڑی نادانی ہے کہ وہ باوجود سمجھانے کے کھیتی کی حالت سے حشر کی حالت کو نہیں سمجھتے، جو فلسفی لوگ جسمانی حشر کے منکر ہیں انہوں نے بھی اس مثال کے سمجھنے میں غلطی کی ہے بعضے میوے ایسے قدرتی ہوتے ہیں کہ انسان کا کچھ دخل ان میں گٹھلی کے بونے یا پانی کے دینے کا نہیں ہوتا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایسے ہی میووں کو وما عملتہ ایدیھم کی تفسیر[۲] قرار دیا ہے اس تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ لوگ اپنے ہاتھ کے لگائے ہوئے اور پانی دئے ہوئے درختوں کے میوے کھاتے ہیں اور ایسے درختوں کے میوے بھی کھاتے ہیں جو ان کے ہاتھ کے لگائے ہوئے نہیں ہیں اور قدرتی ندیوں کے پانی سے ان درختوں کی پرورش ہوئی ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول تفسیر ابراہیمؒ بن المنذر میں ہے۔ یہ ابراہیم ابن المنذر حاکم اور ابن ماجہ کے رتبہ کے قدیم مفسروں میں ہیں اور ابوحاتم رازی نے ان کو معتبر علماء

[۱] مشکوٰۃ ص ۴۸۱ باب النفخ فی الصور [۲] تفسیر الدر المنثور ص ۲۶۳ ج ۵

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ

اور ایک نشانی ہے ان کو رات ادھیڑ لیتے ہیں ہم اس سے دن پھر تبھی یہ رہ جاتے ہیں اندھیرے میں اور سورج چلا جاتا ہے

لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾

اپنی ٹھہری راہ پر یہ سادھا ہے اس زبردست باخبر کا

میں شمار کیا ہے اس لئے یہی تفسیر صحیح معلوم ہوتی ہے اسی خیال سے تینوں[1] ترجموں میں اسی تفسیر کے موافق ترجمہ کیا گیا ہے آگے فرمایا جس نے انسان اور ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے وہ اللہ ان ناشکر مشرکوں کے شرک سے پاک اور دور ہے وممما لا یعلمون، اس کا مطلب یہ ہے کہ جنگل اور دریا میں بہت سے ایسے جانور ہیں جن کو لوگ نہیں جانتے۔

۳۷۔ یہ ایک اور قدرت کی نشانی کا ذکر فرمایا کہ ایک نشانی ہماری قدرت کی ان کے واسطے رات ہے ادھیڑ لیتے ہیں ہم اس سے دن کو تو اس وقت وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں رات کا اندھیرا اور دن کا اُجالا دونوں خدا کی قدرت کو ہر روز بتاتے ہیں ایک دوسرے کے پیچھے لگا رہتا ہے رات آتی ہے تو دن چلا جاتا ہے اور جب دن آتا ہے تو رات چلی جاتی ہے رات کو انسان آرام پاتا ہے اور دن کو ہر طرح کام دھندا کرتا ہے، صحیح بخاری میں حذیفہ رضی بن الیمان سے روایت[2] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نیند کو موت اور سو کر اٹھنے کو دوبارہ جینا فرمایا ہے۔ نیند میں آدمی کے ہوش و حواس جاتے رہتے ہیں اس لئے اللہ کے رسول نے نیند کو موت فرمایا اس آیت کی تفسیر میں اوپر کی حدیث کو یہ دخل ہے کہ رات کو سونا اور دن کو پھر جاگ اٹھنا حشر کا ایک نمونہ ہے اس مناسبت سے حشر کے ذکر بعد اللہ تعالیٰ نے رات دن کا ذکر فرمایا۔

۳۸۔ حسن بصریؒ اور سلف کے قول کے موافق سورج کے تین سو ساٹھ مطلع اور چاند کی اٹھائیس منزلیں مقرر ہیں سورج کے مطلع پورے ہونے سے ایک سال اور چاند کی منزلیں پوری ہونے سے ایک مہینہ پورا ہوتا ہے اس آیت میں رات دن کے ذکر کی مناسبت سے سورج کے دورہ کا اور آگے کی آیت میں چاند کے دورہ کا ذکر ہے سورج کے دورہ کے علمائے مفسرین نے دو مطلب بیان کئے ہیں ایک تو یہ کہ ہر روز مشرق سے مغرب کی طرف جو سورج جاتا ہے تو کہاں جاتا ہے اس مطلب کی تفصیل اور تفسیر صحیح حدیثوں میں آئی ہے صحیح بخاری مسلم ترمذی نسائی مسند امام احمدؒ وغیرہ میں جو حدیثیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز حضرت ابوذرؓ سے پوچھا کہ یہ سورج جو غروب ہوتا ہے تو تم کو معلوم ہے کہ یہ کہاں جاتا ہے انہوں نے کہا مجھ کو کچھ معلوم نہیں آپ نے فرمایا یہ عرش معلےٰ کے نیچے اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں سجدہ کرتا ہے، اور معمول کے موافق مشرق سے نکلنے کی اسکو اجازت ملتی ہے جب قیامت آنے کو ہوگی تو مغرب کی طرف سے نکلنے کا اس کو حکم ہو جائے گا پھر کسی کا ایمان قبول نہ ہوگا یہ فرما کر پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی اگرچہ سورج اور تمام مخلوقات ہر وقت عرش معلےٰ کے نیچے ہے کیوں کہ مستدرک حاکم اور بیہقی کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث میں جس حدیث کو حاکم نے صحیح قرار دیا[3] ہے یہ آچکا ہے کہ ساتوں آسمان بمقابلہ کرسی کے ایسے ہیں جس طرح بڑے جنگل میں ایک چھلا پڑا ہوا ہو اور جس قدر اس چھلے سے وہ جنگل بڑا ہے وہی حال عرش کا بمقابلہ کرسی کے ہے اب عرش معلےٰ کی بڑائی اس قدر ہونے کے سبب سے

[1] شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ (فارسی)، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر (اردو) ؒ۔ [2] مشکوۃ ص ۲۰۸ باب ما یقول عند الصباح والمساء بعد المنام [3] تفسیر ابن کثیر ص ۵۷۱ ج ۳ و تفسیر الدر المنثور ص ۲۶۳ ج ۵ [4] حوالہ کے علاوہ دیکھئے تفسیر ثنائی پہلی جلد ص ۹۸

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ

اور چاند کو ہم نے بانٹ دی ہیں منزلیں یہاں تک کہ پھر آرہا جیسے ٹہنی پرانی نہ سورج کو پہنچے کہ

اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾

پکڑے چاند کو اور نہ رات آگے بڑھے دن سے اور ہر کوئی ایک ایک گھیرے میں پھیرتے ہیں

کسی وقت تمام مخلوقات میں کی کوئی شے عرش معلےٰ کے نیچے ہونے سے سرک تو نہیں سکتی لیکن خاص طور پر سورج کے سجدہ کرنے کے ذکر میں اس کے عرش کے نیچے ہونے کا ذکر حدیث میں آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ غروب کے وقت بھی سورج عرش معلیٰ کے نیچے ہی رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں سجدہ کرتا ہے دوسرا مطلب آفتاب کے دورہ کا یہ ہے کہ قیامت تک مشرق سے نکلنے اور مغرب میں غروب ہونے کا دورہ جو اللہ تعالیٰ نے اس کے پیچھے لگا دیا ہے وہی اس کا درہے قیامت کے دن اس کی حرکت جاتی رہے گی اس مطلب کی تائید اس طرح کی صحیح حدیثوں سے نہیں ہوتی جس طرح پہلے مطلب کی تائید صحیح حدیثوں سے ہوتی ہے اس لئے آیت کی وہی تفسیر صحیح ہے جو اوپر بیان ہوئی غرض سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کسی شے کو ایک حال پر قیام نہیں اب سورج مشرق سے نکلتا ہے ایک دفعہ اس کو مغرب سے نکلنا پڑے گا اور اب بھی جاڑے کے موسم میں مشرق سے مغرب تک اس کو تھوڑا سا فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے جس کے سبب سے جاڑے کے موسم کا دن چھوٹا ہو جاتا ہے اور گرمی کے موسم میں بہت فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے جس کے سبب سے گرمی کے موسم کا دن بڑا ہو جاتا ہے بعض روایتوں میں یہ جو ہے کہ سورج کے مغرب کی طرف سے نکلنے کے بعد دنیا ایک سو بیس برس تک قائم رہے گی اور جب لوگ سورج کا مغرب کی طرف سے نکلنا بھول جائیں گے تو ایمان اور توبہ پھر قبول ہونے لگ جاویں گے یہ بات صحیح حدیثوں کے مخالف ہے کیوں کہ صحیح حدیثوں میں آچکا ہے کہ سورج کے مغرب سے نکلتے ہی دابۃ الارض نکل آوے گا اور مسلمان اور کافر کو الگ الگ کر دیوے گا اور سورج کے مغرب سے نکلتے ہی اسلام اور توبہ پھر قیامت تک قبول نہ ہوں گے، آخر کو فرمایا سورج کی چال کا یہ اندازا ایسے زبردست صاحب علم کا ٹھہرایا ہوا ہے کہ اس میں کبھی فرق نہیں پڑ سکتا شاہ صاحبؒ کے ترجمہ میں ہندی کا جو لفظ سادھا ہے اس سے مطلب یہی اندازہ ہے۔

۳۹،۴۰۔ خطیب نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت[1] کی ہے کہ اٹھائیس منزلیں ہیں جن کے اندر چاند ہر مہینے پر آتا ہے جب ان سب منزلوں کو چاند طے کر چکتا ہے تو پھر پرانی ٹہنی کی صورت میں اس طرح ہو جاتا ہے جس طرح اول مہینے میں تھا چاند کی اس چال سے مہینوں کا حساب سمجھا جاتا ہے اور پھر برسوں کا جس طرح کہ سورج سے رات اور دن کی پہچان ہوتی ہے۔ یہ خطیب بغدادی ابوبکر احمد بن علی ملک شام کے معتبر اور معتبر اور مشہور علما میں ہیں ان کے وقت کے علما ان کو دارقطنی ثانی کہا کرتے تھے ان کی وفات کے بعد اس وقت کے بعضے علماء نے خواب میں دیکھا کہ ان کی تصنیف کی بعض کتابیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھوا کر ان سے سنیں۔ پھر فرمایا کہ سورج کو نہیں لائق ہے کہ پکڑ لے[2] چاند کو مطلب یہ ہے کہ چاند کی چال سے سورج کی چال کم ہے اس لیے سورج چاند کو کو پکڑ نہیں سکتا اور رات بھی دن سے آگے بڑھنے والی نہیں ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ دن تو آوے نہیں اور دوسری رات شروع ہو جاوے ان کے لئے یہی ایک حد اللہ نے ٹھہرا دی ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے اور رات دن تیزی کے ساتھ ایک دوسرے کی طلب میں مشغول ہے اور پیچھے

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۴۶ ج ۵۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ
اور ایک نشانی ہے ان کو کہ اٹھالی ان کی نسل اس بھری کشتی میں اور بنا دیئے ہم نے ان کو اس طرح کے

مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِلَّا رَحْمَةً
جس پر چڑھتے ہیں اور ہم چاہیں تو ان کو ڈبا دیں پھر کوئی نہ پہنچے ان کی فریاد کو اور نہ وہ خلاص کئے جاویں مگر ہم اپنی مہر سے

مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾
اور کام چلانے کو ایک وقت تک ۔

لگا آتا ہے غرض کہ رات اور دن اور سورج اور چاند سب کے سب الگ گھیرے میں آسمان اور زمین کے بیچ میں دوڑتے ہوئے پھرتے ہیں معلوم ہوا کہ ستارے خود چلتے ہیں یہ بات نہیں ہے کہ وہ آسمان میں گڑے ہوئے ہیں اور فقط آسمان چلتا ہے جیسا کہ لفظ یسبحون سے جس کے معنے پھرنے کے ہیں سمجھا جاتا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عکرمہ وغیرہ بھی یہی کہتے ہیں کہ سب دَور کرتے رہتے ہیں ایک گھیرے میں۔ صحیح مسلم میں نواسؓ بن سمعان سے روایت[1] ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دجال زمین پر چالیس دن رہے گا جن میں ایک دن ایک برس کا ہوگا اور دوسرا ایک مہینہ کا اور تیسرا ایک ہفتہ کا اور باقی کے دن معمولی ہوں گے یہ بات سن کر صحابہؓ نے پوچھا کہ برس کے دن میں کیا نمازیں اسی قدر کافی ہوں گی جو ایک دن میں کافی ہوسکتی ہیں آپ نے فرمایا نہیں حساب کرکے برس روز کی نمازیں اس دن پڑھنی چاہئیں، اس سے معلوم ہوا کہ ان بڑے تینوں دن میں راتیں بھی شامل ہوں گی اس لئے رات دن کے اندازہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے برس دن کی نمازوں کا حکم اس ایک دن کے لئے فرمایا یہ نواس بن سمعان شامی صحابہ میں ہیں اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سورج اور چاند اور رات دن کے جس انتظام کا ان آیتوں میں ذکر ہے وہ انتظام دجال کے زمانہ میں تین دن کے لئے اللہ کے حکم سے پلٹ جائیگا کل فی فلک یسبحون سے اہل ہیئت کے اس قول کا ضعیف ہونا نکلتا ہے کہ سورج آسمان میں جڑا ہوا ہے آسمان کے پھرنے سے وہ بھی پھرتا ہے خود نہیں پھرتا، عرجون کھجور کی اس ٹہنی کو کہتے ہیں جس میں چھوٹی چھوٹی پھل دار شاخیں لگی ہوتی ہیں یہ ٹہنی پرانی ہو کر زرد اور خمدار ہو جاتی ہے اور چاند بھی آخر مہینہ پر ایسا ہی ہو جاتا ہے اس لئے آخر مہینہ کے چاند کو کھجور کی پرانی ٹہنی کے مشابہ فرمایا۔

ام تا ہم حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مشحون کے معنے بوجھل کے بیان کئے ہیں اور قتادہ کا قول ہے کہ وہ کشتی نوح علیہ السلام کی ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے دریا کو بھی تمہارا تابعدار بنا دیا کہ تم اس میں اسباب کی کشتیاں لئے پھرتے ہو اگر حضرت نوح علیہ السلام کی اول کشتی نہ ہوتی تو دنیا میں کشتی کا رواج نہ ہوتا اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے وہ کشتی بنوائی جس سے کشتی کا رواج بھی پڑا اور بنی آدم کی نسل بھی آگے کو چلی ورنہ طوفان میں سب ہلاک ہو جاتے پھر فرمایا بنا دی ہم نے ان کے لئے مثل کشتی کے اور سواریاں جن پر سوار ہوتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ من مثلہ سے مراد اونٹ ہیں وہ خشکی کی کشتیاں ہیں اس پر بوجھ بھی لادتے ہیں اور سوار بھی ہوتے ہیں مجاہد نے بھی ایسا ہی کہا ہے پھر فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو ڈبو دیں ان کو جو کشتیوں میں سوار ہیں پھر کوئی ان کی فریاد کو پہنچنے والا نہیں جو ان کو اس مصیبت سے نجات دے مگر ہم اپنی

[1] مشکوٰۃ باب العلامات بین یدی الساعۃ فصل اول۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ

اور جب کہئے ان کو بچو اپنے سامنے آنے سے اور پیچھے چھوڑے سے شائد تم پر رحم ہو اور کوئی حکم نہیں

مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا

پہنچتا ان کو اپنے رب کے حکموں سے . جس کو ٹلا نہیں رہتے اور جب کہئے ان کو خرچ کرو

رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ

کچھ اللہ کا دیا کہتے ہیں منکر ایمان والوں کو ہم کیوں کھلادیں ایسے کو کہ اللہ چاہتا تو اس کو کھلاتا

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾

تم لوگ تو نرے بہک رہے ہو صریح ۔

رحمت سے دریا اور خشکی میں سفر کراتے ہیں۔ اور ایک وقت مقررہ تک تم کو ہر ایک آفت سے بچاتے ہیں۔ ذریۃ کے معنے نسل کے بھی آتے ہیں اور جن بڑے بوڑھوں سے نسل چلتی ہے ان کو بھی ذریۃ کہتے ہیں اسی واسطے مرادی ترجمہ میں پہلے معنے لئے گئے اور باقی کے دونوں[۱] ترجموں میں دوسرے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث کئی جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو ایک وقت مقررہ تک مہلت دیتا ہے جب مہلت کے زمانہ میں وہ لوگ اپنی نافرمانی سے باز نہیں آتے تو ایسے کسی عذاب میں ان کو پکڑ لیتا ہے جس سے وہ پھر بچ نہیں سکتے۔ اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مکہ کے بڑے بڑے نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں کے وعدہ کے موافق جنگل اور دریا کے سفروں میں وقت مقررہ تک ہر ایک آفت سے بچایا جب وہ لوگ اپنی نافرمانی سے باز نہ آئے تو بدر کے سفر میں ان پر ایسی آفت پہنچی کہ جس سے بچ کر پھر ان کو گھر آنا نصیب نہ ہوا چنانچہ اس کا قصہ صحیح بخاری و مسلم کی انس بن مالکؓ کی روایت سے کئی جگہ گزر چکا ہے۔

۴۵ تا ۴۷ مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ مشرکین مکہ کو جب پہلی قوموں کے حال سے ڈرنے کو کہا جاتا اور ان کی گمراہی کے آئندہ کے نتیجہ کو انہیں یاد دلایا جاتا تھا تو بجائے راہ راست پر آنے کے یہ لوگ قرآن کی ان نصیحتوں کو ٹال دیتے تھے اسی طرح جب ان لوگوں سے یہ کہا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو خوشحال جو کیا ہے اس کے شکریہ میں غریب محتاج لوگوں کے ساتھ کچھ سلوک کیا کرو تو اس کے جواب میں یہ لوگ کہتے تھے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ غریب و محتاج رکھنا چاہتا ہے ان کے ساتھ سلوک کرنے کا تقاضا نادانی سے خالی نہیں، صحیح قول یہی ہے کہ ان انتم الا فی ضلال مبین مشرکین مکہ کا قول ہے اور مطلب اس کا وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ غریب محتاجوں کے ساتھ سلوک کرنے کی نصیحت کو یہ لوگ نادانی ٹھہراتے تھے۔ ظاہر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیتوں میں واذا قیل لهم اتقوا کا کچھ جواب مشرکین کی طرف سے نہیں ہے لیکن حقیقت میں واذا قیل لهم اتقوا اور وما تاتیهم من آیۃ دونوں کے جواب کی جگہ الا کانوا عنها معرضین کو رکھ کر یہ جتلایا گیا ہے کہ مشرکین کی حالت ہی گویا اس بات کا جواب ہے کہ جب ان کو کچھ نصیحت کی سنائی یا نصیحت کی کوئی نئی آیت اترتی تو وہ اس کو ٹال دیتے تھے اور کسی بات کا جواب دیتے تو الٹا دیتے تھے مثلاً

[۱] یعنی شاہ ولی اللہ کا فارسی ترجمہ "تو م بنی آدم را" اور شاہ رفیع الدینؒ کا اردو لفظی ترجمہ "باپ ان کے کو"۔ (ع ، ح)

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾ مَا يَنظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً

کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو یہی راہ دیکھتے ہیں ایک

وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ﴿٤٩﴾ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ

چنگھاڑ کی جو ان کو پکڑے گی جب آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے پھر نہ سکیں گے کہ کچھ کہہ مریں اور نہ

أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿٥٠﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ

اپنے گھر کو پھر جاویں گے اور پھونکا جائے گا نرسنگا پھر تب ہی وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف

دنیا عالم اسباب ہیں خود تو تجارت کرتے تھے بیمار ہوتے تو علاج کرتے تھے اور مسلمانوں کو مسخر اپنے سے انہوں نے یہ جواب دیا کہ جن بھوکوں کی قسمت میں کھانا لکھا ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان کو کھانا کھلائے گا جن کو اللہ نے بھوکا رکھا ہم ان کو اپنا کھانا نہیں کھلا سکتے۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی روایت کئی جگہ گزر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم غیب کے موافق لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کتنے آدمی دوزخ میں جانے کے قابل کام کریں گے حدیث کے اس ٹکڑے کو آیتوں کی تفسیر میں دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کا ظہور ایسے لوگوں کی حالت سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے جیسے لوگوں کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔

۴۸ تا ۵۲۔ جس طرح کوئی کسی چیز کا منتظر ہوتا ہے اس طرح کافر لوگ قیامت کا حال سن کر مسخراپن اور تعجب سے یہ بات مسلمانوں سے یہ بات مسلمانوں سے کہتے تھے کہ جو کچھ تم قیامت کا حال کہتے ہو کہ مر کر پھر جینا ہوگا اور وہاں آخرت میں ہم پہ عذاب ہوگا اور تم بڑے عیش و آرام میں ہو جاؤ گے اگر یہ تمہارا بیان سچ ہے تو آخر اس کا ظہور کب ہوگا اور قیامت کی ابتدا پہلے صور سے ہوگی جس کو نفخۃ الفزع کہتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے جواب میں فرمایا کہ جب یہ لوگ ایک منتظر آدمی کی طرح قیامت کے انتظار میں ہیں تو ان کو ایک سخت آواز کا انتظار کرنا چاہئے کہ لوگ اپنے دنیا کے کاروبار میں معمول کے موافق اسی طرح مصروف ہوں گے جس طرح آج مصروف ہیں کہ یکا یک ایک آواز سخت آن کر تمام دنیا فنا ہو جائے گی صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت سے جو تفسیر اس پہلے صور کی آئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ بازار میں کپڑے کے تھان دوکاندار خریداروں کو کھول کھول دکھا رہے ہوں گے حوضوں اور نہروں کی مرمت کھیتیوں اور باغوں میں پانی پہنچانے کی غرض سے ہو رہی ہوگی اپنے جانوروں کا دودھ لوگ دوھ رہے ہوں گے کچھ لوگ کھانا کھانے بیٹھے ہوں گے اتنے میں وہ کپڑے کا تھان کھلا کا کھلا رہ جائے گا ہاتھ کا نوالہ ہاتھ میں رہے گا اور منہ کا منہ میں دودھا ہوا دودھ اور مرمت کئے ہوئے حوض اور نہریں یہ سب کچھ یوں ہی پڑا رہے گا کہ یکا یک پہلے صور کی آواز سے سب مخلوق اس طرح فنا ہو جاوے گی کہ نہ کوئی اپنے مال کی کسی کو کچھ وصیت کر سکے گا نہ گھر کے باہر گیا ہوا شخص پھر کر گھر آسکے گا اس کے بعد چالیس برس تک تمام دنیا ویران پڑی رہے گی پھر دوسرا صور پھونکا جاوے گا جس کا ذکر آگے کی آیت میں ہے کہ اس دوسرے صور کی آواز سے سب جی اٹھیں گے اور اپنے رب کے روبرو حاضر ہونے کے لئے قبروں سے نکل کر چل نکلیں گے۔ اس دوسرے صور کا نام نفخۃ البعث ہے دونوں صور کے مابین کے

لہ مشکوٰۃ باب الملاحم فصل اول

يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ

پھیل پڑیں گے کہیں گے اے خرابی ہماری کس نے اٹھا دیا ہم کو ہماری نیند کی جگہ سے یہ وہ ہے جو وعدہ دیا تھا رحمٰن نے

وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا

اور سچ کہا تھا بھیجے ہوؤں نے یہی ہوگی ایک چنگھاڑ پھر تب ہی وہ سارے ہمارے پاس

مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾

پکڑے آئے پھر آج کے دن ظلم نہ ہوگا کسی جی پر کچھ اور وہی بدلا پاؤ گے جو کرتے تھے۔

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى

تحقیق بہشت کے لوگ آج ایک دھندے میں ہیں باتیں کرتے وہ اور ان کی عورتیں سایوں میں تختوں پر

الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾ سَلٰمٌ قَوْلًا

بیٹھے ہیں تکیہ لگائے ان کو وہاں ہے میوہ اور ان کو ہے جو مانگ لیں سلام بولنا ہے

چالیس برس کے زمانہ میں عذاب قبر موقوف ہو جاوے گا اور عذاب قبر والے لوگوں کو ایک غنودگی سی آجائے گی اسی واسطے جب یہ لوگ دوسرے صور کی آواز سے جاگ اٹھیں گے تو اپنی قبروں کو اپنی خوابگاہ قرار دے کر یہ کہویں گے کہ افسوس ہم کو ہماری خواب گاہ سے کس نے اٹھا دیا دیندار لوگ جواب دیں گے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے جس وعدہ کو تم لوگ دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے آج وہ اللہ کے وعدہ کا حشر کا دن ہے حساب و کتاب کے لئے سب لوگ قبروں سے اٹھائے گئے ہیں تفسیر عبدالرحمٰن بن زید میں ہے کہ پہلے کافر لوگ یہ کہویں گے کہ ہم کو ہماری خواب گاہ سے کس نے اٹھا دیا پھر اپنی بات کا آپ ہی یہ جواب دیویں گے کہ شاید آج وہ دن ہے جس کو حشر کا دن اللہ کے رسول نے دنیا میں جتلایا تھا اور تفسیر حسن بصریؒ میں ہے کہ کافروں کی بات کا یہ جواب فرشتے دیویں گے لیکن سورہ روم میں خود اللہ تعالےٰ فرماتا ہے قال الذین اوتوا العلم والایمان لقد لبثتم فی کتاب اللہ الیٰ یوم البعث فھذا یوم البعث جس کا حاصل مطلب وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا اور آگے بھی آتا ہے کہ منکرین حشر کی اس بات کا جواب دیندار لوگ دیویں گے اس واسطے یہی قول صحیح اور قرآن شریف کے مضمون کے موافق ہے کہ کافروں کی اس بات کا جواب دیندار لوگ دیویں گے پھر فرمایا کہ دوسرے صور کی فقط ایک ہی آواز ان لوگوں کے اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر ہونے کے لئے ایسا گہرا تقاضا ہے کہ اس آواز کے ساتھ ہی یہ سب اللہ تعالیٰ کے روبرو پکڑے ہوئے آجاویں گے۔

۵۴ تا ۵۸۔ اوپر دوسرے صور کی آواز سن کر اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر ہو جانے کا ذکر تھا اب اس کے نتیجے کا ذکر فرمایا۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابو ذرؓ کی روایت سے حدیث قدسی کئی جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم اپنی ذات پاک پر حرام کر لیا ہے اسی واسطے فرمایا کہ قیامت کے دن کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا مطلب یہ ہے کہ نیکیوں کے ثواب میں کمی نہ ہوگی اور بدی کی سزا جرم کی حیثیت سے بڑھ کر نہ دی جاوے گی اب آگے جنتیوں اور دوزخیوں کا ذکر فرمایا کیوں کہ دنیا کا پیدا ہونا اور حشر کا قائم ہونا سب اسی نتیجہ کے لئے تھا۔ جنتیوں کے حال کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اور ان کی بی بیاں طرح طرح کی نعمتوں کے مشغلہ میں لگے ہوئے ہوں گے جنت کے مکانوں اور درختوں کے سایہ کی ٹھنڈک میں چھپر کھٹوں کے اندر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے اور طرح طرح کے میوے اور جس چیز کو

مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيمٍ ﴿٥٨﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٩﴾ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي
رب مہربان سے اور تم الگ ہو جاؤ آج اے گنہگارو میں نے کہہ رکھا تھا تم کو اے

آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٦٠﴾ وَأَنِ اعْبُدُونِي ۚ هَٰذَا
آدم کی اولاد کہ نہ پوجو شیطان کو وہ کھلا دشمن ہے تمہارا اور یہ کہ پوجو مجھ کو یہ راہ

صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا ۖ أَفَلَمْ تَكُونُوا
ہے سیدھی اور وہ بہکا لے گیا تم میں سے بہت خلق کو پھر کیا تم کو

تَعْقِلُونَ ﴿٦٢﴾ هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٦٣﴾ اصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا
بوجھ نہ تھی یہ دوزخ ہے جس کا تم کو وعدہ تھا جاؤ پیٹھو اس میں آج کے دن بدلا

كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٦٤﴾ الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ
اپنے کفر کا آج ہم مہر کر دیں گے ان کے منہ پر اور بولیں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور بتائیں گے

ان کا جی چاہے گا وہ سب کچھ وہاں موجود ہو جاوے گا اللہ تعالیٰ کا سلام ان کو پہنچے گا جنتی جب جنت میں جانے لگیں گے تو دوزخیوں کو حکم ہوگا کہ تمہاری ٹکڑی الگ ہو جاوے اور پھر ان کو یوں قائل کیا جائے گا کہ کیا رسولوں کی زبانی تم کو شیطان کی فرمانبرداری سے منع نہیں کیا گیا تھا اس پر بھی ایک بڑی جماعت ناسمجھی سے شیطان کے بہکا دے میں آگئی تو ایسے لوگوں کا ٹھکانہ آج کے دن دوزخ ہے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت سے حدیث قدسی کئی جگہ گزر چکی ہے کہ جنتیوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت میں جو نعمتیں پیدا کی ہیں وہ دنیا میں نہ کسی نے آنکھوں سے دیکھیں نہ کانوں سے سنی نہ کسی کے دل پر ان کا خیال گزر سکتا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں انس بن مالکؓ سے اور بخاری ترمذی اور مستدرک حاکم میں ابودرداء اور ابوذرؓ سے جو روایتیں ہیں ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا دوزخ کے عذاب کا جو حال مجھ کو معلوم ہے اگر وہ میں پورا بیان کر دوں تو لوگ ہنسنا چھوڑ کر ہمیشہ روتے رہیں اور گھر بار چھوڑ کر جنگل کو نکل جائیں۔ ان حدیثوں کو آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب قرار پایا کہ اہل جنت کی نعمتوں اور اہل دوزخ کے عذابوں کی پوری تفسیر علمائے امت کی طاقت سے باہر ہے۔ سلام قولا من رب رحیم کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول یہی ہے کہ اہل جنت سے اللہ تعالیٰ سلام علیکم فرمائے گا ابن ماجہ بیہقی وغیرہ میں جابر بن عبداللہؓ کی ایک روایت[1] بھی اس مضمون کی ہے جس سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس قول کی پوری تائید ہوتی ہے اگرچہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی فضل بن عیسیٰ رقاشی ضعیف ہے لیکن یہ حدیث چند طریقوں سے آئی ہے اس لیے بیہقی نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ یہ حدیث معتبر ہے۔

۶۵۔ صحیح مسلم ترمذی نسائی مسند امام احمد مسند بزار تفسیر ابن جریر تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں جو چند روایتیں[2] اس آیت کی تفسیر میں حضرت انسؓ وغیرہ کی روایت سے آئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جس حالت کا ذکر اس آیت میں ہے وہ قیامت کے دن لوگوں کا حساب جس وقت ہوگا اس وقت کی حالت کا ذکر ہے جب نیک و بد سب طرح کے لوگ اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہوں گے تو بعضے

[1] الترغیب والترہیب ص ۵۵۳ ج ۴۔ [2] تفسیر الدر المنثور ص ۲۶۶ ج ۵ و فتح البیان ص ۵۸ ج ۸ والترغیب والترہیب ص ۳۶۴۔۳۶۵ ج ۴

اَرۡجُلُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۶۵﴾

ان کے پاؤں جو کچھ وہ کماتے تھے

نیک گناہ گار لوگ ایسے ہوں گے کہ اپنے نامہ اعمال کو دیکھ کر جس قدر گناہ اس میں لکھے ہوں گے ان کا اقرار کریں گے ان کے اقرار پر اللہ تعالیٰ کو رحم آئے گا اس لئے اللہ تعالیٰ ان کے سب گناہ بخش دے گا اور بعضے کافر اور منافق ایسے ہوں گے کہ اپنے گناہوں کا انکار کریں گے اور کہیں گے کہ یا اللہ تیرے فرشتوں نے ہمارے نامہ اعمال میں وہ برے کام لکھ دئے ہیں جو ہم نے ہرگز دنیا میں نہیں کئے اور بعضے یہ بھی کہویں گے کہ یا اللہ کیا آج کے دن تجھ کو انصاف درکار نہیں ہے اللہ تعالیٰ فرماوے گا کہ ہاں مجھ کو ضرور آج کے دن انصاف درکار ہے اس پر وہ لوگ کہویں گے کہ آج کے دن ہم ایسا گواہ چاہتے ہیں کہ جس پر ہمارا بھروسہ ہو اس پر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے منہ پر اپنی قدرت سے خاموشی کی مہر لگا دیوے گا جس سے ان کی زبان بالکل بند ہو جاوے گی اور ان کے ہاتھ پیروں کو گویائی دیوے گا ان کے ہاتھ پیر ان کے سب گناہوں کا حال اس طرح بیان کردیویں گے کہ جب ہاتھ گناہوں کا حال بیان کرے گا تو پیر اس کے بیان کے سچے ہونے کی گواہی دیوے گا اور جب پیر گناہوں کا حال بیان کرے گا تو ہاتھ گواہی دیوے گا اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے آیت میں باتیں کرنا اور گواہی دینا دو لفظ فرمائے ہیں جب یہ ہو چکے گا تو وہ کافر اور منافق لوگ اپنے ہاتھ پیروں پر خفا ہوں گے کہ تم نے ہمارے مخالف گواہی کیوں دی ہاتھ پیر جواب دیں گے کہ ہم نے جو کچھ کیا اللہ کے حکم سے کیا تفسیر کرخی میں ہے کہ جس اللہ نے گوشت کے ایک ٹکڑے زبان کو دنیا میں گویائی دی ہے اس کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ وہ ہاتھ پیروں کو گویائی دیدے کیوں کہ انسان کی زبان کا گوشت اور اور سب گوشت یکساں ہے تفسیر مقاتل میں ہے کہ جب یہ کافر اور منافق لوگ سچی بات کے کہنے سے زبان کو بند کریں گے تو اللہ تعالیٰ خود ان کے ہاتھ پیروں سے ان کو قائل کرادے گا مسند امام احمد مستدرک حاکم نسائی بیہقی تفسیر عبد الرزاق اور تفسیر ابن ابی حاتم میں معاویہؓ بن حیدہ سے روایت[1] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شام کی سرزمین پر مخلوقات کا حشر ہو گا سوار پیدل اور منہ کے بل تین طرح کے لوگ قبروں سے میدان حشر تک جائیں گے اور اپنے برے اعمالوں سے جب لوگ منکر ہوں گے تو سب سے پہلے ہتھیلی اور ران کو قوت گویائی دی جائے گی اور زبان بند کردی جاوے گی حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا[2] ہے اس آیت میں تو اللہ تعالیٰ نے فقط ہاتھ اور پاؤں کو گویائی دے جانے کا ذکر فرمایا ہے اور حٰمٓ السجدہ میں آگے ذکر آئے گا وہاں کان آنکھ اور سارے جسم کا ذکر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن اعضاء سے آدمی دنیا میں برا کام کرے گا وہ سب قیامت کے دن گواہی دیں گے امام فخر الدین رازی نے حٰمٓ السجدہ کی تفسیر میں کان آنکھ اور جلد کا ذکر کر کے یہ بات ثابت کی ہے کہ اور باقی کے سب اعضاء اس ذکر میں داخل ہیں صحیح مسلم اور نسائی کی روایت[3] میں یہ بھی ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کی ہنسی کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ جس طرح خدا تعالیٰ سے جھگڑیں گے وہ ذکر یاد کر کے مجھ کو ہنسی آئی ہے پھر آپ نے لوگوں کے گناہوں سے انکار کرنے اور منہ پر مہر لگنے اور ہاتھ پاؤں کی گواہی دینے کا ذکر فرمایا قتادہ کا قول ہے کہ منہ پر سکوت کی مہر لگ جانے سے پہلے یہ لوگ طرح طرح کی حجتیں کریں گے جب ان کے منہ پر سکوت کی مہر لگ

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۲۶۳ ج ۵ [2] تفسیر الدر المنثور ایضاً [3] تفسیر الدر المنثور ص ۲۶۷ ج ۵

وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾ وَلَوْ نَشَآءُ

اور اگر ہم چاہیں مٹا دیں ان کی آنکھیں پھر دوڑیں راہ لینے کو پھر کہاں سے سوجھے اور اگر ہم چاہیں

لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ

صورت بدل دیں ان کی جہاں کی تہاں پھر نہ سکیں آگے چلنا نہ وہ ان پھر یں اور جس کو ہم بوڑھا

نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ ۚ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِىْ لَهٗ ۚ اِنْ

کریں اوندھا کریں خلقت میں پھر کیا بوجھ نہیں رکھتے اور ہم نے نہیں سکھایا اس کو شعر کہنا اور یہ اس کے لائق نہیں یہ تو

هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى

نری سمجھوتی ہے اور یہ قرآن ہے صاف تا ڈر سنا دے اس کو جس میں جان ہو اور ثابت ہو بات

جائے گی تو پھر زبان کے کھل جانے کے بعد بھی ان کو کوئی موقع ہاتھ پیروں کی گواہی کے جھٹلانے کا باقی نہ رہے گا قرآن شریف اور صحیح حدیثوں میں یہ جو ہے کہ دوزخی دوزخ میں طرح طرح سے فریاد کریں گے اس سے قتادہ کے قول کے پوری تائید ہوتی ہے کیوں کہ اس قسم کی آیتوں اور حدیثوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ میں جانے سے پہلے ان لوگوں کی زبان کھل جائے گی۔

۶۶ تا ۶۸۔ اوپر ذکر تھا کہ قیامت کے دن ہاتھ پیر گواہی دیویں گے اس کے سمجھانے کے لئے فرمایا کہ دنیا میں جب کہ اللہ اس پہ قادر ہے کہ جس کو چاہے اندھا کر دے اور جس کی صورت کو بدلنا چاہے تو بدل دیوے مثلاً جس طرح آدمی کا بدن بگڑ کر یا اندھا ہو کر اس کی صورت بگڑ جاتی ہے تو وہ اس پہ بھی قادر ہے کہ قیامت کے دن زبان کو گونگا کر دیوے اور زبان کا کام ہاتھ پیروں سے لیوے پھر فرمایا کہ ان کے اعضاء جس قدر اور جس طرح ہر وقت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں کیا اس کا حال یہ لوگ اپنے بچہ پنے جوانی اور بوڑھاپے کی حالت سے نہیں سمجھ سکتے کہ جوانی سے پہلے ان کی کمزوری کا کیا حال تھا جوانی میں وہ کمزوری کیسی قوت سے بدل گئی اور بوڑھاپا آتے ہی پھر وہی کمزوری کیوں کر پلٹ کر آگئی معتبر سند سے مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جوانی ایسی چیز ہے کہ بوڑھاپے سے پہلے آدمی کو اس کی قدر کرنی چاہئے۔[1] اس حدیث کو ان آیتوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ بوڑھاپے میں آدمی کے اعضاء ایسے کمزور ہو جاتے ہیں کہ اس سے کچھ ہو نہیں سکتا اس لئے بوڑھاپے کے آنے سے پہلے آدمی کو چاہئے کہ جوانی کی قدر کر لیوے حاصل کلام یہ ہے کہ آیتوں میں بڑھاپے کے سبب سے انسان کے اعضاء کی کمزوری کا جو ذکر ہے جس کمزوری سے نیک عملوں میں کوتاہی ہو جاتی ہے اس کوتاہی کا علاج سکھانے میں یہ حدیث گویا ان آیتوں کی تفسیر ہے۔

۶۹ تا ۷۰۔ اوپر ذکر تھا کہ قیامت کے دن جو گناہ گار اپنے گناہوں سے انکار کریں گے ان کی زبان بند کی جا کر ان کے ہاتھ پیروں سے گناہوں کا اقرار کرایا جائے گا اسی مناسبت سے فرمایا کہ جو لوگ سرکشی سے یہ زبان درازی کرتے ہیں کہ قرآن کو شعر اور اللہ کے رسول کو شاعر کہتے ہیں جب ان کی زبان بند کی جا کر ان کے ہاتھ پیروں سے ان کے اس زبان درازی کا اقرار کرایا جائے گا تو اس وقت ان کو اس جھوٹ کی حقیقت کھل جائے گی کہ اللہ کے رسول کو یہ جھوٹے لوگ شاعر کہتے ہیں حالاں کہ اللہ کے رسول ان میں چھوٹے سے بڑے ہوئے ان لوگوں کو خوب معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو شعر کہنے کی عادت سے ہمیشہ بچایا کیوں کہ اللہ کے رسولوں کو شاعری زیبا نہیں ہے پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے تو جو چیز رسول کو سکھائی ہے وہ قرآن ہے جس میں عقبیٰ کی بہبودی کی صاف صاف نصیحت ہے تاکہ جو لوگ علم الٰہی میں دوزخ کے

[1] الترغیب والترہیب ص ۱۵۲ ج ۴

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا

منکروں پر کیا اور نہیں دیکھتے وہ کہ ہم نے بنا دیئے ان کو اپنے ہاتھوں بنائے سے چوپائے پھر وہ ان کے

مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ

مالک ہیں اور عاجز کر دیا ان کو ان کے آگے پھر ان میں کوئی ہے ان کی سواری اور کسی کو کھاتے ہیں اور ان کو ان میں فائدے ہیں

وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ

اور پینے کے گھاٹ پھر کیوں شکر نہیں کرتے اور پکڑے ہیں اللہ کے سوائے اور حاکم کہ شاید ان کو

يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَا

مدد پہنچے نہ سکیں گے ان کی مدد کرنی اور یہ ان کی فوج ہو کر پکڑے آویں گے اب تو

يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾

غم نہ کھا ان کی بات سے ہم جانتے ہیں جو چھپاتے ہیں اور جو کھولتے ہیں۔

قابل نہیں ٹھہرے اور ازلی کفر کے زنگ سے ان کا دل مردہ نہیں ہوا ان کو عذاب آخرت سے ڈرایا جائے صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی روایت ایک جگہ گزر چکی ہے کہ دنیا کے پیدا ہونے سے پہلے اپنے علم غیب کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کتنے آدمی جنت میں جانے کے قابل کام کریں گے اور کتنے دوزخ میں جانے کے قابل۔ اس حدیث سے من کان حیا و یحق القول علی الکافرین کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق جنت میں جانے کے قابل ٹھہر چکے ہیں وہ اس حساب سے زندہ دل ہیں کہ ان کے دل میں قرآن کی نصیحت سے راہ راست پر آنے کی صلاحیت باقی ہے اس لئے تمام عمر میں کبھی نہ کبھی ان کے دل پر قرآن کی نصیحت اثر کرے گی اور وہ راہ راست پر آجاویں گے ہاں علم الٰہی کے موافق جن کا انجام دوزخ ٹھہر چکا ہے وہ مرتے دم تک جس حال پر ہیں اسی حال پر رہیں گے اب آگے اللہ تعالیٰ نے اپنی بے گنتی نعمتوں میں سے مثال کے طور پر سواری کے گوشت کھانے اور دودھ پینے اور بالوں اور کھالوں کے کپڑے بنانے کے چوپائے کے پیدا کرنے کی نعمت کا ذکر فرما کر یہ فرمایا کہ ان لوگوں پر اللہ کے احسانات کا تو یہ حال اور ان کی ناشکری کا یہ حال کہ اللہ کی نعمتوں کو کام میں لا کر پتھر کی مورتوں کو اپنا معبود ٹھہراتے ہیں اور اس غلط امید کے بھروسہ پر ان پتھر کی مورتوں کو اپنی فوج بنا رکھا ہے کہ جس طرح فوج والے شخص کو فوج سے مدد پہنچتی ہے اسی طرح جن کی یہ مورتیں ہیں وہ مدد کے وقت ان کی کچھ مدد کریں گے حالانکہ خلاف مرضی الٰہی کے اللہ کے کارخانوں میں کسی کو کسی طرح کی مدد کا کچھ اختیار نہیں چنانچہ دنیا میں تو مکہ کے قحط کے وقت ان لوگوں نے اس بات کو خوب آزما لیا کہ قحط کو رفع کر دینے میں ان کے بتوں نے ان کی کچھ مدد نہیں کی آخرت میں ان کے جھوٹے معبود جس طرح ان لوگوں سے اپنی بیزاری ظاہر کریں گے وہ حال بھی ان کو قیامت کے دن معلوم ہو جائے گا اوپر کی مثال کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی یہ تسکین فرمائی کہ اے رسول اللہ کے حبیب اللہ کے ساتھ ان لوگوں کا یہ حال ہے جو اس مثال میں بیان کیا گیا تو تم کو یہ لوگ شاعر کہیں تو اس کا تم کچھ خیال نہ کرو ان کی زبانی بدگوئی ان کے ہاتھ پیروں کے برے کام ان کے دلوں کے برے خیال اللہ کو سب معلوم ہیں وقت مقررہ پر اس

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۷﴾ وَضَرَبَ

کیا دیکھا نہیں آدمی نے کہ ہم نے اس کو بنایا ایک بوند سے پھر تبھی وہ ہو گیا جھگڑتا بولتا اور بٹھاتا ہے

سب کا بدلہ ان کی آنکھوں کے سامنے آجاوے گا۔ اللہ سچا ہے اللہ کا وعدہ سچا ہے بدر کی لڑائی کے وقت اسی وعدہ کا جو ظہور ہوا صحیح بخاری و مسلم کی انس بن مالکؓ کی روایت کے حوالہ سے اس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے کہ اللہ کے رسول کے بڑے بڑے مخالف اس لڑائی میں بڑی ذلت سے مارے گئے اور مرتے ہی آخرت کے عذاب میں گرفتار ہو گئے جس عذاب کے جھٹلانے کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ اب تو تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو سچا پالیا۔

۷۷ تا ۷۹ مستدرک حاکم اور تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت[1] سے جس روایت کو حاکم نے صحیح قرار دیا ہے[2] جو شان نزول اس آیت کی بیان کی گئی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص مشرک عاص بن وائل ایک روز ایک بوسیدہ ہڈی کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس ہڈی کو مل کر اس کی خاک ہوا میں اڑانے اور یہ کہنے لگا اسی کو خدا پھر پیدا کرے گا آپ نے فرمایا ہاں یہی حالت تیری ہو جانے کے بعد اللہ تجھ کو پھر پیدا کرے گا اور پھر تجھ کو دوزخ میں دھکیل دے گا اسی پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی دوسری روایت تفسیر ابن ابی حاتم میں اور تفسیر سدی میں مجاہد اور عکرمہ وغیرہ سے جو ہے اس میں بجائے عاص بن وائل کے ابی بن خلف کا نام ہے لیکن حاکم نے پہلی روایت کی صحت بیان کی ہے اس لئے وہی روایت قوی معلوم ہوتی ہے اور تفسیر ابن جریر میں عبداللہ بن ابی کا نام جو لیا ہے اس پر حافظ عماد الدین ابن کثیر نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس مکی سورت میں عبداللہ بن ابی مدینہ کے منافق کا ذکر کیوں کر ہو سکتا ہے اس اعتراض کے بعد حافظ ابن کثیر نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ خواہ کوئی بھی مشرک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا ہو لیکن آیت کل حشر کے منکروں کے حق میں عام ہے۔ حشر کے منکر لوگوں کی بڑی غلطی سے ہے کہ وہ لوگ اللہ کی قدرت کو انسانی قدرت اور طاقت پر قیاس کرتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ حشر کی باتیں باتیں جس طرح قدرت انسانی سے باہر ہیں اسی طرح قدرت الٰہی سے بھی وہ باتیں باہر ہوں گی اس غلط قیاس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ پانی جیسی پتلی اور بے جان چیز منی سے اللہ تعالیٰ نے آدمی کو پیدا کر دیا کیا یہ آدمی کی قدرت سے باہر نہیں ہے پھر جب اللہ تعالیٰ نے منی سے آدمی کو پیدا کر دیا تو یہ لوگ قدرت انسانی پر اللہ کی قدرت کا غلط قیاس کیوں کرتے ہیں کیا اللہ کی قدرت یاد کرنے کے لیے اپنی پیدائش ان لوگوں کو یاد نہیں اگرچہ لاکھ ہا کروڑ ہا چیزیں اللہ کی قدرت سے پیدا ہو کر ایسے دنیا میں موجود ہیں جو قدرت انسانی سے بالکل باہر ہیں لیکن انسان ان سب کو چھوڑ کر اگر فقط اپنی ہی پیدائش پر غور کرے تو اس کو یقین ہو جاوے گا کہ اللہ کی قدرت کا قیاس انسانی قدرت پر کرنا بالکل غلط ہے اسی آیت کی تفسیر اور اسی غلط قیاس کی غلطی ثابت کرنے کی صراحت میں ناقابل اعتراض سند سے ابن ماجہ اور مسند امام احمد میں جو روایتیں[3] ہیں ان روایتوں کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز اپنی ہتھیلی پر تھوکا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس طرح کی پتلی چیز سے آدمی پیدا کیا گیا ہے اور باوجود اپنی پیدائش کے

---

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۸۱ ج ۳ [2] الدر المنثور ص ۲۶۹ ج ۵ [3] تفسیر ابن کثیر ایضاً۔

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ يُحْيِيْهَا

اور ہم پر کہاوت اور بھول گیا اپنی پیدائش کہنے لگا کون جلائے گا ہڈیاں جب کھوکھری ہو گئیں تو کہہ ان کو جلا دے گا

آنکھوں کے سامنے ہونے کے پھر آدمی خاک سے دوسری دفعہ پیدا کرنے کو اللہ کی قدرت سے باہر گنتا ہے صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی بڑی روایت ہے اس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انسان نے مجھ کو جھٹلایا اور اس کو یہ مناسب نہیں تھا کہ وہ مجھ کو جھٹلاتا ہے اور اس کا جھٹلانا یہ ہے کہ ایک دفعہ میں نے انسان کو پیدا کر دیا پھر وہ دوسری دفعہ پیدا کرنے سے انکار کرتا ہے اور مجھ کو جھٹلاتا ہے یہ نہیں جانتا کہ جیسا پہلی دفعہ اس کا پیدا کرنا ہے ویسا ہی دوسری دفعہ کا ہے۔ جس طرح عاص بن وائل اور اس کے ساتھی مشرکین مکہ نے جسمانی حشر کو خلاف عقل کہا ہے یہی خیال یونانی فلسفی لوگوں کا ہے اگرچہ فلسفہ یونانی کی کتابیں خلفائے عباسیہ کی فرمائش سے عربی زبان میں ترجمہ کی گئی ہیں اس سے پہلے کتابی طور پر عرب کے لوگ علم فلسفہ سے ناآشنا تھے لیکن مشرکین مکہ پارسیوں سے ملتے جلتے رہتے تھے اسی میل جول میں انہوں نے پارسیوں سے جسمانی حشر کا انکار سیکھا ہے سورۃ الانفال میں نضر بن حارث کا قصہ گزر چکا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین مکہ اور پارسیوں کا میل جول تھا اور یونانیوں کی طرح پارسیوں میں بھی علم فلسفہ کا بڑا زور تھا چنانچہ بعض تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ جب سکندر رومی نے پارسیوں کے بادشاہ دارا پر غلبہ پایا تو اس وقت سکندر دارا کے کتب خانہ میں سے علم فلسفہ کی بہت سی کتابیں یونان لایا۔ یہ سکندر وہ ذوالقرنین سکندر نہیں ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے کیوں کہ سکندر ذوالقرنین کا زمانہ اور ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ ایک تھا۔ یہ دوسرا سکندر رومی عیسیٰ علیہ السلام سے تین سو برس کے قریب پہلے تھا حضرت عیسیٰؑ کے بعد جب یونانی لوگ بت پرستی چھوڑ کر عیسائی ہو گئے پھر رفتہ رفتہ عیسائیوں میں بھی علم فلسفہ آگیا۔ اس دوسرے سکندر کا وزیر ارسطا لیس تھا۔ ارسطالیس کے علم فلسفہ کی کتابوں کو ارسطو نے ترتیب وار کیا اس لئے ارسطو کو معلم اول کہتے ہیں اس کے بعد مامون رشید نے علم فلسفہ کی کتابیں یونان سے منگوائیں اور چند شخصوں سے ان کا ترجمہ زبان عربی میں کرایا لیکن ان ترجموں میں اختلاف تھا اسی واسطے ۳۴۹ھ میں خراسان کے امیر منصور بن نوح سامانی نے ابونصر فارابی سے فرمائش کر کے ان ترجموں کو درست کرایا اسی سبب سے فارابی کو معلم ثانی کہتے ہیں۔ فارابی کی تالیفات مسودہ کی حالت میں رہیں پھیلی نہیں اس کے بعد محمود غزنوی کے بیٹے امیر مسعود بن محمود کی فرمائش سے ۴۲۸ھ میں امیر مسعود کے وزیر شیخ ابوعلی سینا نے فارابی کے مسودہ سے مدد لے کر شفا، اشارات، عیون الحکمۃ وغیرہ کتابیں تالیف کیں جن کی باتیں اب تک پڑھائی جاتی ہیں۔ شیخ نے اپنی کتاب اشارات کے آخر میں لکھ دیا ہے کہ یہ فلسفہ کی کتابیں اسلامی نہیں ہیں بلکہ یونانی کتابوں کا ترجمہ ہے یہ تو ظاہر ہے کہ علم فلسفہ کا معلم اول ارسطو بت پرست تھا اسی کی تالیف کی بنا پر فارابی اور شیخ کی تالیفات ہیں اسی واسطے جس طرح اوپر گزرا شیخ نے اپنی کتاب اشارات کے آخر میں لکھ دیا ہے کہ فلسفہ کی کتابیں اسلامی نہیں ہیں بلکہ یونانی کتابوں کا ترجمہ ہے نتیجہ یہ ہوا کہ شیخ کے معتقدوں میں سے جو لوگ شریعت کے مسائل کو کلام شیخ کا تابع کرنا چاہتے ہیں وہ گویا شرع کی باتوں کو بت پرستوں کی باتوں کے تابع کرتے ہیں۔ فلسفہ کے معنے عقلی حکمت کی محبت پیدا کرنے والی باتیں ہیں عقلی حکمت میں منطق، طبعیات، ہندسہ، ہیئت چند علم ہیں جن کی تفصیلی کے بیان کی ضرورت نہیں لیکن اس عقلی حکمت میں ایک

الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُ ۙ﴿۷۹﴾

جس نے بنایا ان کو پہلی بار اور وہ سب بنانا جانتا ہے۔

باب الٰہیات کا ہے جس میں یہ فلسفی لوگ اللہ کے صفات، حشر، جنت دوزخ وغیرہ ایسی شرعی باتوں میں عقلی بحث کرتے ہیں حالاں کہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں کی ہیں جو بذریعہ وحی کے انبیاء کو بتائی گئی ہیں محض عقل سے صحیح طور پر ان کو کوئی نہیں جان سکتا اس واسطے علمائے اسلام نے الٰہیات میں ارسطو کی بہت سی غلطیاں ثابت کی ہیں۔ اگرچہ علم فلسفہ کی کچھ کتابیں خالد بن یزید بن معاویہ کے زمانہ میں بھی یونان سے آئی ہیں جن کا ترجمہ عبداللہ بن مقفع وغیرہ نے عربی میں کیا ہے لیکن خالد بن یزید کا شمار خلفائے بنی امیہ میں نہیں ہے اس لیے مشہور یہی بات ہے کہ خلفائے عباسیہ میں سے مامون رشید کے زمانہ میں علم فلسفہ کی کتابوں کا ترجمہ عربی میں کیا گیا حاصل کلام یہ ہے کہ حافظ ابن کثیر کے قول کے موافق دہریہ مشرکین مکہ پارسی یونانی ان سب جسمانی حشر کے منکروں کے حق میں آیت عام ہے اور حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ ایک بوند پانی سے جس صاحب قدرت نے ان جسمانی حشر کے منکروں کو پیدا کر دیا جس کا یہ لوگ کسی طرح انکار نہیں کر سکتے وہی صاحب قدرت بوسیدہ ہڈیوں کی خاک سے آدم علیہ السلام کے پتلے کی طرح ان کے پتلے بنا دے گا اور جس طرح ماں کے پیٹ میں نطفہ کے ہر ایک پتلے میں روح پھونکی جاتی ہے اسی طرح بوسیدہ ہڈیوں کے ہر ایک پتلے میں روح پھونک دی جائے گی اور اس کے بعد جب ان کی تمام عمر کی نیکیوں بدیوں کا حساب ہوگا تو اس وقت ان کا جسمانی حشر کا یہ انکار ان کو بہت آفت میں ڈالے گا۔ ان لوگوں کو اپنی عقل پر بڑا بھروسہ ہے ان عقل کے بندوں کو اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ جب پہلی پیدائش کے دریافت میں عقل کے پر جلتے ہیں تو دوسری پیدائش کا حال معلوم کرنے میں عقل کی بلند پروازی کیا چل سکتی ہے۔ عاص بن وائل نے یہ جو کہا تھا من یحیي العظام کو فرمایا وضرب لنا مثلاً جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کم عقل شخص اللہ کی قدرت کے آگے انسان کی قدرت کی مثال بیان کرتا ہے اور گویا یہ کہتا ہے کہ اس بوسیدہ ہڈی کو جب کوئی انسان زندگی کی حالت پر نہیں لا سکتا تو یہ کلام کیوں کر سچا ہو سکتا ہے کہ یہ بوسیدہ ہڈی پھر دوبارہ زندگی کی حالت میں آ دے گی۔ اس عقل بحث کا اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا کہ یہ کم عقل اتنی بات نہیں سمجھتا کہ کوئی انسان تو ایک بوند پانی سے بچہ کا پتلا نہیں بنا سکتا پھر انسان کی قدرت سے باہر اللہ کی جو قدرت اس کم عقل نے پہلی پیدائش میں آنکھوں سے دیکھ لی وہی قدرت الٰہی اس کو مرنے کے بعد دوسری پیدائش میں آنکھوں سے دیکھنی ہوگی۔ ترمذی ابوداؤد اور صحیح ابن حبان کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث صحیح گزر چکی ہے کہ آدم علیہ السلام کے پتلے کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام زمین کی مٹی کی اسی کی تاثیر سے بنی آدم میں کوئی گورا ہے کوئی کالا کوئی نیک مزاج کوئی بدمزاج صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ اور ابوسعید خدریؓ کی روایتیں بھی گزر چکی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہونے کے خوف سے ایک شخص نے یہ وصیت کی تھی کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی لاش کو جلا کر آدھی مٹی ہوا میں اڑا دی جائے اور آدھی دریا میں بہا دی جائے اس شخص کے مرنے کے بعد اس کی وصیت کے موافق عمل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے جنگل اور دریا کو اس کی مٹی کو حاضر کرنے کا حکم دیا اس حکم کے موافق وہ مٹی حاضر ہوگئی اور حکم الٰہی کے موافق اس مٹی کا پتلا بنا اور اس پتلے میں روح پھونکی گئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس شخص سے پوچھا کہ تو نے ایسی وصیت کیوں کی تھی اس

الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝۸۰ اَوَلَیْسَ

جس نے بنادی تم کو سبز درخت سے آگ پھر اب تم اس سے سلگاتے ہو کیا

الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰی ۚ وَهُوَ

جس نے بنائے آسمان اور زمین نہیں سکتا کہ بنادے ویسے اور کیوں نہیں اور وہ ہے

شخص نے جواب دیا یا اللہ تجھ کو خوب معلوم ہے کہ میں نے یہ کام تیرے خوف سے کیا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی مغفرت فرمائی، ان حدیثوں کو وھو بکل خلق علیم کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے پتلے کے وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے علم غیب کے موافق تمام زمین کی مٹی سے پتلا بنایا کہ اس وقت اسی طرح کے پتلے کی ضرورت تھی اور حشر کی ضرورت کے موافق ہر ایک مردہ کی مٹی کا پتلا بنے گا اور اس وصیت والے شخص کی مٹی کی طرح جنگل میں دریا میں غرض ہر ایک مردہ کی مٹی جہاں ہوں گی وہ ضرورت کے وقت حکم الٰہی سے فوراً حاضر ہو جاوے گی۔

۸۰ تا ۸۳۔ انسان کی عقل کی رسائی سے باہر یہ اور قدرت کی نشانی بیان فرمائی ہے کیوں کہ انسان کا عقلی تجربہ تو یہی ہے کہ کسی ہرے درخت کی ٹہنیوں پر آگ ڈال دی جاوے تو اس کی ٹہنیاں جل جاویں گی یہ اسی صاحب قدرت کی قدرت ہے کہ مثلاً بانس اور بعضے درختوں میں اس نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ ان درختوں کی ہری ٹہنیوں کو توڑ کر ایک ٹہنی کو دوسری ٹہنی سے رگڑا جاوے تو ان ٹہنیوں میں سے آگ نکلتی ہے جس آگ کو مسافر لوگ کام میں لاتے ہیں۔ پھر فرمایا جس صاحب قدرت نے ان منکرین حشر کے سر پر بغیر ستون کے سات آسمان کھڑے کر دئے ان کے رہنے اور بسنے کے لئے پانی پر زمین بچھا دی کیا ایک دفعہ پیدا کر کے پھر دوبارہ ان منکرین حشر کا پیدا کرنا اس صاحب قدرت کی قدرت سے باہر ہے؟ نہیں نہیں وہ بڑا خالق ہے اور اس کا علم بہت وسیع ہے اس کی قدرت کے کارخانہ میں ہر ایک چیز کے پیدا ہو جانے کے لئے فقط حکم کی دیر ہے یہ منکرین حشر اس کی شان میں جو بٹہ اس لگاتے ہیں اس سے وہ پاک اور دور ہے ہر ایک چیز اس کے حکم کے تابع ہے جنگل دریا میں جہاں کہیں ان منکرین حشر کی خاک ہو گی اس کو جمع کیا جا کر ان کو دوبارہ پیدا کیا جاوے گا اور عمر بھر کے سب نیک و بد کا ان کو حساب دینا پڑے گا ترمذی مسند بزار اور طبرانی کے حوالہ سے ابو برزہؓ اور معاذ بن جبلؓ کی صحیح روایتیں[1] اوپر گزر چکی ہیں کہ چار باتوں کی جواب دہی کے لئے ہر شخص کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے روبرو ضرور کھڑا ہونا پڑے گا۔

(۱) ساری عمر کس کام میں گزاری۔

(۲) جوانی میں کیا کرتا رہا۔

(۳) روپیہ پیسہ کیوں کر کمایا اور کہاں خرچ کیا۔

(۴) دین کی کوئی بات سیکھی تو اس پر کیا عمل کیا۔

ان روایتوں کو اور صحیح بخاری اور مسلم کے حوالہ سے ابو ہریرہؓ اور ابو سعید خدریؓ کی روایتیں جو اوپر گزری

[1] الترغیب والترہیب ص ۹۰۵ فصل فی ذکر الحساب۔ (ع ح)

الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحٰنَ

اصل بنانے والا سب جانتا　اس کا حکم یہی ہے جب چاہے کسی چیز کو کہ کہے اس کو ہو وہ ہو جاوے　سو پاک ہے

الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

وہ ذات ہے جس کے ہاتھ ہے حکومت ہر چیز کی اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے

جن میں ایک شخص کی لاش کے جلا دینے اور خاک کو ہوا میں اڑا دینے اور دریا میں بہا دینے کی وصیت کی تھی ان سب روایتوں کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر چیز اللہ کے حکم کے جو تابع ہے اس کے موافق جنگل اور دریا نے اس شخص کی خاک کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے فوراً حاضر کر دیا اور انسان کے دوبارہ پیدا ہو جانے میں فقط اللہ کے حکم کی دیر تھی اس لئے حکم ہوتے ہی وہ شخص دوبارہ زندہ ہو گیا، جن باتوں کی جواب دہی کے لئے انسان کو دوبارہ پیدا کیا جاوے گا وہ چار باتیں ہیں جن میں عمر بھر عملوں کا جب سوال ہو گا تو منکرین حشر نے اپنی عمر کا جو حصہ حشر کے انکار میں گذرا ہے وہ ان کو بہت آفت میں ڈالے گا، فقط، سورہ یٰسین ختم ہوئی۔ (وللہ الحمد)

پانچویں منزل ختم ہوئی

اِشاریہ رَوایات

(الف)

(ب)

(ج ح خ)

بسم الله الرحمن الرحيم
قل أعوذ برب الفلق من شر ما خلق ومن شر
غاسق إذا وقب ومن شر النفاثات
في العقد ومن شر حاسد إذا حسد

بسم الله الرحمن الرحيم
قل أعوذ برب الناس ملك الناس إله
الناس من شر الوسواس الخناس الذي
يوسوس في صدور الناس من الجنة والناس

وقف فی سبیل اللہ
ہدیہ منجانب
بلال گروپ آف انڈسٹریز
لاہور کراچی
۱۰-سی فیلڈ روڈ-کراچی —— ۸۸ اے مین گلبرگ - لاہور
Tel: 512529
513311
Tel: 5716134-6
Fax: 5711530